تاریخ زوالِ امت

(تاریخ میں ملت اسلام کو پیش آنے والے خونچکاں حادثات کا عبرت آگیں تذکرہ)

مصنّف

میاں محمد افضل

ملّی پبلی کیشنز، نئی دہلی۔۲۵

Marfat.com

افضل میاں محمد

297.9
ت 589 ا
108952

چوتھا اڈیشن ۲۰۱۲ء
جملہ حقوق محفوظ

ISBN 81-87856-08-4

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ تحقیق وتنقید اور علمی مقاصد کے علاوہ اس تصنیف کا جز کسی بھی شکل میں تجارت کی غرض سے نقل کرنا ممنوع ہے، خواہ یہ طریقۂ نقل سمعی ہو یا بصری یا کسی اور سائنسی طریقۂ عمل سے اسے کسی شکل میں اسے محفوظ کیا گیا ہو، الا یہ کہ مصنف کی اجازت پیشگی حاصل کر لی گئی ہو۔

نامِ کتاب : تاریخ زوال امت

مصنف : میاں محمد افضل

اشاعت سوم : ۲۰۰۵ء

قیمت : دوسو بیس روپے (Rs.220/-)

مطبع : گلوریس پرنٹرس، نئی دہلی۔۲

ناشر

ملّی پبلی کیشنز

ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

Milli Times Building, Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25
Tel:. +91-11-26945499, 26946246
Fax: +91-11-26945499
Email:millitimes@gmail.com
www.barizmedia.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

ہم ایک زوال کے عہد میں جی رہے ہیں۔ بغداد سے دہلی تک سقوط کا ایک طویل سلسلہ ہے بلکہ گذشتہ پچاس برسوں میں تو ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے اسلامیانِ ہند کی دہلی ہر لحہ بار بار سقوط کے کرب سے دوچار ہو۔ احساسِ زیاں کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں' بے بسی اور بے چارگی شدید ہوتی جا رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر لحہ ہمارے نظریاتی وجود میں سقوط کا عمل جاری ہو۔

زندہ قومیں اپنے تلخ تجربوں سے سبق حاصل کرتیں اور ایک بہتر مستقبل کی تیاری میں ان سے مدد لیتی ہیں۔ مسلمان جو کبھی خود کو احتسابِ کائنات کے لائق سمجھتے تھے اب اپنے احتساب سے گریزاں ہیں۔ خود احتسابی ایک مشکل عمل ہے لیکن اس کے بغیر آگے کی راہ ملنا مشکل ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے ایک مسرت افزا جھونکا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہمارے خوابیدہ' منجمد اور مقلد ذہنوں کو نئے انداز سے سوچنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ مصنف نے معتبر تاریخی شواہد اور مستند حوالوں کے ذریعے ہماری طویل تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ یہ کتاب جو "سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک" کے نام سے شائع ہوتے ہی دفعتاً بازار سے غائب ہو گئی تھی' اب بعض ضروری حذف و ترمیم کے ساتھ تاریخ زوالِ امت کے نام سے شائع کی جا رہی ہے۔ ہم نے اس کتاب کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے تک ہی محدود رکھا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ۱۹۲۴ء میں خلافت کی معطلی کو اپنی ملی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ گردانتے ہیں' جس کے بعد سے اب تک کرسی خلافت خالی ہے' اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وہ دراصل اسی خلیفہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے ممکن ہو سکا ہے' جس کے بغیر ڈیڑھ بلین مسلمانوں کی یہ امت دشمنوں کے لئے نوالہ تر بن گئی ہے۔

ہمارے زوال کے اسباب ہمیشہ داخلی رہے ہیں' آج بھی ہمارے اندرونی اختلافات' باہمی منافرت' مسلکی چپقلش اور فرقہ بندی نے ہمیں اندر سے کمزور کر رکھا ہے ورنہ اس گئی گزری حالت میں بھی دشمنوں میں یہ دم خم نہیں کہ وہ ہمارا براہِ راست مقابلہ کر سکیں۔ امید ہے کہ ان صفحات کے مطالعے سے ہمارے اندر ایک نئی صبح کی تعمیر کا داعیہ پیدا ہو گا۔

——— ناشر

Marfat.com

Marfat.com

”قریب ہی گمراہوں کی قوموں میں سے بعض آدمی بعض آدمیوں کو تمھارے ساتھ جنگ و جدل اور تمھاری شان و شوکت برباد کرنے کے لئے اس طرح مدعو کریں گے جیسے ایک دستر خوان پر بیٹھی ہوئی جماعت دوسروں کو کھانے پر بلاتی ہے‘اُس زمانے میں تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے‘لیکن ایسے جیسے سمندر یا دریا کے کنارے پانی کے جھاگ۔ تمھارا رعب اور ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمھارے دلوں میں ”وہن“ جنم لے گا‘یعنی دنیا کے ساتھ پیار اور موت سے بیزاری!“

(الحدیث)

Marfat.com

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا ۔۔۔ کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا
چڑھے اُس پہ پھر اک خرد مند دانا ۔۔۔ کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ ۔۔۔ کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ
وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں ۔۔۔ بہت تازہ تر صورت باغ رضواں
پھر اک باغ دیکھے گا اجڑا سراسر ۔۔۔ جہاں خاک اڑتی ہے ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر ۔۔۔ ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر

یہ آواز پیہم وہاں آرہی ہے
کہ اسلام کا باغِ ویراں یہی ہے

(حالی)

Marfat.com

ترتیب

نمبر شمار	صفحہ نمبر
۱۔ ابتدائی کلمات	13
۲۔ باب۔۱ سقوط بغداد (عذاب الٰہی کا پہلا کوڑا)	17
۳۔ قانونِ خداوندی	17
۴۔ سونا کھانے والے بادشاہ اور خدائی عذاب	20
۵۔ دجلہ خون سے سرخ	21
۶۔ حملہ تاتار کے وقت شہر بغداد	24
۷۔ سقوطِ بغداد	26
۸۔ باب۔۲ سقوطِ بغداد (۲)	38
۹۔ تڑپتی لاشوں پر دستر خوان بچھانے والے خلفاء	38
۱۰۔ شراب کے ساتھ بہتے خون کے نظارے	42
۱۱۔ دین کے خلاف فتنوں کا ظہور	46
۱۲۔ آخری عباسی خلیفہ کی شرمناک دلچسپیاں	48
۱۳۔ عذابِ الٰہی شیعہ سُنّی میں فرق نہیں کرتا	50
۱۴۔ باب۔۳ سمرقند سے عذابِ الٰہی کا ظہور	52
۱۵۔ بے حسی اور جمود کا دور	53
۱۶۔ ایک اور تاتاری طوفان	54
۱۷۔ اصفہان سے دلّی تک خون کی ندیاں	63
۱۸۔ بربریت وبدکاری کے شاہی نمونے	68
۱۹۔ جب ہندوستان میں گائے ذبح کرنا ممنوع ٹھہرا	75
۲۰۔ باب۔۴ دہلی میں تیموں کی تلوار بے نیام (تذکرہ ایک قیامت صغریٰ کا)	81
۲۱۔ دہلی میں قتل وغارت کا منظر	86
۲۲۔ ملت کے اجتماعی گناہوں کی سزا — بصورتِ تیمور	88

Marfat.com

نمبر شمار	صفحہ نمبر	نمبر شمار	صفحہ نمبر
۲۳۔ باب۔۵ سرزمین اندلس مسلمانوں پر کیسے تنگ ہوگئی؟	91	۳۹۔ باب۔۷ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ!	130
۲۴۔ اسلامی تاریخ کا ایک دردناک باب	92	۴۰۔ آپس میں لڑ مرنے والے حکمران	131
۲۵۔ طارق بن زیاد۔ایک مظلوم فاتح	95	۴۱۔ کشتی ڈوبنے سے پہلے	135
۲۶۔ اسلامی اندلس کے پانچ دور	97	۴۲۔ کہیں سے مدد نہ پہنچی	136
۲۷۔ اندلس میں اسلام کو رسوا کرنے والے مسلمان بادشاہ	98	۴۳۔ غرناطہ غروب ہوتا ہے	137
۲۸۔ دو عظیم جرنیلوں کی تذلیل	100	۴۴۔ سقوطِ غرناطہ کے بعد قیامت کبریٰ کے مناظر	141
۲۹۔ "بربریت" کے معنی	101	۴۵۔ اندلسی مسلمان کہاں چلے گئے؟	147
۳۰۔ مشرق میں ڈوبنے والے مغرب میں طلوع	103	۴۶۔ مغرب میں کاروانِ اسلام کی پسپائی۔ایک تہذیب کا اختتام	151
۳۱۔ شباب وشراب کے طلبگار خلفاء دامن اسلام پر دھبہ	105	۴۷۔ باب۸ وسط ایشیا اور قفقاز میں مسلمان روسی اژدہا کے چنگل میں	154
۳۲۔ باب۔۶ قرب عذاب کے آثار اور اندلسی حکمران	111	۴۸۔ اسلام کے خلاف صلیبی یورپ کا مشرقی محاذ	155
۳۳۔ برے کاموں کا برا انجام	112	۴۹۔ خلیفہ ولید کا ایک باغی جرنیل	156
۳۴۔ باہمی ناچاقی اور شتر مرغ جیسا رویہ	114	۵۰۔ شیطانی خیالات کا دور	159
۳۵۔ مسلمان کی قیمت شراب کے مٹکے کے برابر	117	۵۱۔ وسط ایشیا میں خود مختار حکومتوں کا آغاز	162
۳۶۔ شمع کی آخری لو۔یوسف بن تاشقین	118	۵۲۔ بخارا کے علماء خچروں کے نگہبان	165
۳۷۔ ناشکرے پن کا انجام	121	۵۳۔ بدکردار اور سفاک شیبانیوں کی کہانی	168
۳۸۔ ایک مجرم قوم کے منحوس ایام	127		

Marfat.com

نمبر شمار	صفحہ نمبر
۵۴۔ اونٹ چرانے والوں کی خرمستیاں	172
۵۵۔ قربِ قیامت کے نقیب تنگِ دیں حکمران	176
۵۶۔ روسی قدموں کی چاپ	179
۵۷۔ باب۔۹ وسطی ایشیائی مسلمان روسی چکی میں	182
۵۸۔ روس کیچوے سے اژدہے تک	182
۵۹۔ شراب اور خنزیر کا انتخاب اسلام مسترد	184
۶۰۔ مسلمان عرصۂ محشر میں سائبیریا کا انجام	187
۶۱۔ مسلم سائبیریا روسی پنجوں میں	191
۶۲۔ مزید مسلم علاقے روس کے پیٹ میں	194
۶۳۔ کوہِ قاف والوں کا حشر	197
۶۴۔ وسط ایشیا کے مرغزاروں کی طرف روسی پیش قدمی	200
۶۵۔ ویرانے پہ کیا گزری؟	208
۶۶۔ باب۔۱۰ عذاب کی سرخ قسم	216
۶۷۔ نئے زار	217
۶۸۔ اسلام سے خوفزدہ مسلمان حکمران	223
۶۹۔ سرخ جنت میں اسلام پر کیا گزری؟	224

نمبر شمار	صفحہ نمبر
۷۰۔ اسلام پر حملہ۔ سوشلسٹ سٹائل	227
۷۱۔ مسلمانوں کی نسل کشی بذریعہ قتل عام	234
۷۲۔ باب۔۱۱ ہند میں آل تیمور کا بگاڑ	239
۷۳۔ اسلام کو دیوار سے لگانے والا مسلمان بادشاہ	244
۷۴۔ ایک سیر شراب اور آدھا سیر گوشت کے عوض حکومت عورت کے سپرد	250
۷۵۔ نفسانیت اور ذہنی بے راہ روی کا عہد	254
۷۶۔ بے رحم فتنوں کا دور (ظالم اور کٹھ پتلی بادشاہ اور عیاش وزیر)	262
۷۷۔ باب۔۱۲ سلطنت مغلیہ کی ٹوٹ پھوٹ اور نادر شاہ کی شکل میں خدائی عذاب	274
۷۸۔ آمد عذاب سے پہلے پراسرار واقعات	275
۷۹۔ مغلیہ حکومت بھانڈوں اور رقاصوں کے قبضے میں	277
۸۰۔ نادر شاہی کوڑے سے پہلے	282

Marfat.com

نمبر شمار	صفحہ نمبر
۸۱۔ شامتِ اعمال ما......	284
۸۲۔ باب۔ ۱۳	303
وکانوا قوما مجرمین. المیہ ۱۸۵۷	
۸۳۔ جاہل قلندروں، یوگیوں اور بیراگیوں کا دور	306
۸۴۔ فرنگی سایہ۔ تخت دہلی سازش اور رشوت کے بھنور میں	309
۸۵۔ عذاب کا بگولہ۔ غلام قادر روہیلہ	313
۸۶۔ وظیفہ خوار بادشاہ	320
۸۷۔ رعیت کی بیٹیوں......	323
۸۸۔ "طوائف کلچر" کی بستی	326
۸۹۔ غداری، بدعت پسندی اور عوامی بے حسی کا دور	329
۹۰۔ انحطاط کی انتہا۔ آخری مغل بادشاہ	333
۹۱۔ لال قلعہ میں عورت اور غزل کا راج	336
۹۲۔ باب۔ ۱۴	339
دہلی۔ تخت گاہ سے قتل گاہ تک (ہنگامہ ۱۸۵۷-۱)	
۹۳۔ سانحہ کے ظاہری اسباب	341
۹۴۔ جب لاوا بہہ نکلا	345
۹۵۔ برصغیر کے آخری مسلمان بادشاہ کا حسرتناک انجام	353

نمبر شمار	صفحہ نمبر
۹۶۔ قصہ ۱۹۵۷ء کے قوم فروشوں کا	356
۹۷۔ ہے کتنا بدنصیب ظفر!	364
۹۸۔ باب۔ ۱۵ ہنگامہ ۱۸۵۷-۱۱ (آگ اور خون کی داستان)	368
۹۹۔ جب ہڈسن نے شہزادوں کا خون پیا	370
۱۰۰۔ چاندنی چوک میں سولیاں	372
۱۰۱۔ خونِ مسلم کی ارزانی	376
۱۰۲۔ پھانسیوں کا منظر	380
۱۰۳۔ اسلامی آثار و مساجد کی بربادی کا فرنگی انداز	385
۱۰۴۔ باب۔ ۱۶	390
مسلمانوں کی آخری بڑی سلطنت (خلافت عثمانیہ) کی بربادی کی دلخراش داستان	
۱۰۵۔ عثمانی سلطنت کا عجیب وغریب آغاز	392
۱۰۶۔ قسطنطنیہ کی فتح ایک بزرگ کی دعاؤں سے	396
۱۰۷۔ دنیا کی وسیع ترین اسلامی سلطنت	397
۱۰۸۔ کمال کے بعد زوال کا آغاز	399
۱۰۹۔ آخری اسلامی خلافت کا غروب	405
۱۱۰۔ عثمانی کیوں مغضوب ہوئے	408

☆☆☆

Marfat.com

ابتدائی کلمات

یہ کتاب پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ دانستہ یا غیر دانستہ جس طرح بھی آپ کے ہاتھ اس کتاب تک پہنچے ہیں تو میری آپ سے بطور ایک مسلمان بھائی عاجزانہ التجا ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ ہاں اگر آپ اس میں کسی لذیذ کہانی یا طلسم ہوشربا قسم کی کسی داستان کی توقع رکھتے ہیں تو پھر اس کے مطالعہ سے پرہیز مصنف پر احسان ہوگا۔

اس بندہ عاجز کو تاریخ نویسی کا دعویٰ ہے نہ تاریخ دانی کا۔ ملتِ اسلامیہ کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں بعض انتہائی عبرت ناک لمحات بھی شامل ہیں۔ اس قسم کے سانحات کی تکرار سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں' ایک یہ کہ قوموں کے عروج و زوال یا بلندی و پستی یا عزت و ذلت کے بارے میں قرآن مجید میں جو قانون بیان فرمائے گئے ہیں وہ اٹل ہیں اور ان قوانین کے اطلاق میں قدرت یہود' نصاریٰ یا مسلم قوم کے درمیان کوئی امتیاز روا نہیں رکھتی۔ قانونِ قدرت سب کے لئے یکساں ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدرت ابھی تک مسلمانوں سے ناامید نہیں ہوئی ہے۔

ہر بڑا صدمہ' سقوطِ بغداد ہو یا سقوطِ اندلس' ملت اسلامیہ کو جھنجوڑنے اور خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے رونما ہوتا رہا۔ اگر قدرت اس قوم سے مایوس ہو چکی ہوتی تو یہ جھٹکے بار بار نہ لگائے جاتے۔ عضو معطل کو بحال کرنے کے لئے برقی جھٹکے اسی اصول کے

Marfat.com

تحت لگائے جاتے ہیں۔ اگر عضو خراب اور ناکارہ ہو تو پھر کاٹنا ضروری ہوتا ہے' یقیناً جڑ کاٹنے کی نوبت ابھی نہیں آئی ورنہ قرآن مجید میں قوم عاد' قوم ثمود' قوم نوح اور قوم لوط جیسی قوموں کا ذکر ملتا ہے جن کی صلاحیت اصلاح پذیری سے مایوسی کے بعد قدرت کی طرف سے ان قوموں کی جڑ ہی کاٹ دی گئی۔ تاہم اس میں اطمینان کا کوئی پہلو نہیں کہ قدرت ابھی تک ہم سے ناامید نہیں ہوئی۔ ناامید نہ ہونا اور بات ہے اطمینان ہونا کچھ اور۔ تمام قرائن و شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ربِ سمٰوات و الارض مسلمانوں سے راضی ہرگز نہیں۔ آج مسلمان دنیا میں ہر جگہ ذلت و خواری میں مبتلا ہیں۔

اس کتاب میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ تاریخ و واقعات کی معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں' کسی واقعہ کی جزئیات میں مصنف کی کوئی ذاتی خواہش شامل نہیں' سانحات کی تفصیل ہمیشہ ناخوشگوار ہوتی ہے تاہم ہمیں بحیثیت قوم تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ غیر معروضی اور غیر منطقی رویوں سے ہم پہلے ہی کافی نقصان اٹھا چکے ہیں' بطور مسلمان ہمیں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ مغرب ہمیں بنیاد پرستی کا طعنہ دیتا ہے تو دیتا رہے' موجودہ زمانے میں راہِ مستقیم پر چلنا تلوار کی دھار پر چلنے کی طرح ہے۔ حقیقت یہ نہیں کہ مسلمان اس لئے پسماندگی اور عسرت کا شکار ہیں کہ وہ آزاد خیالی کے نظریے کو مکمل طور پر اپنانے سے گریزاں ہیں' اس کے سراسر برعکس حقیقت یہ ہے کہ مسلمان گذشتہ کئی صدیوں سے فلسفہ توحید کو مکمل طور پر جزوِ ایمان نہ بنانے کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلت و نکبت میں مبتلا ہیں' خصوصاً اس قوم کے طبقہ امراء کے دل سے غیرت' حمیت اور ایمان کا نور بالکل ہی نکل چکا ہے۔ ہم نے احتساب اور عدالت کے دو الگ پیمانے مقرر کر رکھے ہیں' جس جرم پر ایک غریب کو پھانسی کی سزا ہو سکتی ہے طبقہ بالا کے لئے وہ کوئی گناہ ہی شمار نہیں ہوتا۔ اِن قومی حادثات کی شکل میں قدرت بار بار ہمیں متنبہ کرتی رہتی ہے' لیکن ہماری حالت قوم یہود کے دورِ زوال کی ہو چکی ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اُسے کوئی نہیں پوچھتا۔ احتساب ہی کسی قوم کو توانائی عطا کرتا

Marfat.com

ہے' جبکہ احتساب کا نظام ختم کر دینے والی قومیں زوال و انحطاط میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں ملت کو پیش آنے والے صدمات و حادثات میں سے ہم نے صرف انہی واقعات کو منتخب کیا ہے جن کے اثرات صدیوں تک محسوس کیے گئے یا کیے جائیں گے۔ یہ وہ دردناک حوادث ہیں جن کے لگائے ہوئے زخموں سے اب تک خون رس رہا ہے۔ اِن واقعاتِ عبرت کو غالباً پہلی بار ایک کتاب کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

ملت اسلامیہ پر نزولِ عذاب اور نفاذ تعزیر کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے بار بار دل میں یہ خیال آتا رہا کہ قارئین یقیناً یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ آخر المناک واقعات و حادثات کی مستحق صرف مسلمان قوم ہی کیوں ٹھہرتی ہے اور جو قومیں روحانیت سے بے بہرہ' مادہ پرست اور منکر توحید ہیں' (مثلاً اقوام مغرب) اُن پر یہ حادثات کیوں نازل نہیں ہوتے؟ وہ قومیں زیادہ سکون اور خوشحالی سے کیوں زندگی بسر کر رہی ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے سزا یہاں اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور دوسری دنیا میں بھی اس کے علاوہ سزا کے لئے وقت اور میعاد بھی طے ہوتی ہے۔ اقوامِ مغرب بشمول جاپان بیسویں صدی میں دو مرتبہ (پہلی اور دوسری عالمی جنگ کی شکل میں) اپنی سرکشی کی بہت بڑی سزا برداشت کر چکی ہیں۔ ان جنگوں میں اِن قوموں کے کروڑوں افراد ہلاک ہوئے اور وبائیں پھوٹیں' اب یہ قومیں شاید آخری بڑی تباہی کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ مسلمانوں کی بدقسمتی اور پسماندگی کے اسباب زیادہ تر داخلی ہیں۔ جب تک یہ اسباب ختم نہیں ہو جاتے مسلمانوں کی مغضوبیت میں کمی واقع نہیں ہو گی۔ علامہ اقبالؒ انہی سوالات کا جواب بہت پہلے "جواب شکوہ" میں دے چکے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

Marfat.com

فتنے اب بھی مسلمانوں پر نازل ہو رہے ہیں' اسلام سے دوری کی کیفیت وہی ہے' یہ تمام حوادث قدرت کی جانب سے مسلمانوں کے لئے انتباہ ہیں۔ کوئی ہے جو چشم باطن کھول کر ان حقیقی اسباب پر غور کرے' کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے' فَهَلْ مِن مُّدَّكِر۔

(میاں محمد افضل)

Marfat.com

باب - 1

سقوطِ بغداد

(عذابِ الٰہی کا پہلا کوڑا)

ذیل میں دو مسلمان مورخین کے اقتباسات دیئے جا رہے ہیں، دونوں کے درمیان سینکڑوں برس کا اگرچہ فاصلہ ہے لیکن بیانات میں کس قدر مماثلت ہے:

"خلیفہ مستعصم کے آخری دور میں یہ افواہ زوردار طریقے سے گشت کرتی رہی کہ سلطان ہلاکو کے ساتھ منگولوں کی فوج حملہ کرنے والی ہے لیکن مستعصم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، نہ اس نے کوئی ہمت دکھائی نہ کوئی خاص قدم اٹھایا' جب بھی ہلاکو کی تیاریوں کے متعلق کچھ سنا تو خلیفہ کی طرف سے غفلت ولاپرواہی کا مظاہرہ ہوا"

("الفخری"۔ محمد علی ابن طباطبا)

"نادر شاہ اور اس کی فوج کے نزدیک آجانے کے باوجود محمد شاہ (رنگیلا) اور اس کے لشکر کے کسی فرد کو اطلاع نہ ہوئی۔ ان کی آمد کی سب سے پہلے گھسیاروں کو خبر ملی جو صبح سویرے گھوڑوں کا چارہ حاصل کرنے تین چار کوس دور چلے گئے تھے اور جن پر نادر شاہی فوج کے کچھ آدمیوں نے حملہ کر دیا تھا مگر وہ کسی طرح بچ بچا کر زخموں سے چور واپس پہنچ گئے"۔ ("سیر المتاخرین"۔ غلام حسین طباطبائی)

قانون خداوندی

قانون خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا' حد سے باہر نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ قانون الٰہی یہ بھی ہے کہ دنیا میں

Marfat.com

کسی قوم یا حکمران کو ہمیشہ غلبہ حاصل نہیں ہوتا اور قوموں کے درمیان ایام میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے' قانونِ قدرت یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنے اندر تبدیلی کا خیال پیدا نہیں کرتی اس کی حالت تبدیل نہیں ہوتی۔ بہر حال یہ انقلاب برپا ہو کے رہتا ہے کیونکہ قانونِ خداوندی اٹل ہے۔ خرابی ہمیشہ اندر سے واقع ہوتی ہے اور پھر سرطان کی طرح پورے نظام کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب پھوڑا متعفن ہو جاتا ہے تو پھر نشتر اور آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے' قدرت کا کوڑا برستا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ یہ کوڑا کبھی چنگیز کی شکل میں نمودار ہوتا ہے' کبھی ہلاکو کی صورت میں' کبھی تیمور کی صورت میں' کبھی نادر شاہ کی صورت میں اور کبھی آپس میں لڑ لڑ مرنے کی صورت میں۔ قدرت کی طرف سے یہ عذاب اس وقت نازل ہوتے ہیں جب اصلاح کا جذبہ اجتماعی طور پر ختم ہو جائے یا اصلاح کی طرف متوجہ کرنے والے مٹھی بھر عناصر کی بات نہ سنی جائے بلکہ ان کی تذلیل کی جائے۔ قدرت جلدی کسی قوم سے ناامید نہیں ہوتی' انتظار کرتی ہے۔ آخری اور کاری ضرب اس وقت لگائی جاتی ہے جب خیر کا عنصر قومی جسد سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں بنی اسرائیل کی ریچھ اور بندر وغیرہ بننے کی مثالیں پیش نہیں کریں گے جنہوں نے احکام سبت کی بار بار حیلہ و مکر کے ذریعے خلاف ورزی کی تھی (اگرچہ یہ سزا بھی بار بار حد سے نکلنے پر دی گئی تھی) ہم اپنی تاریخ سے عبرت کی بعض مثالیں پیش کریں گے۔ ان مثالوں سے جو سبق حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں اور قوموں پر ہمیشہ اس وقت زور سے خدائی قہر کا کوڑا برسایا گیا جب ان کے اندر گمراہ کن عقیدے اور بے دینی کے خیالات بہت زیادہ زور پکڑ رہے تھے اور حکمرانوں کو محض ذاتی عشرتوں سے سروکار تھا' عدل و انصاف کے بجائے فسق و فجور کا سکہ رائج ہو گیا تھا۔ کیا آج کل ایسی صورت حال نہیں ہے؟ یقیناً ہے! مسلمانوں کی موجودہ حالت کے بارے میں علامہ مشرقی اپنی شہرہ آفاق مفکرانہ تصنیف "تذکرہ" میں رقمطراز ہیں:

Marfat.com

"مسلمانوں کا (اسلام کی) ایک اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا اس لئے جلد مٹ رہے ہیں' آج ان کے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد نہ طاعت' نہ قابل ذکر امیر' نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال۔ نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ ایمان بالاخرت ہے نہ مکارم اخلاق' خوفِ عذاب ہے نہ طمعِ ثواب' نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان"۔ (علامہ مشرقی)

جب یہ کیفیت ہو تو پھر یہ شکوہ بے بنیاد ہے کہ: "برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر"

قانونِ قدرت سب قوموں کے لئے ایک جیسا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کی طرح کچھ مسلمان ابھی تک خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ قوم ہیں اور کارگاہ حیات میں ان کے ساتھ خصوصی سلوک کیا جائے گا' ایسا نہیں ہوتا۔ پچھلے ڈیڑھ ہزار سال کی لمبی تاریخ گواہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا' مسلمانوں کے ساتھ کوئی خصوصی برتاؤ محض مسلمان کہلانے پر نہیں کیا گیا۔ اگر مسلمان بے غیرتی اور بے حمیتی میں مجوسیوں کے برابر ہو جائیں تو وہ کیسے خدا کی "پسندیدہ" قوم ہونے کا نعرہ لگا سکتے ہیں؟ چنگیز خان کے ایک پوتے اور فاتح چین وایشیا' قبلائی خان (خاقان چین) اور ایک مسلمان عالم کے درمیان یہ مکالمہ تاریخوں میں درج ہے: "قبلائی خان کو اپنے دادا چنگیز خان کی طرح مذاہب کے مطالعہ کا شوق تھا' ایک روز وہ قران مجید کی ایسی آیات سن رہا تھا جن میں مشرکین و کفار کو قتل کرنے اور جہاد کی ترغیب دی گئی ہے' قبلائی خان نے قرآن پڑھ کر سنانے والے عالم سے پوچھا' اگر مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے تو وہ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ عالم نے جواب دیا' موجودہ حالت میں ہم بے بس ہیں' اس لئے ان احکام پر عمل نہیں کر سکتے' جب وقت آئے گا تو کریں گے۔ قبلائی نے کہا' اچھا ہم ایسا کر سکتے ہیں' چنانچہ اس نے اپنی سلطنت میں مسلمانوں کے قتلِ عام کا حکم دے دیا' بالآخر بخارا کے ایک مسلمان صوفی نے قبلائی سے کہا کہ آپ مشرکین و کفار میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ آپ اپنے فرمان کا آغاز خدا کے نام سے کرتے ہیں' اس پر قبلائی خان نے مسلمانوں کے قتل عام کو روک دیا"۔

Marfat.com

چنگیز خان نے اپنی فتوحات کے لئے مسلمان علاقوں کا رخ کیا تو مسلمانوں نے کم ہمتی کا مظاہرہ کیا' مورخ حافظ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ بے غیرتی اور بے حمیتی کی انتہا یہ تھی کہ ایک تنہا تاتاری فوجی مسلمانوں کے بھرے پرے گاؤں میں چلا جاتا اور لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بے دریغ ذبح کرنے لگتا کوئی اس کی مزاحمت نہ کر سکتا' کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ اکیلے تاتاری کا قصہ تمام کر دے۔ جب اخلاقی زبوں حالی کی یہ کیفیت ہو پھر وہی ہونا تھا جو تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں (تاتاریوں) کے ہاتھوں مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ پندرھویں صدی میں سپانیہ میں عیسائیوں کے سامنے مسلمانون کا ہوا' اٹھارھویں صدی میں نادر شاہ کے ہاتھوں مغل حکمرانوں (محمد شاہ) کا حشر ہوا' اس سے پہلے تیمور کے سامنے مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کا ہوا۔ پچھلی صدی میں پنجاب میں سکھوں کے سامنے مسلمانوں کا حشر ہوا جبکہ انھوں نے سید احمد شہید کی تحریک جہاد میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ انیس سو اکہتر میں سقوط ڈھاکہ کے المیہ کی صورت میں پھر وہی سزا دی گئی۔ لیکن شاید مسلمانوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

سونا کھانے والے بادشاہ اور خدائی عذاب

تیرھویں صدی کے وسط میں بنو عباس کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ بغداد میں حکمران تھا جب ہلاکو کی زیر قیادت منگولوں (تاتاریوں) نے اسلامی خلافت کے اس سب سے بڑے مرکز پر حملہ کیا۔ فتح کے بعد ہلاکو خان نے مستعصم باللہ کو کھانے پر بلایا' لیکن کھانے کے لئے کوئی چیز دینے کے بجائے خلیفہ صاحب کے سامنے سونے اور چاندی کے ڈھیر رکھ دیئے جو اس کی فوج نے خلیفہ کے محلات سے لوٹے تھے اور کہا" جناب عالی! آپ نے جو کچھ جمع کر رکھا تھا اب اسے تناول فرمایئے"۔ خلیفہ اسلام نے کہا" میں سونا کس طرح کھا سکتا ہوں؟ " اس پر ہلاکو نے کہا' تو پھر آپ نے اسے اتنی حفاظت اور اہتمام سے

Marfat.com

کیوں رکھا ہوا تھا؟ ہلاکو نے محل کے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور سیم و زر و جواہرات سے لبریز بڑے بڑے آہنی صندوقوں کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے ہوئے گرفتار خلیفہ سے کہا "آپ نے ان صندوقوں کے فولاد سے اپنی فوج کے لئے تیروں کے سوفار کیوں نہ بنوائے اور یہ تمام سونا و جواہرات اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیوں نہ کیا اور آپ نے پہاڑوں کے دامن میں باہر نکل کر مجھے پہلے سے روکنے اور مقابلے کی کوشش کیوں نہ کی؟" خلیفہ نے بے بسی کے عالم میں جواب دیا "مشیت ایزدی یہی تھی" تاتاریوں کے سپہ سالار نے کہا "اچھا تو اب ہم جو سلوک آپ سے کریں' اسے بھی مشیت الہی سمجھنا" اس کے بعد ہلاکو نے جو سلوک خلیفہ مستعصم باللہ اور بغداد کے شہر سے کیا آج بھی محض خیال آنے سے لرزہ طاری ہوتا ہے خلیفہ اور اس کے بیٹوں کو نمدے میں زندہ لپیٹ کر نمدے کو سی لیا گیا اور پھر خونخوار تاتاری سپاہیوں نے اس نمدے پر گھوڑے دوڑائے۔ اس طرح خلیفہ اور اس کی اولاد کو گھوڑوں کے سموں کے نیچے مکمل طور پر روند ڈالا گیا۔ کہتے ہیں کہ تلوار سے براہ راست قتل کے بجائے نمدے میں لپیٹ کر گھوڑوں کے سموں تلے روند کر مارنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے ہلاکو سے کہا تھا کہ اگر زمین پر خلیفہ کا خون گرا تو یہ ہلاکو کی فتح کے لئے بدشگونی ہوگی اور مسلمان بھی اپنی تلوار واپس نیام میں نہیں رکھیں گے۔

دجلہ خون سے سرخ لیکن آسمان نہیں رویا

بغداد کی تاتاریوں کے ہاتھوں بربادی مسلمانوں کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا آج بھی سب سے المناک واقعہ ہے' اس تباہی پر شاعروں نے برسوں دلدوز مرثیے لکھے اور آج تک یہ ماتم جاری ہے'

سعدی شیرازی نے کہا: "آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"

(اس واقعہ پر اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو یہ ٹھیک بات ہوگی)۔

Marfat.com

لیکن بہر حال نہ کوئی بھونچال آیا' نہ آسمان رویا۔ واقعہ ہی ایسا خونچکاں تھا کہ بہت سے مسلمان مورخین نے تفصیلات بیان کی ہیں۔ "تاریخ وصاف" کے مصنف نے سیاق و سباق کے ساتھ حالات بیان کیے ہیں۔ مکمل پچاس دن تک ہلاکو خان نے بغداد کا محاصرہ کیا' مرکز خلافت ہونے کے سبب 'بغداد اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے شاندار اور آباد شہر تھا' قلعہ بندیاں مضبوط تھیں' لیکن نہ دل اور نہ ایمان مستحکم تھے۔ محاصرے کے دوران تاتاری لشکر برابر ہوائی تیر' ناوک' چھوٹے چھوٹے نیزے اور فلاخنوں سے بھاری پتھر بلکہ کھجوروں کے بھاری تنے تک فصیل کے پار اور شہر کے اندر پھینکتا رہا۔ اس طرح بے شمار مخلوق ہلاک اور زخمی ہوئی۔ ایک طرف دجلہ دریا تھا' دوسری طرف تاتاری لشکر کا دباؤ۔ ہلاکو نے حکم جاری کیا کہ شہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ پختہ اینٹوں سے بلند پشتے بنائے جائیں۔ ان پشتوں پر کھڑے ہو کر تاتاری لشکر شہر پناہ کے اندر تیر برسا سکتا تھا اور رات کو شعلوں میں شہر کی آبادی بھی دیکھی جا سکتی تھی' خلیفہ کے وزیر ابن علقمی نے دہشت زدہ خلیفہ کو مشورہ دیا کہ تاتاریوں کا مقابلہ دشوار ہو گا اس لئے خلیفہ اپنے فرزندوں کے ساتھ ہلاکو خان کے پاس جائیں اور رشتے داری کی پیشکش کے علاوہ سیم و زر کی جھلک دکھائیں تو لڑائی کے بغیر ہی سلطنت محفوظ ہو جائے گی۔ جب برا وقت آتا ہے عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں' جیسے ہی خلیفہ شہر سے باہر آیا' تاتاری اندر داخل ہو گئے۔ وہ اتوار کا دن چھ سو پچپن ہجری صفر کی چار تاریخ تھی جب سقوط بغداد ہوا۔ ہلاکو نے لشکر کو حکم دیا کہ بغداد کے اندر اور باہر جو کچھ ہے تاخت و تاراج کر دیا جائے۔ سب سے پہلے انہوں نے خندق کو مسلمان مقتولین کی لاشوں سے پاٹ کر سڑک کی زمین کے برابر کر ڈالا' اس کے بعد بھوکے بھیڑیے کی طرح بے لگام شہر میں پل پڑے۔ شہر کی بدروں سے گندے پانی کی جگہ خون بہنے لگا جو آگے دریائے دجلہ میں شامل ہو گیا۔ مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ بیس لاکھ مسلمان فوجی' مرد و زن' بچے' بوڑھے قتل کیے گئے' مغربی مصنفین کے مطابق ایک لاکھ یا کم و بیش افراد قتل ہوئے۔ خاص شاہی

Sunday 655 ھ 4 صفر

108952

Marfat.com

عظیم الشان قلعوں کی تباہی

خزانوں اور محلات کو لوٹ کر جھاڑو پھیر دی گئی' محلات کے کنگرے تباہ کر دیئے گئے۔ وہ مکانات اور شبستان کہ بہشت بریں کے ایوانوں کا تصور پیش کرتے تھے اور عظیم الشان قلعے گلیوں کی خاک کے برابر کر دیئے گئے

"کس قدر انہوں نے چھوڑے اپنے پیچھے باغات' چشمے' کھیت اور شرف یافتہ ٹھکانے"

(القران)

بغداد جسے دنیا کا بہترین شہر کہا جاتا تھا' الف لیلی کا بغداد' چھوٹا دارالاسلام' جسے جنت سے تشبیہ دی جاتی تھی' برق کی طرح تیز رفتار دشمن لشکر نے مٹا کر خاک اور راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

"بہت سی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' ہمارا عذاب ان کے پاس رات کو آیا"۔

(القران)

شہر بغداد کی تباہی

"تاریخ وصاف" کے مصنف عبداللہ بن فضل اللہ شہر بغداد کی تباہی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں: "القصہ' بغداد جو کہ عالم میں انتخاب شہر تھا' ویران ہو گیا اس کی نفیس چیزیں اور خزانے دوسروں کے ہاتھوں میں چلے گئے مغلوں نے قیمتی شاہی گھریلو سامان اور سونے چاندی کے ظروف جو بادشاہ کے ذاتی مے خانے اور باورچی خانے سے لوٹے تھے پیتل اور سیسے کے بھاؤ ادھر ادھر جا کر بیچ ڈالے اور شیراز میں یہ چیزیں بہت زیادہ پہنچائی گئیں۔ کئی افراد ان چیزوں کے لین دین میں فقر و فاقہ کے گڑھے سے نکل دولت و نعمت کی بلندیوں پر جا پہنچے' تاتاری لشکر کو اس قدر نقدی' اطلس' سیاہ' ریشم' سرخ و ریشم' دیبا' روم' مصر و چین سے لائے گئے قماش' عربی گھوڑے' خچر رومی و ولایتی غلام اور ترک و خطا و بربر کی کنیزیں حاصل ہوئیں کہ شمار و حساب ممکن نہیں۔ سونے' جواہرات' نفیس مال' قالینوں کی کثرت نے لوگوں کو حیرت کے ورطہ میں ڈال دیا' پردہ نشینان حرم کہ آفتاب کی کرنوں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا' تاتاری انہیں محلوں سے گھسیٹ کر باہر لاتے اور گلی کوچوں

Marfat.com

میں پھراتے تھے' اب ان میں سے ہر ایک کسی تاتاری دیو کے قبضۂ قدرت میں تھی'
روشن دن ان عزت والی بیبیوں اور پاکدامنوں کے سامنے سیاہ ہو گیا' قیامت کا ایک بھونچال
تھا جو سلامتی کے شہر بغداد میں ظاہر ہوا"۔ ۱۸

حملۂ تاتار کے وقت کا شہر بغداد

اگر کسی نے الف لیلیٰ پڑھی ہو تو اسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بغداد کیسا عظیم الشان شہر تھا اور اس وقت اس شہر کی کیا رونقیں تھیں' مسلمانوں نے اور بھی کئی شہر آباد کیے' دمشق' بصرہ' غرناطہ' مغلیہ دور کی دلی' لکھنؤ' لیکن غالباً گزشتہ ڈیڑھ ہزار برس میں بغداد جیسا کوئی شہر آباد نہ کیا جا سکا بلکہ شاید سقوطِ بغداد کے بعد اس پہلو کی طرف مسلمانوں کی توجہ ذرا کم ہو گئی' کیونکہ بغداد کا انجام ہمیشہ یاد آتا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید اور آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے درمیان خاصا زمانی فصل ہے' آخری خلیفہ کے زمانے تک بغداد ایک عجوبہ روزگار شہر بن چکا تھا' شاید ہی کوئی شہر' آبادی' بازاروں' کارخانوں' رونق' تمول' محلات' مکانات اور تمدن کے اعتبار سے اس وقت اس کا ہم پلہ ہو۔ بد قسمتی سے حملہ آور وہ قوم ہوئی جو سرے سے ہی شہروں اور شہری ماحول کے خلاف تھی اور اسے شہر کی قیمتی نشانیوں اور آثار سے کوئی ہمدردی نہ تھی' بلکہ چڑ تھی۔

خلفائے بنو عباس کے پورے دور میں بغداد امن و امان کا گہوارہ رہا تھا' اس کے مکانات اور شبستان آسمان سے باتیں کرتے تھے' اس کے اطراف و اکناف روضۂ رضوان کی طرح پاکیزہ و خوشگوار تھے اس کی فضا میں مخمور کرنے والا نشہ تھا' دنیا کے چاروں کونوں سے' چین سے' ہندوستان سے' افرنگ سے' روم سے' ایران سے ہر قسم کی قیمتی نعمتیں اور عیش و عشرت و تنعم کا سامان بغداد میں کھنچا چلا آتا تھا کیونکہ وہ اس کے قدر دان تھے۔ حسن و جمال کی بھرمار تھی' بقول ایک عربی شاعر: "دجلہ کا کنارہ سیم تن حسینوں سے پر تھا۔

Marfat.com

اور شہر کا چوک ماہ رخوں سے چمکتا تھا"۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کاری گر تھے جن کے کمال اور مہارت کی پورے عالم میں دھوم مچی تھی"۔باغات اور پھولوں کی ایسی بھر مار اور کثرت تھی کہ شہر کی فضا خوشبو اور مہک سے بوجھل رہتی تھی' گھر گھر باغیچے تھے' پھل دار درختوں کے لئے پانی دجلہ و فرات کی نہروں سے لایا جاتا تھا' علاقہ اور ملک انتہائی شاداب تھا۔ بغداد شہر میں عمارات اور مکانات بھی منصوبہ بندی سے تعمیر کئے جاتے تھے۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے دور میں تن آسانی اور فراغت کی مزید فراوانی ہوئی۔شاہی محل اور شہر کے کنگرے ستاروں کو شرمانے لگے۔ روایت ہے کہ جب خلیفہ مستعصم بغداد سے باہر نکل کر ہلاکو کے خیمے کی طرف گیا تو اس کے ساتھ بارہ سو ممتاز سردار' علما اور عمائدین تھے جنہیں خیمے کے باہر روک لیا گیا اور اس کے بعد علیحدہ لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہلاکو نے خلیفہ سے جبراً ایک فرمان لکھوایا کہ بغداد میں جتنے ممتاز اصحاب' دانشور' علمائے دین' فقیہ ہیں وہ سب شہر سے باہر آجائیں اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ سقوط بغداد کے ساتھ ہی مسلمانوں میں اجتہاد' علمی' فکری اور سائنسی ترقی کے چشمے خشک ہو گئے' آج تک یہی عالم کسمپرسی ہے۔ تقلید و نقل شعار ٹھہرا۔ یہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام تر خرابیوں کے باوجود اس زمانے کے بغداد (مرکزِ خلافت) میں ہزاروں کی تعداد میں نامور اصحاب علم و فن موجود تھے۔ اسلام کے دامن پر خلافت عباسیہ کے ڈالے ہوئے دھبوں کے باوصف' اس قدر حس موجود تھی بلکہ یوں کہیں کہ شعور موجود رہا کہ کم از کم ایک صدی تک المیہء بغداد پر بھرپور نوحے اور مرثیے کہے جاتے رہے' شاعر روتے رہے' اور رلاتے رہے' مورّخ اور ادیب' امت کے سامنے اس سانحہ کی تمام جزئیات پیش کر کے غیرت دلاتے رہے۔ لیکن جب سن اٹھارہ سو ستاون میں سقوط دہلی ہوا تو ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کے اجتماعی وجود کی بے حسی کی یہ کیفیت تھی جیسے جسم کے فالج زدہ حصے میں ہر قسم کا احساس مفقود ہو جاتا ہے' نہ کسی شاعر نے خاص مرثیہ کہا نہ کسی مورخ نے واقعات کی صحیح تصویر کشی کا حق ادا کیا'

Marfat.com

لے دے کے خواجہ حسن نظامی جیسے چند اصحاب نے کچھ لکھا مگر بڑے عرصے بعد۔ "غدر" "غدر" کے پروپیگنڈہ میں سقوطِ دہلی اور ہندوستان سے مغلیہ سلطنت کے دردناک انجام کو بھلا دیا گیا۔ سقوطِ بغداد اور سقوطِ دہلی کے واقعات میں کئی مماثلتیں ہیں' دونوں شہروں کی رونق بھی ایک جیسی تھی' تاہم اس پر بات آگے چل کر ہو گی۔

سقوطِ بغداد

قرآن مجید فرقانِ حمید میں قوموں پر پڑنے والے عذابوں کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں' ان میں ایک شکل تفرقہ بازی اور خانہ جنگی بھی ہے' بدنصیبی سے ہمارا ملک اس عذاب کا ذائقہ چکھ رہا ہے۔ کیا آج سے ساڑھے سات سو سال پہلے امت مسلمہ کو تاتاریوں کے ہاتھوں جس سانحہ سے دوچار ہونا پڑا وہ بھی فرقہ پرستی کا نتیجہ تھا؟ جی ہاں' اس حادثہ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ باہمی آویزش بھی تھی! اس سلسلے میں تاریخ کے صفحات میں ناقابل تردید شہادتیں موجود ہیں۔ لیکن حقیقت نفس الامری اپنی جگہ ہے کہ یہ آویزش اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعات غم اس وقت کی مسلمان امت کے وجود میں اخلاقی سرطان کی نشاندہی کرتے ہیں' ان خرابیوں اور بداعمالی کا ذکر اپنی جگہ پر ہو گا' قرآن مجید کا بیان کردہ قانون "جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت میں تغیر پیدا نہ کرے خدا اس کی حالت میں تبدیلی نہیں لاتا" صادق آتا ہے۔

خلیفہ بغداد (مستعصم باللہ) کے وزیر ابن علقمی نے خلیفہ کو اس طرح سے شیشے میں اتارا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں ابوبکر اور سلمان شاہ سے زیادہ ابن علقمی پر اعتماد کرتا تھا۔ وزیر اور امیر المومنین (خلیفہ) کے بڑے بیٹے امیر ابوبکر کے درمیان انتہائی دشمنی تھی' روایت ہے کہ ایک بار ابوبکر نے ایران میں مشہد اور کرخ پر حملہ کیا تھا اور وہاں ایک خاص جماعت کے افراد کے ساتھ زیادتیاں کی تھیں' لوٹ مار کے علاوہ قتل عام بھی کیا تھا' اس واقعہ کے بعد ابن علقمی

Marfat.com

نے در پردہ خلیفہ بغداد کی مخالفت کا پختہ منصوبہ بنا لیا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سانحہ بغداد سے پہلے پورے دو برس تک باطنی فرقہ نے سُنیوں پر قیامت برپا کیے رکھی اور اس وقت کی طاقت ور سے طاقت ور سُنی حکومتیں باطنیوں کی چیرہ دستیوں کے سامنے بے بس رہیں۔ ایران کے علاقے قہستان میں اس فرقہ کے بانی حسن بن صباح نے قلعہ الموت تعمیر کیا تھا' جہاں با قاعدہ ایک مصنوعی "جنت" بنائی گئی تھی۔ اس جنت کی جھلک دکھا کر اور حشیش پلا کر باطنی فدائیوں کو عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیات (بادشاہ' امراء' علماء' فقہاء) کو قتل کرنے لیے دنیا میں چاروں طرف روانہ کیا جاتا تھا' محفوظ سے محفوظ شخصیت بھی ان کی پہنچ سے باہر نہ تھی' وہ بادشاہوں کی خلوت گاہوں تک پہنچ جاتے تھے۔ دو سو سالوں میں اس فرقے نے ہزاروں ایسی اسلامی شخصیات کو پُر اسرار انداز میں وار کر کے قتل کیا جن کا نعم البدل قیامت تک نہیں مل سکے گا' وہ بہت ہی قیمتی اور گراں قدر زندگیاں تھیں' قاتل کبھی پکڑے نہیں جاتے تھے' پکڑے جاتے تھے تو فوراً زہر کھا کر یا پیٹ میں خنجر مار کر خودکشی کر لیتے تھے' قلعہ الموت نا قابلِ تسخیر بنا رہا۔ کوئی مسلمان بادشاہ اسے فتح نہ کر سکا۔ ہلاکو خان نے فتح بغداد سے پہلے یہ قلعہ بھی تباہ کیا تھا' اس طرح امت کو اس عذاب سے نجات ملی' لیکن دوسری طرف ہلاکو قہر بن کر بغداد پر ٹوٹ پڑا جسے حملے کی دعوت ابن علقمی نے دی تھی' بلکہ خفیہ طور پر خلیفہ کی طاقت اور کمزوریوں کے بارے میں بھی تمام اطلاعات مہیا کر دی تھیں۔

"تاریخ وصاف" کے مصنف (جس کی غیر جانبداری میں کوئی شک نہیں) کا کہنا ہے کہ وزیر ابن علقمی (پورا نام موید الدین محمد بن عبدالملک العلقمی) بڑا فاضل شخص تھا' منقول و معقول میں یگانہ روزگار تھا' احوال سلطنت میں خود مختار تھا لیکن اس کی بعض حرکتوں کی وجہ سے دربار خلافت کے امراء اور مقربین اسے ناپسند کرتے تھے' اس کے دل میں خاندانِ خلافت کے خلاف گرہ پڑ چکی تھی اور کھوج میں تھا کہ کسی طرح خلیفہ اور اس کے

Marfat.com

خاندان سے انتقام لے' جب "قلعہ الموت" کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد ہلاکو بغداد کی طرف متوجہ ہوا تو ابن علقمی نے ہلاکو کی طرف خفیہ پرچہ بھیجا جس میں اس نے دلائل کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ اگر وہ (ہلاکو خان) بغداد پر حملہ آور ہو تو اسے وہ بڑی آسانی سے فتح کر لے گا اور یہ کہ اس سلسلے میں اس کی ہر ممکن مدد کی جائے گی۔ اس کے باوجود فوری طور پر ہلاکو کو ابن علقمی کی باتوں پر یقین نہ آیا کیونکہ وہ بغداد کی مضبوطی' سطوت اور استحکام کی شہرت سن چکا تھا اور اسے یہ بھی علم تھا کہ مرکزِ خلافت ہونے کی وجہ سے مسلمان اس کے دفاع میں سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔ اس کے باوجود ابن علقمی قاصد پر قاصد خفیہ طور پر بھیج کر ہلاکو کو حملے کی دعوت دیتا رہا اور اپنی اور اپنے آدمیوں کی طرف سے خفیہ حمایت کی یقین دہانیاں کراتا رہا۔ ایک خط میں اس نے ہلاکو کو لکھا: "میں خلیفہ کے ساتھ مکر اور بناوٹ کا طریقہ اختیار کروں گا' آپ کو چاہئے کہ کسی قسم کے تساہل اور تاخیر کے بغیر اپنے لشکر اور علم کے ساتھ اس طرف مارچ شروع کریں"۔ ہلاکو نے اپنے مشیروں سے مشورہ کے بعد بغداد کا رخ کر لیا۔

ابن علقمی کو ہلاکو کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے منصوبہ تیار کیا کہ کسی طرح اسلامی لشکر بغداد سے باہر نکل جائیں تاکہ ہلاکو کسی مزاحمت کے بغیر شہر پر قابض ہو جائے۔ وہ اپنے انجام کو بھول گیا۔ قدیم فاتح غداروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے' البتہ کام لے لیتے تھے خیر' وزیر نے ایک دن خلیفہ نے خلوت میں کہا' آج کل خدا کے فضل و کرم سے ارد گرد کے بادشاہ اور حکمران سب امیر المومنین کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں' پورب و پچھم میں اس سلطنت کی دولت مندی' سطوت اور دبدبہ کا چرچا ہے' لیکن یہاں دار السلطنت میں ہمارے اتنے سارے لشکر بے کار تنخواہیں وصول کر رہے ہیں' اگر یہ باہر جائیں گے تو کچھ کام کریں گے اس لئے دور اندیشی اور دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ان لشکروں کو ان کے سرداروں کے ساتھ مختلف سمتوں میں کسی نہ کسی مشن پر بھیج دیا جائے' اس طرح خزانے کی بھی بچت ہو

Marfat.com

جائے گی"۔ خلیفہ کو وزیر کے اصل عزائم کا علم نہ تھا' اس لئے وہ اس فریب میں آگیا اور لشکروں کی زیادہ تعداد بغداد سے باہر چلی گئی۔ ایک طرف یہ' دوسری طرف خلیفہ' ابن علقمی کے متعلق کوئی بات سننے یا شک کرنے پر آمادہ نہ تھے بعض امرائے دربار بلکہ بیٹوں نے خلیفہ سے ابن علقمی کی دشمن سے سازباز اور لشکروں کے باہر بھیجنے میں درپیش خطرات کا ذکر کیا' لیکن ابن علقمی نے ایسا جال بن رکھا تھا کہ خلیفہ نے یہ تمام شکایات ابن علقمی کے خلاف ذاتی دشمنی تصور کرتے ہوئے نظر انداز کر دیں۔ ابن علقمی نے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کام یہ کیا کہ درباریوں میں بھی پھوٹ ڈال دی' خصوصاً بعض مؤثر اور طاقتور امراء کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اس طرح دربارِ خلافت واضح طور پر دو گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ صاحب تاریخ وصاف نے کیا خوب مثال دی ہے :"چیزیں بکھری ہوں تو انہیں یکجا کرنا اور جمع کرنا بہت دشوار ہوتا ہے لیکن جمع شدہ چیزوں کو منتشر کرنے میں کوئی کوشش درکار نہیں ہوتی"۔ چنانچہ ایوانِ سلطنت میں اتفاق واتحاد اس وقت پارہ پارہ ہو گیا جب قیامت کی گھڑی میں اس کی شدید ضرورت تھی۔ ہلاکو کے لشکری بغداد کے نواح میں پہنچنے والے تھے' حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے' سلطنت کے بہی خواہوں نے ایک بار پھر خلیفہ کو ابن علقمی کی باتوں میں نہ آنے کا مشورہ دیا اور اصرار کیا کہ باہر گئے ہوئے لشکروں کو فوری طور پر دارالحکومت میں طلب کیا جائے تاکہ ہلاکو کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بد بختی کی زد میں آئے ہوئے خلیفہ نے جواب دیا کہ وہ پہلے اپنے دانا وزیر سے مشورہ کرنا پسند کرے گا۔ داناؤں کا قول ہے کہ جب پردہ تقدیر سے کوئی مصیبت نازل ہونا ہوتی ہے تو اس کے اسباب آسمان سے برستے اور زمین سے اگتے ہیں۔ اُس وقت عقل ماری جاتی ہے۔ ابن علقمی نے اس مشورے کو بے حقیقت قرار دیتے ہوئے خلیفہ کو تسلی دی "بھلا منگولوں کی فوج بغداد پر کیسے غالب آسکتی ہے ؟ اگر محض ہماری عورتیں اور نابالغ بچے بھی مکانات اور دیواروں پر چڑھ کر کھڑے ہو جائیں اور ایک ایک اینٹ پھینکیں تو منگول لشکر تباہ ہو جائے گا"۔ خلیفہ کو ایسی ہی

Marfat.com

خواب آور باتوں کی ضرورت تھی' وہ اپنی خوب صورت کنیزوں کے ہجوم میں واپس جا کر موسیقی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ دوسری طرف ابن علقمی کے ہلاکو کے ساتھ رابطے جاری رہے' اس کے خط پکڑے گئے اور خلیفہ کو پیش کئے گئے مگر خلیفہ نے مخالفوں کی دشمنی قرار دے کر کوئی توجہ نہ دی۔

بالآخر جب ہلاکو کا لشکر بغداد پر چڑھ دوڑا' محاصرے نے طول کھینچا' بغداد کے شہری عاجز آگئے خلیفہ کی ہمت جواب دینے لگی تو ہلاکو کے ساتھ طے شدہ منصوبے کے مطابق ابن علقمی نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ ہلاکو سے ملاقات کرلی جائے تو اس کی سلطنت وغیرہ محفوظ رہے گی بلکہ ہلاکو ممنون ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے خلیفہ کے سامنے منگول لشکر کی تعداد اور دہشت انگیزی کی ایک خوفناک تصویر کھینچی۔ اس نے کہا: "امیر المومنین' مغلوں کا لشکر شمار سے باہر ہے (یہ دو لاکھ افراد کا لشکر تھا) جبکہ ہمارا شہر لشکر سے خالی ہے' غلاموں اور دوسرے لوگوں نے دفاع کی پوری کوشش کرلی ہے لیکن آج کے بعد مزاحمت ممکن نہ ہوگی کیونکہ مغلوں کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور انہیں باہر سے بھی مدد حاصل ہو رہی ہے' جبکہ اہل بغداد کی ثابت قدمی کمزور پڑ رہی ہے' اب سلامتی کی تدبیر یہ ہے کہ امیر المومنین لڑائی چھوڑ دیں اور مصالحت کی راہ اختیار کریں' مناسب یہ ہے کہ مزید تاخیر کے بغیر امیر المومنین ہلاکو خان کی خدمت میں چلے جائیں کیونکہ تاتاری یورش کا مقصد مال واسباب کا حصول ہے جبکہ خلیفہ کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں' تو پھر لڑائی کی کیا ضرورت ہے؟ مزید انس و محبت کے لئے سمدھیانہ اور رشتہ داری قائم کرنا اچھی تدبیر ہے' ہلاکو خان کے خاندان کی لڑکی امیر المومنین کے شہزادے کے عقد میں آجائے اور خاندان خلافت کی کوئی لڑکی ہلاکو کے لڑکے کے نکاح میں چلی جائے' اس طرح خلافت کی شان و شوکت اور بادشاہت (ہلاکو کی بادشاہت) کی طاقت یکجا ہو جانے سے ہزاروں مسلمانوں کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا اور خلافت کی عظمت میں مزید ترقی ہوگی" مغلوں (منگولوں) کی ٹڈی دل فوج اور

Marfat.com

دہشت کا تذکرہ وہ وزیر کر رہا تھا جس نے حملے سے پہلے یہ کہا تھا کہ بغداد کی عورتیں اور نابالغ بچے اگر ایک ایک پختہ اینٹ اٹھا لیں تو ہلاکو کی فوج تباہ ہو جائے گی۔

ایک غیرت مند کرد امیر ملک عزالدین نے تمام تر رکاوٹوں اور خلیفہ کی بے حسی کے باجود کسی نہ کسی طرح بغداد میں بیس ہزار فوج تیار کی اور یہ فوج قصبات اور گرد و نواح کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہلاکو کے لشکر پر حملہ آور ہوئی بلکہ ایک دو جھڑپوں میں کامیابی بھی حاصل کی۔ دجلہ عبور کر کے جس جگہ اس اسلامی لشکر نے ڈیرا ڈال رکھا تھا اس کے قریب ایک نہر تھی جو فرات سے نکلتی تھی' مسلمانوں کی لشکر گاہ پستی میں تھی جبکہ نہر ذرا بلندی میں تھی' غدار وزیر ابن علقمی نے رات کے وقت اپنے آدمیوں کو بھیج کر نہر کا پانی اسلامی لشکر پر چھوڑ دیا' فوج کا اسلحہ خراب ہو گیا اور بھیگنے سے سپاہی بے بس ہو گئے۔ صبح صبح تاتاریوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا' اسلامی لشکر کو شکست اٹھانا پڑی۔ ملک عزالدین اور دوسرے مخلص امراء آخری بار خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ کافر تاتاریوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہے اور وہ شہر کے دروازے پر آپہنچے ہیں' ہمارے پاس دفاع کی کوئی صورت نہیں' ایسے میں مصلحت یہ ہے کہ امیر المومنین دجلہ کے راستے کشتی میں بیٹھ کر چلے جائیں' خواتین اور مال و اسباب بھی ساتھ لے لیں' ہم آپ کے ساتھ رہیں گے' بصرہ کے قریب پہنچ کر کسی جزیرے میں قیام کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت میسر آئے اور ہم تاتاریوں کو مغلوب کر لیں۔ خلیفہ نے یہ تجویز بھی (جو کہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر بہترین تجویز تھی) وزیر ابن علقمی کے سامنے رکھ دی۔ اس نے کہا "میں نے تاتاریوں سے صلح کر لی ہے' کہیں جانے کی ضرورت نہیں' اگر میری بات پر اعتماد نہ ہو تو امیر ابو بکر کو باہر ہلاکو کے پاس بھیج کر دیکھ لیں کہ وہ کس طرح شہزادے کی آؤ بھگت کرتا ہے" یہ ابن علقمی کی چال تھی۔ ساتھ ہی اس نے خفیہ طور پر ہلاکو کو کہلا بھیجا کہ جب شہزادہ ابو بکر اس کے پاس آئے تو اس کا زبردست استقبال کیا جائے۔ اب آگے کی کہانی (کہ صید کس طرح دام میں

Marfat.com

خود بخود آیا) ہم "طبقات ناصری" کے مصنف منہاج سراج کی زبانی سنتے ہیں : "امیر ابو بکر بغداد سے باہر آیا اور ہلاکو کی لشکر گاہ میں پہنچا تو تمام تاتاریوں اور ان کے ساتھ شامل (غدار) مسلمانوں نے اس کا بھرپور استقبال کیا اور تمام آداب بجالائے' جب شہزادہ ہلاکو کی بارگاہ میں پہنچا تو اس نے چالیس قدم آگے بڑھ کر پیشوائی کی' تواضع اور اکرام کا حق ادا کیا' بلکہ اپنی جگہ امیر ابو بکر کو بٹھایا اور ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھا اور کہا : "میں تو یہاں صرف خلیفہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لئے آیا ہوں' فرمانبرداری کا حلف اٹھانا چاہتا ہوں' میں نے اپنے امرا سے پوچھا کہ روئے زمین پر اس وقت سب سے بڑا مسلمان کون ہے؟ تو انہوں نے امیر المومنین کا نام لیا' میری آرزو ہے کہ میں امیر المومنین کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں" ہلاکو نے ابن علقمی کی جانب سے دیئے گئے منصوبے کے عین مطابق شہزادہ ابو بکر سے اس طرح کی پر فریب اور شہد و شکر میں لپٹی ہوئی باتیں کیں اور ابو بکر کو اس کے اخلاص کا یقین ہو گیا حالانکہ مسلمان ہونا تو کجا ہلاکو کسی مسلمان کو معافی دینے پر آمادہ نہ تھا۔ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے معاملات اور ذاتی ناخوشیاں تاریخ میں بڑے سانحات کو پیدا کرتی رہی ہیں' تباہیٔ بغداد کے المیہ میں بالکل یہی ہوا۔ ابن علقمی کو خلیفہ کے بیٹے کے ساتھ پرخاش تھی' وہ خلافت کا بھی خیر خواہ نہ تھا' اس نے خلافت کو زک پہنچانے کا ایک منصوبہ بنایا جو اس کی توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا بلکہ ایسا کامیاب ہوا کہ خلافت کا نام و نشان نہ رہا اور مسلمانوں کو پہلے چنگیز کے ہاتھوں اور بعد میں ہلاکو کے ہاتھوں ایسی چوٹ لگی کہ ان کی حیثیت ایک عظیم ملت کے ذہنی و روحانی خود اعتمادی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ آٹھ صدیاں گزر گئیں چوٹ کی تکلیف ہنوز تازہ ہے۔ اقبال نے خودی کا بڑا درس دیا لیکن خود اعتمادی بحال نہ ہوئی' احساسِ کمتری موجود ہے بلکہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔ تاتاریوں کو کبھی "یاجوج ماجوج" سمجھا گیا' کبھی قربِ قیامت کی علامت' کبھی محض غیر مہذب اور سفاک لٹیرے۔ وہ شاید یہ سب کچھ تھے۔ کہتے ہیں کہ تاتاریوں کے حملہ اور سقوط بغداد سے پہلے حجاز میں ایک

Marfat.com

آتش فشاں پہاڑ کی آگ نمودار ہوئی تھی کہ رات کو اس کی روشنی میں بصرے (عراق) میں اونٹوں کی گردنیں دکھائی دیتی تھیں (حدیث پاک کے مطابق یہ آگ قیامت کی ایک نشانی سمجھی جاتی ہے) یہ سب ٹھیک' لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ فتنہء تاتار مسلمانوں کے لئے تازیانہ عقوبت تھا۔ جب کسی قوم پر ایک بار عذاب آجائے تو وہ کبھی پہلی حالت پر بحال نہیں ہوتی۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ اس لئے بھی کہ مسلمانوں نے دوبارہ اپنی حالت میں تبدیلی لانے کی واقعی کوشش نہیں کی۔

شہزادہ ابو بکر ہلاکو اور ابن علقمی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔ وہ خوش و خرم' خلیفہ کے پاس واپس گیا اور اپنے اکرام و استقبال کا قصہ سنایا۔ غدار وزیر ابن علقمی نے ساتھ ہی لقمہ دیا کہ اب مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ خود خلیفہ پورے جلو کے ساتھ باہر جائیں تاکہ ہلاکو خان استقبال کا شرف حاصل کرے۔ دربار کے امراء اور اکابر نے خلیفہ کو آخری وقت تک مشورہ دیا کہ وزیر کے کہنے پر بھروسہ ہرگز نہ کیا جائے لیکن نوشتہ تقدیر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ مستعصم باللہ تاتاریوں کے کیمپ میں پہنچا جہاں اسے منصوبے کے مطابق گرفتار کر لیا گیا' اسکے بعد جو کچھ ہوا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بغداد کوئی چھوٹا موٹا شہر نہ تھا' چالیس روز تک اس کے وجود کو نوچا جاتا رہا۔ چن چن کر اصحاب علم و ہنر و تہذیب کو قتل کیا گیا تاکہ اسلام کی فکری اور تمدنی بنیادوں کو مسمار کر دیا جائے' بغداد کی لاکھوں جلدوں پر مشتمل عظیم الشان لائبریری کو جلا کر راکھ کر دیا گیا' یہاں تک کہ دریا کا پانی جہاں یہ جلتی ہوئی کتابیں غرقابی کے لئے ڈالی گئی تھیں' ہفتوں تک سیاہ رنگ رہا۔ تاتاری لشکر نے قتل' عورتوں کی عصمت دری' لوٹ مار' سختی' مکانات و محلات کی تباہی کے تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دیئے۔ تاتاریوں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی عمدہ عمارت اور تہذیبی نشان سلامت نہ رہے' اس سلسلے میں وہ آگ لگانے کے بہت شوقین تھے' عمارتوں سے اٹھتا دھواں دیکھ کر انہیں شراب کے برابر نشہ حاصل ہوتا تھا۔

Marfat.com

منگولیا سے چنگیز خان کی شکل میں عالم اسلام کی پکی ہوئی کھیتی کو اجاڑنے کے لئے جو زرد اور گرم طوفان اٹھا تھا' ہلاکو کے وجود میں خوفناک اور خونبار آندھی بن چکا تھا کہ جہاں سے گزرے راکھ اور کھنڈر عقب میں چھوڑتی جائے۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ ہلاکو کی ایک چہیتی بیوی عیسائی تھی جس کی خواہش پر ہلاکو نے اسلامی طاقت کو مٹانے کا عزم کیا تھا' یورپ کے صلیب پرستوں سے سازباز کی تھی۔ ایک حد تک یہ روایت درست بھی ہے کیونکہ' مسلمانوں کے ساتھ صلیبی جنگوں میں ہزیمت اٹھانے والی یورپی اقوام اور روم کے پاپائے اعظم نے ہلاکو کو مسلسل کمک فراہم کی تھی تاکہ مسلمانوں سے انتقام لیا جا سکے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بغداد پر حملے کے وقت عیسائی فوجی تاتاریوں کے شانہ بشانہ مسلمانوں کے قتل عام اور لوٹ مار میں شریک تھے' لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کے کرتوتوں اور بداعمالیوں کے باعث وقوع پذیر ہوا' یا پھر شاید مسلمانوں کے حقیقی عروج کا وقت پورا ہو چکا تھا اور قدرت نے دوسری قوموں کو موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ابن علقمی کو اپنے کارنامے کا کیا صلہ ملا؟ روایت ہے کہ ابن علقمی کو ہرگز امید نہ تھی کہ سب کچھ اس طرح ہو جائے گا' کم از کم اسے بغداد کے اجڑنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ لیکن بغداد قتل ہو گیا' لاکھوں کی آبادی کا شہر مر گیا' جو بچ گئے غلاموں کی زندگی بسر کرنے لگے یا پھر دوسرے علاقوں' خصوصاً مصر کی طرف ہجرت کر گئے جہاں ممالیک کی مضبوط حکومت موجود تھی۔ خاندان خلافت کے کچھ بچے کھچے افراد بھی مصر میں پناہ گزین ہوئے۔ بغداد کی مکمل تباہی کے بعد ابن علقمی ہلاکو کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنی کارکردگی (غداری) پر شایان شان صلے کا خواستگار ہوا۔ لیکن مغلوں نے اس کی طرف خاص التفات نہ کیا۔ ان کے ہاں ایک اچھی عادت تھی کہ چغل خور اور آقا سے بے وفائی کرنے والے پر اعتماد نہ کرتے تھے خواہ اس کی کیسی خدمات ہوں۔ مدت تک بغداد شہر کی دیواروں پر یہ لکھا جاتا رہا "جو شخص ابن علقمی پر لعنت نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہو" ایک شخص نے اس عبارت میں لفظ "نہ"

Marfat.com

مٹا دیا تو عوام نے اُسے پکڑ کر ستر کوڑوں کی سزا دی۔ روایت ہے کہ جب ہلاکو بغداد کی فتح اور مسلمانوں کے قتل سے فارغ ہوا تو وزیر ابن علقمی سے پوچھا: تجھے جو دولت' عزت اور اقتدار ملا تھا کہاں سے ملا تھا؟" ابن علقمی نے جواب دیا کہ مرکز خلافت سے ملا تھا۔ ہلاکو نے کہا: "جب تو نے اپنے محسنوں کی نعمت کا کوئی لحاظ وپاس نہ کیا تو میری خدمت کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے"؟ چنانچہ حکم دے دیا کہ اسے جہنم میں پہنچا دیا جائے۔ یہ روایت "طبقاتِ ناصری" کی ہے۔ اس کے برعکس دیگر روایات کے مطابق ابن علقمی کو ہلاکو نے فتح کے بعد بغداد میں امن وامان قائم کرنے کا کام سونپا تھا جبکہ اس کی نگرانی پر ایک اور شخص کو مامور کیا گیا تھا' ایک دن خلیفہ کی فوج کے کچھ پرانے سپاہی جو حملے کے بعد دجلہ عبور کر کے دیہات میں چلے گئے تھے' اچانک بغداد آئے اور ابن علقمی کو پکڑ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے بعد جلدی سے واپس چلے گئے۔ اس طرح غدار اپنے انجام کو پہنچا لیکن جو نقصان ملت اسلامیہ کو پہنچا اس کی تلافی آج تک ممکن نہ ہوئی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی معتبر تصنیف "تاریخ الخلفا" میں ہلاکو خان کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے سقوط بغداد کی مہم سے فراغت کے بعد دمشق کے حکمران سلطان ناصر کے نام لکھا تھا' اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود تاتاریوں کو بھی احساس تھا کہ وہ دنیا میں غلط کار اور بد اعمال حکمرانوں کی سزا کے لئے بھیجے گئے ہیں (حالانکہ وہ کافر تھے لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ میل جول کے باعث ایک قادر مطلق کی ہستی کا اعتراف کرنے لگے تھے) خط کا مضمون یہ تھا:

"ملک الناصر! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم خدا کے لشکر ہیں' وہ ہمارے ہی ذریعے سے گناہگاروں' ظالموں اور متکبروں سے انتقام لیتا ہے' ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں' اگر ہم کو کبھی غصہ آجاتا ہے تو کایا پلٹ دیتے ہیں' ہم نے بہت شہروں کو برباد کر دیا اور بندگان خدا کو ہلاک کر دیا' ہم نے عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کھایا'

Marfat.com

اس دنیا کے باقی ماندہ لوگو، تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے، یاد رکھو ہمارا لشکر رحم کھانے والا نہیں بلکہ برباد کر دینے والا ہے، ہمارا مقصود ملک گیری نہیں بلکہ انتقام ہے، ہماری تلوار سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ ہم سے بھاگ کر کوئی کہاں جائے گا، کیونکہ بحر و بر پر ہماری سلطنت ہے، ہماری ہیبت سے دنیا کانپ اٹھی ہے، ہمارے قبضے میں تمام امراء و خلفا ہیں اب ہم تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں، اب تم بھاگ سکتے ہو تو بھاگو، ہم تمہارا پیچھا کریں گے"۔

ابن اثیر "تاریخ کامل" میں لکھتے ہیں کہ تاتاریوں کا فتنہ ایک عظیم حادثہ اور مصیبت عظمیٰ تھا، ایک ایسی مصیبت جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی، یہ درست ہے کہ تاتاریوں نے دنیا بھر میں بربریت اور وحشت سے انسانوں کو اپنا نشانہ بنایا روس، یورپ، وسط ایشیا، قریباً ہر جگہ، لیکن مسلمانوں نے خصوصاً بڑی تباہی اٹھائی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے وہ آئے ہی اسلامی سلطنت و تہذیب کو مٹانے کے لئے تھے۔ ان کے مظالم، قدیم تاریخ کے سب سے بڑے ظالم حکمران بخت نصر سے بھی بڑھ گئے علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں "تاتاری ایک ایسا بادل تھے جن کو ہوا تیزی سے ادھر ادھر لئے پھرتی تھی، یہ چین سے نکلے اور بہت جلد ان کے ہاتھوں سے ترکستان کے شہر کاشغر وغیرہ تباہ ہوئے جب یہ بخارا اور سمرقند پہنچے تو ان کو تباہ کر ڈالا، جب خراسان پہنچے تو وہاں بھی تباہی اور ہلاکت لائے، یہاں جی بھر کر قتل و غارت گری کرنے کے بعد رے اور ہمدان کا بھی یہی حشر کیا۔ عراق میں پہنچ کر وہاں سے آذربائیجان روانہ ہوئے تو تمام علاقوں کو تباہ کر کے رکھ دیا، ان تمام پر رونق اور آباد شہروں کو ایک سال میں ہی برباد کر دیا۔ جب یہ آذربائیجان سے نکلے تو دربند شروان پہنچے، اس کو برباد کیا، پھر وہاں سے لدن اور الکر گئے اور ان کو جلا کر خاکستر کر ڈالا، ہزاروں کو قتل، ہزاروں کو قید کیا۔۔۔ تاتاری لشکر کا ایک حصہ غزنی، سجستان اور کرمان کی طرف چلا گیا اور ان شہروں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ تاریخ میں نظیر ملنا مشکل ہے، بالآخر ان تاتاریوں نے دنیا کے عظیم

Marfat.com

حصہ کو فتح کر لیا اور ان کا دبدبہ تمام دنیا پر قائم ہوا' کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں ان کے نام سے لوگ نہ کانپتے ہوں' لطف یہ کہ ان کو کسی مدد کی ضرورت تھی اور نہ رسد کی۔ رسد میں سب سے اہم گوشت ہوتا ہے اور وہ ان کے پاس بھاری مقدار میں موجود تھا' بھیڑ بکریاں ان کے ساتھ ہوتی تھیں وہ انہیں کاٹ کر کچا پکا گوشت کھا لیتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کو چراگاہوں کی حاجت نہ تھی' وہ اپنے سموں سے ایسی جگہ کھود ڈالتے جہاں گھاس کی جڑیں موجود ہوتیں اور وہ ان جڑوں پر گزارہ کرتے' دانہ وغیرہ تو ان گھوڑوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ ان کے مذہب میں کوئی چیز حرام نہ تھی' تمام جانور بلکہ انسانی گوشت بھی ان کے نزدیک حلال تھا' شادی بیاہ اور نکاح کے جھگڑے میں نہیں پڑتے تھے' ایک عورت کے کئی شوہر ہو سکتے تھے......"

سو یہ تھے وہ وحشی تاتاری جنہوں نے خلافت بنو عباس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی' بغداد کی تباہی میں عربی میں بے شمار مرثیے لکھے گئے' ان میں ایک شاعر کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔ (ترجمہ):

"بغداد اور اہل بغداد گھربار کے ساتھ برباد ہوئے ان کے گھروں کو ہمارے وزیر نے تباہ کر دیا"

بنو عباس کو یہ سزا بیٹھے بٹھائے نہیں مل گئی تھی' یہ ان کے اعمال کی شامت تھی۔ اس سلسلے میں تاریخ کی گواہی کے چند نمونے اگلے باب میں پیش کیے جاتے ہیں۔

....

Marfat.com

باب۔ 2

سقوط بغداد ۔ (2)

تڑپتی لاشوں پر دستر خوان بچھانے والے خلفا

پہلی بات تو ہے کہ عباسی خلافت کا آغاز ہی ظلم اور اندھیر نگری سے ہوا تھا۔
اس سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی مایہ ناز تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں لکھتے ہیں۔
"نئے مدعیان خلافت (بنو عباس) جس وجہ سے کامیاب ہوئے تھے وہ یہ تھی کہ انہوں نے عام مسلمانوں کو یہ اطمینان دے دیا تھا کہ ہم خاندان رسالت کے لوگ ہیں' ہم کتاب و سنت کے مطابق کام کریں گے اور ہمارے ہاتھوں سے حدود اللہ قائم ہوں گی' لیکن حکومت حاصل ہونے کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ فریب تھا۔ بنو امیہ کے دار السلطنت دمشق کو فتح کر کے عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا جس میں پچاس ہزار آدمی (مسلمان) مارے گئے۔ ستر دن تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی' حضرت معاویہ سمیت تمام بنی امیہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں' ہشام بن عبدالمالک کی لاش قبر میں سے صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا' چند روز تک اسے منظر عام پر لٹکائے رکھا گیا اور پھر جلا کر اس کی راکھ اڑا دی گئی' بنی امیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا' بعد میں بنی امیہ کو قتل کر کے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا جہاں کتے انہیں بھبھوڑتے رہے' یہی کچھ مکہ اور مدینہ میں ان کے ساتھ کیا گیا۔ سفاح (بنو عباس کا پہلا خلیفہ) کے خلاف موصل میں بغاوت ہوئی تو اس نے اپنے بھائی یحیی کو اس کی

Marfat.com

سر کوبی کے لئے بھیجا۔ یحییٰ نے اعلان کیا کہ جو شہر کی مسجد میں داخل ہو جائے گا' اس کے لئے امان ہے' لوگ ہزاروں کی تعداد میں وہاں (مسجد میں) جمع ہو گئے' پھر مسجد کے دروازوں پر پہرہ لگا کر ان امان یافتہ پناہ گزینوں کا قتل عام کیا گیا' اس طرح تین دن موصل میں قتل و غارت کا بازار گرم رہا' یحییٰ کی فوج میں چار ہزار زنگی تھے وہ موصل کی عورتوں پر ٹوٹ پڑے اور زنا بالجبر کا طوفان برپا کر دیا۔ ایک عورت نے یحییٰ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے شرم دلائی کہ تم بنی ہاشم میں سے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اولاد ہو' تمھیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے زنگی (حبشی) سپاہی عرب مسلمان عورتوں کی آبروریزی کرتے پھر رہے ہیں؟"

مشہور شیعہ مصنف و مورخ محمد علی ابن طبا طبا بحثیت مجموعی خلفائے بنو عباس کی حمایت کرتے ہیں' لیکن ساتھ ہی اعتراف کرتے ہیں "حکومت عباسیہ کفر و فریب اور بے وفائی کی حکومت تھی' اس میں جتنی قوت و طاقت تھی اس سے کہیں زیادہ اس میں حیلہ گری اور دغابازی تھی' خصوصاً آخری دور میں تو عباسی خلیفوں نے فریب اور دغا کو وطیرہ بنا لیا تھا" ایک شاعر عباسی خلافت کے جنگی و جہادی روح سے خالی متوسلین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے "یہ لوگ صبح شام اپنی کمر میں تیز دھار شمشیر لٹکائے رکھتے ہیں جس میں کبھی کوئی رخنہ نہیں پڑا" بالکل لکھنو کے دور زوال کے بانکوں کی طرح۔

مطلق العنان بادشاہ یا خلفاء عام طور پر حد سے گزرنے والے ہوتے ہیں' عباسی خلفاء میں سے بہت کم ایسے تھے جو اعلیٰ ذاتی اوصاف کے مالک کہے جا سکیں۔ اسی مختصر مضمون میں ممکن نہیں کہ ہم مختلف خلفاء کے بارے میں تفصیل پیش کریں' چند مثالوں پر اکتفا کیا جائے گا۔

سب سے پہلا عباسی خلیفہ سفاح جس نے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوائی تھیں اور ہزاروں بے گناہوں کو بے وجہ قتل کیا' اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسرا خلیفہ منصور ویسے

Marfat.com

تو بڑا اساد گی پسند اور موسیقی وغیرہ سے نفور تھا لیکن سخت حریص، کنجوس، کینہ پرور اور ظالم تھا۔ اسی خلیفہ منصور نے امام اعظم ابو حنیفہ کو درے لگوائے تھے اور قید میں ڈال کر سخت اذیتیں دی تھیں حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ روایت یہ ہے کہ اس کے حکم پر امام صاحب کو زہر کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں منصور نے بہت سے دوسرے اکابر علما جیسے ابن عجلان اور امام عبدالحمید بن جعفر کو بھی اذیتیں دیں' اس کے شر سے اپنے وقت کے قطب حضرت سفیان ثوریؒ اور عباد بن کثیرؒ بھی محفوظ نہ رہے' انھیں بھی قید و بند میں مبتلا کیا گیا اور اذیتیں دی گئیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ جس شخص نے بنی عباس کی حکومت کی بنیادیں رکھیں یعنی ابو مسلم خراسانی' اسے بھی غداری اور فریب سے منصور نے قتل کیا' جھوٹ بول کر امان دینا اور پھر قتل کر دینا منصور کی عادت تھی۔ ابو مسلم خراسانی کو معلوم ہو گیا تھا کہ خلیفہ اس کے درپے آزار ہے اور وہ خراسان چلا گیا جہاں اس کے حامی بکثرت تھے' خلیفہ نے قاصد بھیج کر اسے طلب کیا اور امان کا وعدہ کیا۔ آخر وہ خلیفہ پر اعتبار کر کے اس کے ہاں پہنچا اور مدائن میں جا کر خلیفہ سے ملا۔ آگے کی کہانی "الفخری" کے مصنف محمد علی ابن طباطبا کی زبانی :

"منصور کو اس کے آنے کی خبر ملی تو تمام لوگوں کو اس کے استقبال کا حکم دیا۔ جب ابو مسلم اندر گیا تو اس نے منصور کی دست بوسی کی' منصور نے بڑے احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا' پھر اس سے کہا کہ اپنے خیمے میں جا کر آرام کرے اور حمام سے فارغ ہو کر ملاقات کرے۔ ابو مسلم چلا گیا اور دوسری صبح منصور کا قاصد اسے بلانے آیا۔ منصور نے یہ انتظام کیا کہ چند مسلح افراد کو پردے کے پیچھے چھپا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ جوں ہی میں اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ماروں تم فوراً باہر نکل آنا اور ابو مسلم کو قتل کر دینا۔ جب ابو مسلم منصور کے پاس آیا تو منصور نے اس سے پوچھا' عبداللہ بن علی کی چھاؤنی سے جو تلواریں تمہیں ملی تھیں وہ کہاں ہیں؟ ابو مسلم نے ایک تلوار جو اس وقت اس کے پاس تھی پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایک تو یہ ہے منصور نے وہ تلوار لے کر جانماز کے نیچے رکھ لی' اس کے بعد ابو مسلم کو ایک

Marfat.com

ایک الزام دہرا کر ڈانٹنا شروع کیا' غیر مسلح اور تنہا ابو مسلم ہر الزام کے جواب میں معذرت پیش کرتا گیا۔ منصور نے اس کے بہت سے جرم گنوائے تو ابو مسلم نے کہا کہ امیر المومنین میرے جیسے آدمی کو نہ ایسی باتیں سنانی چاہیں اور نہ اس کے سامنے بہت سے جرم دہرانے چاہیں۔ اس پر منصور لال پیلا ہو گیا اور کہا' او بدبودار عورت کے بچے تو نے یہ سب جرم کئے ہیں' تجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہماری بدولت اور ہماری حکومت کے صدقے میں حاصل ہوا ہے۔ ابو مسلم نے کہا' امیر المومنین' ان باتوں کو جانے دیں' میں نے جو کچھ آپ کی حمایت کے لئے کیا تھا' ٹھیک کیا تھا محض اللہ سے ڈر کر کیا تھا۔ منصور نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا تو چھپے ہوئے مسلح آدمی باہر آ گئے اور ابو مسلم پر تلواروں سے چرکے لگانے لگے۔ ابو مسلم چلایا' امیر المومنین مجھے اپنے دشمنوں کے لئے زندہ رکھئے۔ منصور بولا تجھ سے زیادہ بڑا دشمن میرا اور کون ہے؟ منصور نے اشارہ کیا اور ابو مسلم کی مردہ لاش ایک دری میں لپیٹ کر رکھ دی گئی"۔ ابو مسلم کو امان اور پناہ دینے کے باجود قتل کر دیا گیا' یہ وہ شخص وہ تھا جس کے بارے میں مورخیں نے لکھا ہے کہ اس نے بنی عباس کی خاطر' انہیں اقتدار دلانے کی خاطر یمن' عرب' عراق اور ایران میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کا خون بہا دیا تھا۔ اس کی تلوار ا سے نہ غیر مسلم محفوظ رہے اور نہ ہی مسلم۔ ہزاروں مسلمان علماء' صوفیا' عابدوں اور زاہدوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس طرح اس کا خاتمہ ہوا کہ ایک شخص بھی مدد کرنے کے لئے موجود نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ابو مسلم کے باورچیوں کی تعداد ایک ہزار تھی' روزانہ تین ہزار من روٹیاں اس کے ہاں پکتیں' ایک سو تیں بکرے ذبح ہوتے بارہ سو جانور صرف اس کے باورچی خانے کا سامان اٹھانے کے لئے تھے۔

بھیانک ظلم جب واقع ہوتا ہے تو اس کے اثرات فضا میں اڑ کر غائب نہیں ہوتے۔ ظلم کے بیج ہوتے ہیں' ان بیجوں سے سلسلہ آگے چلتا ہے اور جو نیا پودا نکلتا ہے اس کے نوکیلے کانٹے ظلم کے بانی کو بھی ضرور نشانہ بناتے ہیں۔ بنو امیہ نے جس ظلم کا آغاز میدانِ کربلا سے

Marfat.com

کیا وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا' عفوو درگزر سے کبھی کام نہ لیا گیا' حجاج بن یوسف نے تو ظلم کی انتہا کر دی۔ رّدِ عمل میں بنو امیہ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو انہوں نے روا رکھا تھا۔ بنو عباس کی ایک بری خصلت ایک یہ تھی کہ پرلے درجے کے عیاش تھے' ان کے ہاں عمر بن عبدالعزیز جیسا ایک بھی حکمران نہ ہوا۔ اس کے علاوہ وافر جھوٹ اور دغا سے کام لیتے تھے' فریب سے قتل کرنا ان کے لئے کوئی غلط حرکت نہ تھی۔ مکافاتِ عمل تھی کہ خلیفہ مستعصم اور پورے خاندان بنو عباس کو (جس کے افراد کی تعداد ہزاروں میں تھی) اسی طرح دھوکے سے قتل کیا گیا۔ روایت ہے کہ ایک بار خلیفہ منصور کو مکھیوں نے بہت پریشان کیا' منصور نے اپنے پاس موجود مقاتل بن سلیمانؒ سے پوچھا' آخر ان مکھیوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے' ان کا کیا فائدہ ہے؟ مقاتل نے جرأتِ مومنانہ سے کام لیتے ہو کہ کہا "اللہ نے انہیں ظالموں کو ذلیل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔" خلیفہ منصور شراب خوری' نجوم' شگون اور خونریزی میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔

شراب کے ساتھ بہتے ہوئے خون کے نظارے

خلیفہ المہدی ابن منصور کے بارے میں عام طور پہ یہ لکھا جاتا ہے کہ وہ بہت صحیح العقیدہ اور اچھا مسلمان تھا لیکن انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک بوڑھے شخص کو زندیق ہونے کے الزام میں اس کے سامنے لایا گیا' خلیفہ نے اس کے قتل کا اردہ کیا' لیکن بوڑھے شخص نے کہا" میں اللہ سے اس گناہ کی توبہ کرتا ہوں" اور معافی کی درخواست کی۔ خلیفہ نے معاف کر دیا' لیکن جب وہ جانے لگا تو خلیفہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور اسے قتل کرا دیا۔ مہدی شعر بھی کہتا تھا' ایک شعر میں کہتا ہے" میری عیش و عشرت اور لذت' خوشبو میں بسی کنیزوں' موسیقی اور دنیا کی مزیدار چیزوں میں ہے" لیکن شراب کے ساتھ بہتے ہوئے خون کے نظارے کا بھی شائق تھا۔ اپنے بوڑھے وزیر ابو عبید اللہ سے ایک دن کہا

Marfat.com

میں تمھارے فرزند کی دین اسلام سے واقفیت کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بیٹے کو طلب کیا گیا قرآن کے بارے میں کچھ سوالات کئے جن کے وہ معقول جواب نہ دے سکا۔ خلیفہ مہدی نے ابو عبید اللہ سے کہا" اچھا اٹھو اپنے فرزند کو قتل کرو" خلیفہ کا حکم تھا' ابو عبید اللہ اٹھا مگر گر پڑا اور کانپنے لگا۔ مہدی نے ایک اور شخص کو جو وہاں موجود تھا قتل کا حکم دیا اور ابو عبید اللہ کے روبرو اس کے جواں سال بیٹے کو بے گناہ قتل کرادیا۔ شاعر بشار اس' مہدی کے دور کے بارے میں کہتا ہے "اے لوگو' تمہاری خلافت ضائع ہو چکی' اب اللہ کی خلافت ڈھونڈنی ہو تو بانسری اور طنبورے میں ڈھونڈو" یہ ایک مثال ہے مہدی کی موسیقی پسندی اور لذت پرستی کی۔

مہدی کے بعد خلیفہ ہادی بھی شراب و شباب کا رسیا تھا' بلکہ کچھ زیادہ ہی اس طرف راغب تھا۔ عام طور پر نشے کی حالت میں رہتا۔ روایت ہے کہ اسے اس کی ماں خیزران نے قتل کرادیا تھا' وہ بخار کی حالت میں منہ لپیٹ کر لیٹا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے اس کی ماں کے اشارے پر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ خلیفہ کو امور مملکت سے دلچسپی نہ تھی اور تمام معاملات پر اس کی ماں کی چھائی تھی۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید بنو عباس کے سب سے اچھے حکمران تھے لیکن حدود اللہ کے معاملے میں ان کا ریکارڈ بھی اچھا نہیں۔ برامکہ کے ساتھ ہارون الرشید کی زیادتی اور ظلم کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ درمیان میں تھوڑے عرصے کے لئے الامین کے پاس حکومت آئی' امین کا کردار اورنگ زیب کے بھائی دارا شکوہ جیسا تھا' امین کو مامون نے قتل کرادیا۔ امین بے حد عیاش حکمران تھا۔ لہو و لعب میں غرق رہتا' حد یہ کہ جب اس کی بد قسمتی کا آغاز ہوا اور وہ مامون کے خوف سے بغداد چھوڑ کر مارا مارا پھرتا تھا' تب بھی اپنی بری عادتوں سے توبہ نہ کی۔ علامہ سیوطی نے ابراہیم ابن مہدی کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے "اس مصیبت کے زمانے میں وہ (ابراہیم) امین کے ساتھ منصورہ میں تھا' ایک رات امین نے مجھے بلایا' جب میں اس کے پاس پہنچا اس نے کہا دیکھو کیسی خوبصورت شب ہے'

Marfat.com

چاند جوبن پر ہے' چاندنی پانی میں جوت جگا رہی ہے' ایسے میں شراب کا دور چلنا چاہیے' میں نے کہا جیسے آپ کی مرضی۔ چنانچہ ہم نے جی بھر کر پی' اس کے بعد اس نے اپنی خاص لونڈی ضعف کو بلایا اور اسے گانے کا حکم دیا" مورخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ امین کو ہیجڑوں کی صحبت سے بڑی رغبت تھی اور ان سے قوم لوط کے عمل کا مرتکب ہوتا تھا۔ اس نے اپنے محل میں سینکڑوں خوبصورت خواجہ سرا بڑی بھاری رقمیں ادا کر کے جمع کر لئے تھے اور ہر وقت ان کی طرف متوجہ رہتا' علاوہ ازیں کھیل تماشا دکھانے والوں اور بازی گروں کو بھی جمع رکھتا تھا۔

خلیفہ مامون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا ہی حلیم' متحمل مزاج اور بردبار تھا لیکن اس دعوئ کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے اس نے خلق قرآن کے مسئلے پر اس وقت کے جید علماء پر بہت تشدد کیا' امام احمد بن حنبل نے خلیفہ کے موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انہیں اذیتیں دیں۔ روایت ہے کہ اپنے وزیر فضل بن سہل کو سیاسی مصلحتوں کے تحت قتل کروا دیا اور اس کے بعد اس کے قتل کرنے والوں کو بھی قتل کرا دیا۔ جب ان لوگوں کو مامون کے حکم پر قتل کیا جانے لگا تو انہوں نے کہا آپ ہی نے تو ہمیں فضل بن سہل کے قتل کا کہا تھا اور اب ہم کو قتل کراتے ہیں؟ مامون نے کہا' میں تمہیں اس لئے قتل کرا رہا ہوں کہ تمہیں اس قتل کا اعتراف ہے۔ علی بن موسیٰ رضا کو انگوروں میں زہر ملا کر کھلایا اور وہ ختم ہو گئے۔

خلیفہ معتصم باللہ مکمل ان پڑھ ہونے کے باجود خلق قرآن کے پیچیدہ فکری مسئلے پر وقت کے علماء سے الجھتا رہا۔ ذہنیت قاتلانہ تھی' معمولی بات پر لوگوں کو قتل کر دیتا تھا۔ علماء کی بڑی تعداد کو صرف اس لئے اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتارا کہ وہ خلق قرآن کے مسئلے پر سرکاری موقف سے متفق نہ تھے۔ خوبصورت غلاموں کو خریدنے کا شوقین تھا' وسطی ایشیا سے اتنے غلام خریدے کہ بغداد کے شہری ان کے ہاتھوں عاجز آ گئے ان غلاموں کو

Marfat.com

خوب سجا کر شہر میں گھومنے کے لئے چھوڑا جاتا تھا اور وہ لوگوں کو ستاتے تھے' لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے اور عورتوں کے ساتھ دست درازی کرتے' یہاں تک کہ لوگوں نے خلیفہ کے لئے سر عام بددعائیں دینا شروع کر دیں۔ جب معتصم مرنے لگا تو ایک کشتی میں سوار ہوا اور ''زنام'' نامی گویے کو کہا کہ گائے اور وہ گاتا رہا اور معتصم سنتا رہا۔ گویا آخری وقت میں بھی لہو ولعب میں کھویا رہا۔

خلیفہ واثق کا دور بھی علماء کے لئے سخت ابتلا کا دور تھا' اس کے وزیر ابن زیات نے علماء کو اذیت دینے کے لئے ایک آہنی تنور بنایا تھا جس کے اندر نوکیلے کیل لگے تھے۔ جب وہ خود زیر عتاب آیا تو اپنے بنائے ہوئے تنور میں ڈالا گیا۔ خلیفہ جعفر متوکل نے حضرت امام حسینؓ کی قبر پر ہل چلوادیا تھا روایت ہے کہ اسے خود اس کے اپنے فرزند منصر نے ہلاک کیا تھا جب کہ وہ مئے نوشی اور عیاشی میں مصروف تھا۔ خلیفہ متوکل کے دور میں عجیب وغریب واقعات پیش آئے' شہر حلاط کے باشندوں نے آسمان سے ایک چیخ کی آواز سنی جس کی ہیبت سے ہزاروں افراد مر گئے۔ مصر میں ایک علاقے میں آسمان سے بھاری پتھر برسے۔ یمن میں ایک پہاڑ نے اس طرح حرکت کی کہ لوگوں کے کھیت ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پہنچ گئے۔ شہر حلب (شام) میں ایک عجیب وغریب سفید پروں والا پرندہ فضا میں نمودار ہوا اور انسانوں کی بولی میں پکار کر کہا ''لوگو' اللہ سے ڈرو'' پرندے نے چالیس بار یہ آواز لگائی اس کے بعد غائب ہو گیا۔ متوکل کی عیش پسندی کی یہ کیفیت تھی کہ اس کے حرم میں چار ہزار لونڈیاں اور خوبصورت کنیزیں جمع تھیں النصر باللہ کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اس نے تاج وتخت کے لئے باپ کو قتل کیا تھا' وہ خود صرف چھ ماہ تک حکمران رہ سکا اور مر گیا۔

Marfat.com

دین کے خلاف فتنوں کا ظہور

خلافت بنو عباس کے دور میں ایسے ایسے دینی اور فکری فتنے سر اٹھاتے رہے کہ اس سے پہلے کوئی مثال دیکھنے میں نہیں آتی' خلیفہ معتمد کے دور میں قرامطہ کا ظہور ہوا' یہ لوگ غسل جنابت کو غیر ضروری سمجھتے تھے' شراب کو جائز قرار دیتے تھے' اذان کے الفاظ میں تبدیلی کی' بیت اللہ کی جگہ بیت المقدس کو حرم سمجھتے تھے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے' ان کے نزدیک رمضان کے روزوں کی جگہ صرف دو دن کے روزے تھے' انہوں نے دنیائے اسلام کے طول و عرض میں ہزاروں مسلمانوں کے عقائد خراب کیے اور لوگوں کو انتہائی اذیتیں دیں۔ بد قسمتی سے خلفائے بنو عباس نے ان کا زور توڑنے کے لئے کوئی کاروائی نہ کی حتیٰ کہ یہ لوگ خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں حجر اسود کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے اور بیس سال تک اپنے قبضے میں رکھا۔ اسی زمانے میں منصور حلاج نے عجیب و غریب عقائد اور خیالات عوام کے سامنے پیش کیے' کبھی وہ اپنے اندر کسی پیغمبر کی روح کا دعویٰ کرتا اور کبھی خدا کا۔ لوگ اسے صوفی اور مجذوب سمجھ کر اس کے پیچھے ہو لئے یہاں تک کہ اس کے پیشاب کو مرض دور کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ بالآخر علماء کے فتویٰ پر اسے قتل کر دیا گیا۔ مقتدر باللہ کے دور میں حکومت پر عورتیں چھائی تھیں اور وہ خود لذت و عیش میں کھویا رہتا' بالآخر اسے قتل کیا گیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ قتل و خونریزی کا دلدادہ تھا' مجرموں کو زندہ زمین میں گاڑا کرتا تھا۔ اس کے دور میں عبداللہ نامی ایک شخص نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور حکومت کے لئے چیلنج بنا رہا۔ اسی زمانے میں عراق میں عجیب و غریب آندھی آئی جو پہلے زرد رنگ کی تھی' پھر سبز رنگ کی ہوئی اس کے بعد سیاہ پڑ گئی' اس کے بعد آسمان سے ایک چادر گری جو بہت بھاری تھی پھر پتھر برسے۔ خلیفہ معتضد کی موت کا سبب عیاشی اور جنسی کج روی تھی جس کی وجہ سے اس کے اعضائے رئیسہ میں عجیب تبدیلی آ گئی تھی۔

Marfat.com

طبیب نے مرض الموت میں اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو اس نے طبیب کو ایسی لات ماری کہ وہ بے چارہ وہیں گر کر ہلاک ہوا' ساتھ ہی معتضد کی جان بھی نکل گئی۔

خلیفہ القاہر باللہ نہایت ایذا پسند اور سفاک تھا اور ساتھ ہی بلا کا شرابی تھا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی وہ نیزہ ہاتھ میں لے لیتا تو جب تک کسی زندہ انسان کو قتل نہ کر دیتا نیزہ ہاتھ سے نہ رکھتا۔ وہ ایک جنونی قاتل تھا۔ خلیفہ المطیع للّٰہ کے دور میں اس کا وزیر معزالدولہ اس پر چھایا رہا' یہ شخص غلط عقائد رکھتا تھا اور اس نے بغداد کی تمام مساجد کے دروازوں پر بعض صحابہ پر (نعوذباللہ) لعنت پر مشتمل تحریریں لکھوادیں جس پر لوگوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا۔ پہلی دفعہ اس خلیفہ کے دور میں (352ھ) یوم عاشور کے موقع پر تعزیہ نکالا گیا اور عورتیں بال کھولے ہوئے ماتم کرتی ہوئیں بغداد کے بازاروں میں اور گلی کوچوں میں نکلیں۔ اس کے بعد خلیفہ مستعصم تک بنو عباس کے کئی خلیفے آئے اور رخصت ہوئے۔ آنے والے دور میں خلفائے بغداد کا اقتدار کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ جبکہ سلجوق و مملوک وغیرہ نئے حکمران دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں پر چھا گئے' پھر بھی سکہ خلافت عباسیہ کا چلتا رہا۔ اسی دور میں باطنی تحریک نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا' ایران میں خلافِ اسلام ملحدانہ تحریکیں چلیں لیکن خلفائے عباسیہ انہیں کچلنے میں ناکام رہے اور اپنی عیش و عشرت اور زراندوزی میں کھوئے رہے۔ آخری خلیفہ مستعصم باللہ جس کے زمانے میں بغداد ہلاکو کے ہاتھوں تباہ ہوا' تفریح اور تماشے کا رسیا تھا۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ اس کا سارا وقت گانے بجانے ہنسی مذاق اور تفریحی مشاغل میں بسر ہوتا تھا۔ تاریخ جہانکشائے جوینی کے مطابق سقوط بغداد کے بعد تاتاریوں کو خلیفہ کے شراب خانے سے چاندی' سونے کے ظروف اور صراحیاں ملیں جن کا کوئی شمار نہ تھا اور جب ان ظروف کو عراق و عجم کے بازاروں میں فروخت کیا گیا تو چاندی کا بھاؤ اتنا گر گیا جتنا کہ سیسے اور قلعی کا ہوتا ہے' چاندی کا کوئی گاہک نہیں ملتا تھا۔

Marfat.com

آخری عباسی خلیفہ کی شرمناک دلچسپیاں

خلفائے بغداد کی طویل فہرست میں بہت کم نام ایسے دکھائی دیتے ہیں جنہیں حرام و حلال اور حدود اللہ کے معاملے میں محتاط اور پرہیز گار کہا جا سکے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے' جب کہ خلفائے بنو عباس بے گناہ انسانوں کے قتل میں ہچکچاتے نہیں تھے' حلال اور حرام کے درمیان تمیز انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے' ایک بلند درجہ انسان (بادشاہ اور خلیفہ) سے زیادہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس فرق کو ملحوظ رکھے' پھر اسلام کی تو بنیاد ہی حدود کے قیام پر ہے۔ بدقسمتی سے خلفائے بنو عباس کا ریکارڈ اس سلسلے میں بہت ہی داغدار ہے۔ شراب' بے گناہ قتل' فریب' دغا' بے وفائی' حرصِ مال' بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ اغماض' علماء کے خلاف تشدد' عیش و نشاط اور لذت پرستی وغیرہ ان کے نزدیک قابل اعتراض باتیں تھیں ہی نہیں۔ حدود شکنی اور حرام کے ساتھ وابستگی ان کے ایسے جرائم تھے کہ چنگیز اور ہلاکو کی شکل میں بلائے عذاب ان پر نازل ہوئی جس کا نقصان پوری امت کو برداشت کرنا پڑا۔

خلیفہ مستعصم باللہ کے بارے میں تاریخ وصاف کا مصنف لکھتا ہے

"خلیفہ مستعصم باللہ خلفائے بنی عباس کے زمرہ میں زیادہ سے زیادہ عیش کوشی' تن آسانی' نشاط پسندی' مال و دولت' نفیس اشیاء و جوہرات کی کثرت میں مشہور اور عظمت و تکبر کا مالک تھا۔ چار سو خادم مستقل طور پر دربار کی ملازمت میں مشغول رہتے تھے کسی کو مجال نہ تھی' خواہ وہ کسی ملک کا شہنشاہ ہی کیوں نہ ہو کہ امیر المومنین کے دربار میں باریابی پا سکے۔ شاہی محل کے قبوں کے سامنے شاہراہ پر ایک پتھر حجر اسود کی طرح رکھا رہتا تھا اور سیاہ اطلس کا ایک تھان کھڑکی سے آستین کی طرح چھوٹا رہتا تھا۔ اطراف کے سلاطین میں سے جو بھی اسی سدرہ کی مانند بلند بارگاہ میں حاضری کا خواہاں ہوتا وہ اس سیاہ اطلس کے پردے کی زیارت

Marfat.com

کرتا اور پتھر کو بوسہ دے کر واپس چلا جاتا۔ صرف عیدین کی تقریب کے موقع پر خلیفہ وقت باہر نکلتا۔ اس موقع پر براق صورت اور برق رفتار شاہی گھوڑوں کو سونے چاندی کے طوقوں اور بندوں سے سجایا جاتا۔ گھوڑے زیورات اور سجاوٹ میں ڈوبے ہوتے تھے۔ بڑے بڑے سردار' امرا' مشائخ گروہ در گروہ خلیفہ کی معیت میں ہوتے۔ عام اور خاص لوگ پہلے سے ہی وہ مکانات' بالاخانے' پنجرے اور کھڑکیاں اور چھتیں جو شاہی جلوس کے راستے پر واقع ہوتیں' کرایہ پر حاصل کرتے اور شاہی جلوس کا نظارہ کرتے جو دیکھنے کے قابل ہوتا۔ خلیفہ مستعصم 'بدعت' عیش اور لہو لعب کی باتوں سے لطف اٹھانے کا عادی تھا حالانکہ ایک بادشاہ اور حکمران کو ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

مورخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ مستعصم اس وقت بھی خوش آواز گویوں کا گانا سننے' حسین و جمیل کنیزوں کی محبت اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ نشاط میں مشغول رہا جب ہلاکو کی فوج بغداد کے دروازوں پر آ چکی تھی اور اس کا وزیر ابن علقمی خلافت کی بربادی کے لئے تاتاریوں کے ساتھ نامہ و پیام میں مصروف تھا۔ ایک خلیفہ الناصر الدین اللہ نے دو بڑے بڑے حوض تیار کرائے تھے جنہیں اس نے خالص سونے اور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا' کہتے ہیں کہ جب خلیفہ ناصر مر گیا تو اس کا پوتا مستنصر باللہ ایک روز اپنے محرم راز خادم کے ساتھ ان دو حوضوں کے پاس گیا اور کہا کہ میں اتنی مہلت (زندگی) چاہتا ہوں کہ اس تمام دولت کو خرچ کر سکوں۔ خادم ہنس پڑا۔ مستنصر اس بے ادبی پر ناراض ہوا اور پوچھا ہنسی کا کیا سبب ہے؟ اس نے جواب دیا' ایک روز میں آپ کے دادا (الناصر) کے ساتھ بالکل اسی طرح یہاں آیا تو دو حوضوں میں سے ایک ابھی تک نہیں بھرا تھا تو انھوں نے کہا تھا' میں اس قدر مہلت زندگی خدا سے چاہتا ہوں کہ اس حوض کو مال و زر سے بھر دوں۔ ان دونوں خواہشوں کے درمیان دلچسپ تفاوت پر مجھے تعجب ہوا ہے۔ خیر' مستنصر نے تو واقعی وہ دولت بہت اچھے کاموں پر خرچ کی' مدرسہ مستنصریہ قائم کیا' لیکن مستعصم جب حکمران ہوا

Marfat.com

تو اس نے دوبارہ دونوں حوضوں کو سونے سے بھر دیا' اس کی ہوسِ زر اور تحمل انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ روایت ہے کہ خاص شاہی محل سے جو مال تاتاریوں کو ملا تھا اسے وہ چار ہزار اونٹوں پر لاد کر اپنے خیموں تک لے گئے تھے۔ قیمتی اور منقش لباسوں سے بھی کئی گودام بھرے ہوئے تھے جنہیں تاتاریوں نے لوٹ لیا۔ اگر خلفائے عباسی عیش و فراغت میں نہ پڑتے اور اپنی دولت کو سلطنت کے استحکام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے استعمال کرتے تو شاید ان المیے سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

عذابِ الٰہی شیعہ سنی میں فرق نہیں کرتا

یہاں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی عیش کوشی کے علاوہ جس بات نے عالم اسلام کو اتنے بڑے سانحہ سے دوچار کیا وہ ملت کے اندر پایا جانے والا افتراق تھا۔ خصوصاً شیعہ۔ سنی تنازعہ نے بہت تکلیف دہ صورت حال پید کر دی تھی۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ ایک فرقہ پسند کرتا کہ بے شک کوئی غیر مسلم فاتح بن جائے لیکن مخالف فرقے کو زک پہنچنی چاہئے۔ ابن علقمی کے طرز عمل کے پسِ پردہ یہی سوچ کار فرما تھی۔ چنگیز خان کے لشکر شہر بہ شہر فتح کرتے ہوئے جب ایران کے شہر قم پہنچے تو وہاں دو گروہ مسلمانوں کے موجود تھے' یعنی شیعہ اور سنی' روایت ہے کہ شیعہ گروہ نے تاتاری لشکر سے کہا کہ اگر وہ لوگ قم میں سنیوں کو ختم کر دیں تو وہ یہ شہر ان کے حوالے کر دیں گے' تاتاریوں نے یہ شرط قبول کر لی لیکن جب وہ فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے بلا تفریق سنی اور شیعہ سب کو قتل کیا۔ ظلم کی چکی میں دونوں فرقوں کے مسلمانوں کو پیس ڈالا گیا۔ اسی سے ملتی جلتی روایت اس دور کے عالی شان شہر "رے" کے متعلق ہے (آج کل یہ محض ایک قصبہ ہے اور تہران کے مضافات کا حصہ ہے) وہاں فقہی مسلک میں اختلافات رکھنے والے دو بڑے گروہ' حنفی' اور شافعی تھے۔ جب تاتار

Marfat.com

یورش کرتے ہوئے وہاں پہنچے تو اس وقت وہاں حنفی اور شافعی گروہوں کے درمیان ایک مسجد کے جلائے جانے کے معاملے پر سخت کشیدگی موجود تھی۔ شافعیوں نے حنفیوں کی عداوت میں تاتاری لشکر کا خیر مقدم کیا اور ان کے سامنے یہ شرط رکھی کہ وہ "رے" شہر حوالے کرنے پر تیار ہیں بشرطیکہ حنفیوں کو تباہ کرنے کا وعدہ کیا جائے۔ تاتاریوں نے یہ شرط بخوشی قبول کر لی اور شہر میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے حنفیوں کو چن چن کر قتل کیا' اس کے بعد ایک بہانہ بنا کر شافعیوں کا بھی صفایا کر دیا اور اس طرح دونوں کے خون سے عبرت کا ایک دردناک مرقع تاریخ کے لئے تیار ہو گیا۔

کچھ اس سے ملتی جلتی کہانی "سمرقند" کی ہے جو وسط ایشاء میں مسلمانوں کا ایک بھرا پرا شہر تھا جب چنگیز خان کی قیادت میں تاتاری لشکر بخارا کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد خوارزم شاہی سلطنت کے اس آباد و شاداب شہر (سمرقند) کی طرف بڑھا تو وہاں مسلمانوں کی ایک لاکھ فوج موجود تھی' ابتدائی جھڑپوں کے بعد اہلِ شہر نے مناسب سمجھا کہ قلعہ بند ہو جائیں۔ کچھ دنوں تک محاصرہ جاری رہا' پھر ایک دن قاضیِ شہر اور دوسرے علماء نے چنگیز خان سے رابطہ کیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ یہ سب کچھ علماء کی بزدلی کے باعث ہوا۔ اس روز یومِ عاشور تھا پچاس ہزار اہلِ شہر کو خونی غسل دے دیا گیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ علماء اور فقہا باہمی اختلاف کو اس سطح پر لے گئے تھے جہاں ملتِ اسلامیہ کے مجموعی مفاد کو بھلا دیا گیا' اسی طرح ان اختلافات میں انتہا پسندی کے باعث اور دیگر اسباب کی بنا پر (جن میں حکمرانوں کی عیش پرستیاں' فسق و فجور اور خرمستیاں سر فہرست ہیں ایک دوسری قوم مسلمانوں پر مسلط ہو گئی' مسلمان مستقل طور پر احساسِ کمتری میں مبتلا ہوئے۔ ان کے اندر مردانگی' شجاعت' غیرت و حمیت جیسی اعلیٰ صفات کم ہوتی چلی گئیں' لوگ جہاد سے ڈرنے لگے حتیٰ کہ غلام محمد قادیانی جیسے لوگوں نے فتویٰ دیا کہ جہاد کی موجودہ دور میں کوئی ضرورت اور جواز باقی نہیں رہا۔

Marfat.com

باب ۔ 3

سمر قند سے عذابِ الٰہی کا ظہور

(فاتحِ اعظم تیمور اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنانے کا شوق)

جب تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاری دنیا کو تسخیر کرنے اٹھے تو تباہی مسلمانوں تک محدود نہ تھی، روس اور یورپ کی سفید فام اقوام کو بھی چر کے لگے تھے، لیکن فرق یہ تھا کہ ایک طرف تمدن تھا اور دوسری طرف وحشت و جہالت۔ مسلمانوں کا پلہ تباہی میں یوں بھی بھاری تھا کہ اصل نقصان تہذیب و تمدن کی بربادی کی صورت میں نکلا۔ مسلمانوں نے چھ سو سالوں میں تہذیب و ثقافت اور علمی و سائنسی ترقی کی جو بلند بالا عمارت بڑی محنت کے ساتھ تعمیر کی تھی اسے درندہ صفت منگولوں نے گرا کر زمین کے برابر کر دیا (یہ درست ہے کہ یہ سب مسلمانوں کے اعمال کا نتیجہ تھا)۔ دوسری طرف محدود جانی و مالی نقصان کے علاوہ سفید فام اقوام کا کچھ نہ بگڑا کیونکہ وہ پہلے ہی تہذیب ناآشنا تھے، بلکہ یہ احساس ان گوری قوموں میں پہلی بار نمودار ہوا کہ ان کی دنیا کے علاوہ بھی کوئی دنیا ہے۔ ان قوموں نے تاتاریوں کے ہاتھوں چوٹ کھانے کے بعد جو انگڑائی لی وہ مثبت تھی وہ آگے چل کر مذہبی و معاشرتی اصلاح کی تحریک میں ڈھل گئی، ان قوموں کے اندر احساس خودی بیدار ہوا۔ مسلمانوں کی تو متاع ہی لٹ گئی تھی، اپنے من میں جھانکنے کا خیال مسلمانوں میں بھی پیدا ہوا، لیکن یہ خودنگری منفی قسم کی تھی، انفعالیت نے پوری قوم کو لپیٹ میں لے لیا، صوفیانہ مسلک، درویشی، ارتاض، اور احساس فنا سکہ رائج الوقت ٹھہرا، خانقاہوں میں، مسجدوں میں، سراؤں میں صرف آخرت کی باتیں ہونے لگیں، معاملہ خوف خدا تک رہتا تو

Marfat.com

ٹھیک تھا لیکن یہاں تو تصوف وروحانیت کا مطلب تعطل و بے عملی سمجھ لیا گیا۔ لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ گئے۔ اس طرح مسلمانوں میں ہر طرح کی ترقی رک گئی اور جمود طاری ہو گیا۔ اس جمود کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چنگیز اور ہلاکو وغیرہ کے حملوں میں لاکھوں عالی دماغ عالموں اور ہنر مندوں کو قتل کر دیا گیا تھا اس طرح مسلمانوں میں زبردست ثقافتی و تہذیبی خلا پیدا ہو گیا جسے خواجو کرمانی اور حافظ شیرازی کی متصوفانہ اور عاشقانہ غزلوں (خواہ ادب میں ان کا کیسا ہی مقام ہو) سے ہرگز پر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بے حسی اور جمود کا دور

تیرھویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک تین سو سال کا عرصہ ہے' ان تین سو سالوں کو مورخین نے بالاتفاق مکمل جمود کا زمانہ قرار دیا ہے۔ یعنی اس پوری مدت میں انسانیت پر خواب آلود کیفیت طاری رہی اور کوئی ٹھوس سرگرمی دکھائی نہ دی۔ مسلمانوں سے دنیا کی لیڈر شپ کا اعزاز تاتاریوں نے چھین لیا تھا اور وہ لوگ بذات خود اس قابل نہ تھے کہ تہذیب و تمدن کے ورثے میں کوئی اضافہ کر سکیں کیونکہ تاتاری بنیادی طور پر تخریب پسند تھے' تعمیر کے قائل نہ تھے' بلکہ شہری آثار اور مدنیت سے نفرت کرتے تھے' خوبصورت یادگاروں' عمارتوں اور میناروں کو جلا کر زمین بوس کر دینے میں انہیں لذت حاصل ہوتی تھی ایسی وحشی قوم نے دنیا کے تمدنی سرمائے میں کیا اضافہ کرنا تھا؟ دنیا کے نقشے پر اب بھی واحد متمدن قوم مسلمانوں کی تھی لیکن وہ زخموں سے چور تھے' وہ اس خیال میں غلطاں و پیچاں تھے کہ ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا؟ اس کے باوجود تاتاریوں اور ترکوں کو اتنا متاثر کیا کہ خود ہلاکو کا چچا برکا مسلمان ہوا اور آہستہ آہستہ چنگیز خان کی وہ تمام اولاد مسلمان ہو گئی جو مختلف ممالک اسلامیہ پر حکومت کر رہی تھی۔

Marfat.com

اب یہ ضروری نہیں کسی قوم کی تباہی و تعذیب کے اسباب ہمیشہ باہر سے پیدا ہوں۔ یہ اسباب بلکہ عوامل اندر سے بھی پیدا ہوتے ہیں اور بے تحاشا نقصان پہنچاتے ہیں۔ تاتاری باہر سے حملہ آور ہوئے تھے اور اسلام کے تہذیبی مراکز کو تہس نہس کر دیا تھا۔ قدرت نے انہیں منگولیا کے ریگستانوں' برف زاروں اور صحراؤں سے بھیجا تھا جہاں گھاس تک نہ اگتی تھی اور قدیم ایام سے ہمسایہ علاقوں میں لوٹ مار کر کے گزارا کیا کرتے تھے' اور انہی لوگوں سے تحفظ اور بچاؤ کے لئے کبھی چینیوں نے دیوار چین تعمیر کی تھی اور وسط ایشیا وغیرہ کی قوموں کے لئے کوہ قاف میں ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے کی دیوار تعمیر کی تھی۔ جب خدا کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا تو پہاڑوں کے درمیان یہ لوہے اور تانبے سے بنائی گئی دیوار گر گئی۔ منگولوں کے زرد و سنہری غول مہذب مسلمان شہروں پر ٹوٹ پڑے۔ وسط ایشیا' عراق' شام اور ایران میں مسلمانوں کو سب سے سنگین صدمے سہنے لگے اور یہی علاقے اس وقت اسلامی جاہ و حشمت کے مراکز تھے۔ لیکن تیمور؟ تیمور اس انداز میں بیرونی حملہ آور نہ تھا (کیونکہ بہر حال وہ مسلمان تو تھا) لیکن جس طرح تیمور نے رہی سہی اسلامی تہذیب و ترقی کو اپنے گھوڑوں کے سموں کے نیچے پامال کیا وہ فتنہ تاتار سے ہرگز کم خدائی عذاب نہ تھا۔

ایک اور تاتاری طوفان

عالمی تاریخ تیمور کو انسانی کھوپڑیوں کا مینار (کلہ منیار) بنانے والے کا خطاب دیتی ہے۔ وہ اس خطاب کا مستحق تھا۔ لیکن وسط ایشیا اور ایران کے جن جنگی میدانوں اور صحراؤں میں اسنے یہ مینار بنائے وہاں زیادہ تر کھوپڑیاں مسلمان سپاہیوں اور بے گناہ شہریوں کی تھیں۔

چودھویں صدی کے آخری دو عشروں اور پندرھویں صدی کے آغاز میں تیمور کی شکل میں چلنے والے فوجی جھکڑ نے مشرق و مغرب میں دنیا کو زیر و زبر کر دیا۔ اس کے پیشترو

Marfat.com

تاتاری فاتحین چنگیز خان اور ہلاکو نے بھی یہی کیا تھا۔ فرانسیسی ادیب و مورخ گستاؤلی بان اپنی مایہ ناز کتاب "تمدنِ ہند" میں لکھتا ہے: " مغلوں کی ملک گیری محض اس غرض سے تھی کہ اقوام عالم پر اپنا سکہ بٹھائیں' انہیں اپنے جھنڈے تلے ذلیل و خوار کریں۔ چنگیز اور تیمور لنگ وہ نام ہیں جن کے سننے سے ہمارے سامنے ایک ایسی خیالی صورت پیدا ہوتی ہے جس کے سر کے گرد آگ اور خون کا ہالہ بنا ہوا ہے"

تیمور کا پورا نام تیمور بیگ تھا' تعلق تاتار نسل کے قبیلے برلاس سے تھا۔ ایک جنگ میں شدید زخمی ہونے کے سبب اسکی ٹانگ میں لنگڑا پن ہو گیا تھا۔ اس لئے اسے تیمور لنگ بھی کہتے ہیں۔ وسطی ایشیا کے شہر "سبز" میں پیدا ہوا جو سمرقند کے قریب ہے۔ باپ قبیلے کا سردار تھا۔ شروع میں علاقے کے تاتاری امیر کازغان کی سرپرستی میں لڑائیوں میں حصہ لیا۔ خاندان برلاس کا طنطنہ ایک جنگجو نسل کا طنطنہ تھا۔ یہ لوگ رسمی مذہبی فرائض کی ادائیگی کی حد تک مسلمان تھے لیکن سیاسی اور حربی طور پر چنگیز خانی قوانین کے پابند اور جنگ و جدل کے دلدادہ تھے قبیلے کی دعوتوں اور ضیافتوں میں جب جنگی کارناموں کا ذکر چھڑتا تو انِ جنگوں کے اختتام پر ان ضیافتوں کا تذکرہ بھی ہوتا جن مین فاتح تاتاری سردار اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے مرصع - سنہری پیالوں میں گھوڑیوں کے دودھ سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ نوجوان تیمور کو ہمیشہ جنگ و جدل اور خونریزی کی باتوں سے دلچسپی رہی' ہنسی مذاق سے اسے چڑ تھی' لطیفے سننے سنانے کا ذوق موجود ہی نہ تھا۔ اس زمانے میں وسطی ایشیا مختلف ترک اور تاتاری امیروں کی حکومتوں میں بٹا ہوا تھا جو اپنی اپنی جگہ خود مختاری کے دعویدار تھے' دور دراز منگولیا کے شمالی علاقے سے منگولوں کا بڑا بادشاہ خانِ اعظم ان مقامی امیروں سے باج وصول کیا کرتا' اگر کوئی امیر سرکشی کرتا تو بڑے خان کی فوج شمال سے اسکی سرکوبی کے لئے آنازل ہوتی۔ سمرقند کے امیر نے سرکشی کی راہ اختیار کی تو خان اعظم نے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ اسے سزا دینے کے لئے سمرقند پر حملہ کیا

Marfat.com

خان اعظم کی فوج مزاحمتوں کو روندتی ہوئی پہنچی۔ امیر سمرقند کے ساتھ دیگر سرکش امراء بھی فرار ہو گئے۔ تیمور نے حکمت عملی سے کام لے کر خان اعظم کے سامنے تحائف پیش کئے۔ خان اعظم تیمور کی شخصیت اور بہادری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسے تومان باشی (دس ہزار فوج کا کمانڈار) کا منصب عطا کیا اور ان علاقوں کا حکمران مقرر کر دیا۔ خان اعظم تو واپس چلا گیا لیکن تیمور کے رشتہ دار اور دوسرے تاتاری سردار اسے حکمران تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے' یوں تیمور اور ان مقامی سرداروں اور امیروں کے درمیان جنگوں کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا کہ بالاخر تیمور دنیا کا سب سے بڑا فاتح بن گیا۔ ان طویل جنگوں اور کشمکشوں کے زمانے میں تیمور اور اس کے خاندان کو بعض اوقات صحرا نوردی کرنا پڑی' کبھی اپنوں کے لگائے چرکے سہنے پڑے۔ کبھی صرف ایک گھوڑے اور ایک تلوار کے ساتھ جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ ایک وقت آیا کہ اس کا چچا اور اس کا سالا اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ یہ بات تو تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ جنگی اور تزویری حکمتِ عملی میں تیمور کا کوئی مقابل نہ تھا' بہادری اور خطرات کے اندر بے ساختہ کود پڑنے کی صلاحیت میں اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ حریف منتظر کھڑا ابھی سوچ رہا ہوتا تھا کہ تیمور اس کی صفیں چیر کر عقب سے حملہ آور ہو جاتا۔ جتہ مغلوں کو وسط ایشیا اور ایران سے ہمیشہ کے لئے نکال کر دور افتادہ شمالی علاقوں (موجودہ منگولیا) میں دھکیل دینا بے شک ایک ایسا کارنامہ اور جنگ آوری کی ایسی بے نظیر مثال ہے کہ شاید تیمور جیسا عالمگیر فاتح ہی ایک ایسا کام سرانجام دے سکتا تھا۔ تیمور سے قدرت نے دو اہم کام لئے۔ ایک یہ کہ ان خونخوار تاتاریوں کو واپس سرد شمالی علاقوں میں بھجوا دیا جہاں سے ترک وتاز کرتے ہوئے وہ دو صدیاں پہلے نمودار ہوئے تھے اور چنگیز و ہلاکو وغیرہ کی قیادت میں مہذب اسلامی دنیا پر چھا گئے تھے (حالانکہ خود تیمور کا تعلق انہی کی نسل سے تھا) دوسرا یہ کہ عیش کوش حکومتوں کو ایک بار پھر سخت سزا دی کیونکہ گزشتہ دو صدیوں میں تاتاریوں کے ہاتھوں شدید صدمات اور شکست اور بربادی کے باوجود ان نااہل مسلمان

Marfat.com

حکومتوں کو ہوش نہیں آیا تھا بلکہ ان کی غفلت میں مزید شدت آچکی تھی۔ عبرت اور نصیحت نہ پکڑنے والی قوموں پر قدرت ایسے ہی عذاب نازل کیا کرتی ہے۔ ضروری نہیں ان پر آسمان سے پتھر برسیں' یا کلیجہ شق کرنے والی چنگھاڑ سنائی دے یا زمین الٹا دی جائے یا پہاڑ سرک کر اوپر آبادی کے آگریں۔ قدرت ایک غالب طاقت کو دوسری طاقت سے دفع کیا کرتی ہے اور سزا و عقوبت کے لئے ظالم بادشاہوں کو مسلط کرتی ہے۔ قدرت کے یہ قوانین ہمیشہ برقرار اور لاگو رہتے ہیں' اور ان میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

عثمانی ترکوں کا بادشاہ بایزید بہت ہی باجبروت حکمران تھا تیمور نے بار بار اسے اطاعت کی دعوت دی تھی لیکن اس کا تکبر برقرار رہا۔ بالاخر دونوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی' اس جنگ میں تیمور نے محض حکمت عملی کے بل بوتے پر بایزید کی فوج پر فتح حاصل کی۔ بایزید گرفتار ہوا' جب اسے تیمور کے خیمہ میں لایا گیا تو تیمور اس وقت شطرنج کھیل رہا تھا۔ جب اس نے بایزید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آیا' بایزید کے چہرے پر مصیبت کی اس گھڑی میں بھی شاہانہ جلال موجود تھا۔ تیمور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ بایزید کی تمکنت اور شیرانہ خصلت ابھی رخصت نہیں ہوئی تھی' اس نے چلا کر کہا " جس پر خدا نے مصیبت ڈالی ہو اس کے حال پر ہنسنا نہیں چاہیے" تیمور آہستہ سے بولا "میں اس لئے مسکرایا کہ خدا نے اس میں خبر نہیں کیا مصلحت دیکھی کہ دنیا کی حکومت مجھ لنگڑے کو اور تجھ اندھے کو بخشی"۔ بایزید کے اندھے ہونے سے مراد یہ تھی کہ اس میں عاقبت اندیشی نہ تھی اور وہ حالات کی سنگینی کا اندازہ لگانے سے قاصر رہا۔ عثمانی ترکوں پر فتح کے بعد تیمور نے شاندار جشن منایا۔ اس قسم کے جشن وہ ہر فتح کے بعد منایا کرتا تھا۔ ان جشنوں میں مفتوح بادشاہ کے حرم کی عورتیں بے لباس کنیزوں کی حیثیت سے فاتحوں کو شرابیں پیش کرتی تھیں۔ اس جشن کا نقشہ ہیرالڈلیم نے اپنی تصنیف " تیمرلین" میں یوں کھینچا ہے: "فتح کے بعد تیمور نے چاروں طرف لشکر روانہ کئے تاکہ جو ترک سپاہی بچ نکلے ہیں

Marfat.com

ان کا تعاقب سمندر تک کیا جائے۔ تاتاری سپاہی بھی جو مال غنیمت لے کر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اس میں طرح طرح کی چیزیں تھیں۔ اس کے بعد جو جشنِ فتح منایا گیا اس میں مغربی شرابیں اور حسین و جمیل عورتیں جشن کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ جشن میں مفتوح بادشاہ بایزید کو بھی مدعو کیا گیا بلکہ زبردستی لایا گیا۔ اس کی نشست تیمور کے پاس رکھی گئی اور تیمور نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے سلطان ترکی کا شاہانہ لباس حاضر کیا جائے۔ سلطان بایزید یلدرم سے کہا گیا کہ وہ یہ شاہانہ لباس پہن کر دکھائے اس نے مجبوراً جڑاؤ عمامہ سر پر رکھا اور سنہری عصا جو اس کی شہنشاہی کا نشان تھا ہاتھ میں تھام لیا۔ اس حالت میں اس کو وہی مشروب پیش کئے گئے جن کا وہ عادی تھا مگر اس نے (احساسِ ذلت کی شدت کے تحت) کسی شراب کو نہیں چکھا۔ اس کی آنکھیں یہ منظر دیکھ رہی تھیں کہ اس کی حسین ترین کنیزیں بے پیرھن کر دی گئی تھیں اور اس حالتِ عریانی میں تاتاری فاتحوں کو شراب کے جام اور کباب پیش کرتی تھیں۔ وہ سیمیں بدن عورتیں جو اس کی آغوش کی زینت رہی تھیں، اپنے مرمریں پیکروں کے ساتھ لوبان اور عود کے دھوئیں اور سلگتی ہوئی خوشبوؤں کے درمیان اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آجا رہی تھیں ان میں سیاہ بالوں والی آرمنی حسینائیں، کوہ قاف کی سنہری گیسوؤں والی پریاں تھیں، فربہ مگر خوبصورت روسی لڑکیاں تھیں، ستاروں کی طرح چکاچوند کرتی آنکھوں والی یونانی نازنینیں بھی تھیں جنھوں نے پہلے کبھی حرم کی چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ اس وقت بایزید کے بھاری بھرکم جسم پر شدید کرب کی وجہ سے رعشہ طاری تھا، وہ اپنے عصا کو مضبوطی سے تھامے رہا، مگر جس وقت تاتاریوں نے بایزید کی خاص مطرباؤں کو محفل میں طلب کر کے ان سے ترکی زبان کے عشقیہ گیت سنانے کی فرمائش کی جس کے فوراً بعد اور دستور اور رواج کے مطابق انہیں تاتاریوں نے خراب کرنا تھا تو بایزید کی قوت برداشت جواب دے گئی، وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور اشارے سے کہا کہ اسے دروازے تک پہنچا دیا جائے۔ اہلِ مجلس نے اسے روکا نہیں۔

Marfat.com

دو تاتاری افسر فوراً اٹھے اور بایزید کو جشن گاہ سے باہر چھوڑ آئے۔ اس وقت احساسِ ذلت کے باعث بایزید کا سر جس پر شاہی عمامہ بندھا تھا اتنا جھک گیا تھا کہ اسکی ٹھوڑی اس کے سینے پر جالگی تھی۔ چند مہینے بعد تاتاریوں کا مہمان یا قیدی بادشاہ بایزید یلدرم مر گیا۔ بایزید خلفائے بنو عباس سے کم عیش و عشرت کا دلدادہ نہ تھا۔ اگرچہ وہ لڑنے میں پس و پیش نہیں کرتا تھا لیکن نشاط پسندی اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ کثرتِ اختلاط نے اسکی قوتِ ارادی کو متاثر کیا تھا۔ بایزید کا یہ شوق تھا کہ وہ ملک سے حسین و جمیل عورتیں اور کنیزیں اپنے حرم میں جمع کرتا تھا۔ اس کے برعکس تیمور کو ملک ملک سے بہترین جنگی گھوڑے حاصل کرنے کا شوق تھا اور وہ مانا ہوا شہسوار تھا" تزکِ تیموری" میں تیمور اپنے بارے میں لکھتا ہے: "میں نے مستقل مزاجی اور پختہ ارادے سے کام لیا۔ جس کام کو کرنے کا میں نے ارادہ کیا اس کو سرانجام دینے کی کوشش کی۔ اپنے قول میں پختگی اور قول و عمل میں مطابقت پیدا کی۔ گزشتہ بادشاہوں کے قوانین' آئین' ان کے اطوار اور طرزِ حکومت سے آگاہی حاصل کر کے پسندیدہ ترین اوصاف کو اپنایا اور عمل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اسباب کو پیدا ہونے کا موقع بالکل نہ دیا جو اُن بادشاہوں کے زوال کا موجب بنے" ترک سلطان بایزید یلدرم کی شکستِ فاش کا اہم ترین سبب اس کا اندازِ حکومت بھی تھا اُمرا اس سے شاکی تھے' عوام نالاں تھے اور سپاہی ناپسند کرتے تھے۔ خزانوں کے ڈھیر تو جمع کر رکھے تھے لیکن لشکر پر خرچ نہیں کیے جاتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ امیر تیمور اسکی بہادری اور دبدبہ سے مرعوب ہو جائے گا۔ تیمور کے دل پر رعب ڈالنے کے لئے وہ اپنے لشکر کو قریبی بلندیوں پر لے گیا اور بڑی لاپرواہی سے شکار کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ مزید حماقت یہ کی کہ شکار ایسے علاقے میں کھیلنا شروع کیا جہاں پانی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی فوج کے پانچ ہزار سپاہی پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ شکار سے فراغت پر جب وہ واپس لوٹا تو دیکھتا کیا ہے کہ اس کے لشکر کی جائے قیام پر تاتاری قابض ہو چکے ہیں۔ قریب صرف ایک نالہ تھا جہاں سے پانی حاصل کیا جا سکتا تھا'

Marfat.com

تیمور نے اس نالے کو جگہ جگہ سے کاٹ کر پانی کا رخ ہی موڑ دیا۔ بایزید کی فوج بھوک پیاس سے پہلے ہی نڈھال تھی' تاتاریوں کا کیا مقابلہ کرتی۔ اس معرکہ کے بعد تیموری لشکر ایشیا پر آندھی اور طوفان کی طرح چھا گیا۔ تیمور نے بروصہ 'تائیس' خملق' آقا شہر' قرہ حصار اور دیگر بہت سے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور انہیں جی بھر کر لوٹا۔ قیصر قسطنطنیہ نے خوفزدہ ہو کر اطاعت کرلی۔ سمرنا نے مزاحمت تو اس شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ پندرہ دن بعد شہر فتح ہو گیا' تیمور نے شہر میں داخل ہوتے ہی بلا تمیز قتل عام کا حکم جاری کیا۔ اس کے بعد وحشیانہ شوق کی تسکین کے لئے انسانی کھوپڑیوں کا مینار تعمیر کیا۔ پھر مینار کو اونچا بنانے کے لئے یوں حکم دیا کہ ہر کھوپڑی کے اوپر ایسے ہی گارے کی تہ جمائی جائے جیسے اینٹوں پر جمائی جاتی ہے۔

یہ تھا تیمور۔ تیمور کے معنی ترکی زبان میں " فولاد" کے ہیں وہ واقعی بے جان فولاد کی طرح سخت تھا۔ اس نے چھتیس سال حکومت کی اور اس عرصے میں اس نے دیوارِ چین سے ماسکو (روس) اور جنوب میں گنگا کے ساحل سے لے کر دریائے نیل اور عیرہ روم تک کے وسیع وعریض علاقے کو فتح کیا اور اپنے تابع کیا۔ دنیا میں وہ اس اعتبار سے ایک بے مثال فاتح ہے کہ مشہور فاتحینِ عالم جیسے کہ خسروئے اعظم 'اسکندر یونانی' چنگیز خان' ہلاکو' ایٹلا' شارلمین اور نپولین وغیرہ میں سے کسی نے بھی اتنے زیادہ ملک فتح نہیں کیے تھے۔ چنگیز خان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیمور ان انسانی بستیوں اور شہروں کو بالکل برباد کر دیتا تھا جو اس کے سامنے ذرا بھی مزاحمت کرتے تھے۔ ان شہروں کے باشندوں کو بلا تمیز مذہب وملت سخت ترین سزا دی جاتی تھی۔ "میں یہ بات نہیں چھپانا چاہتا کہ اپنے دشمنوں کا خون بہتا دیکھ کر مجھے ایک خاص لذت کا احساس ہوتا ہے' ایسی لذت جو دوسرے لوگ شراب پی کر محسوس کرتے ہیں وہ مجھے دشمنوں کا خون بہتا دیکھ کر محسوس ہوتی ہے اور میرا تن من ایک سرور آگیں نشے میں ڈوب جاتا ہے" ("میں ہوں تیمور"۔ مارسل بیون۔ اردو ترجمہ۔

Marfat.com

سیارہ ڈائجسٹ)۔ یہ وہ دور تھا جب گذشتہ دو صدیوں کے دوران تاتاریوں کے حملوں اور لوٹ مار کے باعث ایشیا اور یورپ شدید بے چینی اور افراتفری کی زد میں تھے' رہی سہی کسر کالی بلا (طاعون) کے پھیلاؤ نے پوری کر دی' لاکھوں انسان اس وبا میں لقمۂ اجل بن گئے۔ سرسبز و شاداب کھیت اور باغ ویران ہو رہے تھے' آئے دن حملہ آور لشکران کھیتوں کو روندتے ہوئے گزرتے اور آباد شہروں اور قصبوں کو نذر آتش کر کے چلے جاتے۔ منگول حکمران تو قتمش (جس نے تیمور سے غداری کی تھی) کا تعاقب کرتے ہوئے تیمور اور گنج پہنچا تو اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور محلات اور بیمار خانوں تک کو زمین کی سطح کے برابر کر دیا۔ جب تیمور وہاں سے چلا اس وقت شہر کے کھنڈر جلے ہوئے انسانی ڈھانچوں سے بھرے پڑے تھے۔

منگول توقتمش کے سنہری غول (لشکر) کا پیچھا جس مستعدی یکسوئی اور رفتار سے تیمور نے کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تیمور نے اس ٹڈی دل اور خونخوار غول کا تعاقب سائبیریا کے نواح تک کیا جہاں برف کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ مسلسل گھوڑے دوڑا کر اٹھارہ سو میل کا سفر اٹھارہ ہفتوں میں طے کیا اور بالآخر سنہری غول کو جا لیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ لڑائی کے دوران اور بھاگتے ہوئے ایک لاکھ کے قریب آدمی مارے گئے ہیرالڈ لیم کا بیان ہے: "صحیح تعداد (کشتوں کی) کچھ ہو مگر بہر حال لاتعداد انسان اس جنگ میں قتل ہوئے۔ وہاں سے تاتاری جنوب کے گرم علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بے شمار گائیں' بیل' بھیڑیں' اونٹ' اور گھوڑے ہاتھ آئے۔ گندم کی فصل پک چکی تھی وہ بھی کاٹ لی جو مکان سامنے آتا اس کی تلاشی لی جاتی اور خوبصورت لڑکیاں اور کم سن لڑکے پکڑ لئے جاتے۔ روس کی سرزمین میں داخل ہوئے تو وہاں بھی خوب دولت لوٹی' چاندی' سونا' سفید قاقم اور سیاہ سمور کی پوستین۔ ہر سپاہی کے پاس اتنی دولت آئی کہ اس کی اپنی اور اولاد کی زندگی میں ختم نہ ہو سکتی تھی۔ کثرت اشیاء کا یہ حال تھا کہ بعض چیزیں وہیں پھینک

Marfat.com

دینا پڑیں۔ سنہری غول کا خاتمہ ہو گیا' تو قمش شمالی صحراؤں کی طرف بھاگ گیا اور اس کے قبیلے منتشر ہو گئے۔ تیمور نے دریائے والگا کے ساحل پر منگولوں کے شہر "سرائے" کو تاراج کیا۔ سرائے کے باشندوں کو شہر سے باہر دھکیل کر برفستان میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ان کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد والگا کے منگولوں کے ایک اور بڑے شہر استراخان پر حملہ کیا اور ر تمام لوگوں کو قتل کرنے کے بعد حاکم شہر کو منجمد دریا میں زندہ دفن کر دیا۔ جس مملکت میں چنگیز خان کا قانون نافذ ہوا تھا وہاں اب سنہری غول کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور دنیا کا عظیم ترین فاتح اس کو روند رہا تھا۔ منگولوں کے پاس صحرائے گوبی اور شمالی ٹنڈرا کے سوا کچھ نہ رہا"

شمالی روس سے واپسی پر تیمور نے کوہ قاف کا راستہ اختیار کیا اور راستے میں مختلف شہروں کو فتح کیا۔ کوہستان البرز کے نواحی علاقے میں بعض قلعے صدیوں سے فاتحوں کا منہ چڑاتے آئے تھے۔ تیمور نے ان تمام قلعوں کو مسخر کیا قلعہ تکریت بہت ہی مستحکم تھا۔ اس کی دیوار نہایت ہی بلند تھی۔ قلعہ کی دیواروں میں سرنگ بنانے کے لئے تیمور نے بہتر ہزار آدمی لگائے۔ ایک سرنگ بن گئی تو اس میں جھاڑیاں بھر کر آگ لگا دی گئی اوپر تیل چھڑک دیا گیا۔ اس طرح دیوار منہدم ہو گئی اور تیمور کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی۔ قلعہ تکریت کی تباہی کی منظر کشی ہیرالڈلیم نے کچھ یوں کی ہے: "تاتاری شگاف میں سے اندر داخل ہو کر گری ہوئی فصیل کے ڈھیروں پر چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ دوسر نگیں اور تیار ہو گئیں۔ تیمور نے ان کو بھی آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ حصار کے چاروں طرف دھوئیں کے بادل پھیل گئے۔ جب اور شگاف کھل گئے تو وزنی ہتھیاروں سے لیس فوجوں نے حملہ کر دیا۔ قلعے کے عقب میں ایک اونچی جگہ تھی۔ قلعے والے اس کی طرف بھاگے مگر ان کا پیچھا کیا گیا۔ حسن (حاکم شہر) کو مشکیں کس کر نیچے لایا گیا۔ شہریوں کو فوجیوں سے الگ کر دیا گیا۔ سپاہیوں کو مروا دیا گیا۔ مرنے والوں کی کھوپڑیوں کے دو مینار دریا کی ریت کی مدد سے تعمیر کئے گئے۔

Marfat.com

قلعے کی ٹوٹی پھوٹی فصیل اسی طرح رہنے دی گئی۔ ایک عرصے تک لوگ تاتاریوں کی طاقت کا یہ ثبوت دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے رہے۔ مگر رات کو کوئی اس جگہ کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا رات کے وقت ان کلہ میناروں پر غیبی شعلے لہراتے نظر آتے ہیں"

اصفہان سے دِلی تک خون کی ندیاں

مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی کتابِ تاریخ میں ہندوستان پر تیمور کی چڑھائی کا سبب وہاں کی خانہ جنگی' شورش اور ہنگاموں کی صورتِ حال قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ بیان ہے: "امیر نے جب یہ سنا کہ ہندوستان میں ہنگاموں اور شورشوں کا بازار گرم ہے تو اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا" بڑی حد تک یہ بیان درست ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ تیمور ایک عذاب الٰہی بن کر دِلّی پر جھپٹا کیونکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی' اخلاقی گراوٹ اور پستی کی ویسی ہی صورتِ حال تھی جیسی اس وقت تھی جب چنگیز نے اور بعد میں ہلاکو نے مسلمان علاقوں پر چڑھائی کی تھی اور تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا تھا۔ لیکن ہندوستان آنے سے پہلے تیمور نے ایران کو روندنا مناسب سمجھا۔

ایران جو کبھی اسلامی شان و شوکت کا مرکز تھا تیمور کے حملے سے پہلے بدترین تباہ حالی' اور خرابی اور زبوں حالی کی لپیٹ میں تھا۔ ان اخلاقی پستیوں اور بداعمالیوں کی جب انتہا ہو گئی تو لوگوں نے تنگ آکر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے تیمور کی شکل میں ان کے لئے عذاب و عقوبت کا کوڑا بھیج دیا۔ جب عذاب آتا ہے تو پھر گناہگاروں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ایران میں بے دینی' اخلاقی انحطاط اور اسلام کے ساتھ مذاق و تمسخر کا تھوڑا سا نقشہ ہیرالڈلیم نے کھینچا ہے' آپ بھی دیکھیں: "ایران میں عظیم مسلمان حکمرانوں کا مرمریں تخت اب ان کے لئے ناخلف بیٹوں اور پوتوں کے قبضے میں

Marfat.com

تھا جو حکمرانی سے زیادہ شراب و کباب کے دلدادہ تھے۔ اور اپنا سارا وقت چہلوں میں ضائع کرتے تھے۔ کہیں ننگے زائرین دھوپ تاپتے نظر آتے' کہیں درویش لوگ طبلے کی تھاپ پر رقص کناں ہوتے' لیکن ان کی نگاہیں ان سکوں پر جمی ہوتیں جو ان کے کشکول میں ڈالے جاتے۔ قبیلوں کے سردار خچروں پر سوار ہو کر باہر نکلتے اور ان کے غلام ان کے سروں پر چھتر سے سایہ کیے ہوئے جلو میں ہوتے۔ ان کی ریشمی جانمازیں شراب سے تر ہوتیں اور بگلا سی سفید داڑھیاں حشیش سے رنگی رہتیں۔ حافظؔ شیرازی کے بقول ایرانی مطرب اور موسیقار دنیا بھر میں لاثانی تھے کیونکہ ایسی دھنیں لاثانی موسیقار ہی نکال سکتے تھے جن پر شراب میں مست اور ہوشیار ہر قسم کے سامعین جھوم جھوم کر رقص کرنے لگتے۔ ایران کے امیر لوگ شکی ہو گئے تھے اور غریبوں میں خودسری اور خر دماغی آ گئی تھی۔ بادشاہ اپنے بیٹوں کی آنکھیں نکلوا دیتے اور بھائی اپنے بھائی کی موت پر مسکرا مسکرا کر کہتا کہ میں زمین کے اوپر ہوں اور میرا بھائی زمین کے نیچے ہے اب ہم دونوں خدا کی زمین کے صحیح معنوں میں برابر کے مالک بن گئے ہیں۔ فارسی کے ہجو گو کہتے تھے کہ ایران میں قسمت صرف بے وقوفوں اور ابلہوں کا ساتھ دیتی ہے' عالم وہ شخص ہوتا ہے جس میں روزی کمانے کی اہلیت نہ ہو' خاتون (لیڈی) وہ ہے جس کے کئی عاشق ہوں' بیوی وہ عورت ہے جس کو کوئی پوچھتا تک نہ ہو۔

"وہاں دلق پوش مشائخ شاعروں سے الہیات کے مسائل پر گرما گرم بحثیں کرتے رہتے اور شہزادوں کے ارد گرد یارانِ ہم پیالہ یعنی خوبصورت ساقیوں کا ہجوم رہتا۔ نقال مسخرے' لفظی ضائع کے ماہر ممدوح کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے والے دو شالوں میں لپٹے ہوئے بھکاری اور دو چار شاعر جن کے کلام کو الہام کا درجہ دیا جاتا ان کے مصاحب بنے ہوتے تھے۔ یہ شہزادے دخترِ رز پر جان دیتے حالانکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے' جنگ میں ہتھیار لگا کر عملی شرکت کی بجائے وہ رزمیہ شاعری پر سر دھنتے اور ہمہ وقت عالم خیال میں کھوئے رہتے۔ ریا اور منافقت کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کے

Marfat.com

مذہب کی ذرا سی توہین کرتا تو اسے سنگسار کر دیتے جبکہ خود شراب کا پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر عملاً اسلام کا مذاق اڑاتے اور مذہب کو بے مصرف بتاتے ۔۔ ایران کا بادشاہ شاہ شجاع جو حافظ شیرازی کا ممدوح تھا' شراب' پری رخوں اور شمع و پروانہ کی فضاؤں کا دلدادہ تھا (حافظ نے اُسی کے متعلق کہا ہے) : "کہ دورِ شاہ شجاع است مئے بے دریغ ہوش"

شاہ شجاع کے بعد اس کے بیٹوں نے (جن کی تعداد دس تھی) مملکت کے مختلف حصوں پر اپنی حکومت قائم کر لی اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے' پورا ملک عجیب قسم کی خانہ جنگی اور افرا تفری میں مبتلا ہو گیا۔ یہی وہ دور تھا جب انہیں سزا دینے کے لئے وسط ایشاء کے میدانوں سے قدرت نے تیمور کو بھیج دیا۔

تیمور کا ارادہ بظاہر ایران پر لشکر کشی کا نہ تھا' وہ 1386ء کے موسم سرما میں اصفہان کے دروازوں پر پہنچا اس وقت اس کے ساتھ ستر لشکر تھے جو مدت سے جنگیں لڑ رہے تھے۔ آلِ مظفر کے شہزادوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لڑے بغیر تیمور کی سرپرستی قبول کر لی جائے۔ باج اور محصول کی شرطیں طے پا گئیں۔ تیمور کے سپاہی آزادانہ شہر کے بازاروں میں گھومنے لگے' ایک مدت کے بعد انہیں ذرا تفریح کا موقع ملا تھا۔ اصفہان اس زمانے میں ایک زبردست شہر تھا باغات' بازار تجارت اور خوبصورت عمارتوں کے لئے شہرہ آفاق شہر۔ "اصفہان۔ نصف جہان" ایسے تو نہیں کہا جاتا تھا۔ تیمور کی آمد سے تھوڑا عرصہ پہلے اس شہر سے ابن بطوطہ کا گزر ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں اسکی بڑی تعریف لکھی ہے: "ہر طرف نہریں رواں' سڑک کے کنارے جابجا کبوتروں کی چھتریاں' ہر چند اِس شہر کو خانہ جنگی سے نقصان پہنچ چکا ہے مگر یہ اب بھی ایک وسیع اور خوبصورت شہر ہے۔" بہر حال تیمور کے سپاہی کافی تعداد میں شہر کے اندر آ گئے تھے۔ شراب خانے ان اجنبیوں سے پر ہو گئے تھے۔ اب آگے جو واقعات رونما ہوئے اور جو صورت حال پیدا ہوئی اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ ممکن ہے بعض شہریوں کا تاتاری سپاہیوں سے کچھ جھگڑا ہو گیا

Marfat.com

ہو۔ بہر حال شہر کے خود سر قسم کے نوجوان ایک لوہار کی قیادت میں جمع ہو گئے اور ڈھول بجا بجا کر لوگوں کو اشتعال دلاتے رہے "اے مسلمانو' اٹھو' تمھارا دین خطرے میں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ لوگ گھروں سے نکل آئے۔ اس وقت تک تاتاری فوجی پرامن انداز میں شہر میں گھوم پھر رہے تے۔ لوگوں نے ہجوم کر کے کئی تاتاری سپاہی مار ڈالے۔ شہر کے دروازوں پر جو دستے مامور تھے ان پر بھی حملہ ہوا اور انہیں قتل کر کے شہر کے دروازے بند کر لئے گئے۔ ان بلوؤں میں قریباً تین ہزار تاتاری سپاہی ہلاک ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں تیمور کا ایک چہیتا امیر بھی تھا۔ جب تیمور کو ان واقعات کا پتہ چلا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اصفہان کی تباہی اور بربادی کی باقی کہانی مورخ کی زبانی سنیے: "تیمور نے فوراً شہر کی فصیل پر حملے کا حکم دے دیا جو ایرانی امرا اس وقت تیمور کی لشکر گاہ میں موجود تھے منت سماجت کرنے لگے مگر تیمور نے ان کی ایک نہ سنی اور شہر کے دروازوں پر ہلا بول کر قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ ہر سپاہی کو تاکید تھی کہ ایک ایرانی کا سر کاٹ کر حاضر کرے (تیمور کے پاس اس وقت ایک لاکھ فوج تھی)۔ دن بھر قتلِ عام جاری رہا۔ جو بد قسمت' رات کو اندھیرے میں بچ کر شہر سے بھاگے انہیں اگلے دن برف سے ڈھکے میدان میں گھیر گھیر کر قتل کر دیا گیا۔ جو تاتاری شہریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہ چاہتے تھے انھوں نے ایرانی سر اپنے ساتھیوں سے خرید کر پیش کیے۔ شروع شروع میں ایک سر کی قیمت بیس ہزار دینار تھی بعد میں نصف دینار رہ گئی۔ ان سروں کو پہلے شہر کی دیواروں پر چن دیا گیا۔ پھر سڑکوں پر ان سے کھوپڑی مینار تعمیر کیے گئے۔

"اس قتل عام میں اصفہان کے ستر ہزار کے قریب باشندے مارے گئے۔ تیمور نے اچانک اشتعال میں آکر اپنے مقتول سپاہیوں کا انتقام لیا' مگر یہ انتقام تھا بہت ہولناک اور ظالمانہ۔ آلِ مظفر کے باقی شہزادے اس واقعہ کی خبر سن کر سہم گئے اور خاموشی سے اطاعت قبول کرلی۔ شیراز اور دیگر شہروں نے خراج چپکے سے ادا کر دیا"

Marfat.com

روایت ہے کہ شیراز میں تیمور کی ملاقات شاعر حافظ شیرازیؔ سے ہوئی تھی' حافظ شیرازیؔ نہایت سادہ اور مفلسانہ لباس میں حاضر ہوئے۔ تیمور نے قدرے ناراضگی کے لہجے میں پوچھا "یہ تمہارا ہی شعر ہے :

اگر آں تُرکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمر قندو بخارا را

حافظؔ نے برجستہ جواب دیا "ہاں اے شاہِ شاہاں' یہ شعر میرا ہی ہے" تیمور نے کہا میں نے اتنی جدوجہد اور تلوار کے ذریعے سمر قند فتح کیا ہے اور دنیا بھر سے نوادرات لے جا کر اس شہر کا حسن دوبالا کر رہا ہوں مگر تم یہی سمر قند اور ساتھ ہی بخارا جیسا عظیم الشان شہر شیراز کی کسی دو کوڑی کی چھوکری کو عطا کر رہے ہو ؟" موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے' حافظؔ نے یہ دلچسپ جواب دیا "اے امیر' ایسی ہی غلط بخشیوں کا نتیجہ ہے کہ آج آپ مجھے اس فقیرانہ حالت میں پا رہے ہیں" تیمور اس جواب سے خوش ہوا اور شاعر کو انعام دے کر رخصت کیا۔ ایران میں آل مظفر کے شہزادے کوئی نہ کوئی شرارت کرتے رہتے تھے' حتیٰ کہ تیمور نے تعاقب کر کے اس خاندان کے تمام مردوں کو گرفتار کر لیا اور بعد میں قتل کر دیا۔ فَهَلْ مِن مُّدَّكِر۔

ہندوستان کی شدید گرمی' مرطوب آب و ہوا' سیلابی دریا اور اونچے پہاڑ اس ملک کے فتح کرنے والوں کے ارادوں کو متزلزل کرتے رہے ہیں۔ سکندرِ اعظم بھی دریائے سندھ تک آکر پلٹ گیا تھا۔ عرب سپہ سالاروں اور بادشاہوں نے بھی ادھر آنے میں خاص رغبت ظاہر نہ کی۔ لیکن تیمور نے خود کو فاتح عالم کہلانے کے لئے ضروری سمجھا کہ ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان اس زمانے میں جس طرح بد ترین طوائف الملوکی اور اجتماعی رذائل اور خرابیوں کا شکار تھا وہ اس بات کا تقاضا کرتی تھیں کہ وہاں

Marfat.com

کے رہنے والوں کو خدائی عذاب کے تازیانے کا کچھ مزا چکھایا جائے۔ چنانچہ انہیں یہ مزا اس طرح چکھایا گیا کہ آنے والی نسلوں کے حافظے میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا۔ اپنی خود نوشت "تزک تیموری" میں تیمور نے ہندوستان پر حملے کا ایک دلچسپ جواز پیش کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "ہندوستان میں وہاں کے حکام' سلطان محمود' ملوخان اور سارنگ کے ہاتھوں بت خانے عام ہو چکے تھے کفر و شرک کا دور دورہ تھا اور شریعت محمدی بالکل کمزور ہو چکی تھی میں نے ہندوستان پر حملہ کر کے اس ملک کو نااہل حکمرانوں سے نجات دلائی اور کفر و شرک و بدعت کا قلع قمع کر دیا" کاش کہ تیمور کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا۔ مورخ متفق ہیں کہ تیمور نے ہندوستان کو سبق پڑھایا لیکن معاملہ لوٹ مار قتل و غارت اور تاخت و تاراج تک محدود رہا۔ متبادل سیاسی قیادت فراہم کرنے کی بجائے ملک کو خلا میں چھوڑ دیا۔

بربّریت و بدکاری کے بادشاہی نمونے (سلاطینِ دہلی)

ہندوستان کے تخت پر ترک سلاطین (خلجی خاندان و تغلق خاندان وغیرہ) نے تیرھویں صدی کے آغاز سے چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک دو سو سال تک حکومت کی۔ ان سے پہلے دو سو سال تک ہندوستان کی سر زمین سلطان محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری جیسے افغان اور ترک بادشاہوں کے طوفانی حملوں کا تختہ مشق بنی رہی۔ جم کر حکومت ترک سلاطین نے کی لیکن افسوس کہ ماسوائے محض چند کے ان بادشاہوں کی اکثریت لہو و لعب 'فسق و فجور بے جا خونریزی' مردم کُشی اور حرص و آز جیسی ناقابل معافی برائیوں میں غرق رہی۔ غیاث الدین تغلق اور فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہ اگر ان بُرائیوں سے محفوظ تھے تو بھی انہوں نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور سربلندی کے لئے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ برصغیر میں مسلمان بادشاہوں کو حکومت کرنے کا بہت طویل

Marfat.com

موقع میسر آیا لیکن کسی بادشاہ نے (ایک دو مستثنیات کے سوا) اسلام کو اس سرزمین میں غالب اور مستحکم کرنے میں دلچسپی نہ لی بلکہ اکثریت جہاد کے مقاصد سے اعراض کرتے ہوئے محض کشور کشائی اور خزانہ جمع کرنے اور غیر مسلموں کے زیرِ اثر اسلام کو ضرر پہنچانے والے کام کرتی رہی۔ ان حالات میں قدرت کی طرف سے تیمور اور نادر شاہ نازل ہو کر ان کو سزا دیتے رہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ آیئے دیکھیں کہ تیمور کے حملے (1398ء) سے پہلے دو سو سالوں میں سلاطینِ دہلی کیا کیا کرتے رہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت اور اسلام کی خدمت ہوتی رہی یا تخریب و تذلیل؟ تفصیلات کا موقع نہیں' اس لئے بطور مشتے از خروارے' چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

سلطان التمش نے وفات پائی تو اسکے بیٹے رکن الدین نے پہلے حکومت سنبھالی' اس کے بعد رضیہ سلطانہ کو موقع ملا۔ تاریخ فرشتہ میں رکن الدین کے بارے میں لکھا ہے: "اس نے انتظامی امور کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کی اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا: خزانے کو بڑی بے دردی سے گویوں اور بھانڈوں پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر سارا وقت پینے پلانے اور عیاشی کی نظر کرنے لگا"۔ رضیہ سلطانہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود ایک حبشی غلام یاقوت کی گرویدہ ہو گئی "یاقوت حبشی نے رضیہ سلطانہ کے دل میں کچھ ایسا گھر کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ امیر الامراء بن گیا' اس کا اثر یہاں تک بڑھا کہ جب رضیہ گھوڑے پر سوار ہونے لگتی تو اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسے گھوڑے پر بٹھاتا" (تاریخ فرشتہ) بالآخر بغاوت ہوئی اور رضیہ سلطانہ قتل ہو گئی۔ علاؤ الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ کے بارے میں مورخ گواہی دیتے ہیں کہ شراب نوشی اور عیاشی کی کثرت نے اسے عدل و انصاف سے محروم کر دیا اور رعیت پر ظلم و جبر اور جائیدادوں کی ضبطی کے علاوہ کوئی کام نہ کیا اور ملک میں فساد پھیلا۔ غیاث الدین بلبن بیدار مغز حکمران تھا لیکن مخلوق کو سزا دینے میں حدود سے تجاوز کرتا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی کے

Marfat.com

مصنف ضیاء الدین برنی کا بیان ہے :" قہر و غصہ کی حالت میں وہ (بلبن) خدا کے ڈر کو بھول جاتا۔ باغیوں اور سرکشوں کو قتل کرنے میں ان کی صلاحیت اور دینداری کو پس پشت ڈال دیتا اپنی مرضی کرتا خواہ وہ کام شرع کے مطابق ہوتا یا خلاف"بلبن کا جانشین معزالدین کیقباد حد درجہ عیاش اور نفس پرست تھا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے :" جب قسمت نے کیقباد کو فرمانروائی کے درجہ تک پہنچایا تو اس نے بڑی فراخدلی سے عیش کوشی اور نفس پرستی میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کردیا گویوں مسخروں شرابیوں اور عیش پرستوں کے اقبال کا ستارہ بلند ہوگیا۔ گلی گلی کوچے کوچے گانے بجانے ناچ راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ دہلی کے ہر گوشے سے غزل خوانی شیریں آوازیں آنے لگیں' شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں شراب کے سیلاب میں بہادیا گیا ہے۔ حالت یہ ہوئی کہ قاضی اور محتسب جیسے لوگ بھی ان اعمالِ خبیثہ میں مبتلا ہوگئے" بادشاہ ادنیٰ قسم کے سفلی جذبات کی تسکین میں کھویا تھا۔ شراب و شباب و کباب کے علاوہ اسے اپنی مطلق العنانی کا کوئی مصرف نظر نہ آتا تھا۔ بادشاہ کے مزاج کی رنگینی دیکھ کر اس کے مصاحب نت نئے فتنہ ہائے روزگار' اسکے سامنے پیش کرتے اور منہ مانگا انعام پاتے۔ بادشاہی ذوق و عشرت کی تنوع پسندی کا یہ عالم کہ بازاری فاحشہ عورتوں سے لے کر رقص و موسیقی کے ماہر حسین امرد ساقی گری اور دیگر تمام اس قسم کے کام کرتے تھے اور بادشاہ کے منظور نظر تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے :"خوش الحان اور حسین لوگ' ہنسانے والے مسخرے اور بھانڈ دربار میں آگئے۔ فسق و فجور کا رواج عام ہوگیا' شراب اور عرق بیچنے والوں کی ہمیانیاں سونے اور چاندی کے ٹنکوں سے بھر گئیں۔ حسین بدکار اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے اور زیورات میں غرق ہوگئیں۔۔۔۔ کم عمر لڑکوں کے گانے' عربدہ جور قاصاؤں کے ناچنے' ملیح دلرباؤں کے کرشموں اور ان جفاکار بے وفاؤں کے غمزہ و ادا سے لشکر کے من چلے عاشق دیوانے ہو جاتے۔۔۔ عاشق مزاج نوجوان اور پریشان حال دیوانے اپنے سر دھنتے تھے' کپڑے پھاڑتے تھے۔۔۔ حسن پرستوں نے

Marfat.com

ان حسینوں کی محبت میں ناقوس ہاتھوں میں لے لئے تھے اور بتوں کی طرح ان کی پوجا کرتے تھے۔۔۔ عقل مند ان پر فریفتہ اور علماء معصیت میں مبتلا ہو گئے۔ زاہدں نے عبادت سے ہاتھ کھینچ لیا اور عابدوں نے شراب خانوں کے دروازوں کو پکڑ لیا۔ شرم و حیا درمیان سے اٹھ گئی۔ عزت و آبرو جاتی رہی۔ بے حیائی پھیل گئی۔ قبوں میں شراب کی سبیلیں لگادی گئیں"۔ کثرتِ عیاشی سے بادشاہ کیقباد حکیموں اور طبیبوں کے تمام تر نسخوں اور کشتوں کے باوجود ہمت سے محروم ہو گیا' قوت فیصلہ جاتی رہی' امراء اور سازشی عناصر چھاگئے بالاخر اسے قتل کر دیا گیا اور دریائے جمنا میں بہادیا گیا۔

معزالدین کیقباد کا جانشین جلال الدین فیروز شاہ خلجی نسبتاً بہتر تھا لیکن اخلاقی خرابیوں کو دور کرنے میں اس نے کوئی کوشش نہ کی' بلکہ اپنے پیشرو کی طرح عیش و نشاط کی طرف متوجہ رہا۔ اسکے دور میں بھی خوبرو ساقیوں اور مطربوں کی قدر ہوتی رہی۔ لطیفہ گو' گویے' غزل خواں اور شراب نوش مصاحب بادشاہ کو پسند تھے۔ مورخ ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں :"سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے لڑکے نظام خریطہ دار اور یلدز ساقیوں کے سردار تھے۔ یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاھد یا عابد ان کو دیکھتا زنار باندھ لیتا اور اپنی جانماز کو شراب خانے کا بوریا بنا لیتا۔ سلطان کی بلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی چنگ بجاتا' فتوحا' نفائی کی بیٹی اور نصرت خاتون گانا گاتیں ان کی کم عمری اور نسوانی آواز سے پرندے ہوا میں سے نیچے اتر آتے۔ سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے۔ دل تڑپنے لگتے۔۔۔" جلال الدین کو اس کے بھتیجے علاؤالدین نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے دھوکے سے قتل کیا۔ اس سلسلے میں تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے "اپنے ولی نعمت کا خون بہانے کی نحوست کی وجہ سے اس (علاؤالدین) نے بے گناہوں کا اتنا خون بہایا کہ فرعون نے بھی نہ بہایا تھا" واقعی علاؤالدین کا انجام اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے بہت عبرتناک ہوا۔

Marfat.com

علاؤالدین خلجی نے انتہائے تبحّر میں اپنا خطاب اسکندر ثانی رکھا۔ اس نے محض جبر کے زور پر ضروری اشیاء کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ ابتدائی چند سالوں میں بہت عیاشیاں کیں اپنے حرم کو ہندوستان کے طول و عرض کی خوبصورت عورتوں سے بھر لیا' یہاں تک کہ ہر سال اس کے تین چار بیٹے پیدا ہوتے تھے۔ ذاتی کردار میں تضادات تھے' ملک نائب کی محبت میں سلطان اندھا بنا رہا۔ یہ شخص سلطان کا مفعول تھا۔ مصنف تاریخ فیروز شاہی نے اس شخص کے بارے میں "پیش بریدہ پس دریدہ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں' جن کے ترجمے کی ضرورت نہیں۔ اس بادشاہ کو اکبر کی طرح ایک نیا دین ایجاد کرنے کا خیال بھی آیا تھا حالانکہ دوسری طرف وہ دین میں فتنہ کے خلاف تھا۔ اس کے دور میں ایک فرقہ "اباحتی" نام سے ابھرا جو ممنوعات و محرّمات کو ناجائز نہیں سمجھتا تھا اور ماں بہن سے تعلق کو روا خیال کرتا تھا۔ سیاست اور حکومت کے معاملے میں سلطان کسی شرعی قید یا حد کا قائل نہ تھا۔ مورخ اس سلسلے میں اس کو ایک سنگدل اور ظالم حکمران کہتا ہے۔ جب اس کی فوج کے تین ہزار نو مسلموں نے بعض شکایات کی بناء پر بغاوت کی تو نہ صرف ان باغیوں کو (جو فرار ہو گئے تھے) چن چن کر قتل کیا' ان کی عورتوں کو بھی رسوا اور بے آبرو کیا گیا' بچوں کو ماؤں کے سامنے چیر کر پھینک دیا گیا۔ اس نے گھر گھر جاسوس بھیجے' امراء کو ایک دوسرے کے گھر جانے اور ملنے سے منع کر دیا۔ زبان کھولنا جرم ٹھہرا جس کی شدید سزا دی جاتی۔ عجیب و غریب سزائیں ایجاد کیں' زنا کی سزا کے لئے مردانہ خصوصیت سے محروم کر دیا جاتا۔ اس کے ظلم و ستم کو دیکھ کر علماء فقہا نے سچ بات کہنا ترک کیا اور وہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق تاویلیں کرتے۔ اسی بادشاہ کے دور میں حضرت نظام الدین اولیاؒ امیر خسروؒ اور حضرت رکن الدینؒ جیسے بزرگ ہوئے۔ ایک دنیا حضرت نظام الدینؒ اولیا کے دروازے پر جمع رہتی لیکن بادشاہ کو کبھی جانے اور ملنے کی توفیق نہ ہوئی۔ محض گمان کی بنا پر بے گناہ لوگوں کو قتل کر دینا اس کا وطیرہ تھا۔ "مختلف قسم کے نشوں کی وجہ سے جو غصہ اس پر سوار رہتا اس کے سبب

Marfat.com

کسی کی مجال نہ ہوتی کہ کسی مجبور اور ضرورت مند کی عرضی اس کی خدمت میں پیش کر سکے۔ اپنی انتہائے جہالت کی بناء پر احکام و مصالحِ حکومت کو شریعت سے بالکل الگ سمجھتا۔ نماز روزہ کے متعلق اس کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا صورت حال ہے۔۔۔ اس کے مرنے کے بعد کئی ہزار قیدی اور جلاوطن لوگوں نے رہائی پائی" (تاریخ فیروز شاہی) ۔ علاؤالدین خلجی نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اس کے زمانے میں لوگ ظلم وجور کی چکی میں پستے تھے اور آہ تک نہ کر سکتے تھے۔ اسلام کو بادشاہ کے کسی اقدام سے فائدہ نہ پہنچا۔ وہ کافور ہزار دیناری نامی ایک شخص کے عشق میں دنیا اور آخرت برباد کرتا رہا اسے ملک نائب (وزیر) مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ سخت بیمار ہوا تو اسی ملک نائب نے اس کا کام تمام کیا۔ سلطان علاؤالدین کے مرنے کے بعد مکافات کا پہیہ حرکت میں آیا۔ اسی ملک نائب نے جس کا سلطان عمر بھر دیوانہ رہا بادشاہ کے خاندان کے افراد چن چن کر مارنے لگا۔ سلطان کی بیوہ کو قید میں ڈالا۔ اس کے بیٹوں کی آنکھیں نکالیں' بعض کو قتل کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں ضیاؤالدین برنی نے یہ روحانی واقعہ نقل کیا ہے "ان دنوں میں جبکہ سلطان علاؤالدین کے بیٹوں کو قتل اور اندھا کیا جارہا تھا اور ان کے خاندان پر مصیبتوں کی بارش ہو رہی تھا ایک دوست نے شیخ بشیر دیوانہ سے جو صاحبِ کشف و کرامات تھے' دریافت کیا کہ علائی خاندان کے لوگ کیوں تباہ ہو رہے ہیں اور پستی میں گر رہے ہیں؟ شیخ بشیر دیوانہ (مجذوب) نے جواب دیا کہ علاؤالدین کی بادشاہت کی بنیاد نہ تھی' جو تخت اور حکومت اس طریقے سے حاصل کی جاتی ہے جیسے اس نے حاصل کی تھی وہ اسی طرح برباد ہو کے رہتی ہے۔۔۔"

ایک ایسا حکمران جسے پیغمبری کا دعویٰ کرنے کا خیال سوجھا ہو' نیا دین ایجاد کرنے چلا ہو' ساتھ ہی علم سے بے بہرہ ہو' دینی علوم سے ناواقف ہو' قتل ہمیشہ روا رکھتا ہو' چچا کو قتل کر کے بادشاہ بنا ہو قومِ لوط کے عمل میں غرق رہا ہو۔ اس کا انجام ایسا ہی ہونا تھا!

Marfat.com

علاؤالدین کے بعد تھوڑا عرصہ اتھل پتھل رہی' بالاخر قسمت کی دیوی سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی پر مہربان ہوئی۔ اس نے ایک ایک کر کے پہلے اپنے سب بھائی قتل کرائے۔ قطب الدین' سفاکی اور فسق میں علاؤالدین سے بھی چند قدم آگے تھا۔ بر صغیر میں اسلام کو اس کی وجہ سے یہ بڑا نقصان پہنچا کہ وہ سخت ہندو نواز تھا۔ ایک نوجوان امیر خسرو ملک سے اس کے تعلق کے چرچے اکناف عالم میں پھیلے۔ ابن بطوطہ یہ گواہی دیتے ہیں : " خسرو ملک دراصل ہندو تھا اور ہندوؤں کی بہت جانبداری کرتا تھا" تاریخ فیروز شاہی کا مصنف کہتا ہے : "خسرو ملک (خسرو خان) کا تعلق ایک ادنیٰ قبیلے "پروار" سے تھا' قطب الدین اُس کا دیوانہ ہو گیا اور اُس کو بہت مرتبے عطا کئے بلکہ اپنی ہوا پرستی کی وجہ سے وزارت کا عہدہ بھی اس کے حوالے کر دیا" (تاریخ فیروز شاہی)۔ اس بادشاہ کو اللہ والوں' خاص طور پر حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عداوت تھی۔ تاریخ فرشتہ کا مصنف رقمطراز ہے "قطب الدین مبارک شاہ کی بری حرکتیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ وہ اکثر اوقات عورتوں کی طرح زیور پہن لیتا تھا اسی عالم میں مجمع میں آکر لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں بازاری اور گھٹیا عورتیں ہر وقت جمع رہتیں اور بادشاہ کے اشارے سے نامی گرامی اور ممتاز امراء سے مذاق کر کے اُن کی توہین کرتی تھیں" اس نے اپنے کئی وفادار امراء کو خسرو خان کے کہنے پر قتل کرایا۔ اسکے دور میں مسلسل بغاوتیں ہوتی رہیں۔ خسرو خان اس کے دربار میں زنانہ کپڑے پہن کر آتا اور بادشاہ بہت خوش ہوتا۔ قاضی ضیاء الدین اور دیگر مخلص افراد کے انتباہ کے باوجود بادشاہ نے خسرو خان کے ساتھ وابستگی اور خلوت و جلوت کا یہ تعلق جاری رکھا۔ آخر اسی خسرو خان نے اسے غداری سے قتل کیا۔ یہ ایک علیحدہ اور عبرتناک داستان ہے۔ مختصر یہ کہ خسرو خان نے بادشاہ کو شیشے میں اتار کر محل کے عقبی دروازے کی چابیاں حاصل کیں' ایک رات اپنے رشتہ داروں کو محل میں لایا جو سب مسلح تھے' خسرو خان نے خود بادشاہ کو قابو کیا اور اسے مار ڈالا۔ تاریخ فیروز شاہی کا

Marfat.com

مصنف لکھتا ہے: "یہ ولدالزنا کمینہ شخص (خسرو) ہمیشہ سلطان کو ہلاک کرنے کے متعلق سوچتا رہتا۔ ظاہر میں تو وہ ایک بدکار بے شرم عورت کی طرح اپنا جسم اس کے حوالے کر دیتا لیکن باطن میں وہ سلطان کی زیادتی پر غصہ کرتا اور خون پیتا رہتا تھا"۔ بادشاہ نے نماز ترک کر دی' ماہِ رمضان میں علانیہ کھاتا پیتا' اس کے دربار میں ایک کمین بھانڈ امراء کو ماں اور بیوی کی گالیاں دیتا اور اکثر بلند مرتبہ شرفا کے کپڑوں پر ننگا ہو کر پیشاب کر دیتا اور بعض اوقات بالکل برہنہ دربار میں آجاتا اور فحش بکتا تھا۔ بادشاہ اس سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ پھر جو ہوا سو ہوا۔ بادشاہ کے قتل کے بعد خسرو خان اور اس کے ہندو رشتہ دار سلطانی حرم میں جا گھسے سلطان کی ایک بیوی کی بے حرمتی کی' پھر قتل کیا۔ پھر خاندان کے دوسرے افراد کو تہ تیغ کیا۔ خسرو خان تخت پر بیٹھ گیا اور تخت نشین ہوتے ہی محل میں بت پرستی شروع کر دی۔ قطب الدین کی بیوی کو اپنے حرم میں ڈال لیا۔ خاص خاص مسلمان امراء کے خاندانوں پر قبضہ کیا اور مسلمان عورتوں اور کنیزوں سے خسرو اور ہندو پروار رشتے دار متمتع ہونے لگے۔ "ہندو اور پروار لوگ جن کا غلبہ ہو چکا تھا قرآن مجید کے نسخوں کو کرسیوں کے طور پر استعمال کرنے لگے' محرابوں میں بت رکھ کر ان کی پوجا کرنے لگے۔" (تاریخ فروز شاہی)

جب ہندوستان میں گائے ذبح کرنا ممنوع ٹھہرا

خسرو خان کے بارے میں ابن بطوطہ نے اپنے سیاحت نامہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک ایسا نو مسلم تھا جو بعد میں مرتد ہو گیا' تاہم علانیہ اس نے کبھی دوبارہ ہندو بننے کا اظہار نہ کیا۔ ابن بطوطہ لکھتے ہیں: "جب خسرو خان بادشاہ ہوا تو اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی شخص گائے ذبح نہ کرے" تاریخ فروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ "اس گمراہی اور بربادی کے زمانے میں جب ہندوؤں کے غلبے سے کفر کا رواج بڑھ

Marfat.com

گیا تھا اور مملکت کے تمام علاقوں میں ہندو آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے' وہ خوشیاں مناتے تھے اور یہ خواب دیکھتے تھے کہ دہلی پھر ہندوؤں کی ہو جائے گی اور مسلمان کمزور بلکہ بالکل ختم ہو جائیں گے" خسرو خان نے یہ تصور کر لیا تھا کہ اگر خزانہ پانی کی طرح بہایا جائے تو ہر شخص کو خریدا جاسکتا تھا اور واقعی اس نے بہت سے مسلمان امراء کو دولت اور رشوت کے بل بوتے پر اپنا ہمنوا بنایا لیکن ایک قلیل گروہ اس کی غداری پر ناخوش تھا۔ آخر سلطان قطب الدین کے ایک امیر غازی ملک نے بغاوت کی ابتداء اور رہنمائی کی' خسرو خان کے ساتھ مقابلہ کیا' اسے گرفتار کر کے ٹھیک اس جگہ پر لے جا کر (شاہی محل میں) قتل کیا جہاں اس نے اپنے محسن بادشاہ کو قتل کیا تھا۔ قتل کے بعد اس کا سر محل کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہ غازی ملک تغلق تھا۔ اس نے غیاث الدین تغلق کے نام سے حکومت کی۔ مسلمانوں کے لئے یہ مختصر سا دور بھلائی کا دور تھا۔ جن لوگوں نے سلطان قطب الدین کی بیوی کا نکاح غیر شرعی انداز میں خسرو خان سے کیا تھا غیاث الدین نے انہیں سخت سزائیں دیں۔

بعض تاریخوں میں غیاث الدین تغلق کی حادثاتی موت کا ذمہ دار اس کے بیٹے جونا خان کو ٹھہرایا جاتا ہے جو بعد میں محمد شاہ تغلق کے خطاب سے بادشاہ بنا۔ کہا جاتا ہے کہ جونا خان نے افغان پور کے پاس ایک نیا محل صرف تین دن کے عرصے میں تیار کروایا اور اپنے والد (بادشاہ) کو وہاں کھانے کی دعوت دی۔ کھانا کھانے کے بعد جونا خان محل سے باہر نکلا جبکہ بادشاہ اور مصاحبین وہاں موجود رہے۔ جونا خان کے باہر نکلتے ہی محل گر گیا اور بادشاہ مصاحبین سمیت دب کر مر گیا۔ ایک مورخ کے مطابق بجلی کے اچانک گرنے سے محل زمین بوس ہوا تھا۔ ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ جونا خان نے بادشاہ کو ہلاک کیا اور جب محل گرا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ ملبہ ہٹانے میں تاخیر کی جائے تاکہ بادشاہ کے ہلاک ہونے کا پورا یقین ہو جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ملبہ ہٹایا گیا تو بادشاہ زندہ تھا لیکن جونا خان کے اشارے پر اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ہندوستان کی بادشاہی ہمیشہ بے وفا رہی ہے۔ بیٹے سے باپ اور باپ

Marfat.com

سے بیٹے کو قتل کرواتی رہی ہے۔ غیاث الدین تغلق کو اپنی تمام اچھائیوں کے باوجود سونے اور چاندی سے عشق تھا۔ اس نے ایک ایسا محل تیار کروایا تھا کہ اسکی اینٹوں پر سونے کے پترے چڑھے تھے' جب سورج طلوع ہوتا تو اس محل کی طرف کوئی شخص نظر نہیں جما سکتا تھا۔ محل میں ایک بڑا حوض بنایا گیا تھا جس میں سونا پگھلا کر بھر دیا گیا تھا۔ محمد شاہ تغلق کی بعض خوبیوں کو اس کی شقاوت اور خونخواری نے گہنا دیا تھا۔ ایک طرف نمازی پرہیزگار اور دوسری طرف بات بات پر انسان کا قتلِ ناحق۔ یہ کس قسم کی دینداری تھی؟ ایک دن اس نے نو آدمی محض اس بات پر قتل کیے کہ انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کی تھی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے "ایسا کبھی شاذ و نادر ہوتا تھا کہ اس کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا۔ اکثر لاشیں دروازے پر پڑی رہتیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں محل کی طرف جا رہا تھا' میرا گھوڑا ایک سفید سی چیز دیکھ کر بدکا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میرے ساتھی نے کہا یہ ایک شخص کا سینہ ہے جس کے تین ٹکڑے کیے گئے ہیں۔ یہ بادشاہ چھوٹے بڑے جرم پر برابر سزا دیتا تھا۔ نہ اہلِ علم کا لحاظ کرتا نہ شرفا کا' نہ صالحین کا" حضرت شیخ شہاب الدین خراسانی ایک نیک بزرگ اور عالم دین تھے۔ بادشاہ نے انہیں نجی خدمت کے لئے بلایا' انہوں نے انکار کیا تو ان کی داڑھی نوچی گئی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد انہیں قید کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے اس قول کو واپس لیں کہ بادشاہ ظالم ہے۔ شیخ نے انکار کیا اور کہا کہ میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کھانا بھجوایا انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں گوبر کھلایا جائے اور اس کام پر ہندوؤں کو مامور کیا۔ انہوں نے زبردستی اس نیک مرد کو گوبر کھلایا۔ اس کے بعد اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ شیخ صالح شمس الدین ایک تارکِ دنیا زاہد تھے' ایک بار ان کی محفل میں کسی امیر کا ذکر آیا کہ وہ بادشاہی کے لائق ہے۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو بادشاہ نے شیخ صالح اور ان کے بیٹوں کو قتل کروا دیا۔ یہی سلوک شیخ علی حیدر جیسے ولی اللہ کے ساتھ کیا گیا۔ روایت ہے کہ بادشاہ کے ظلم و ستم سے اکتائے ہوئے عوام رقعے لکھ کر ان کو

Marfat.com

بند کرتے تھے اور لفافے پر لکھتے "بادشاہ کے سر کی قسم کہ بادشاہ کے سوا ان کو کوئی نہ کھولے" اور یہ خطرات کو دیوان خانے میں ڈال جاتے۔ بادشاہ ان خطوں کو کھولتا تو ان میں گالیاں درج ہوتیں۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سزا دینے کے لئے بادشاہ نے تمام دہلی والوں کو بے گھر کیا اور حکم دیا کہ نئے آباد کردہ شہر دولت آباد چلے جائیں جو وہاں سے کوسوں دور تھا۔ ابن بطوطہ لکھتے ہیں کہ "لوگوں نے دولت آباد جانے سے انکار کیا تو منادی کی گئی کہ تین دن کے بعد کوئی شخص نہ رہے۔ بہت سے لوگ چل پڑے اور بعض گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ پورے شہر کی تلاشی لی جائے۔ دو آدمی ایک گلی میں ملے ایک اندھا اور ایک لولا۔ دونوں کو بادشاہ کے پاس لایا گیا۔ بادشاہ نے لولے کو منجنیق سے اڑا دیا اور اندھے کے لئے حکم دیا کہ اسے دہلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے گھسیٹ کر لے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کا صرف ایک پیر دولت آباد پہنچ سکا"۔ بادشاہ نے اپنے بھانجے بہاؤالدین گشتاسپ کو سرکشی کے الزام میں یہ سزا دی کہ اس کی زندہ کھال کھنچوائی، اس کا گوشت چاولوں میں پکوا کر اس کے بیوی بچوں کو کھانے کے لئے بھیجا گیا۔ خاندان کے محسن اور اپنے منہ بولے چچا حاکم ملتان کشلو خان کا بغاوت کی سزا میں سر کاٹ کر شہر کے دروازے پر لٹکایا اور شہر کے قاضی کریم الدین کی زندہ کھال کھچوائی۔ محمد شاہ تغلق نے اذیتیں اور سزائیں دینے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کیے۔ اس مقصد کے لئے جلاد ہاتھی تیار کئے گئے اور انہیں بادشاہ کے مجرموں کو کچلنے کی خاص تربیت دی گئی تھی۔ جلاد ہاتھیوں کے دانتوں پر دندانے دار آہنی خول چڑھے ہوتے تھے جن کے دونوں طرف دھار ہوتی۔ جب کسی شخص کو ہاتھی کے سامنے سزا کے لئے لایا جاتا تو ہاتھی اسے سونڈ میں لپیٹ کر اوپر پھینکتا اس کے بعد اسے دانتوں میں لے لیتا۔ اگر بادشاہ چاہتا تو اسے قاتل دانتوں سے چیر دیا جاتا ورنہ ہاتھی اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالتا۔ اکثر قتل کے بعد لاشیں کتوں کے سامنے ڈال دی جاتیں۔ محمد شاہ نے رعیت خصوصاً امراء کے حالات کی جاسوسی کا بہت ظالمانہ نظام قائم کیا تھا۔ جاسوسی کا یہ نظام گھروں میں کا

Marfat.com

کرنے والی لونڈیوں، بھنگوں اور غلاموں سے لیا جاتا۔ ابن بطوطہ نے اس سلسلے میں ایک روایت لکھی ہے: "کہتے ہیں کہ ایک امیر رات کے وقت اپنے گھر میں جا کر اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ امیر نے اپنی بیوی کے ساتھ قربت کا ارادہ ظاہر کیا تو عورت نے اسے کہا' تمہیں بادشاہ کے سر کی قسم' ایسا نہ کرو لیکن امیر نے اس کی بات نہ مانی۔ بادشاہ نے اگلے روز اس امیر کو اپنے سامنے طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو نے ایسا ایسا کہا تھا۔ اس پر اس امیر کو قتل کیا گیا" محمد تغلق نے لوگوں سے لگان کی وصولی میں بہت سختی کی' تنگ آ کر لوگوں نے اپنے گھروں اور کھلیانوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے' ایسا ہی کیا گیا' تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے "کسی بادشاہ کے حالات میں ایسے واقعات نہ دیکھے گئے تھے جیسے اس کا اعمالنامہ سیاہ ہے۔ بادشاہ باہر شکار کھیلنے جاتا تھا مگر جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کی بجائے ہزاروں انسانوں کے خون سے تیر و خنجر کی پیاس بجھاتا اور پھر ان مقتولوں کے سر کاٹ کر حصار کے کنگرہ پر لٹکاتا" تاریخ فیروز شاہی کے مصنف نے حیرت واستعجاب کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک طرف محمد شاہ تغلق بد اصلوں اور سفلوں کے خلاف باتیں کہتا تھا دوسری طرف اس نے اپنے ہاں بد اصلوں کو اونچے اونچے مرتبے دیئے' نجبا ایک گویّا تھا اسے اتنا سر بلند کیا کہ ملتان' گجرات اور بدایوں کے صوبے عطا کئے۔ اسی طرح عزیز خمار کو' اس کے بھائی کو' فیروز حجام کو' منکا طباخ کو اور لدھا نامی مالی کو بہت اعلیٰ عہدے دیئے۔ علیم الدین نامی ایک شخص کے زیرِ اثر جو فلسفے کا عالم تھا بادشاہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی بہت سی باتوں بلکہ بعض احادیث کی خلاف ورزی کرنے لگا۔ اسی وجہ سے قتل جیسے ناقابلِ معافی فعل کو اپنے لئے جائز سمجھتا تھا۔ تاریخ فرشتہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے ایک دن حکم دیا کہ نماز عیدین اور نماز جمعہ آئندہ سے نہیں ادا کی جائیں گی۔ اس پر بادشاہ کے خلاف مسلمانوں میں مزید نفرت پیدا ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ اس بادشاہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کے قبرستانوں کی آبادی میں اضافہ کیا۔ دہلی کے ہزاروں افراد کو نقلِ مکانی اور سفر کی صعوبتوں میں

Marfat.com

ہلاک کر دیا۔ دوسری طرف مذہبی معاملات میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسلام کے وقار کو شدید نقصان پہنچایا۔

محمد شاہ کے بعد فیروز شاہ تغلق نے ہندوستان کی حکومت سنبھالی۔ البتہ یہ دور بہت اچھا تھا۔ بادشاہ کا اندازِ حکومت بہر حال سیکولر رہا۔ ان کے جانشین غیاث الدین تغلق کو جہاں بانی سے خاص رغبت نہ تھی۔ تاریخ فرشتہ میں ہے : " تغلق شاہ جوانی کے نشہ میں مست عیش و نشاط میں وقت گزارنے لگا۔ عدل و انصاف سے بالکل علیحدہ ہو گیا اور ملک میں استبداد پھیل گیا" آٹھویں صدی ہجری کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ تیمور نے انہی دنوں ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا سوچنا شروع کر دیا تھا اور بالآخر 800ھ میں دہلی پر قبضہ کیا۔ دورِ تغلق شاہ سے لے کر حملۂ تیمور تک آٹھ دس سالوں میں ہندوستان مستقل طوائف الملوکی کی زد میں رہا۔ اس دوران کوئی چھ بادشاہ آئے اور گئے' بلکہ زیادہ تر قتل ہوئے' بغاوتیں عام پھیل گئیں' لوگوں کا سکون لٹ گیا' لوگوں نے آبادیاں چھوڑ کر ویرانوں کا رخ کر لیا۔ بادشاہوں کو لوگوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے مفاد سے معمولی دلچسپی بھی نہ تھی۔ ایک بار پندرہ دن تختِ دہلی خالی پڑا رہا۔ بقول فرشتہ " دہلی میں مختلف ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ایک طرح کا انقلاب آچکا تھا' سلطنت کی مضبوطی اور طاقت ختم ہو رہی تھی' ملک میں چاروں طرف بغاوت و سرکشی کی آگ پھیل رہی تھا' ہندو ہر طرف سوئے ہوئے فتنوں کو بیدار کرنے میں مصروف تھے' خصوصاً مشرقی ہندوؤں نے خوب فتنہ پردازی شروع کر دی تھی"

Marfat.com

باب ۔ 4

دہلی میں تیمور کی تلوار بے نیام

(تذکرہ ایک قیامتِ صغریٰ کا)

پچھلے صفحات میں ہم نے ذکر کیا کہ وہ کیا حالات تھے جن میں قدرت کی طرف سے ھندوستان کی نام نہاد مسلمان حکومت پر خونی ضرب لگانی ناگزیر ہو چکی تھی آخر کار فیصلہ ہو گیا اور تیمور کی صورت میں خدائی عذاب آنازل ہوا۔

تیمور جب ہندوستان میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت تختِ دہلی کے دعویدار دو بادشاہ تھے دونوں کے درمیان تین سالوں سے زبردست کشمکش اور جنگ ہو رہی تھی۔ دونوں کا تعلق خاندان تغلق سے تھا۔ دونوں دو بڑے امراء کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ ایک طرف ناصر الدین محمود تغلق تھا' دوسری طرف نصرت شاہ تغلق تھا۔ ناصرالدین محمود اپنے امیر الامراء مقرب خان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔ نصرت شاہ تغلق کی باگ ڈور پہلے سعادت خان کے ہاتھ میں تھی' جب اسے مقرب خان نے قتل کر دیا تو پھر تاتار خان گجراتی نصرت شاہ پر حاوی ہوا۔ ملو خان' اقبال خان وغیرہ امراء نے الگ کشمکش برپا کرر کھی تھی۔ وہ کبھی کسی فریق کے ساتھ ہو جاتے اور کبھی کسی کے ساتھ۔ نصرت شاہ نے فیروز آباد اور ناصرالدین نے دہلی کو اپنا مستقر ٹھہرایا ہوا تھا۔ مورّخ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:

"فریقین میں تخت کے لئے کشمکش جاری تھی کبھی فیروز آباد کی فوجیں دہلی کی طرف آجاتیں اور کبھی دہلی کی فوج فیروز آباد میں پہنچ جاتی' نوبت یہاں تک پہنچی کہ فریقین میں فرق کرنا دشوار ہو گیا۔ اس کشمکش میں عوام کا خون بہہ رہا تھا" تیمور کا پوتا پیر محمد افغانستان سے گزر کر پہلے ہی ملتان پر حملہ آور ہو چکا تھا اور تیمور کے لاؤ لشکر کے حملے کی راہ ہموار کر چکا تھا۔

Marfat.com

مورّخ و مصنّف شیخ محمد اکرام اپنی بلند پایہ تحقیقی کتاب "آبِ کوثر" میں لکھتے ہیں:

" فیروز شاہ تغلق کی وفات 1388ء میں ہوئی۔ اس کے بعد تخت کے دعویداروں میں خانہ جنگی ہوئی۔ جو بادشاہ فیروز کے جانشین ہوئے وہ بڑی ذمہ داریوں کے اہل نہ تھے۔ چنانچہ حکومتِ دہلی کا اقتدار بہت کم ہو گیا اور رہا سہا اقتدار تیمور کے حملے نے مٹا دیا جو 1398ء میں افغانستان کے رستے ہندوستان آیا۔ راستے میں جہاں کہیں وہ گزرا قہرِ الٰہی کی طرح علاقوں کو تاخت و تاراج اور باشندوں کو قتل کرتا آیا۔ دہلی میں محمود تغلق بادشاہ تھا وہ دہلی چھوڑ کر گجرات فرار ہو گیا۔ تیمور نے شہر کو لوٹا اور باشندوں کا قتل عام کیا۔۔۔ تیمور نے ایران اور دوسرے اسلامی ممالک میں جو ظلم ڈھائے اور جا بجا بد نصیب مسلمان مقتولوں کے سر کاٹ کر کلہ مینار بنائے تھے ان سے کونسے شرک کی بیخ کنی ہوتی تھی اور ہندوستان میں بھی دہلی کی اسلامی حکومت کو تباہ کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدن پر ضرب لگانے کے سوا اس نے کچھ نہیں کیا۔ تیمور ہلاکو اور چنگیز کا جانشین تھا۔ تیمور کے حملے سے ملک کی علمی اور روحانی زندگی پر بھی گہرا اثر پڑا اور سلطان محمد تغلق کے وقت سے علماء اور مشائخ کے دہلی چھوڑ کر ملک کے دوسرے حصوں میں آباد ہونے کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ اور بھی قوی ہو گیا۔ تیمور کے حملے سے کچھ عرصہ پہلے حضرت گیسو درازؒ نے رویائے صادقہ میں مغلوں کی آمد اور دہلی کی بد نظمی سے واقفیت پائی اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو خبردار کیا۔ چنانچہ مولانا خواجگی کالپی چلے گئے شیخ احمد کھتو کو بھی اسی طرح کا اشارہ ہوا اور انھوں نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کو جونپور بھجوا دیا لیکن خود دہلی میں مقیم رہے تاکہ خلق خدا کا ساتھ دیں"۔

مولانا شرف الدین علی یزدی نے تیمور کی فتوحات پر ایک مستند کتاب "ظفر نامہ" کے نام سے تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب اس دور کے حالات و واقعات کا قدیم ترین ماخذ ہے۔ ظفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے " ماہ رجب 800ھ میں تیمور نے ہندوستان کی طرف رخ کیا'

Marfat.com

اس وقت اس کے لشکروں کی تعداد اتنی تھی جتنی درختوں کے پتوں کی"۔ راستے میں قلعے فتح کرتا ہوا کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتا ہوا تیمور بنوں پہنچا اور وہاں سے دریائے سندھ کے کنارے اس مقام پر پہنچا جہاں چنگیز خان سے بچنے کے لئے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے بہت اونچے مقام سے گھوڑے سمیت خود کو دریا میں ڈال دیا تھا اور تیرتا ہوا پار اتر گیا تھا' چنگیز خان (جو تعاقب میں آرہا تھا) جرأت کا یہ بے مثال کارنامہ دیکھ کر وہیں سے واپس لوٹ گیا تھا۔ ملتان کے قریب سے گزرتے ہوئے تیمور نے تلمبہ کا قلعہ فتح کیا جو اس زمانے میں بہت آباد شہر تھا' سوائے سادات کے کسی شخص کو نہ بخشا گیا۔ یہیں قریب ہی شہزادہ پیر محمد اپنی فوج کے ساتھ آشامل ہوا اور ایک عظیم لشکر دہلی کی طرف پیشقدی کرنے لگا۔ راستے میں قلعہ بھٹنیر آیا جو مضبوطی میں جواب نہ رکھتا تھا آس پاس کے لوگ خوفزدہ ہو کر قلعے کے اندر اور کچھ باہر جمع ہو گئے تھے۔ فرشتہ لکھتا ہے "اس سے مستحکم اور کوئی قلعہ دور دور تک نہ تھا۔ جو لوگ قلعہ بند نہ ہو سکے وہ خندق کے پاس پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے امیر تیمور جب قلعے کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے باہر بیٹھے لوگوں کو تہ تیغ کیا اور پھر قلعہ کی جانب قدم بڑھائے۔۔۔ ایک خونریز جنگ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا" تیمور نے فتح کے بعد بھٹنیر کے لوگوں سے سختی سے لگان وصول کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ ہندو مسلمان سب عاجز آ گئے لوگوں نے اپنے مال و اسباب کو برباد کر دیا' بال بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیا اور خودکشی کر لی۔ صاحبِ ظفر نامہ لکھتا ہے "بھٹنیر کے شہر کی بربادی کے بعد ہوا میں گلنے سڑنے والی بے شمار مقتولین کی لاشوں سے تعفن پھیل گیا تھا' چنانچہ تیمور نے اپنی فوج کو ہندوستان کے دوسرے شہروں کی طرف پیشقدمی کرنے کا حکم دیا۔" محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے "امیر اس شہر (بھٹنیر) کو مکمل طور برباد کر کے سرسوتی پہنچا' یہاں بھاگے ہوئے لوگوں کو چن چن کر قتل کیا ان کا تمام مال و اسباب چھین لیا۔ پھر فتح آباد چلا گیا۔ یہ شہر بھی اسکے ہاتھوں مسمار ہو گیا" مارا مار کرتا تیمور آخر کار دہلی کے قریب پانی پت پہنچا اور قریبی قلعہ لونی کو فتح

Marfat.com

کیا۔ وہ سلطان دہلی سے فیصلہ کن جنگ کے لئے مناسب وقت اور مقام ڈھونڈ رہا تھا۔ اس دوران تیمور کے پاس کوئی ایک لاکھ قیدی جمع ہو چکے تھے جنہیں ھندوستان کی مہم کے آغاز سے اب تک پکڑا گیا تھا۔ حکم دیا کہ ان تمام (ایک لاکھ) قیدیوں کو قتل کر دیا جائے یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی فوجی کے پاس کوئی قیدی پایا گیا تو اس فوجی کو قتل کر دیا جائے۔ اس طرح ایک دن میں ایک لاکھ قیدیوں کی جان لی گئی۔

قلعہ لونی کے قریب دریائی ساحل پر ایک سیر گاہ "جہاں نما" کے نام سے مشہور تھی۔ تیمور نے وہاں قیام کیا اور اپنے دو امیروں کو کچھ فوج دے کر دہلی کی طرف روانہ کیا جہاں بادشاہ ناصر الدین محمود کے دستِ راست ملو خان کی فوج سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ چند روز آرام کرنے کے بعد تیمور لشکر کی قیادت کرتا ہوا دہلی کی طرف روانہ ہوا اور فیروز آباد کے میدان پہنچا۔ تاتاری سپاہیوں کے ذہن سے ہاتھیوں کا ہول دور کرنے کے لئے (ہاتھیوں سے امیر تیمور کی فوج کو پہلی بار واسطہ پڑا تھا) تیمور نے حکم دیا کہ لشکر کے سامنے بہت بڑی خندق کھودی جائے جس میں بھینس وغیرہ ڈال دی گئیں۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ناصر الدین محمود تغلق کی فوج میں ایک سو جنگی ہاتھی تھے لیکن تیموری فوج کی بے پناہ تیر اندازی نے ہاتھیوں کا رخ موڑ دیا۔ شکست کی بنیادی وجہ تغلق کی فوج کے اندر حوصلہ مندی کا فقدان تھا اور نہ وسائل اور تعداد میں تیموری لشکر کو قطعاً سبقت حاصل نہ تھی۔ "ظفر نامہ" کا مصنف اس موقع پر لکھتا ہے: "ناتواں کیڑا پھنکارتی ہوئی آندھی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا، کبھی ایک بے طاقت ہرن غصیلے شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا وہ سب فرار پر مجبور ہوئے۔ سلطان محمود خان، ملو خان اور ان کے ہمراہی میدان جنگ سے بھاگ کر شہر (دہلی) میں داخل ہو گئے اور دروازے بند کر لئے۔۔۔۔ تیمور دہلی کے دروازے کی طرف بڑھا اس نے احتیاط سے شہر کی دیواروں اور قلعہ بندیوں کا جائزہ لیا اور "حوض خاص" کی طرف لوٹ گیا یہ "حوض خاص" آب کا ذخیرہ ہے جسے سلطان فیروز شاہ نے تعمیر کیا تھا اور

Marfat.com

اِس قدر فراغ ہے کہ ایک سمت سے چھوڑا ہوا تیر دوسری سمت تک نہیں پہنچ سکتا۔ شہر کے لوگ سال بھر اس حوض سے پانی لیتے ہیں۔ تیمور نے اس حوض کے کنارے خیمہ لگوایا' شہزادے 'امراء اور فوجی افسر یہاں اسے فتح کی مبارک دینے آئے"۔ روایت ہے کہ شکست کے بعد تغلق بادشاہ اور ملو خان نے بہت تاسّف کیا' باہمی ناچاقیوں پر بہت پچھتائے' لیکن پشیمانی بعد از وقت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ انہیں شہر سے فرار ہونے کے سوا کوئی راستہ نہ سوجھا۔ چنانچہ رات کے اندھیرے میں دونوں شہر کے مختلف دروازوں سے باہر نکلے۔ تغلق بادشاہ گجرات اور ملو خان نے برن پہنچ کر پناہ لی۔ تیمور کو ان کے فرار ہونے کی اطلاع ذرا دیر سے ملی، اس نے تعاقب کے لئے آدمی دوڑائے لیکن دونوں نکل چکے تھے۔ البتہ ان کے کچھ ساتھی گرفتار ہوئے۔ اگلے روز جمعہ کا دن تھا۔ فلک نے یہ منظر دیکھا کہ شہر کی مساجد میں تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ایک ایسے بادشاہ کا خطبہ جس نے تاخت و تاراج میں غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی (سوائے سادات کے) کبھی معاف نہ کیا تھا۔ اس نے اپنی عالمی فتوحات کے طویل سلسلے میں جو کلہ مینار تعمیر کرائے تھے ان میں بے شمار کھوپڑیاں کلمہ گوؤں کی تھیں۔ "ظفر نامہ" کے انگریز مترجم مسٹر سٹیوارٹ کا بیان ہے کہ امیر تیمور کا تعلق سُنّی مسلک سے نہ تھا' پھر بھی فتح کے بعد اُس کے نام کا خطبہ ہر مسلک کی مسجد میں پڑھا گیا۔

تیمور کا فاتحانہ جھنڈا دہلی کی فصیل پر لہرادیا گیا۔ اس کے بعد وہ دہلی دروازے کے پاس بیرونی عید گاہ میں جا بیٹھا اور دربار منعقد کیا۔ شہر کے ممتاز افراد اس کی خدمت میں پہنچے۔ نقاروں پر چوٹ پڑی اور شہر میں تیمور کی فتح اور کارناموں کے چرچے بیان کئے گئے۔ بجے سجائے ہاتھی اور گینڈے تیمور کے سامنے لائے گئے اور فوجی ترتیب میں کرتب دکھائے گئے۔ دہلی کی جنگ میں ایک سو بیس ہاتھی قبضے میں لئے گئے' زیادہ تر ہاتھی تیمور واپسی کے سفر میں سمرقند لے گیا۔ دہلی سترہ دسمبر 1398ء کو تیمور کے ہاتھوں غروب ہو گیا۔

Marfat.com

دہلی میں قتل وغارت کا منظر

دہلی میں قتل وغارت کیسے ہوا؟ اس سلسے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے (جسکا ذکر " ظفر نامہ " میں ہے) کہ فتح دہلی کے ایک ہفتہ بعد تیمور کے کچھ سپاہی دلی دروازے پر جمع ہو گئے (تیمور ابھی خود شہر کے اندر داخل نہیں ہوا تھا) اور شہریوں کا مذاق اڑانے لگے۔ تیمور نے کچھ امراء کو بھیجا کہ وہ انہیں اس حرکت سے باز رکھیں لیکن قدرت کو شہر کی تباہی منظور تھی۔ شہریوں کو چھیڑنے اور مشتعل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران اُمرائے تیمور کی معزز خواتین نے دہلی کے مشہور شاہی محل " ہزار ستون " کی سیر کا پروگرام بنایا جسے محمد تغلق نے تعمیر کیا تھا۔ ان خواتین کی حفاظت کے لئے تیموری فوج کا ایک دستہ شہر میں آیا۔ علاوہ ازیں، شہر سے تاوان جنگ کی وصولی کے لیے تیمور نے محکمہ خزانہ کے کچھ افسران شہر میں بھیجے۔ شکر، گندم، گھی وغیرہ راشن کی خریداری کے لئے بھی بہت سے تیموری فوجی شہر میں موجود تھے۔ تیمور نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا ہر اس شخص کو گرفتار کیا جائے جس نے تیمور کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح پندرہ ہزار تیموری سپاہی دہلی میں گھوم پھر رہے تھے اور مسلح تھے۔ تیموری سپاہیوں کے تشدد اور سخت گیری کے رد عمل میں بعض شہریوں نے مزاحمت کی، بعض مقامات پر ہندوؤں نے مال اسباب کو نذر آتش کرنے کے بعد بال بچوں سمیت خودکشی کر لی کیونکہ شہر کے سب دروازوں پر فاتح فوج کے پہریدار بیٹھے تھے اور فرار کے راستے بند تھے۔ اگلے روز مزید تیموری سپاہی شہر کے دروازوں سے داخل ہو گئے اور شہر میں ہنگامہ شروع ہو گیا۔ صاحبِ تاریخ فرشتہ لکھتا ہے: " جمادی الاول کی سولہ تاریخ کو کچھ امراء مالِ غنیمت کا حساب کر رہے تھے اور کچھ لوگ مجرموں کو جو شہر میں چھپے تھے تلاش کر رہے تھے کہ شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ چنانچہ لوٹ مار شروع ہو گئی۔۔۔۔ ادھر امیر تیمور پانچ دن کے لئے

Marfat.com

تخلیہ میں بیٹھ گیا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی خلوت میں دخل دیتا اور شہر میں شروع ہنگامہ کی اطلاع دیتا۔ شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔" ایک روایت یہ ہے کہ دہلی کے عوام تیموری عاملین لگان کی سختی اور چیرہ دستی سے تنگ آگئے اور چند عاملوں کو قتل کر دیا۔ بادشاہ تیمور نے برہم ہو کر حکم دیا کہ سادات، علماء اور مشائخ کو چھوڑ کر سب کو تلوار کی نوک پر رکھ لیا جائے۔ تیمور کی "خود نوشت" جسے فرانسیسی عالم مارسل بیون (Marcel Beaven) نے مرتب کیا ہے' میں تیمور کا یہ حکم نقل کیا گیا ہے:

"میں نے اپنے افسروں سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو بتا دیں کہ دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں جو بھی چیز انہیں نظر آئے وہ اسکے مالک بن جائیں اور جو بھی جوان اُن کے سامنے آئے اُسے اپنا غلام بنالیں' اسی طرح جو عورت انہیں پسند آئے اسکو اپنی ملکیت میں لے لیں' نیز اپنے سپاہیوں کو یہ آزادی دے دی کہ پورے تین دن تک لوٹ مار کر لیں' عورتوں سے استفادہ کریں اور دشمن کے جوانوں کو غلامی میں رکھ لیں۔۔۔۔۔ میں نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کلہاڑی تھام لی اور سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ چلو آگے بڑھیں" (میں ہوں تیمور"۔ مارسل بیون)۔ یہ سنتے ہی تیموری سپاہی بھوکے بھیڑیوں کی طرح شہریوں پر ٹوٹ پڑے اور جی کھول کر خونریزی اور لوٹ مار کی۔ دہلی کے ساتھ اس قدر عظیم حادثہ پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ پرانی دہلی میں ایک جگہ بے شمار ہندو موت کے ڈر سے جامع مسجد میں جمع ہو کر پناہ گزین ہوئے لیکن تیموری سپاہیوں نے انہیں پکڑ کر قتل کر دیا۔ مقتولوں کی کھوپڑیوں سے ایک بہت بلند مینار تعمیر کروا لیا گیا۔ ایسا نظارہ دہلی والوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بے گور و کفن لاشیں (ہندو مسلم کی تمیز کے بغیر) کئی دن تک چیلوں کووؤں اور مردار خور جانوروں کی غذا بنتی رہیں۔ زندہ بچ رہنے والوں کو غلام اور قیدی بنا لیا گیا۔ قیدیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ایک سپاہی کے حصے میں پچاس سے لے کر سو تک غلام (قیدی) آئے۔ ہنرمندوں' کاریگروں اور معماروں کی بھاری نفری کو بھی غلام بنا لیا گیا اور

Marfat.com

بعد میں انہیں سمرقند لیجا کر دہلی کی شاندار عمارات کے نمونے پر عمارتیں بنانے پر لگا دیا گیا۔ جہاں تک دوسری لوٹ کا تعلق ہے اس کا اندازہ بہت دشوار ہے تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے: "طرح طرح کے انمول ہیرے، جواہر، الماس' یاقوت' مروارید وغیرہ تیموری فوج کے ہاتھ لگے"۔ تاتاری قیمتی خزانوں کی طرف توجہ مرکوز کیے رہے' دیگر سامان از قسم خوشبویات' لوبان' عود اور صندل وغیرہ کی طرف کوئی دیکھتا ہی نہیں تھا۔

تیمور دہلی پندرہ دن رہا، ان پندرہ دنوں میں پانچ دن شہر تیموری سپاہیوں کے سپرد رہا جنہوں نے دل کھول کر قتل عام کیا اور گھروں کو لوٹا' حتٰی کہ دہلی ویران ہو گیا۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے: "دہلی اور سیری (دہلی کے پاس ایک قلعہ) دونوں مقامات دو ماہ تک ویران اور بے آباد پڑے رہے۔ پھر ان شہروں کو قدرتی وبا نے گھیر لیا اور قحط نے تباہ برباد کر دیا"۔ جہاں لاکھوں لاشیں میدانوں میں سڑتی ہوں' وہاں وباؤں نے پھیلنا ہی تھا۔ خوف کے مارے کسانوں نے زمینیں کاشت کرنا چھوڑ دیں، قحط نازل ہو گیا۔

ملت کے اجتماعی گناہوں کی سزا۔ تیمور کی صورت میں

تیمور کابل کے راستے واپس سمرقند چلا گیا۔ جاتے ہوئے راستے میں متعدد ہندوستانی آبادیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کیا۔ میرٹھ اور لاہور کے قلعوں کی مضبوطی بہت مشہور تھی۔ میرٹھ کے قلعہ کی دیواروں میں سوراخ کر کے آگ لگا دی۔ شہریوں کو قتل کیا۔ لاہور کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوا۔ جاتے جاتے تیمور نے ہندوستان کے مختلف علاقے مختلف امیروں کو بانٹ دیئے۔ تاہم تغلق خاندان کی حکومت کا صفایا ہو گیا۔ چند سالوں تک ہندوستان میں بدترین طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا' جب گرد صاف ہوئی تو حکومت لودھی خاندان کے ہاتھوں میں منتقل ہو چکی تھی اور دولت خان لودھی ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا۔

Marfat.com

ہندوستان سمیت تیموری یلغار ان ممالک کے لئے تباہی و بربادی کا پیغام ثابت ہوئی جو اس کی زد میں آئے اور یہ ملک بد امنی اور خانہ جنگی کی صعوبتوں کا گہوارہ بن گئے۔ چنگیز خان اور ہلاکو کی یلغار کیا کم تھی کہ تیمور کی شکل میں بھی عذاب الٰہی اہل اسلام پر نازل ہو گیا اور مسلمان اس شدید ضرب کے بعد دوبارہ سنبھل نہ سکے۔ چنگیز خان اور ہلاکو کے بعد قدرت نے مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک عظیم اسلامی سلطنت قائم کرنے کا موقع عنایت کیا تھا لیکن خلجی اور تغلق خاندان کے حکمرانوں کی عیش کوشی' زر پرستی' بے انصافی اور ظلم و جفاکاری کی وجہ سے یہ موقع ضائع ہو گیا' ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ علماء' امراء اور صلحا نے ان جابر بادشاہوں کے روبرو کلمہ حق کہنے میں عام طور پر گریز کیا اس طرح ملت کے اجتماعی گناہوں کی سزا تیمور کی شکل میں تجویز ہوئی اور اس پر عمل ہوا۔ تیمور نے وسط ایشیا کے برفستانوں سے لے کر ہندوستان کے گرم میدانوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کے مظاہر کو تہس نہس کر دیا۔ لوگوں کے کٹے ہوئے سروں کے اہرام بنائے جن سے ٹپکنے والی چربی سے میدان ایک مدت تک چکنے رہے۔ دریائے آمو' دریائے زندہ رود' دریائے دجلہ' دریائے چناب، دریائے گنگا میں انسانی خون کی آمیزش سے پانی سرخ ہوا۔ لاکھوں ننگی اور سڑتی ہوئی لاشوں کی بدبو سے قسم قسم کی وبائیں پھوٹیں اور مزید انسان لقمہ اجل بنے۔ ہزاروں انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر وسط ایشیا لے جایا گیا اور تعمیرات پر لگا دیا گیا۔ لاکھوں راستے میں سسک سسک کر مر گئے۔ یہ تمیز کئے بغیر کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں خوبصورت عورتوں کو لونڈی بنا لیا گیا۔ جب قیدیوں اور غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی تو تیمور انہیں قتل کرا دیتا تھا۔ یہ تھا تیمور' جسے صاحبِ قران گورگان بھی کہتے تھے' نفرت کی وجہ سے تمر لنگ بھی کہا جاتا تھا۔ بہر حال وہ ایک سخت گرم بگولے کی طرح آیا' اسلامی تہذیب کی سرسبز کھیتی کو اجاڑ خشک کیا اور واپس چلا گیا۔ دہلی اجڑ گئی۔ مہینوں تک ویرانہ رہا' اس کے بعد گرد و نواح سے لوگ آکر آباد ہونے لگے۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں

Marfat.com

کہ وہ مسلکاً سنی تھا یا شیعہ۔ ایک طرف وہ مزاروں اور قبروں کی زیارت کرتا، اہلِ اللہ اور درویشوں سے عقیدت رکھتا، سیدوں کے آگے بچھ بچھ جاتا(ہندوستان کی حکومت بھی وہ سادات کے حوالے کر گیا تھا لیکن وہ نااہل ثابت ہوئے) دوسری طرف مسلمانوں کے خون سے تلوار کی پیاس بجھاتا۔ ان کی کھوپڑیوں سے مینار بناتا' ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتا' مردوں کو غلام بناتا۔ ہوس ملک گیری میں اس کے نزدیک سب کچھ جائز تھا اور اس سلسلے میں اس نے جو اصول وضع کر رکھے تھے وہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کے اصولوں کے عین مطابق تھے۔

Marfat.com

باب۔5

سرزمین اندلس (سپانیہ) مسلمانوں پر کیسے تنگ ہو گئی؟

سات سو اکاسی برس اندلس (سپین) میں جزوی یا کلی اقتدار و قبضہ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کی آخری ریاست غرناطہ کا بزدل حکمران ابو عبداللہ 2 جنوری 1492ء کو سپانیہ میں مسلمانوں کے اقتدار و اختیار کے اختتام اور مسلمان افواج کے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط ثبت کرنے کے بعد قصرِ الحمراء سے باہر نکلا اور شہر غرناطہ سے ذرا دور اونچی پہاڑی پر پہنچ کر اپنے دارالحکومت، مضافات، اور محلات پر نگاہِ واپسیں ڈالی اور زار و قطار رونے لگا، آخر آٹھ سو سالوں تک وہاں اس کے آباؤ اجداد اور دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حکمرانی کی تھی، ایک بے مثل تہذیب کی بنیاد رکھی تھی، اسکے انجام حسرتناک پر رونا کیوں نہ آتا؟ ابو عبداللہ کی ماں ایک با غیرت اور بہادر خاتون تھی، بزدل بیٹے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولی: "جس ملک اور حکومت کی حفاظت تم نے مردوں کی طرح نہیں کی، اب عورتوں کی مانند اس کے خاتمے پر آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟" یہ تاریخی مقام اب تک سپانیہ میں "نگاہِ واپسینِ عرب" کے نام سے مشہور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں کی بداعمالیوں، بے اعتدالیوں، ہوس پرستوں، باہمی تنازعات اور اسلامی مفادات سے روگردانی کے سبب سپانیہ میں اسلامی طاقت و قوت کا شیرازہ تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں ہی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرنے لگا تھا۔ 1212ء میں عیسائی حکمران الفانسو ہشتم اور مسلمان حکمران محمد بن یعقوب کے درمیان

Marfat.com

طولوشہ کی مشہور جنگ میں مسلمانوں کی ساٹھ ہزار تجربہ کار فوج عیسائیوں کے مقابلے میں شکست کھا گئی' بلکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف ایک ہزار سپاہی جان بچا کر بھاگ سکے۔ یہ وہ دور ہے جب ایشیاء میں بھی چنگیز خان کی فوجوں کے سامنے مسلمانوں کی ہوا اکھڑ رہی تھی۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی حالت اندلس میں پتلی ہوتی چلی گئی۔ درمیان کے تین سو سالوں میں کبھی کبھار مختلف اور غیر متوقع ذرائع سے انہیں کچھ اس طرح مدد ملتی رہی جیسے دم توڑتے مریض کو تھوڑے عرصے کے لئے زندہ رکھنے کے لئے آکسیجن دی جاتی ہے۔ مثلاً کبھی اشبیلیہ کے حکمران معتمد ابن عباد کی دعوت بلکہ درخواست پر یوسف بن تاشفین کی شمالی افریقہ سے آمد اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور غلبہ کے سامنے کچھ عرصہ کے لئے مسلمانوں کی پسپائی کا رک جانا، کبھی مرابطین کی مدد اور کبھی موحدین کا سہارا۔ اگر مریض کے اندر سکت ہو تو آکسیجن دینے سے وہ نئی زندگی بھی حاصل کر سکتا ہے، لیکن یہاں یہ حالت تھی کہ یوسف بن تاشفین جیسے اسلام کے مخلص اور بے ریا مجاہد کو دور سمندر پار افریقہ سے بلا لیا گیا' اس کی جرأت اور مدد سے عیسائیوں کو شکست فاش دی گئی، لیکن ساتھ ہی مقامی مسلمان ہسپانوی حکمرانوں میں یہ بے چینی پیدا ہو گئی کہ کہیں یوسف ان کی ریاستوں پر قبضہ نہ کر لے اس کے خلاف سازش شروع کر دی گئی۔

اسلامی تاریخ کا ایک دردناک باب

اندلس میں جو کچھ مسلمانوں پر گزری، غیروں کے علاوہ اپنوں نے ان پر کیا کیا ظلم ڈھائے؟ سینکڑوں سال تک حکمران رہنے کے باوجود مغرب سے مسلمانوں کو جلاوطن کیوں کر دیا گیا؟ ان پر یورپ کے اس جنوبی گوشے کی سرزمین اپنی فراخی اور وسعت کے باوجود تنگ کیوں ہو گئی؟ تمام یورپ کو علم و ثقافت اور تہذیب کی روشنی سے منور کرنے والوں کے لئے ایک دن اپنی مساجد میں اذان کہنا ممنوع کیوں ٹھہرا؟ آٹھ سو سال تک

Marfat.com

اہل مغرب کو پاکیزگی، طہارت اور صفائی کی تعلیم دینے والوں پر ہاتھ منہ دھونے، وضو کرنے، حمام جانے اور صفائی کے لئے پانی استعمال کرنے پر جبری پابندی کیوں لگی؟ انہیں ندی نالوں کے گندے پانی میں جھاڑو ڈبو ڈبو کر بپتسمہ کیسے اور کیوں دیا گیا؟ انہیں زبردستی اپنے پیغمبر ﷺ کو ملامت کرنے اور عیسائیت میں داخل ہونے پر کیوں مجبور ہونا پڑا؟ سپانیہ میں آباد ایک کروڑ مسلمان (اکثریت) کہاں مرکھپ گئی؟ انہیں جلاوطن ہونے یا دینِ عیسائیت قبول کرنے کے درمیان ایک بات کو قبول کیوں کرنا پڑا؟ انہیں سور کھانے پر کیوں مجبور ہونا پڑا؟۔۔ یہ وہ مضطرب کرنے والے سوالات ہیں جن کا سامنا کرتے ہوئے تمام امتِ مُسلمہ کو آج بھی اتنی ہی شرمندگی ہوتی ہے جتنی آج سے پانچ سو سال پہلے ہوئی تھی۔ یہ اسلامی تاریخ کی دلدوز عبرتوں میں سے ایک عبرت ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے کلیجہ ٹکڑے ہوتا ہے اور آنکھوں سے خوناب جاری ہوتا ہے۔ لیکن اپنی تاریخ کے اس سب سے دردناک باب سے رخ پھیر لینا بھی تو ممکن نہیں۔ عظیم المیے کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اندلس میں مسلمانوں کی آمد اور اس ملک میں ان کی حکومت اور حالات کا مختصر سا بیان ہو کیونکہ جو حالات پہلے پیش آتے ہیں وہ مستقبل کے بڑے واقعات کا آئینہ ہوتے ہیں، اکثر یہ ثابت ہوا ہے کہ ایک سلطنت کی بربادی کے بیج اس کی بنیادوں کے اندر مستور ہوتے ہیں۔

یہ اسلامی فتوحات اور کامیابیوں کا ابتدائی عہد تھا، دمشق میں بنوامیہ کے عروج کا ستارہ چمک رہا تھا ان کے جرنیلوں نے تمام شمالی افریقہ فتح کر لیا تھا۔ ساحلِ اندلس اور شمالی افریقہ کو سمندر کی ایک مختصر آبنائے (پٹی) جدا کرتی ہے۔ شمالی افریقہ سے عرب اندلس کی طرف آنے جانے لگے تھے کیونکہ قریب تھا، ایک عرب افسر نے اس ملک کا جائزہ لینے کے بعد لکھا: "آسمان اور زمین کی خوبصورتی میں یہ ملک شام کی طرح ہے، آب و ہوا کی لطافت میں یمن کی طرح ہے، خوشبویات میں ہندوستان سے مشابہ ہے، زرخیزی میں مصر کے برابر ہے اور قیمتی خزانوں اور جواہرات میں چین کا ہم پلہ ہے" گویا عربوں کی توجہ شمالی افریقہ کی فتح

Marfat.com

کے بعد اندلس اور یورپ کی طرف مبذول ہو رہی تھی۔ ابھی شاید تھوڑا عرصہ مسلمان توقف کرتے لیکن خود اندلس کے ستم رسیدہ لوگوں کی طرف سے انہیں بار بار اس طرف حملے کی دعوت اور درخواست ملنے لگی۔ شمالی افریقہ میں خلافتِ بنو امیہ کی طرف سے ان دنوں عظیم سپہ سالار موسیٰ بن نصیرؒ گورنر تھے' وہ تابعی تھے' نہایت ذہین اور نرم خو۔ اندلس میں گاتھ اور مخلوط نسل کے لوگ آباد تھے' راڈرک بادشاہ تھا اور نہایت عیاش' اپنے قریبی امراء کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیلنے میں بھی نہیں ہچکچاتا تھا' کلیسا کا کام یہ رہ گیا تھا کہ بادشاہ کے کرتوتوں کی پردہ پوشی کرتا رہے' بلکہ خود پادری اور راہبائیں ہر نوع کی بدکاری میں مبتلا ہوتیں تھیں' مذہب عیسوی کی اصل روح مر چکی تھی۔ ایک یونانی نسل کے اندلسی امیر جولین کی بیٹی فلورنڈا رواج کے مطابق بادشاہی محل میں پرورش و تربیت حاصل کر رہی تھی کہ راڈرک نے اس کی عصمت پر ڈاکہ ڈالا، بیٹی نے باپ کو حالات سے آگاہ کیا' یونانی خون نے جوش مارا' راڈرک مطلق انسان بادشاہ تھا۔ جولین خود اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ جولین شکایت دل میں لئے موسیٰؒ بن نصیر کے پاس افریقہ پہنچا۔ اندلس کے ستم رسیدہ اور بہت سے لوگ بھی مسلمانوں کو اندلس آنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ جولین نے اندلس کے حالات سے موسیٰؒ کو آگاہ کیا' ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ مسلمانوں کے حملے کے دوران ان کی رہنمائی کرے گا۔ کچھ پس و پیش اور اندلس کے حالات کا جاسوسوں کے ذریعے اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد موسیٰؒ نے اندلس پر لشکر کشی کا ارادہ کر لیا۔۔ یہ صحیح ہے کہ دربارِ خلافت سے فوری طور پر اس حملے کی منظوری نہیں لی گئی تھی۔ دمشق میں ان دنوں تختِ خلافت پر بنو امیہ کا خلیفہ ولید بیٹھا تھا۔

Marfat.com

طارقؒ بن زیاد۔۔ ایک مظلوم فاتح

جزیرہ اندلس پر بطور مسلمان فاتح پہلا قدم طارق بن زیاد نے رکھا‘ جو موسیٰ بن نصیر کا پروردہ تھا‘ شمالی افریقہ کی بربر نسل سے تھا، بعد میں طارقؒ بن زیاد سے موسیٰؒ بن نصیر کی کچھ شکررنجی ہوئی بلکہ نئے خلیفہ سلیمان نے اسے معزول اور معتوب کیا‘ یہی حال ہندوستان کے فاتح نوجوان جرنیل محمد بن قاسم سے انہی دنوں ہوا۔ کاش خلیفہ سلیمان ان دو جرنیلوں سے یہ سلوک نہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو تاریخ کا راستہ آج مختلف ہوتا۔ یہ 711ء کا واقعہ ہے، جب طارقؒ بن زیاد نے صرف سات ہزار مسلمان سپاہیوں کے ساتھ اندلس کے کنارے پر قدم رکھا۔ اور چونکہ ہر حال میں فتح یا شہادت کا عزم تھا اس لئے جن کشتیوں کے ذریعے سمندر عبور کیا انہیں جلا دینے کا حکم دیا۔ علامہ اقبالؒ نے اس باعزم جرنیل سے یہ الفاظ منسوب کئے ہیں: ”ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست“۔ مورخین نے لکھا ہے کہ طارقؒ بن زیاد کو اندلس کی تسخیر کا یقین ایک خواب کے ذریعے ہوا تھا۔ ابھی وہ سمندر میں ہی تھا کہ اس نے رات کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی‘ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بہت سے لوگ نظر آئے جو جنگ کے لئے بالکل تیار حالت میں تھے‘ آپ ﷺ نے خواب میں طارقؒ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے طارقؒ تو اپنے عزم پر قائم رہ اور جس کام کے لئے تیرا انتخاب ہوا ہے اس کے لئے جدوجہد کر“ مختصر جمعیت کے باوجود طارق ساحلی علاقے فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اثنائے راہ میں ایک بڑھیا ملی اور اس نے کہا ”اس ملک کا فاتح تو ہی معلوم ہوتا ہے‘ میرا شوہر جو بڑا کاھن تھا وہ کہا کرتا تھا کہ اندلس فتح کرنے والے سپہ سالار کی پیشانی بلند اور اس کے بائیں شانے پر تل ہوگا اور اس تل کے گرد بال اگے ہوں گے“ طارق میں یہ تمام علامتیں موجود تھیں۔ وادی لکتہ کے پاس طارق اور اندلس کے بادشاہ راڈرک کے درمیان صحیح معنوں میں جنگ برپا ہوئی‘ عیسائیوں کی فوج

Marfat.com

قریباً ایک لاکھ اور مسلمانوں کی فوج بارہ ہزار تھی، (موسیٰ بن نصیر نے اس دوران مزید پانچ ہزار فوج روانہ کر دی تھی)۔ مسلسل تین دن لڑائی ہوتی رہی۔ پھر طارق نے اپنے سپاہیوں کے سامنے روح پرور تقریر کی اور انہیں یاد دلایا کہ ماضی میں بھی عددی کمی کے باوجود مسلمانوں کی افواج کفار پر غالب آتی رہی ہیں اور پھر ان کے لئے فرار کی کوئی ممکنہ صورت بھی نہ تھی۔ اس جنگ نے رومیوں کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں خالد بنؓ ولید کی جنگ کی یاد تازہ کر دی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نو مسلم ہونے کے باوجود بربروں میں اسلام کا اثر دل کی گہرائیوں تک اترا ہوا تھا۔ بہر حال اس جنگ میں راڈرک کی بیشتر سپاہ کو مسلمانوں نے تہ کر دیا اور وہ خود شکست کھا کر بھاگ گیا۔ موسیٰؒ بن نصیر نے مسلمانوں کی کامیابیوں کی اطلاع پا کر خود اندلس آکر جہاد کے ثواب میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ اب ایک طرف سے طارق بنؒ زیاد اور دوسری طرف سے موسیٰؒ بن نصیر کی فوجیں اندلس فتح کرتی چلی آرہی تھیں دونوں جرنیلوں کی ملاقات اندلس کے مشہور شہر طلیطلہ کے باہر ہوئی، مورخین لکھتے ہیں کہ چونکہ موسیٰؒ بن نصیر کی اندلس میں آمد کے باوجود طارق نے اپنی الگ پیشقدمی جاری رکھی تھی اس لئے موسیٰؒ اُن سے ناخوش تھے اور ان کو سپہ سالاری سے معزول کیا۔ طارقؒ نے بہت مؤدبانہ یہ سزا قبول کی اور اپنی پیش قدمی کا جواز پیش کیا۔ بعد میں موسیٰؒ نے ان کی معذرت قبول کر کے انہیں سپہ سالار اندلس کے عہدہ پر بحال کر دیا۔ طلیطلہ میں بہت زیادہ دولت اور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس مال میں ایک عجیب و غریب میز بھی شامل تھی تین سو ساٹھ پایوں پر قائم تھا اور یہ پائے جواہرات سے بنے تھے۔ اس میز کو حضرت سلیمانؑ سے منسوب کیا جاتا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ میز تو چار پایوں پر مشتمل تھی لیکن چاروں پائے زمرد کے تھے۔ یہ عجیب و غریب میز اور دیگر نوادرات و اموال نئے اموی خلیفہ سلیمان کے سامنے موسیٰؒ بن نصیر اور طارقؒ بن زیاد دونوں نے خود دمشق جا کر پیش کیے، لیکن سلیمان کو ان دونوں عظیم جرنیلوں سے شاید کوئی ذاتی پرخاش تھی، نہ صرف یہ کہ اس نے ان کی قدر

Marfat.com

نہ کی بلحہ خیانت کا الزام لگا کر موسیٰؒ کو قید کر دیا اور بھاری جرمانہ بھی کیا جسے ادا کرنا اس بے مثل جرنیل کے بس میں نہ تھا۔ طارقؒ بن زیاد بھی گمنامی کے اندھیروں میں کہیں گم ہو گیا۔ کاش کہ مسلمان ذاتیات سے بالاتر ہو کر اپنے حقیقی ھیرؤوں کی قدر شناسی کر سکتے۔ حقیقت میں ایسا کبھی ہوا نہیں۔ ہماری تاریخ شاہد ہے!

اسلامی اندلس کے پانچ دور

اندلس میں مسلمانوں کی تاریخ کو ہم پانچ واضح ادوار میں منقسم کرتے ہیں، پہلا دور طارقؒ بن زیاد کی آمد سے شروع ہوتا ہے اور 755ء تک جاتا ہے جب دمشق میں بنو امیہ کا تختہ الٹا گیا لیکن ان کے خانوادے کا ایک شہزادہ (عبدالرحمٰن الداخل واول) کسی طرح جان بچا کر اندلس جا پہنچا اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ یہ کوئی چوالیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ دوسرا دور عبدالرحمٰن اول سے شروع ہو کر آخری اموی حکمران یا خلیفہ ہشام المؤید تک جاتا ہے جو اپنے طاقتور وزراء کے ہاتھوں محض کٹھ پتلی تھا اور اپنے اختیارات وزیروں کے سپرد کر کے عیش و نشاط میں کھویا تھا۔ 1036ء میں وہ مر گیا یا غالباً قتل کر دیا گیا، یوں اندلس میں اموی سلطنت اپنے قدرتی انجام کو پہنچی۔ "شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر"۔ یہ کوئی ڈھائی سو سال سے زیادہ کا زمانہ بنتا ہے۔ اس دور کے آخری کچھ برس بے حد انتشار اور خانہ جنگی میں گزرے۔ وہی مسلمان جو ابتدا میں جنوبی فرانس اور پرتگال تک پہنچ گئے تھے، اب اندلس میں اپنی جمعیت کو یکجا نہیں کر پا رہے تھے۔ مختلف صوبوں میں خود مختار حکومتیں بننا شروع ہو گئی تھیں اور شمال و مغرب سے عیسائیوں کی متحدہ طاقت انہیں ہڑپ کرنے کے لئے بار بار حملے کر رہی تھی۔ تیسرا المرابطین کا دور ہے، یوسف بن تاشفین کو مسلمانوں کی مدد کے لئے اندلس آنا پڑا، وہ واپس گیا تو مسلمانوں کو عیسائیوں کے مقابلے میں پھر پسپائی اختیار کرنا پڑی،

Marfat.com

انہیں بچانے کے لئے یوسف بن تاشفین نے اندلس میں اپنے قائمقام کو حکومت سنبھالنے کا حکم دیا۔ خانہ جنگی کے واقعات سمیت یہ دور 1036ء سے لے کر 1147ء تک شمار کیا جاتا ہے۔ اس سو سالہ دور میں ایک بار پھر مسلمانوں کو اندلس میں سنبھالا ملا لیکن اندرونی خرابیاں جو اندلس کے مسلمان معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھیں، برقرار رہیں اس لئے عیسائی طاقت نہ صرف برقرار رہی بلکہ مضبوط تر ہوئی۔ چوتھا دور موحدین کا ہے۔ یہ لوگ بھی شمالی افریقہ سے المرابطین کے قدموں کے نشانات پر قدم رکھتے ہوئے آئے تھے اور بنیادی طور پر خالی مجاہد تھے منتظم نہ تھے۔ ان کا دور 1212ء تک چلا۔ یہ مختصر مگر ہنگامہ خیز دور تھا اسی زمانے میں وسطی ایشیا میں چنگیز خان آفتِ آسمانی بن کر مسلمانوں کی بستیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد اندلس میں مسلمانوں کی طاقت بالکل بکھر گئی۔ ان کے علاقوں پر عیسائی قابض ہونے لگے، صرف غرناطہ کی ایک ریاست کسی طرح بچ رہی لیکن عیسائی پیش قدمی کی زد میں رہی اور بالآخر 1492ء میں اس ریاست کے مرکز پر بھی صلیب لہرانے لگی۔ مسلمانوں کا سات سو چھیاسی سالہ دور (قمری حساب سے آٹھ سو سالہ دور) اختتام پذیر ہوا۔ اسی سال کولمبس نے امریکہ دریافت کیا وہ سپانوی ملاح تھا۔

اندلس میں اسلام کو رسوا کرنے والے مسلمان بادشاہ

(اسلام جنوبی فرانس سے آگے کیوں پیش قدمی نہ کر سکا؟)

گزشتہ پانچ سو سالوں سے یہ سوال ہر مورخ کے روبرو ایک سخت چٹان کی طرح سر اٹھائے کھڑا ہے کہ آیا اندلس میں مسلمانوں کی ہوا اکھڑنے کی وجہ محض اہلِ صلیب کی طاقت تھی؟ وہی عیسائی حکمران جو اپنے امراء کی بیٹیوں کی عصمتوں کے آبگینے توڑنے میں بدنام تھے، اخلاقی طور پر مختلف برائیوں کو برائیاں نہیں سمجھتے تھے کس طرح اتنے طاقتور ہو گئے کہ

Marfat.com

یورپ بھر کو متاثر کرنے والی حکومت کو ملیا میٹ کرنے کے قابل ہو گئے ؟ آیئے اس سوال کا جواب تاریخ میں ڈھونڈتے ہیں۔ راقم الحروف کا پختہ یقین ہے ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں کامرانی کی پائیداری اور استحکام کا تعلق ہتھیاروں کی بہتات اور عددی کثرت سے نہیں بلکہ اخلاقی برتری اور کردار سے ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں اس سلسلے میں اندلس میں آکر مسلمانوں کا کردار کیسا رہا؟ ماضی کے افسانوں کو یاد کر کے رونا بے سود ہوتا ہے، حقائق خواہ کڑوے ہوں ان کے اندر جھانکنے میں کیا حرج ہے ؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ اندلس میں مسلمانوں کی آمد کسی طے شدہ منصوبے یا تبلیغِ اسلام کی کسی خاص ایسی کاوش کا نتیجہ نہ تھی جس پر دمشق میں قائم مرکزِ خلافت نے عمل درآمد کا شعوری حکم دیا ہو۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسلام جنوبی فرانس تک پہنچ کر پیچھے ہٹ آیا۔ اس سلسلے میں یہ ایک دِلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے۔ "یہ دونوں سپہ سالار (موسیٰؒ بن نصیر اور طارقؒ بن زیاد) قیامتیں ڈھاتے، بجلیاں گراتے اور اپنی شمشیر بے نیام کے جوہر دکھاتے جنوبی فرانس میں داخل ہوئے۔۔۔ اگر موسیٰ کو فلکِ کج رفتار کی میلی آنکھ نے نہ تاک لیا ہوتا اور طارق محلاتی سازشوں کا شکار نہ ہوتا تو آج یورپ کی تاریخ عجیب انداز سے لکھی جاتی۔ ابھی وہ بہت دور نہ گئے تھے کہ انہیں ایک کتبہ ملا جس پر یہ عبارت درج تھی "ہو اسماعیل' یہ تمہاری آخری سرحد ہے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا" بعض روایات میں ہے کہ جب موسیٰؒ اور طارق شہر لیون سے آگے فرانس میں داخل ہوئے تو اثنائے راہ میں انہوں نے بہت سی پرانی عمارتوں کے کھنڈرات دیکھے۔ ان کھنڈرات کے درمیان ایک بہت ہی بلند ستون تھا جس کے ایک طرف یہ عبارت کندہ تھی "اے ہو اسماعیل اگر تم اس پتھر سے آگے بڑھے تو تم خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہاری طاقت کا شیرازہ بکھر جائے گا" موسیٰ اس عجیب اور خوفناک واقعہ سے پریشان ہو گیا اور فوجی افسروں سے مزید پیشقدمی کے بارے میں مشورہ کیا' آخر سپہ سالار نے فیصلہ کیا کہ وہ ہرگز آگے نہیں جائے گا۔

Marfat.com

اس روایت میں عقیدے کی کمزوری کا پہلو ہے، لیکن بہر حال متعدد مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ موسیٰؒ نے فرانس اور یورپ کے اندر پیش قدمی سے پہلے مناسب کمک اور رسد کا انتظام نہیں کیا تھا، ممکن ہے ان کا ارادہ دوبارہ پوری تیاری کے ساتھ فرانس آنے کا ہو لیکن انہیں دمشق طلب کر لیا گیا۔ خدا کو بہتر معلوم ہے کہ یہ سازش تھی یا کوئی اور وجہ' بہر حال مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی گئی اور عین اس وقت جب پورا یورپ ان کے قدموں میں پڑا تھا۔

دو عظیم جرنیلوں کی تذلیل

اندلس موسیٰؒ بن نصیر اور طارقؒ بن زیاد نے فتح کیا' دربارِ خلافت میں دونوں کی تذلیل کی گئی۔ موسیٰ کے جانے کے بعد امیر عبدالعزیز بن موسیٰ نے اندلس میں فوج کی کمان سنبھالی اور انہوں نے عیسائیوں کے بعض انتہائی مضبوط قلعے تسخیر کر لئے وہ ایک لائق حکمران تھا' لیکن حاسدوں نے ان کے خلاف بھی سازش کی اور خلیفہ سلیمان نے حکم دیا کہ عبدالعزیز کا سر کاٹ کر دمشق روانہ کیا جائے۔نہ جرم نہ قصور نہ جواب کا موقع۔ عبدالعزیز کا اگر کوئی جرم تھا تو یہ تھا کہ اس نے اندلس کو اسلامی اثر میں لانے کی ایک بہترین سکیم تیار کی تھی، اگر اسے حکومت کرنے کا موقع ملتا اور اس سکیم پر عمل درآمد ہو تا رہتا تو اندلس کے تمام عیسائی باشندے دین اسلام قبول کر لیتے۔اُس نے یہ قانون بنایا تھا کہ اگر کوئی عیسائی غلام اِسلام قبول کر لیتا تو اسے آزاد سمجھا جاتا اور اس کی آزادی کی ضمانت حکومت دیتی۔اس زمانے میں بے شمار غلام ہوتے تھے چنانچہ اس کے چند روزہ دور میں اندلس کی مقامی آبادی کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ اب اس بدقسمتی کا کیا جائے کہ جس حکمران نے بھی کسی جذبے کے تحت دین پھیلانے کی تدبیر کی اسے ذلت کے ساتھ ہٹا دیا گیا۔

Marfat.com

خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز (جو سلیمان کے جانشین ہوئے) کے مختصر اور بابرکت عہد کے سوا، دمشق کے اموی خلفا کے دورِ عروج کے عرصے میں اندلس میں ہیجانی کیفیت برپا رہی۔ دارالحکومت دمشق بہت دور تھا، خلفا کو اندلس کے حالات سے آگاہی نہ تھی کسی خلیفہ نے اندلس جانے اور موقع پر حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اندلس دمشق کی خلافت کے دائرہ اثر سے باہر نکل گیا۔ سب سے پہلے وہاں یمانی اور قیسی عرب قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، اس کے ساتھ ہی خالص عرب آبادکاروں اور بربروں کے درمیان تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دنوں اسلامی مساوات کے مسئلے پر خارجی تحریک نے زور پکڑ رکھا تھا۔ بربر قدرتی طور پر اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ان جھگڑوں نے افسوسناک صورتِ حال پیدا کی اور اندلس میں مسلمانوں کے اندر خانہ جنگی شروع کی۔ عیسائی غور سے اس منظر کو دیکھتے رہے وہ کبھی کسی فریق کا ساتھ دیتے کبھی کسی فریق کا۔ لیکن ابھی اسلام کے ابتدائی اثرات باقی تھے اس لئے عیسائی مسلمانوں کو لڑانے میں زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔

"بربریت" کے معنی

اس میں شک نہیں کہ بربر فوجیوں اور آبادکاروں نے اسلامی اتحاد کے تصور کو بہت نقصان پہنچایا اور ان سے ایسی ظالمانہ اور بے رحمانہ حرکتیں سرزد ہوئیں کہ دنیا بھر کی لغات میں "بربریت" کا مطلب وحشیانہ ظلم اور جبر قرار پایا، لیکن نسلی اور قومی تعصب کے اظہار کا آغاز سب سے پہلے شامی اور مدنی عربوں کے علاوہ یمانیوں سے ہوا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے سانحہ حرہ میں مدینہ میں بنو امیہ کی شامی فوج نے خونریزی اور سفاکی کا جو ارتکاب کیا تھا، شرفا اور صحابہ رسول ﷺ کی اولاد کے گھروں میں گھس کر بدترین افعال کئے تھے، مدنی عربوں کی بڑی تعداد مدینہ سے ترکِ وطن کر کے اندلس کے سرسبز میدانوں میں آباد ہوگئی تھی،

Marfat.com

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اندلس میں بصرہ اور کوفہ سے بھی زیادہ صحابہ رسول ﷺ کی اولاد آباد ہوئی۔ شامی عرب بنو امیہ کی فوج کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے تھے، اسی طرح بربر شمالی افریقہ سے آئے تھے' یمانی موسیٰ بن نصیر کی وجہ سے آباد ہوئے تھے کیونکہ وہ یمانی تھے۔ اندلس میں حکمران کبھی خلیفہء دمشق کی مرضی سے کبھی شمالی افریقہ کے گورنر اور کبھی مقامی عربوں یا بربروں کی منشا سے مقرر ہوتے رہے۔ بربروں کی قدرتی طور پر خواہش تھی کہ انہیں مسلمان ہو جانے کے بعد عربوں کے برابر سیاسی اور سماجی حقوق اور درجہ ملنا چاہیے لیکن یمانیوں، شامیوں اور مدنی عربوں سمیت تمام عرب مساوات کے اس اسلامی مطالبہ کو ماننے پر آمادہ نہ تھے حالانکہ ان کے اپنے درمیان اتنے شدید اختلافات تھے کہ جب شامیوں کا سردار ثعلبہ اندلس کا حکمران بنا تو مدنی اور افریقی عربوں کو شکست دینے کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا، پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی اپنی "تاریخ سپانیہ" (عبرت نامہ اندلس' اردو ترجمہ: مولوی عنایت اللہ) میں لکھتے ہیں: "ثعلبہ نے حکم دیا کہ جس قدر قیدی ساتھ آئے ہیں انہیں فروخت کر دیا جائے مدینہ والوں کے غرور کو توڑنے کے لئے' شامیوں نے ستم ظریفی کے طور پر اتفاق کیا کہ کوئی قیدی ایسے خریدار کے ہاتھ نہ بیچا جائے جو سب سے زیادہ قیمت دے بلکہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جا سب سے کم قیمت پیش کرے' چنانچہ مدینہ کے ایک شخص کو جب بیچا جانے لگا تو جس شخص نے قیمت میں دس دینار لگائے تھے، اس کو بیچنے کے بجائے ایسے شخص سے سودا کر لیا گیا جس نے قیمت میں ایک کتا پیش کیا تھا اس طرح ایک دوسرے مدنی کو بکری کے عوض بیچ ڈالا گیا"۔ بربروں کی بغاوت کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اسلام کا نام لینے کے باوجود اندلسی اور افریقی عرب انہیں حقیر جانتے تھے (اسی وجہ سے بربر خارجیوں کے فلسفۂ مساوات و جمہوریت سے شدید متاثر ہوئے) دوسری وجہ یہ تھی کہ نسلی اور مالی اعتبار سے ان کا استحصال کیا جا رہا تھا۔ اندلس کی فتح میں سب سے زیادہ حصہ بربروں کا تھا لیکن جب فتوحات کی نعمتوں کی تقسیم کا وقت آیا تو ان

Marfat.com

نعمتوں کا غالب اور بہترین حصہ عربوں نے رکھ لیا یا دربارِ خلافت میں بھجواتے رہے۔ اندلس کا شاداب علاقہ عربوں کو ملا، طارق بن زیاد کے لوگوں (بربروں) کو شدید سرد، ویران اور بے آب و گیاہ پہاڑ رہنے کو دے دیئے گئے جہاں انہیں متواتر عیسائیوں سے دست و گریبان رہنا پڑتا تھا۔ جب شمالی افریقہ میں بربروں نے علمِ بغاوت بلند کیا تو خلیفہ دمشق نے بغاوت فرو کرنے کے لئے جانے والے جرنیل اور فوجیوں کو یہ حکم دیا کہ جو بھی بربر نسل کا باشندہ کہیں دکھائی دے بے دریغ قتل کیا جائے اور ان کی بستیوں کو فتح کے بعد غارت کر دیا جائے (اس قسم کا حکم صرف چنگیز خان جیسا شخص ہی دے سکتا تھا)۔ علامہ ابن العذاری المراکشی اپنی تصنیف "اخبار المغرب" میں لکھتے ہیں کہ دمشق کے اموی خلفا بربری عورتوں کے بڑے دلدادہ تھے، مشہور یہ تھا کہ بربری عورتوں کا حسن عربی عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اندلس اور افریقہ کے گورنر کثرت سے بربر غلام اور لونڈیاں دمشق کے حکمرانوں کی تسکین کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ بربروں کو یہ بھی گلہ تھا کہ اسلام لانے کے باوجود بعض اوقات ان سے ایسے ٹیکس لئے جاتے تھے جو صرف غیر مسلموں کے لئے تھے، اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر انہیں شدید سزا دی جاتی تھی قصہ مختصر یہ کہ یہ پہلا دور جس میں مسلمان فاتح بن کر اندلس میں داخل ہوئے تھے زیادہ تر بربروں اور عربوں کے درمیان کشمکش اور خانہ جنگی میں گزرا۔ بربروں نے عربوں کو زبردست شکست دی لیکن بہت جلد عرب اپنے باہمی اختلافات بھلا کر سنبھلے اور حکمتِ عملی اور ذہانت کے ذریعے بربروں کو کچلنے میں کامیاب ہوئے۔ تاہم دونوں کے درمیان تناؤ برقرار رہا۔

مشرق میں ڈوبنے والے مغرب میں طلوع۔۔ اندلس کی خلافت

یزید، حجاج، سلیمان اور مروان جیسے ظالم امویوں کے طرزِ حکومت سے مسلمانوں کی اکثریت نالاں تھی، مروان آخری اموی خلیفہ تھا جو 750ء میں قتل ہوا، بنو عباس نے

Marfat.com

برسرِ اقتدار آتے ہی امویوں کا بچہ بچہ چن کر قتل کیا' تاہم اس خاندان کا ایک نوجوان عبدالرحمٰن بن معاویہ کسی طرح بنو عباس کی نگاہ بچا کر بھاگ نکلا' صحراؤں اور دریاؤں کو تن تنہا عبور کرتا ہوا شمالی افریقہ میں اپنے بربر ننھیال میں جا پہنچا۔ اس کی خوش اخلاقی' مصائب میں صبر و قناعت اور بیدار مغزی نے بربروں کو اس کا گرویدہ بنا لیا۔ اندلس ان دنوں شورشوں کی زد میں جہنم کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ عیسائی اندلس کے ایک چوتھائی حصے پر دوبارہ قابض ہو چکے تھے' رواداری کے نام پر بعض عرب امراء نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں' عبدالعزیز بن موسیٰ نے ایک عیسائی شہزادی کے ساتھ بیاہ کر کے عیسائیوں کے حق میں جھکاؤ شروع کر دیا تھا' عبدالرحمٰن نے بنو امیہ کے بعض وفادار امراء سے اندلس میں رابطہ کیا۔ ان دنوں اندلس پر امیر یوسف کی حکومت تھی اور قرطبہ دارالحکومت تھا۔ امیر یوسف نے لالچ و تہدید کے علاوہ ہر ممکن کاوش کی کہ کسی طرح عبدالرحمٰن اندلس میں محض جاگیر وغیرہ پر قناعت کر جائے' لیکن شاہین کی طرح بلند عزم اور تیز نگاہ شہزادہ عبدالرحمٰن نے سودابازی کی ہر پیش کش ٹھکرا دی' شامی' یمانی' عرب اور بربر امیر اس کے ساتھ ہو گئے۔ قرطبہ کے قریب گھمسان کی جنگ ہوئی اور عبدالرحمٰن کی فوجوں نے امیر اندلس یوسف الفہری کی فوج کو پیس کر رکھ دیا۔ اس طرح بنو امیہ کی جو سلطنت دمشق اور مشرقِ وسطیٰ میں غروب ہو گئی تھی، اندلس میں طلوع ہو گئی۔ اس طرح کہ یہ حکومت اور آگے چل کر ''خلافت'' 'قریب قریب تین صدیوں تک اندلس کے نیلگوں آسمان کے نیچے پھریرے اڑاتی رہی۔ بنو عباس کی وسیع و عریض خلافت کے سمندر کے ایک طرف اندلس ایک خود مختار اموی خلافت و حکومت کی نشانی بن کر اعلیٰ تہذیب و ثقافت کی دودھیا روشنی پھیلاتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اندلس میں تین بہترین حکمران ہوئے' تینوں کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ عبدالرحمٰن اول (جن کا ابھی ذکر ہوا ہے) عبدالرحمٰن دوم اور عبدالرحمٰن سوم۔ عبدالرحمٰن اول کا ایک نام عبدالرحمٰن الداخل بھی ہے کیونکہ وہ اندلس میں داخل ہو کر

Marfat.com

ایک آزاد سلطنت کا بانی ہوا۔ یہ اندلس کی اسلامی تاریخ کا بہترین دور تھا اور اس زمانے میں بڑی ترقی ہوئی۔ یہاں اس بات کا موقع نہیں کہ ہم اندلس میں مسلمانوں کی شاندار ترقی اور یورپ پر اس کے اثرات پر بحث و تمحیص کریں۔ ہمارا یہ موضوع ہی نہیں ہے۔ تاہم ہم یہاں اندلس کے مسلمان حکمرانوں اور عمایدین کی بعض ایسی غلط کاریوں اور نا عاقبت اندیشانہ پالیسیوں کا ذکر کریں گے جن سے دنیا کے اس خطے میں اسلامی مفاد کو شدید نقصان پہنچا اور آگے چل کر خوفناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

سب سے پہلے غلطی خود عبدالرحمٰن اوّل نے کی' اندلس میں اقتدار مستحکم کرنے کے لئے اس نے افریقہ سے ہزاروں بربروں کو لا کر آباد کیا، ان بربروں کی مدد سے اس نے ملک میں امن وامان قائم کیا۔ فرانس کے بادشاہ شارلیمین (جسے افسانوی حیثیت حاصل ہے) کو زبردست شکست دی لیکن شکست خورہ دشمن کے علاقے تک دانستہً اپنی سرحدیں وسیع نہ کیں بلکہ شمالی اندلس کے عیسائیوں کا ان کی متواتر ریشہ دوانیوں کے باوجود سدباب نہ کیا۔ آگے چل کر فرانس اور شمالی اندلس کے عیسائی اندلسی مسلمانوں کے لئے خطرناک مارِ آستین ثابت ہوئے۔ عبدالرحمٰن اول نہایت خوبصورت شخص تھا، صرف ایک آنکھ کارآمد تھی' سونگھنے کی حِس بھی مفقود تھی۔ بہت شادیاں کیں حرم وسیع تھا، بیس بچے تھے۔

شباب وشراب کے طلبگار خلفاء (دامنِ اسلام پر دھبہ)

ھشام بن عبدالرحمٰن اچھا حکمران تھا لیکن امید پسند نہ تھا، تاہم اپنی سرحدوں کا تحفظ کیا۔ حکم بن ہشام غیر اسلامی کردار رکھتا تھا" حکم کی عادات و خصائل شروع سے ہی غیر اسلامی سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ اتباعِ کتاب و سنت کو چھوڑ کر وہ شیشہ و مئے کا طلبگار تھا اور حسن و جمال کا پرستار" ("مسلمان یورپ میں": محمد احسان الحق سلیمانی) یہ حکم کی عیش پرستی کا نتیجہ تھا کہ عیسائی مغرب و شمال سے باربار مسلمان علاقوں پر چڑھائی کرنے لگے

Marfat.com

اور ملک کی سالمیت اور بقا خطرے میں پڑھ گئی۔ اس نے اپنے چچا سلیمان کو قتل کر کے لاش قرطبہ کے بازار میں لٹکائے رکھی۔ حکم کی اشیرباد سے اسکے امیر عمروس نے طلیطلہ کے باہر ایک مقام پر ممتاز شہریوں کی دعوت کی۔ انہیں ایک خاص اہتمام سے ایک ایک دو دو کر کے ضیافت خانے میں لے جایا جارہا تھا جس کے وسط میں ایک عمیق گڑھا کھودا گیا تھا جونہی مہمان اس گڑھے کے پاس پہنچتے جلاد تلواروں سے ان کا سر تن سے جدا کر دیتے اور انہیں گڑھے میں دھکیل دیتے' رات بھر یہ پُر فریب قتلِ عام جاری رہا۔ اگلے دِن صبح شہر کے لوگ پوچھتے پھرے کہ ان کے ممتاز ترین افراد کہاں چلے گئے' بالآخر تعفن اور بہنے والے خون کے نشانات سے معمہ حل ہو گیا۔ ان لوگوں کی تعداد سات ہزار تھی جو قتل ہوئے۔ جرم یہ تھا کہ انہیں بادشاہ کا وفادار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حکمؔ کو یہاں تک اسلامی حدود سے روگردانی کی جرات ہوئی کہ اس نے اعلان کر دیا کہ اسلام میں حُرمتِ شراب کا حکم کالعدم اور ساقط ہو چکا ہے لہذا شراب نوشی گناہ نہیں۔ یہ تھے وہ حکمران جنہوں نے خود بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کی کوشش کی۔ حکم کی سب سے بڑی زیادتی یہ تھی کہ اس نے طلیطلہ کے نو مسلموں (جو پہلے عیسائی تھے) پر بہت ظلم ڈھائے' یوم الخندق کے قتل عام میں بھی یہی لوگ قتل ہوئے' چنانچہ ایک وقت آیا کہ یہ مقامی نو مسلم عربوں اور عرب حکمرانوں سے اس قدر نفرت کرنے لگے کہ طلیطلہ کے گلی کوچوں میں اگر کوئی غیر مقامی تاجر یا سپاہی آنکلتا تو اس پر پتھر مارے جاتے۔ جبکہ مقامی عیسائیوں سے ان کے تعلقات بڑھے۔ حکم کی ایک اور شدید زیادتی یہ تھی کہ جب اس کے جور و ستم اور غیر شرعی حرکتوں پر قرطبہ میں عوام الناس نے بغاوت کی تو اس نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگائی، سینکڑوں کو مصلوب کیا اور ہزاروں کو جلاوطن کر کے مصر اور افریقہ جانے پر مجبور کیا۔ یعنی عین وہی کچھ کیا جو چند صدیوں بعد عیسائیوں نے اندلس کو مکمل طور پر فتح کرنے کے بعد مسلمانوں سے کیا تھا، حالانکہ حکم مسلمان حکمران تھا۔ بااِیں ھمہ' حکم عدل پسند تھا اور اندلس کی مادی ترقی کی طرف متوجہ رہا'

Marfat.com

وگ اس کی شراب خوری پر علانیہ طنز و تضحیک کرتے تھے' روایت ہے کہ جب جامع مسجد میں اذان ہو جاتی اور لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے تو اونچی آواز میں کہتے "اب شرابی کو بلاؤ کہ نماز کی امامت کرائے"۔ اُس وقت بادشاہِ وقت امامت بھی کرایا کرتے تھے۔ بادشاہ نے کئی علماء اور فقہا کو تنقید کی تاب نہ لا کر قتل کر دیا، ان میں خاص طور پر مشہور فقیہہ یحیٰ بن عبدار الیقیسی قابلِ ذکر ہیں۔ حکم کے بعد عبدالرحمٰن ثانی، سلطان محمد' المنذر' عبدالرحمٰن سوم، حکم ثانی وغیرہ اور آخر میں ہشام ثانی سریرآرائے سلطنت ہوئے اور اس کے بعد اندلس میں اموی حکمرانوں کا اقبال ختم ہو گیا۔ آخری حکمران ہشام ثانی تو محض نام کا خلیفہ تھا' عبدالرحمٰن سوم کے دور میں اندلس عروج کی انتہا پر جا پہنچا' اس نے خود کو خلیفہ اور امیر المومنین کہلوانا شروع کیا۔ لیکن انہی بادشاہوں خصوصاً عبدالرحمٰن دوم کے دور میں عیسائی شر پسند سرِ عام مذہب اسلام اور بانی اسلام کے خلاف توہین آمیز حرکتیں کرتے تھے لیکن حکومت محض رواداری اور غیر مسلمانوں کی دلداری کے پیش نظر کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے گریزاں رہی۔ لیکن اس بے جا اغماض کی بعد میں اندلسی حکمرانوں کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی، جب عیسائی حکمرانوں کا بس چلا تو انہوں نے مسلمانوں کو مسجدوں میں اذان سے بھی روک دیا۔ سلطان محمد کے بعد مختلف وقفوں کے لئے دو بادشاہ المنذر اور عبداللہ تختِ سلطنت پر بیٹھے لیکن دونوں نااہل اور عشرت پسند تھے اور قریب تھا کہ اندلس میں ہر ریاست خود مختار ہو جائے' بغاوت اور سرکشی کی ہوائیں عام چلنے لگی تھیں۔ اس کے عبدالرحمٰن سوم کا سنہری دور آیا لیکن انہیں بھی اپنے دور میں عیسائی باغیوں اور فتنہ انگیزوں کے خلاف مسلسل کاروائی میں مصروف رہنا پڑا۔ علاوہ ازیں اب مسلمان اندلس میں صرف اپنے دفاع میں لگے تھے' انہیں قدرت نے تبلیغِ اسلام و توسیعِ سلطنت کا موقع دیا لیکن افسوس انہوں نے یہ موقع کھو دیا ہمسایہ شریر عیسائی ریاستوں کے ساتھ امن قائم رکھنے کے لئے اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد یعنی توسیعِ دین کو نظر انداز کر دیا، بعض اوقات ان ریاستوں

Marfat.com

کے ساتھ ایسے معاہدے کیے گئے جن میں صرف عیسائی حکمرانوں کو فائدہ پہنچتا تھا اور عام مسلمانوں، خصوصاً ان عیسائی ریاستوں کے اندر آباد نو مسلموں کے مفاد کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن سوم ہی کے دور میں مشہور جنگ الخندق میں مسلمانوں کو شدید ترین نقصان پہنچا۔ یہ جنگ عیسائیوں کے قلعہ سمورا کے قریب ہوئی تھی، کوئی پچاس ہزار مسلمان مجاہد خندق میں گر کر ڈوب گئے اور بھاگنے والے قتل ہوئے۔

آخری اموی خلیفہ ہشام ثانی اپنے حاجبوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا۔ حکومت ان کے حاجب چلاتے رہے اور وہ خود شاہد و شراب کی لذتوں میں غرق رہا۔ حاجب عبدالرحمٰن نے تو باقاعدہ اس سے لکھوالیا تھا کہ وہ حکومت کرنے کا اہل نہیں رہا، اس لئے تمام اختیاراتِ خلافت حاجب کو منتقل ہو گئے ہیں۔ اس طرح فتنوں نے سر اٹھایا جو کبھی فرو ہوئے۔ اس خلیفہ کو بالآخر قتل کر دیا گیا، یہ صحیح ہے کہ اُموی خلفا، خصوصاً خلیفہ عبدالرحمٰن سوم اور حکم ثانی کے عہد میں اندلس میں مسلمانوں کے اقبال کا سورج نصف انہار تک پہنچ نہ اس سے پہلے اور نہ بعد میں اندلس کو ایسا عروج نصیب ہوا۔ لوگ مادی اعتبار سے خوش تھے، تجارت ترقی پر تھی، آبادی مہذب تھی، شہروں میں تفریح گاہوں اور باغوں کی کثرت تھی، غرناطہ، قرطبہ، بلنیسیہ، اشبلیہ، طلیطلہ کے شہر اپنی مثال آپ تھے۔ وادی الکبیر کے دونوں طرف تیس میل تک میوہ دار درخت ملک ملک سے منگوا کر لگائے گئے تھے۔ ایک بہت بڑا بحری بیڑہ سمندروں میں تیرتا رہتا تاکہ سمندری راستے سے کوئی حملہ نہ ہو اور بحری تجارت بے روک ٹوک جاری رہے۔ دارالحکومت قرطبہ کی تو شان ہی کچھ اور تھی۔ آبادی ایک ملین تھی، مکانات کی تعداد بیس ہزار، مساجد تین ہزار تھیں، حمام تین سو کے قریب تھے۔ اسی طرح ایک اور خوبصورت مضافاتی بستی الزہرا تھی جہاں شاہی محلات تھے۔ شاہی لائبریری میں چھ لاکھ تک جلدیں موجود تھیں، بادشاہ منہ مانگی رقم دے کر نئی کتاب خرید لیتے تھے اور سب کتابیں خود پڑھتے تھے۔ جامع مسجد قرطبہ اپنی وسعت اور خوبصورتی میں

Marfat.com

بے مثال تھی'اس کی چھت چودہ سو ستونوں پر کھڑی تھی' یہاں بہترین یونیورسٹی قائم تھی یہاں دنیا کے کونے کونے سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے آتے۔ ان میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ غرناطہ کے قریب قصرِ الحمرا کی خوبصورتی دنیا کے ایک عجوبے کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا اور ساتھ ہی اس دورِ نعمت و عظمت میں امام ابن حزم اور ابنِ رُشد جیسی نابغہ روزگار شخصیات نے جنم لیا۔ بے شمار عظیم ہستیاں تھیں، کس کس کا ذکر کیا جائے لیکن بدقسمتی سے اندلس کے مسلمانوں نے ان انعامات کی قدر نہ کی' خوشحالی اور مادی عروج کے خوشنما مناظر میں گم ہو کر وہ ایسے غافل ہوئے کہ اپنے اصل مقصد کو فراموش کر بیٹھے۔ اپنی ترقی کے بہترین زمانے میں اندلس ایسی ہی ایک ریاست تھی جیسی کوئی سیکولر غیر نظریاتی جنگل کے دور کی مملکت ہو' قصرِ الحمرا اور مدینۃ الزہرا کے پرستان جیسے ماحول میں ارغوانی شراب کے جام پر جام لنڈھانے والے اور شراب کی حرمت پر قرآنی احکام کو داستانِ پارینہ خیال کرنے والے حسین و جمیل سفید فام عیسائی لونڈیوں سے حرم بھرنے والے (عبدالرحمٰن دوم کی اسی وجہ سے دو سو اولادیں تھیں۔ ڈیڑھ سو لڑکے اور پچاس لڑکیاں) اور محض امن و سکون کی خاطر متعصب عیسائی حکمرانوں کی من پسند شرائط پر دوستی کے معاہدے کرنے والے (حالانکہ ان عیسائی حکمرانوں نے ہمیشہ ان معاہدوں کی خلاف ورزی کی) مسلمان حکمرانوں کی غلطیوں' مقاصد سے انحراف اور عیش پسندی کی بہت بڑی سزا مسلمانوں کو ملی۔ اس سزا کے سلسلے کا آغاز اُموی حکمرانوں کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ حکم ثانی کے مرتے ہی اندلس کے مسلمانوں کے لئے فتنوں اور مصائب کا وہ سوراخ کھل گیا جو اب تک بند تھا۔ شمال کے عیسائیوں نے یہاں تک زور پکڑا کہ لوٹ مار کرتے دارالحکومت کے دروازوں تک آجاتے۔ حکومت کبھی خلیفہ کے پاس ہوتی اور کبھی وزیر یا حاجب کے پاس۔ اس طرح اسلامی اندلس کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ اشبیلیہ' طلیطلہ' بلنسیہ اور سرقطہ' مختلف صوبوں میں امراء نے بغاوت کر کے خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ یہ ریاستیں

Marfat.com

ہمیشہ آپس میں لڑتیں اور ایک دوسری کے خلاف ہمسایہ عیسائی ریاستوں سے فوجی مدد حاصل کرتیں، بلکہ سالانہ خراج ادا کر کے ان عیسائیوں سے عارضی امن اور مدد خریدا کرتیں، عیسائی کبھی ایک کا ساتھ دیتے کبھی دوسری کا، زیادہ ترانہیں آپس میں لڑا کر کمزور کرنے کے منصوبے پر عمل کرتے۔ مسلمان حکمرانوں کی بے حسی کی حالت یہ تھی کہ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اندلس کی سرزمین ان پر تنگ ہوتی جارہی ہے اور وہ آپس میں برسرِ پیکار رہے۔ خانہ جنگی ہمیشہ آسمانی عذاب کی ایک صورت رہی ہے۔ بعض اوقات وقتی اور عارضی سر کے لئے بھی ایسا ہوتا ہے کہ شاید کسی کو سمجھ آجائے۔ چنانچہ المرابطین اور موحدین کی آمد سے پہلے اندلس میں عذاب کی یہ شکل نمودار ہوئی لیکن نصیحت پکڑنے والے باقی نہ رہے تھے۔ پھر مرابطین اور موحدین نے اپنا کوڑا ان پر برسایا لیکن انہیں سبق حاصل نہ ہوا۔ آخر میں وہی ہوا جو ایسی قوموں کے لئے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔

Marfat.com

باب-6

قُربِ عذاب کے آثار اور اندلسی حکمرانوں کی بے حسی

(المرابطین اور مؤحدین قدرت کی طرف سے ایک انتباہ تھے)

جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہوا اُموی حکمرانوں کے دورِ عروج میں اندلسی مسلمان بظاہر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ قدرت کی پسندیدہ ترین قوم وہی ہیں کہ ہمیشہ ان پر ارضی انعامات کی بارش ہوتی رہے گی۔ اس طرح وہ اصل مقاصد سے انحراف کے مرتکب ہوئے۔ ہشام ثانی کے دور میں آنے والے عذاب کے آثار صاف دکھائی دینے لگے۔ ہشام لڑکا ہی تھا جب اسے تخت نشین کیا گیا' وہ محل کے خواجہ سراؤں کے زیر اثر تھا' ان حالات میں حاجبِ سلطنت (وزیر اعظم) ابن ابی عامر المنصور نے کلی اختیارات قبضے میں لے لئے' اپنے لئے وفادار فوج تیار کرنے کے لئے افریقہ سے بربر سپاہیوں کو درآمد کیا اور انہیں معقول تنخواہوں اور انعامات سے نوازا۔ عملاً المنصور ہی حکمران بن گیا، لیکن اپنی حکومت کے طویل دور میں ، ہمسایہ عیسائی ریاستوں کو باجگزار بنانے کے باوجود اس نے اسلام کے حقیقی مشن کے لئے کوئی مثبت یا ٹھوس کام نہ کیا: " اگر ہم المنصور کی الاندلس پر حکومت کا ناقدانہ جائزہ لیں تو ہمیں اعتراف کرنا ہوگا کہ وہ ایک اوّل درجہ کا سیاسی اور عسکری نابغہ تھا' لیکن اس سب کچھ کے باوجود اس کی پالیسیاں مکمل طور پر اخلاقی پہلو سے خالی تھیں' اس نے جو کچھ کیا ذاتی اغراض کے لئے کیا' مثلاً اس نے کسی بھی پچھلے حکمران کی نسبت صلیبی سپین پر زیادہ تباہی اور ذِلت طاری کی لیکن اس کی حربی مہموں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا' کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تیز رفتار فتوحات حاصل کرنا تھا جن کے اثرات فوری طور پر زائل ہو جاتے تھے' اس نے اپنی فوج کشی کے تحت آنے والی زمینوں پر مسلمانوں کو

Marfat.com

مستقل طور پر آباد کرنے کی کوئی کوشش نہ کی، جن عیسائیوں پر وہ چڑھائی کرتا وہ بھاگ جاتے اور اس کے چلے جانے کے بعد برباد شدہ شہروں میں آجاتے، عوام کو بے وقوف بنانے والے مطلق انسان حکمرانوں کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے" (دی پولیٹیکل ہسٹری آف الاندلس محمود مکّی) اندلس اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔ محض ایک غلاف چڑھا ہوا تھا جو المصور کے دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اتر گیا۔ المنصور کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک المظفر حاجبِ سلطنت اور ڈکٹیٹر بنا جبکہ ہشام ثانی کٹھ پتلی کے طور پر تماشہ دیکھتا رہا۔ یہ مختصر دور تھا پھر عبدالرحمٰن، عبدالملک المظفر کا بھائی حاجب بنا جو المنصور کی عیسائی بیوی (بعد میں نو مسلم) سے تھا۔ عبدالرحمٰن بد خصلت تھا، مسلمان حکمرانوں کی غیر مسلم بیویوں کی اولادوں میں سے اکثر اس قسم کے بنیادیں ڈھانے والے شہزادے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس نے ایک حکم جاری کر کے خلیفہ ہشام ثانی سے خود کو اس کا جانشین مقرر کرا لیا، اس کے عہد میں بغاوت و سرکشی کے شعلے پورے اندلس مین بھڑکتے رہے۔ قرطبہ کی خوبصورت نواحی شاہی بستی مدینتہ الزھرا کو لوٹ لیا گیا۔ اخلاقی دیوالیہ پن کی انتہا یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے متحارب گروہ حمایت و تائید کے لئے عیسائی حکمرانوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔

بُرے کاموں کا بُرا انجام

عبدالرحمٰن المظفر کا وہی انجام ہوا جو برے کاموں کا ہوتا ہے، باغیوں نے اسے گرفتار کیا اور قتل کر دیا۔ اب اندلس میں طوائف الملوکی کا بدترین دور شروع ہو گیا۔ افریقہ سے آئے ہوئے نئے اور پرانے بربر اپنی مرضی کا حکمران چاہتے تھے اور قابو سے نکل جاتے تھے، اہلِ قرطبہ کو دور اندیش اور شاہی نسل کے حکمران کی تلاش تھی یکے بعد دیگرے بنو امیہ خاندان کے چند بچے کھچے شہزادوں کو تخت پر بٹھانے کا تجربہ بھی کیا گیا (اگرچہ جانشینی کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا) لیکن وہ سب نااہل اور عیاش نکلے۔

Marfat.com

مثلاً محمد المہدی باللہ (جس کے حق میں ہشام ثانی نے دستبرداری اختیار کی تھی) ایک گھٹیا کردار تھا' اس میں نہ نیکی تھی نہ فہم و فراست، وہ لہو لعب اور عیش کا دلدادہ تھا' ساتھ ہی خونریزی بھی بہت کرتا تھا اور مقتولوں کے سروں کو سجایا کرتا تھا۔ بربروں نے مہدی باللہ کے مقابلے میں سلیمان بن حکم کو خلیفہ بناڈالا جس نے قشتالہ کے عیسائی حکمران شانجہ سے مدد مانگی اور دس ہزار مسلمانوں کو قتل کر کے لاشیں دریاالکبیر میں بہادیں۔ مہدی باللہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ "اخبار الاندلس" کا مصنف لکھتا ہے: "بربروں نے سلیمان بن حکم کی سرکردگی میں قرطبہ میں وہ ادھم مچایا اور قتل وغارت کا وہ بازار گرم کیا کہ الامان، الحفیظ، ایسے لگتا تھا کہ قہر خداوندی نے ان دیو صفت لوگوں کے گلوں سے زنجیریں کھول دی ہیں تاکہ وہ مملکت اندلس کے خوبصورت شہروں کو جن میں سے ہر ایک میں بنو امیہ کی فتوحات اور شان و شوکت کی نشانیاں موجود تھیں اپنی وحشت کی جولان گاہ بنائیں" ایک طرف یہ اور دوسری طرف عیسائیوں کو وہ علاقے واپس کئے جا رہے تھے جنہیں صدیوں سے مسلمانوں نے فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کر رکھا تھا۔ اس طرح محض مسلمانوں کے باہمی نفاق سے عیسائی وہ سب کچھ حاصل کر رہے تھے جس کی انہیں صدیوں سے تمنا تھی۔ اسی دوران ایک اور طالع آزما اندلس کے مطلع پر نمودار ہوا۔ یہ علی ابن حمود تھا اس نے بربروں کو نکیل ڈالنے کی کوشش کی جس پر ایک اندرونی سازش کے ذریعے اسے حمام میں قتل کرا دیا گیا اور کئی روز تک بربروں نے قرطبہ میں لوٹ مار اور قتل عام جاری رکھا۔ لوگ مدد کے لئے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے' لیکن حکمران بھی تو خود عوام کے اعمال کا عکس ہوا کرتے ہیں۔ مہدی باللہ کے بھائی عبدالرحمٰن کو خلیفہ بنایا گیا لیکن چند روز بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ ایک اور اموی شہزادہ محمد المستکفی کو ڈھونڈ کر تخت نشین کیا گیا لیکن تھوڑا عرصہ بعد اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا' ویسے بھی وہ نااہل اور عشرت پسند تھا ایک جولاہے کو اس نے اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ آخر میں ہشام بن محمد کو حکومت کی مسند پر بٹھا کر کام چلانے کی کوشش کی گئی لیکن

Marfat.com

حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے' وہ خود حکومت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب حالات اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھنے لگے' عظیم الشان سلطنتِ اندلس ساٹھ چھوٹی بڑی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی' زیادہ تر ریاستوں کی بقاء کا انحصار ہر سال ہمسایہ عیسائی ریاستوں کے ساتھ معاہدوں کی تجدید اور خراج کی رقم میں سالانہ اضافے پر ہوتا تھا پھر بھی عیسائیوں کی متحدہ طاقت کے سامنے ان ریاستوں کی حیثیت ایک تر نوالے کی تھی جسے کسی وقت نگلا جا سکتا تھا۔ یہ افراتفری اور طوائف الملوکی ساٹھ سال جاری رہی، اس دوران طاقتور عیسائی ریاستوں نے متعدد مسلمان ریاستوں کے بہترین علاقوں اور شہروں پر آہستہ آہستہ قبضہ کر لیا، جبکہ آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہونے والے مسلمان حکمران ہر بار مدد کے لئے انہی عیسائی کاؤنٹوں (Counts) کی طرف دیکھا کیے۔

باہمی ناچاقی اور شتر مرغ جیسا رویہ

تقسیم در تقسیم اور باہمی آویزشوں کے نتیجے میں تشکیل نو پانے والی اسلامی اندلس کی ریاستوں میں سب سے بڑی اشبیلیہ کی ریاست تھی جس میں بعد میں قرطبہ کی ریاست بھی شامل ہو گئی۔ بجا طور پر عیسائیوں کی متحدہ طاقت کا نشانہ یہی ریاست بنی۔ اس ریاست کا حکمران المعتمد دوسری مسلمان ریاستوں کی طرف سے مایوس ہو کر مجبور ہو گیا کہ ہمسایہ اور طاقتور ترین عیسائی ریاست لیون کے بادشاہ الفانسو ششم کو سالانہ معقول رقم خراج میں ادا کرے۔ انہی دنوں الفانسو نے طلیطلہ کی ریاست پر حملہ کر کے اسے ہڑپ کر لیا۔ طلیطلہ میں مسلمانوں کی شکست بہت بڑا المیہ تھا۔ اب مسلمانوں کو تھوڑا سا احساس ہوا کہ عنقریب ان کی باقی سب ریاستوں کا کیا اور کیسا حشر ہونے والا ہے۔ انہیں دنوں ایک اور مسلمان ریاست باربستر و پر عیسائی ریاست اراغون کے حکمران پیڈرو نے قبضہ کر لیا اور مسلمان ریاستوں یا ان کے سرحدی علاقوں پر عیسائیوں کے قبضے کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ مسلمانوں کی ان ایام میں

Marfat.com

کیفیت ایسے تھی جیسے بھیڑیے کو دیکھ کر شتر مرغ اپنی گردن ریت میں غرق کر لیتا ہے۔ ابھی تک یہ مسلمان ریاستیں ایک دوسرے سے لڑنے اور علاقے چھیننے میں لگی تھیں' ایک ریاست دوسری کے خلاف اہل کلیسا سے مدد لیتی تھی اور اہلِ کلیسا عوض میں ہر ریاست سے بھاری تاوان وصول کیا کرتے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اندلسی مسلمانوں کی بے حسی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور وہ قدرت کی طرف سے عذاب کے پوری طرح مستحق ہو چکے تھے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ طلیطلہ کو غصب کرنے والے عیسائی بادشاہ الفانسو نے اپنا لقب "حامیٔ دینِ عیسوی واِسلام" اختیار کیا تو مسلمان خوش ہوئے لیکن یہ وہ بادشاہ تھا جسے یورپ میں مسلمانوں کی تذلیل و شکست کے حوالے سے ہیرو کی حیثیت حاصل ہے۔ ایک مسلمان سردار حسام الدولہ اپنی اطاعت کیے اظہار کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہوا تو اس وقت الفانسو ایک چھوٹی سی بندریا سے کھیلنے میں مصروف تھا۔ حسام الدولہ نے اپنے قیمتی تحائف پیش کئے اور تھوڑی دیر بعد رخصت ہونے لگا تو الفانسو نے تحائف کے لئے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا "ان تحائف کے عوض میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں جانے دوں گا' تم یہ بندریا ساتھ لے جاؤ' یہ بندریا تمہیں ہماری دوستی کی یاد دلاتی رہے گی" حسام الدولہ نے یہ انوکھا تحفہ قبول کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

الفانسو اشبیلیہ کے حکمران المعتمد سے سالانہ بھاری خراج وصول کرتا تھا' ایک بار خراج کی رقم میں کچھ کھوٹے سکے برآمد ہوئے تو اس نے کہلا بھیجا کہ اسے صرف خالص سونے کے سکے چاہئیں' "دوسری طرف معتمد کی حالت یہ تھی کہ وہ چاندنی راتوں میں خوبصورت عورتوں کے ساتھ پہروں کھڑا رہتا۔ عورت اس کی بڑی کمزوری تھی' عیش و نشاط کے دوام کے لئے الفانسو کی ہتک آمیز باتیں سننے پر مجبور تھا۔ خطرے کو بھانپتے ہوئے اس نے وقتی طور پر دوسری مسلمان ریاستوں سے مدد طلب کی۔ طلیطلہ میں مسلمانوں کا حشر باقی مسلمانوں کے سامنے ہونا چاہیے تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اندلس

Marfat.com

میں خود کو صرف تقدیر کے حوالے کر کے تدبیر کو چھوڑ دیا، ورنہ کسے معلوم نہ تھا کہ طلیطلہ میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی عیسائی قبضہ کے بعد ان کی آبادی اقلیت میں بدل گئی، لاکھوں نے ترک وطن کیا جامع مسجد کو کلیسا میں بدل دیا گیا، ان پر نا قابل برداشت تاوان ڈالا گیا تا کہ یا تو وہ عیسائی ہو جائیں یا بھاگ جائیں"

(Social History of muslim spain by : PIERRE GUICHARD)

طلیطلہ میں عیسائیوں نے ایسے مضبوط پنجے گاڑے کہ یوسف بن تاشفین جیسے جرنیل بھی اسے واپس نہ دلوا سکے۔" لیون کے عیسائی ایسے ظالم اور سفاک تھے کہ لڑائی جیت کر دشمن کو امان دینا نہ جانتے تھے' جہاں کسی شہر پر ان کا قبضہ ہوا شہر کے کل آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے مسلمانوں نے جیسی رواداری عیسائیوں کے ساتھ برتی تھی عیسائیوں سے اس کی توقع ممکن نہ تھی"(عبرت نامہ اندلس : پروفیسر ڈوزی) مورخوں کی روایت ہے کہ معتمد سے پہلے اس کا باپ معتضد بھی اپنی ریاست (اشبیلیہ) کو بچانے کے لئے عیسائی بادشاہ الفانسو سے امن کی بھیک مانگتا رہا۔ معتضد کے بارے میں پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے اسلامی تواریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اسلام سمیت ہر مذہب کو تشکیک کی نظر سے دیکھتا "اور صرف دو چیزوں کا قائل تھا' ایک نجوم اور دوسرے شراب۔ اس نے صبح کی نماز کے وقت پڑھنے کے لئے ایک نظم لکھی تھی جس میں ایک شعر اس مضمون کا تھا کہ علی الصباح شراب پینا ہی اصل دین ہے' جو اس حقیقت کو نہ مانے وہ کافر ہے" (عبرت نامہ اندلس) معتضد ظلم اور خونریزی کرنے میں بھی بڑا دلیر تھا۔

ایک طرف شمال و مغرب سے عیسائیوں کی فوجی و سیاسی طاقت کا طوفان مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا تھا' دوسری طرف اشبیلیہ اور دیگر اندلسی ریاستوں کے مسلمان حکمران عیش و عشرت میں سر تا پا غرق تھے۔ اشبیلیہ کے حکمران معتمد کا زیادہ وقت شراب نوشی اور خوبصورت عورتوں کی صحبت میں گزرتا۔ رمیکیہ سے اس کا عشق پرانا تھا لیکن اب وہ اس کی

Marfat.com

بیوی تھی، جو دوسری عورتیں اس پر حاوی تھیں ان میں جنبہ 'امندہ' قمر 'مرغریطہ وغیرہ کے نام موڑخین نے لکھے ہیں۔ شاعر بھی تھا 'ایک شعر میں کہتا ہے " بغیر شراب کے زندگی ،زندگی نہیں" ابن عمار نامی ایک نوجوان سے اسکے تعلقات لڑکپن سے تھے' ایک وقت آیا کہ معتمد نے اسے اپنا وزیر مقرر کیا تاکہ وہ ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہے۔ ایک بار الفانسو اشبیلیہ پر فوجیں لے کر چڑھ آیا تو ابن عمار نے اس کے دربار میں پہنچ کر اس کے امرا کو رشوت دے کر الفانسو سے شطرنج کی بازی لگائی کیونکہ شطرنج اس کی کمزوری تھی' بازی ہار جانے پر شرط کے مطابق الفانسو اپنی فوجیں واپس لے گیا' اس طرح اشبیلیہ اس جنگ سے محفوظ رہا۔ لیکن اسی ابن عمار کو جس پر اتنا فریفتہ تھا ایک دن بے دردی سے قتل کر دیا۔

مسلمان کی قیمت شراب کے مٹکے کے برابر

طلیطلہ کے بعد الفانسو نے مسلمان ریاست بلنسیہ پر ہاتھ صاف کیا اور مسلمان باہمی خانہ جنگی میں اُلجھے رہے۔ عیسائیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ مسلمان علاقوں میں "مردوں کو قتل اور عورتوں کو بے عزت کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک تھا کہ شراب کے ایک مٹکے یا ایک روٹی یا تھوڑے سے گوشت کے عوض ایک گرفتار شدہ مسلمان کو بیچ دیتے تھے اگر کوئی مسلمان قیدی فدیہ ادا نہیں کر سکتا تھا تو اس کی زبان کاٹ دیتے تھے آنکھیں نکال لیتے تھے یا کتوں سے پھڑوا دیتے تھے" (عبرت نامہ اندلس۔ پروفیسر ڈوزی)۔ مسلمانوں پر آہستہ آہستہ اندلس کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی' ایک عربی شاعر نے انہیں دنوں کہا تھا "اندلس کے مسلمانو' ہجرت اختیار کرو اب اس ملک میں رہنا پاگل پن ہے" لیکن شاید قدرت کو تھوڑی اور مدت کے لئے اندلس کے مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچانا مقصود تھا۔ اس لئے یوسف بن تاشفین کی شکل میں ایک مرد مجاہد کو اندلس کے مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے بھیجا۔ یوسف بن تاشفین

Marfat.com

جیسے عظیم جرنیل صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں' کہتے ہیں کہ امام غزالی کو ان سے ملنے کا اشتیاق کشاں کشاں افریقہ لے آیا تھا لیکن جب وہ منزل پر پہنچے تو پتہ چلا کہ یوسف انتقال کر چکا ہے۔
یوسف بن تاشفین کے اندلس میں داخلہ کے ساتھ ہی المرابطین کا غلبہ اور اثر افریقہ سے اندلس میں پہنچ گیا' لیکن یوسف بن تاشفین خود نہیں آیا تھا اسے اندلس آنے کی دعوت معتمد اور اندلس کے دوسرے سرداروں نے دی تھی بلکہ بڑی لجاجت کے ساتھ اندلس آکر مسلمانوں کو عیسائی یلغار سے بچانے کی دعوت دی تھی۔ اندلس کے مسلمان حکمران اپنی اپنی جگہ یہ تو چاہتے تھے کہ یوسف انہیں بچانے کیلئے آئے لیکن ساحلِ اندلس پر اس کے فوجیوں کے لئے کسی قسم کی چوکی یا چھاؤنی دینے کے لئے آمادہ نہ تھے، ایسے حالات میں یوسف کے لئے اندلس میں قدم رکھنا دشوار ہوتا' پھر بھی وہ مردِ مجاہد فوجیں لے کے یورپ میں اسلام کے اس آخری مورچے کے دفاع کے لئے سمندر کو عبور کر کے آگے بڑھا۔ لیکن اس وقت الفانسو نے سرقسطہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور قریب تھا کہ وہاں اسلامی فوجیں شکست کھا جاتیں لیکن جیسے ہی یوسف بن تاشفین کی اندلس میں داخلے کی اطلاع ملی الفانسو نے محاصرہ اٹھا کر طلیطلہ کا رخ کیا اور دوسری عیسائی ریاستوں اور فرانس کے صلیبیوں کی متحدہ طاقت کے ساتھ مرابطینی لشکر کے ساتھ ٹکرانے کا فیصلہ کیا' اب یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمام عیسائی' اندلسی اور مرابطینی مسلمانوں کے خلاف متحد و متفق ہو چکے تھے جبکہ اسلامی اندلس میں افتراق و انتشار کی دردناک صورت حال برقرار رہی۔

شمع کی آخری لو۔۔۔یوسف بن تاشفین

قصہ مختصر' معتمد اور بعض دیگر مسلمان سرداروں اور حکمرانون نے یوسف بن تاشفین کا اشبیلیہ کے دروازوں پر استقبال کیا' (دل میں ان کی آرزو یہ تھی کہ عیسائیوں کو شکست دیتے ہی یوسف واپس افریقہ چلا جائے)۔ کہتے ہیں کہ امیر المومنین یوسف بن

Marfat.com

تاشفین کی آمد کی خبر پاکر معتمد کو الفانسو نے خط لکھا اور پوچھا کہ تم نے ہماری رائے اور مشورے کے بغیر یوسف کو کیوں طلب کیا ہے (کیونکہ دونوں کے درمیان خراج کی ادائیگی کے تحت معاہدۂ صلح موجود تھا)' اس پر معتمد نے جواب لکھا: "مجھے سوروں کی پاسبانی کے مقابلے میں اونٹوں کی نگہبانی زیادہ پسند ہے۔" اس میں اشارہ یہ تھا کہ ہسپانوی عیسائی سور پالتے تھے جبکہ افریقی بَربر اونٹ چراتے تھے۔ زلاقہ کے مقام پر الفانسو کی زیر قیادت متحدہ عیسائی لشکر اور یوسف کی زیر قیادت بربری، حبشی اور اندلسی مسلمانوں پر مشتمل فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، روایت ہے کہ جنگ سے چند دن پہلے الفانسو نے خواب دیکھا کہ وہ ایک ہاتھی پر سوار ہے اور ہاتھی بار بار اپنی سونڈ نقارے پر مار رہا ہے۔ اس نے پادریوں سے اِس خواب کی تعبیر پوچھی لیکن کسی کے جواب سے تسلی نہ ہوئی، آخر ایک یہودی کے ذریعے ایک مسلمان عالم سے تعبیر پوچھی گئی تو اس نے یہودی سے کہا کہ یہ خواب تیرا نہیں ہو سکتا۔ بالآخر یہودی نے الفانسو کا نام بتایا تو عرب عالم نے سورہ "فیل" پڑھی اور کہا کہ الفانسو کو اصحاب فیل کی طرح زبردست صدمہ پہنچنے والا ہے اور نقارے پر سونڈ مارنے کا مطلب ہے کہ اسے جنگ میں زخم آئے گا چنانچہ ایسے ہی ہوا' یہ جنگ رمضان کے مقدس مہینے میں لڑی گئی' عیسائیوں کی تعداد قریباً ساٹھ ہزار جبکہ مسلمان بیس ہزار تھے۔ الفانسو نے جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی' لیکن اس کا بروقت علم ہو گیا۔ معتمد اپنی سپاہ کے ساتھ جان توڑ کر لڑا۔ کثرت تعداد کے باوجود عیسائی سپاہ کو شکست ہوئی۔ الفانسو شدید زخمی ہوا۔ بیس ہزار عیسائی فوجی قتل ہوئے' بدقسمتی سے مسلمانوں نے عیسائیوں کا ان کی اپنی ریاستوں تک تعاقب نہ کیا۔ یوسف کو فوری طور پر افریقہ جانا پڑا، ویسے بھی اندلس کے مسلمان سردار چاہتے تھے کہ وہ چلا جائے۔ لیکن یوسف کے جاتے ہی عیسائیوں نے دوبارہ شرارتیں شروع کر دی۔ اس مرتبہ معتمد بنفسِ نفیس خود افریقہ میں یوسف کو بلانے کے لئے گیا۔ اِس مرتبہ یوسف کی دوبارہ اندلس میں آمد کا نتیجہ اندلس میں باقاعدہ مرابطین

Marfat.com

کی حکومت کے قیام کی صورت میں نکلا۔ سب سے پہلے منتشر مسلمان ریاستوں کو دعوت دی گئی کہ وہ عیسائیوں کے مقابلے میں ایک متحدہ اسلامی طاقت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ لیکن اس دعوت کو ٹھکرا دیا گیا' اس پر یکے بعد دیگرے علمائے دین کے فتوٰی کے بعد ان ریاستوں کو فتح کر لیا گیا اور افریقہ کی مرابطینی سلطنت کے ساتھ ان کا الحاق کر دیا گیا۔ اندلس کے مسلمانوں کا طبقہ اشرافیہ نجات دھندہ یوسف کو جاہل اور وحشی سمجھتا تھا کیونکہ وہ عربی پر عبور نہ رکھتے تھے' جب عوام لوگ اس کے مداح تھے، چنانچہ رِدِ عمل کے طور پر اعلیٰ طبقہ اور سابق حکمرانوں کی اولاد نے مرابطین کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور مقامی عیسائیوں کو مرابطینی مجاہدوں پر ترجیح دینے لگے۔ انہی بدبخت اقتدار پرست طبقے کو مخاطب کرتے ہوئے غرناطہ کے شاعر سُمیر کے یہ اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے تھے "آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ تم نے اسلام کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور اس کے دفاع کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ تم عیسائیوں کے دوست ہو، تمہارے اقتدار سے نجات ہرگز گناہ کا کام نہیں"۔ یہاں ہمارے لئے ممکن نہیں کہ عظیم سپہ سالار یوسف بن تاشفین کی سیرت اور ذاتی کردار کی تفصیل بیان کی جائے۔ وہ ایک شاہین صفت انسان تھا' عابد' زاہد' اور رحمدل تھا' اس ایک میں مرد مومن کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اس نے اندلس کی ریاستوں پر بے جا اقتدار قائم نہیں کیا تھا۔ یوسف کی کامیابیوں کو دیکھ کر اندلسی ریاستوں کے سرداروں نے آپس میں فیصلہ کیا تھا "مرابطین کو آئندہ فوجیں اور سامانِ رسد ہرگز نہیں دیا جائے گا اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ اندلس کی تمام اسلامی ریاستیں لیون کے عیسائی بادشاہ الفانسو سے اتحاد پیدا کریں" (عبرت نامہ اندلس۔۔ پروفیسر ڈوزی) گویا مرابطین کو تباہ کرنے کے لئے عیسائی بادشاہ سے اتحاد کی سازش کی جا رہی تھی۔ ان حالات میں دین کی غیرت رکھنے والے علماء نے فتوٰی دیا کہ ان طوائف الملوک کو شرع اسلامی کی رو سے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں رہا اور امیر یوسف سے کہا "اگر آپ نے اندلس کے ان بادشاہوں کو سلامت چھوڑ

Marfat.com

دیا تو وہ اس ملک کو کفار کے حوالے کر دیں گے اور اس صورت میں آپ کو خدا کے سامنے جواب دینا ہو گا" (فتویٰ اندلسی علماء) اس فتویٰ میں فرداً فرداً اکثر اندلسی سرداروں کے پست کردار کا بھی ذکر تھا، اشبیلیہ کے سردار (بادشاہ) معتمد کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس کی ملکہ رمیکیہ بے دین عورت تھی جس نے اپنے شوہر کو عیش و عشرت اور شراب خوری کی عادت میں ڈالا اور یہ کہ یہی عورت دین کی مٹی پلید کرنے اور مسلمانوں کے زوال کا خاص سبب بنی ہوئی تھی۔ امام غزالیؒ نے بھی اس فتویٰ کی تائید کی تھی۔ الفانسو اور دیگر عیسائی بادشاہوں نے معتمد کی مدد کی، ایک وقت تھا کہ معتمد یوسف کو بلانے افریقہ گیا تھا' اب وہی معتمد اپنی حکومت کی بقاء کی خاطر عیسائیوں کے ساتھ مل گیا تھا اور یوسف کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا۔ جگہ جگہ یہی منظر دیکھنے کو آیا۔ خود غرض مسلمان حکمران یوسف کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر عیسائیوں کو بلاتے رہے' جبکہ ان کی رعایا کا دل یوسف کے ساتھ تھا۔ یوں اندلس میں عارضی طور پر سہی، اسلامی انقلاب آگیا اور یکے بعد دیگرے وہاں متعدد مرابطینی بادشاہوں نے حکومت کی' وقتی طور پر اندلس میں ایک مرکزی اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

ناشکرے پن کا انجام

المرابطین نے قریباً ساٹھ سال تک اندلس میں حکومت کی۔ وہی اندلسی مسلمان جو اہل کلیسا کے سامنے تباہی سے بچنے کے لئے مرابطینی مجاہدوں کو افریقہ سے اندلس آنے کی دعوت دیتے تھے اب ان کی شکلیں ناپسند کرنے لگے' ان کے مزاج میں شدید قسم کا تلون پیدا ہو گیا' انہیں کوئی حاکم پسند ہی نہیں آتا تھا' طوائف الملوک سے اس لئے بے زار تھے کہ عیسائیوں کے مقابلے میں بزدل ثابت ہوئے' فاتح مرابطینیوں کو یہ لوگ گنوار اور وحشی خیال کرتے تھے' اسی دور میں اشبیلیہ کے لوگوں نے بادشاہِ لیون' الفانسو ہفتم

Marfat.com

کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز مسلمان سردار سیف اللہ کو خط لکھا : ”عیسائیوں کے بادشاہ کو ہماری (مسلمانوں کی) طرف سے یہ فریاد پہنچادو اور اس کی مدد حاصل کر کے مرابطین کا جواء ہمارے کندھوں سے اتار دو۔ جب ہم مرابطین کی اطاعت سے آزاد ہو جائیں گے تو عیسائی بادشاہ کو اپنے پیشتر وؤں سے زیادہ خراج ادا کریں گے اور پھر تم اور تمہارے اخلاف ہم پر حکومت کریں گے “۔ غرناطہ کی گلیوں میں آوارہ مزاج لوگ کہتے پھرتے تھے ”عیسائیوں کے بادشاہ لیون کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور پہلے کی طرح اسے خراج دو' ان مرابطین کی حکومت سے آزادی کے لئے ہر تجویز اچھی ہے“(عبرت نامہ اندلس۔ڈوزی) ظاہر ہے جن لوگوں نے ناشکری کرتے ہوئے دوبارہ عیسائیوں کے تسلّط کے لئے دعائیں کیں انہیں قدرت نے عبرت کا نمونہ بنانا ہی تھا۔ حالت یہ ہوئی کہ 1121ء میں قرطبہ کے شہریوں نے مرابطینی فوج کی چھاؤنی پر حملہ کر دیا اور بے شمار فوجیوں کو قتل کرنے کے علاوہ ان کے گھروں کو بھی لوٹ لیا۔ اگر کوئی نادر شاہ یا تیمور ہو تا تو ایسے موقع پر شہر قرطبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حکم دیتا' لیکن مرابطینی حکمران ظالم نہ تھے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ مرابطین کی اعلیٰ قیادت میں بھی بعض سنگین خرابیاں موجود تھیں' ایک تو مذہبی طور پر ذرا تنگ نظر تھے' فقہ مالکی کے سوا ہر مسلک انہیں کفر و شرک کے قریب معلوم ہو تا تھا ان کے علماء نے امام غزالیؒ کی مشہور عالم کتاب ”احیاالعلوم“ کو بدعتی تصنیف قرار دے کر جلانے کا فتویٰ دیا اور سرکاری طور پر اس فتویٰ پر عمل بھی ہوا۔ حکمران اپنی بیویوں اور عورتوں کے زیر اثر تھے' علی بن یوسف پر ان کی بیوی قمر حاوی تھی' چور اور قزاق سرداروں کی چہیتی خواتین کو رشوت دے کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے۔ اہم عہدوں پر نالائق لوگوں کا تقرر ہو تا۔ مرابطین کے امیر ابو بکر بن ابراہیم کھلم کھلا شراب نوشی کیا کرتے اور عیش و عشرت کے سارے طریقے اپنا لئے تھے۔ دراصل اندلس کی دولت اور تمول نے مرابطینیوں کو بھی اخلاقی انحطاط میں مبتلا کر دیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ جن

Marfat.com

دور رس فوائد کی توقع تھی وہ حاصل نہ ہو سکے۔ بے شک جنگ زلاقہ میں عیسائیوں کو زبردست زک پہنچی تھی لیکن مرابطینی حکمرانوں نے عیسائیوں کی صفوں میں کمزوری کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا' طلیطلہ کو عیسائیوں کے قبضے سے نہ چھڑ لیا جاسکا، دوسری طرف سرقسطہ عیسائی قبضے میں آگیا۔ قسطلہ اور اراغون کے عیسائی حکمران مرابطینی دور حکومت کے آخری ایام میں بہت آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے جبکہ اندلس کے دفاع کی ذمہ داری میں مقامی مسلمانوں نے مرابطین کا ہاتھ بٹانے میں سرے سے انکار کر دیا بلکہ اکثر غداری کے مرتکب ہوتے: " واضح طور پر یہ صرف مرابطینی اور ان کے افریقی سپاہی تھے جنہوں نے اندلس کے کے دفاع کا پورا بوجھ برداشت کیا، جو اندلسی باشندوں کی جگہ عیسائیوں سے لڑتے رہے جبکہ مقامی باشندوں میں جنگی روح کی موت واقع ہو چکی تھی۔ پھر بھی یہ مقامی اندلسی اپنے مرابطینی حکمرانوں کے خلاف شکایات کے انبار لگانے یا ان کے خلاف شورش برپا کرنے سے باز نہ رہے' اور خود کو مرابطینیوں کے مقابلے میں برتر قوم سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے سے کم مہذب لوگوں کے ماتحت آگئے ہیں۔ یہ پوشیدہ عناد ان کے مصنفین اور شعرا کی تحریروں سے صاف جھلکتا ہے جو اس دور کے مسلمہ رسوا کن حالات کے باوجود، اُن چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے زمانے کو یاد کرتے رہتے تھے" (دی پولیٹیکل ھسٹری آف الاندلس"۔ محمود مکّی) چنانچہ اندلس میں اسلام کے دفاع کے لئے کی گئی' ان کی تمام تر مساعی اور جدوجہد کے باوجود' علی بن یوسف تاشفین کے آخری سالوں میں جزیرہ نما میں مرابطینیوں کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں، بہت سی بغاوتوں کے پس پردہ ایسے تنگ نظر علماء اور قاضی تھے جو دراصل دشمن کا کھیل کھیل رہے تھے اور انہیں علم نہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ایک طرف یورپ اور خصوصاً اندلس کے مغرب و شمال میں لیون' اراغان' فرانس اور پرتگال کی عیسائی ریاستیں نئے مذہبی اور جنگی جوش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن معرکے کی تیاری کر رہی تھیں' دوسری طرف اندلس اور

Marfat.com

المغرب (شمالی افریقہ) میں مسلمان' عاقبت سے غافل' آپس میں لڑ مرنے میں مصروف تھے اندلس میں مرابطینی اقتدار کا چراغ ٹمٹانے لگا تھا کہ مراکش میں ایک مبلغ محمد بن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا، لوگوں کی کثیر تعداد اسکی جادو بیانی سے متاثر ہو کر اس کے ساتھ ہو گئی۔ ابن تومرت بربر تھا۔ زمانہ طالب علمی میں ملک ملک کی سیر کر چکا تھا' اندلس میں کافی عرصہ گزرا تھا' مصر میں فاطمی عقاید سے متاثر ہوا تھا' دوسری طرف امام غزالیؒ کے متصوفانہ خیالات بھی اس کی تعلیمات میں جھلکتے تھے، اس طرح اس کے افکار میں سنی' شیعہ' باطنی' معتزلی' اسماعیلی اور اثنائے عشری خیالات گڈمڈ ہو گئے تھے اور اس نے لوگوں کو اپنی تحریک کی طرف دعوت دینی شروع کی۔ اس کے پیروکاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اتفاق سے ایک پر جوش نوجوان عبدالمومن اس کی تحریک میں آشامل ہوا' یہ نوجوان ابن تومرت کا قریب ترین ساتھی تھا۔ دونوں نے مل کر مراکش میں مرابطینی حکومت کو چیلنج کرنا شروع کیا۔ مرابطینیوں نے اس تحریک کو معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کیا۔ لیکن ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ ابن تومرت کے لوگوں نے تو مراکش کا محاصرہ کر رکھا ہے اور حکومت بے بس ہے۔ ابن تومرت کے ساتھی مواحدین (الموحدین) کہلاتے تھے' یعنی وہ لوگ جن کا کام مسلمانوں کو ایک کرنا ہے۔ لیکن عملاً مواحدین نے اسلام کے اس خطے میں ایک نئے افتراق کی بنا ڈالی۔ مراکش میں داخل ہو کر ہزاروں باشندوں کو تہ تیغ کیا۔ آخری مرابطینی حکمران تاشفین بن علی مواحدین کے سپہ سالار عبدالمومن سے لڑنے کے لئے اندلس سے مراکش آیا لیکن ایک محاصرے کے دوران گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ ساتھ ہی مرابطینی سلطنت اندلس اور افریقہ مین اختتام کو پہنچی۔ اندلس میں ایک بار پھر طوائف الملوکی شروع ہو گئی' جو جو مقامی امیر جہاں تھا حکمران بن بیٹھا۔ آپس میں پرانی جنگیں پھر شروع ہو گئیں' ہمسایہ عیسائی حکمران انہیں شطرنج کی مہروں کی طرح آپس میں لڑاتے' کبھی صلح کراتے اور کبھی کسی ریاست کے علاقے پر خود قابض ہو جاتے۔ خزانہ

Marfat.com

کی شرط پر ان اندلسی ریاستوں کو ہر سال تھوڑی سی بقا کی مہلت مل جاتی۔ مواحدین کی کامیابیوں کی خبر سن کر اندلس کی بیشتر ریاستوں نے ان سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔ جس طرح ساٹھ سال پہلے یوسف بن تاشفین کو کفار کی یورش روکنے کے لئے اندلس میں دعوت دی گئی' بعینہٖ اب عبدالمومن المواحد کو اندلس سے مسلمانوں کی مدد کے لئے پکارا گیا' صوفی ابن قیسی اور دیگر مذہبی شخصیات نے اسے امید کی کرن خیال کرتے ہوئے اندلس میں آنے کی درخواست کی' مواحدین کے پیش نظر اس وقت مرابطین کے سیاسی اثرات کا خاتمہ تھا اور اندلس میں ان کی فوجوں کی آمد کا اولین مقصد یہی تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ افریقہ کے بعد اندلس میں مرابطینیوں کا کوئی نشان باقی رہے۔ لیکن قدرت عجیب عجیب قسم کے لوگوں سے اسلام کے حق میں کام لیتی رہی ہے۔

مواحدین نے اندلس میں عیسائیوں کی یلغار کو کچھ دیر کے لئے ٹال دیا۔ الفانسو ہفتم (بادشاہ قسطلہ) کی مدد سے غرناطہ میں ابن ہمشوک کی حکومت قائم ہو چکی تھی' المیریا پر عیسائی فوج قابض ہو چکی تھیں۔ مختلف جرنیلوں کی سرکردگی میں بھیجی جانے والی مہموں کے بعد عبدالمومن نے خود اندلس کا رخ کیا' مورّخ لکھتے ہیں کہ اس نے پورے یورپ کو زیرنگیں اور مغربی عیسائی طاقت کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کے لئے پانچ لاکھ فوج جمع کی تھی' لیکن موت نے انہیں اس کی فرصت نہ دی کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل کرتے۔ ان کے بعد ان کے جانشینوں نے یہ مشن جاری رکھا، خصوصاً یعقوب المنصور باللہ نے عیسائیوں پر دھاک بٹھائی اور الارکوس کی مشہور جنگ میں عیسائیوں کی متحدہ فوجوں اور صلیبی مجاہدوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ مورخین نے اس جنگ میں مسلمانوں کی یادگار فتح کی ایک بہترین وجہ یہ لکھی ہے کہ گزشتہ کئی برسوں سے عیسائی فوجوں کے ہاتھوں مسلسل پٹنے کے بعد مسلمانوں کے اندر غیرت کا جذبہ بدرجہ اتم بیدار ہو چکا تھا' اس کے علاوہ مسلمانوں کی فوج میں مواحدین کے مراکشی دوستوں کے ساتھ ساتھ مقامی اندلسیوں نے بھی بلاامتیاز

Marfat.com

رنگ و نسل بھرپور شرکت کی تھی۔ عددی اعتبار سے قریباً برابر کا مقابلہ تھا، لیکن صلیبی فوج کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ " مسلمان الارکوس کی جنگ میں قابلِ تعریف جرات سے لڑے۔ گھمسان کا وہ رن پڑا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھنے والی گرد نے سورج کی روشنی کو مدہم بنا دیا۔ مسلمانوں کی فتح مند افواج اس پہاڑی پر چڑھ دوڑیں جہاں الفانسو نے اپنا خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ الفانسو جب جان کے خوف سے فرار ہوا تو اس کے ہاتھ میں سوائے گھوڑے کی لگام کے اور کچھ نہ تھا ("عرب سپین میں" کانڈے، بحوالہ "مسلمان یورپ میں"۔ احسان الحق سلیمانی)۔ کہتے ہیں کہ یورپ بھر سے جمع ہونے والی تین لاکھ صلیبی فوج سے محض گنتی کے آدمی بچ سکے۔ مسلمانوں نے شدید غلطی یہ کی کہ اس عظیم الشان کامیابی سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھایا۔ بھاگنے والوں کا تعاقب بھی نہ کیا گیا۔ شمال میں واقع عیسائی ریاستوں کو اس وقت روندنا آسان تھا لیکن مسلمانوں نے محض اپنے سابقہ علاقوں کی بازیابی پر قناعت کی، اس وقت مسلمان اگر تھوڑی سی اور ہمت کر لیتے اور جنگ الارکوس میں کامیابی کے بعد اپنے چھپّوں استراحت کرنے نہ بیٹھ جاتے تو شاید آج کم از کم نصف یورپ مسلمان ہوتا اور اندلس سے مسلمانوں کا وجود نہ مٹتا۔

الارکوس کی فتح اندلس میں مسلمانوں کی آخری کامیابی تھی، قدرت نے اپنے انعام اور مدد کی ناشکری کرنے پر انہیں سزا دینے کی ٹھان لی، اس کے بعد مسلمان پیچھے ہی پیچھے ہٹتے رہے جبکہ عیسائیوں نے خود احتسابی کر کے اپنی منتشر صفوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کیا۔ طولوشہ کی جنگ نے تو پانسہ ہی پلٹ دیا۔ 1212ء میں لڑی جانے والی یہ جنگ اس وقت برپا ہوئی جب ایشیا کے برف زاروں سے چنگیز خانی سیلاب اٹھ کر مسلمان آبادیوں پر چھا رہا تھا اور مسلمانوں پر خدا کی زمین تنگ ہو رہی تھی۔ طولوشہ کی جنگ میں عیسائیوں نے الارکوس کا بدلہ لے لیا، ساٹھ ہزار مسلمان فوج میں سے صرف ایک ہزار بچ سکے۔ خلیفہ محمد بن یعقوب جان بچا کر سمندر عبور کر کے مراکش چلا گیا۔ طولوشہ کی جنگ میں مسلمانوں کا ایک گروہ عیر

Marfat.com

اس وقت غداری کرتے ہوئے عیسائیوں سے جاملا جب مسلمانوں پر شدید دباؤ پڑ رہا تھا' اس غداری کے نتیجے میں اس گروہ کو تو کیا فائدہ ہونا تھا اندلس مین مسلمانوں کا مقدر ہمیشہ کے لئے گہنا گیا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کی طرح جنگ کے بعد آرام سے بیٹھ جانے کی غلطی نہ کی۔ مسلمانوں کی مذہبی رواداری کے برعکس الفانسو نے حکم جاری کیا کہ جو عیسائی جان بوجھ کر قابو میں آئے کسی مسلمان کو زندہ چھوڑے گا اسے موت کی سزادی جائے گی۔ چنانچہ طولوشہ کی جنگ میں کوئی زندہ مسلمان قیدی نہیں بنایا گیا' جو مسلمان ہاتھ لگا اسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

ایک مجرم قوم کے منحوس ایام

جب برے دنوں کی نحوست آتی ہے تو اپنا احتساب ٹھنڈے دل سے کرنے کی بجائے لوگ آپس میں الزام تراشی پر اتر آتے ہیں یا قسمت کو کوستے ہیں' طولوشہ کی جنگ میں بدترین شکست کے بعد اندلس میں مسلمانوں کی یہی نفسیاتی کیفیت تھی۔ مواحدی خلیفہ کے اندلس سے فرار کے بعد وہاں مرکزی مسلمان حکومت (خلافت) کا سورج غروب ہو گیا۔ مسلمان عیسائیوں کے خلاف اتحاد کی کوشش کرنے کی بجائے، آپس میں لڑنے لگے' شاید ان بدبختوں کو اب تک یہ گمان تھا کہ قدرت انہیں مزید موقع دے گی۔ غرناطہ کی ریاست میں اقتدار کے لئے ابن ھود اور ابن احمر کے درمیان جنگ ہونے لگی۔ اشبیلیہ میں یحیٰی انجام سے بے خبر حکمران بن بیٹھا' بلنسیہ میں مروان بن عبدالعزیز نے امارت کا اعلان کر دیا' مرسیا اور المیریا وغیرہ ریاستوں میں بھی یہی ناٹک دھرایا گیا۔ شطرنج کے پیادوں کی طرح' عیسائی ریاستیں' ان چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو کبھی کسی طرح لڑاتیں کبھی کسی طرح، کبھی ایک سے مدد کا وعدہ کر کے اس کا کوئی اچھا سا علاقہ ہتھیا لیتیں، کبھی دوسری ریاست سے زیادہ خراج وصول کر کے لڑائی میں اس کی مدد کرتیں۔ غرناطہ میں ابن ھود نے فرڈی نینڈ کی حمایت کے

Marfat.com

عوض اُسے تیس اہم قلعوں کی پیش کش کی۔ چند برس بعد جب فرڈی ننیڈ نے گزشتہ خلافت اندلس کے پایہ تخت قرطبہ پر چڑھائی کی تو اہل قرطبہ نے دل سوزی کے ساتھ ابن ہود سے مدد کو آنے کی درخواست لیکن ابن ہود بد خصلت شخص تھا، اس نے اس سے پہلے مواحدین کی حکومت کے خاتمے کے لئے عوام میں ان کے خلاف انتہائی گھٹیا پراپیگنڈا کیا تھا' اسے اپنی عیاشیوں سے فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ قرطبہ کے مسلمانوں کی مدد کو آتا' یوں قرطبہ غروب ہو گیا جہاں مسلمانوں کی حکومت ساڑھے پانچ سو برس تک رہی تھی۔ اس کے بعد صدیوں تک اس شہر کو نحوست کے سایوں نے گھیرے میں لئے رکھا۔ بقول ایک عرب شاعر "اب اس شہر کے بازار خالی پڑے ہیں ،اس کی شاہراہوں پر گھاس اگی ہے ،وہاں کسی فرد بشر کا نام و نشان نہیں، ایک ہفت رنگ بد صورت گرجا مسجد قرطبہ کے عین وسط میں بے ڈھنگے طور پر کھڑا ہے ،جو لوگ جلاوطن ہوئے وہ برکت و خوبی بھی ساتھ لے گئے 'صدیاں گزر گئیں 'مگر ان کا نعم البدل پیدا نہیں ہوا" (اخبار الاندلس)

عیسائی ریاستیں تین اطراف سے اندلس کی ریاستوں کو گھیرنے لگی تھیں۔ 1238ء میں فرڈی ننیڈ نے بلنیسیہ پر حملہ کیا' ابن ھود کو وہاں کے مسلمانوں نے مدد کے لئے پکارا' ابن ھود لشکر لے کر روانہ ہوا، راستے میں المیریا کے مقام پر قیام کیا اور ایک ضیافت میں شرکت کی۔ اس ضیافت میں ابن ھود نے اس قدر شراب پی لی کہ ہوش کھو دیئے لوگوں نے اسے اٹھا کر پانی کے تالاب میں ڈال دیا اور وہ ڈوب کر ہلاک ہوا۔ یوں ایک غدار خلافت کی جڑیں کھودنے والا کیفر کردار کو پہنچا۔ 1342ء تک غرناطہ کے سوا تمام اندلس اہل کلیسا کے قدموں میں پڑا تھا۔ غرناطہ میں ابن ھود کے بعد ابن الاحمر کی حکومت قائم ہوئی۔ اور یہ حکومت اندلس کے کل رقبہ کے صرف دسویں حصے پر مشتمل تھی۔ عیسائی وحشی جہاں جہاں بھی پہنچے ، انہوں نے بستیاں جلا ڈالیں ، لائبریریاں خاک سیاہ کر دیں مسجدوں مین اصطبل بنا لئے۔ مسلمانوں کو جلاوطن ہونے پر مجبور کیا۔ اندلس بھر سے

Marfat.com

بے خانماں مسلمان کارواں در کارواں غرناطہ کی ریاست کا رخ کرنے لگے۔ چنانچہ وحشت و دہشت و خوف کے سمندر میں غرناطہ مسلمانوں کے لئے امن کا جزیرہ بنا اور کوئی ڈھائی سو برس تک بنی احمر کے حکمرانوں کی مخصوص ڈپلومیسی کے باعث وہاں مسلمانوں کی حکومت برقرار رہی، آخر غرناطہ کا وقت بھی آگیا۔ اجل ٹلا نہیں کرتی۔

Marfat.com

باب۔ 7

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِی کُنتُم تُوعَدُونَ

غرناطہ کی آخری ہچکی اور آسمان و زمین سے بلاؤں کا ظہور

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا مسلمان اندلس بھر سے سمٹ سمٹا کر غرناطہ کی آخری مسلمان ریاست کی حدود میں جمع ہو گئے تھے۔ اتنے چرکے سہنے کے بعد ان میں بربر و عرب کا امتیاز مٹ چکا تھا، انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ دشمن کے نزدیک وہ عرب تھے' نہ بربر' نہ یمانی' نہ شامی' فقط مسلمان تھے' یہی قصور تھا ان کا۔ لیکن دشمن سے رحمدلی کی امیدیں وابستہ کرنے والوں کو وقت اور تقدیر نے کبھی بخشا نہیں۔ جب مواحدین کی خلافت ختم ہوئی اور اسلامی اندلس کی مختلف چھوٹی بڑی مملکتیں آپس میں ٹکرانے لگیں تو انہیں اسی قسم کی غلط فہمی ہوئی تھی، یہ غلط فہمی اس وقت دور ہو گئی جب دشمن نے لالچ' جھانسہ اور سازش کے بعد ایک کے بعد دوسری ریاست کو ترنوالہ بنانا شروع کیا۔ اندلس کے مسلمانوں پر فتنوں کی ژالہ باری شروع ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی دنیا میں بھی دوزخ کا نقشہ قوموں کو دکھایا جاتا ہے:

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِی کُنتُم تُوعَدُونَ (القرآن)

ترجمہ: (یہی وہ دوزخ ہے جس کے متعلق تمہیں بتا دیا گیا تھا)

ابن ھود کے بعد غرناطہ میں نصر بن عمر (ابن الاحمر) کی حکومت قائم ہوئی شاید قصرِ الحمرا کو دنیا کے سامنے اپنی شوکت و زینت کچھ مزید مدت تک دکھانی مقصود تھی۔

Marfat.com

آنے والے ڈھائی سو برسوں میں غرناطہ کی حیثیت ایک ایسے چھوٹے سے جزیرے کی تھی جس کے چاروں طرف نہنگوں سے پُر گہرے سمندروں کا پانی متلاطم رہتا ہو اور کسی وقت بھی سمندری طوفان میں اس کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو۔ غرناطہ نے اس مدت میں جس طرح اپنے وجود کو برقرار رکھا اس کے اسباب میں حکمران خاندان بنی احمر کے بادشاہوں کی دور اندیشی وبصیرت کے علاوہ اس اجتماعی توانائی کا بھی حصہ تھا جو اندلس کے گوشے گوشے سے بہترین افراد کے وہاں جمع ہو جانے سے پیدا ہو گئی تھی ۔ غرناطہ اس خطے کا دولت مند ترین شہر بن چکا تھا۔ بنی احمر کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انصاف پسند تھے۔ یہ جو کسی مسلمان بزرگ کا قول ہے کہ ملک فسق وفجور کے باوجود قائم رہ سکتا ہے لیکن بے انصافی سے نہیں' بالکل مبنی بر حقیقت ہے۔ تمام تر سازشوں کے باوجود' دشمن غرناطہ کو ڈھائی سو سال تک ہڑپ کرنے کی خواہش پوری کرنے میں ناکام رہا، پھر جب بنی احمر نے خود اپنی جڑیں کاٹنا شروع کیں تو دشمن غرناطہ کے دروازوں پر موجود تھا۔ قدرت کا یہ اٹل اصول ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرنا چاہتی خدا اسکی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا۔ بنی احمر کے حکمران امیر محمد رابع کا دور لوگوں کے لئے خوشگوار ثابت نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کے حاجب المحروق کو کھلی چھوٹی تھی کہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ ذلت کا سلوک کرتا پھرے۔ کہتے ہیں کہ اگر اس زمانے میں الفانسو یازدہم کے دربار میں افتراق کا دور دورہ نہ ہوتا اور وہ خود عیش وعشرت میں ہر وقت نہ ڈوبا رہتا تو شاید غرناطہ پر چودھویں صدی کے نصف میں ہی دشمن کا قبضہ ہو جاتا۔

آپس میں لڑ مرنے والے حکمران

پندرھویں صدی عیسوی کے آخری دور میں غرناطہ کی حکومت مولائے علی ابوالحسن کے پاس تھی کہ بنی احمر میں زبردست داخلی خلفشار رونما ہوا' دوسری طرف

Marfat.com

عیسائی ریاستوں نے یورپ بھر میں غرناطہ فتح کرنے کے لئے رضا کار بھرتی کرنا شروع کر دیئے تاکہ بھرپور حملہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے تمام اختلافات مسلم دشمنی کے مشترک نکتے پر بالائے طاق رکھ دیئے تھے۔ فرڈی ننیڈ نے غرناطہ کی حدود میں واقع قلعہ الحمد پر قبضہ کر کے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر دیا۔ مولائے ابوالحسن کی حکومت میں خلفشار کا منظر نامہ یہ تھا کہ باپ' بیٹے اور چچا کے درمیان اقتدار پر قابض ہونے کے لئے دوڑ جاری تھی جب کہ صلیبی دشمن کبھی ایک کی پشت پناہی کرتے کبھی دوسرے کی' لیکن بنی احمر میں یہ حالات پہلے بھی پیدا ہوتے رہے تھے' یہ محض ان کی خوش بختی تھی یا عیسائیوں کی کم ہمتی کہ وہ اب تک محفوظ رہے تھے مثلاً چودھویں صدی کے اواخر میں جب سلطان یوسف ثانی تخت نشین تھا' اس کا بیٹا محمد باغی ہو گیا اور یہ مشہور کیا کہ اس کا باپ عیسائی مذہب کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ ایک دن باغیوں نے اس کی سرکردگی میں شاہی محل کا محاصرہ کر لیا' قریب تھا کہ سلطان مایوس ہو کر تخت و تاج سے بیٹے کے حق میں دستبردار ہو جائے کہ اس موقع پر ایک مسلمان ملک کے سفیر نے سلطان سے بلا کشت و خون بغاوت فرو کرنے کی اجازت چاہی اور باغیوں کے سامنے جا کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی اور انہیں بنی امیہ' مرابطین' مواحدین اور بنی ھود وغیرہ کا انجام یاد دلا کر کہا "یہ تمام حکمران خاندان آپس میں خانہ جنگی کی بدولت تباہ ہو گئے' اگر یہ لوگ ایک دوسرے کو ختم کرنے کے بجائے متفق ہو کر عیسائیوں سے لڑتے تو آج تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم دیکھتے ہو کہ اس باہمی نزاع کا نتیجہ ہے کہ تمام اندلس تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اب تمہارے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا سا حصہ بھی جس پر تم فی الحال قابض ہو' اسے تم اپنے دشمنوں کے حوالے کرنا چاہتے ہو"۔ بہر حال یہ بغاوت کسی طرح رفع دفع ہوئی۔ جب محمد اپنے باپ کے انتقال پر تخت نشین ہوا تو اس نے بلا وجہ اپنے بھائی کو قید سخت میں ڈالے رکھا اور عین اس وقت جب وہ مرض الموت میں گرفتار تھا اپنے بے قصور اور قیدی بھائی کے

Marfat.com

قتل کا حکم دیا کہ کہیں اس کی موت کے بعد وہ بادشاہ نہ بن جائے۔ بنی احمر کے بادشاہ محمد ہشتم کا یہ حال تھا کہ وہ حد سے زیادہ کلیسانواز تھا' اسے اگر فکر تھی تو اغیار کو خوش کرنے کی تھی' عیسائیوں کی طرف میلان اور مسلمان رعیت کے خلاف کاروائیوں نے اسے غیر مقبول بنادیا تھا۔ عوام اور امراء کو ذلیل وخوار کر کے خوش ہوتا تھا اور کم رتبہ ملازموں کی صحبت میں اپنا وقت ضائع کرتا تھا' حد سے زیادہ ظالم اور فاسق وفاجر تھا۔ اپنے آخری سو سالوں میں غرناطہ کے حکمرانوں نے طاقتور عیسائی حکمرانوں کی زیادہ سے زیادہ خوشامد اور نئے سے نئے ایسے معاہدے کر کے اپنے اقتدار کا بچاؤ کیا جن میں غیرتِ اسلامی کو داؤ پر لگا دیا گیا تھا۔ امیر یوسف محمد ابن الاحمر نے جب محمد ہشتم کی فوج کو شکست دے کر غرناطہ میں قدم رکھا تو اس نے اپنا فرض سمجھا کہ اپنے عیسائی آقاؤں کو اپنی وفاداری کا یقین دلائے تاکہ انہیں ان کی طرف سے کسی قسم کی شکایات کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائی حکمرانِ قسطلہ کو خط لکھا:" میں یوسف محمد ابن الاحمر بادشاہ غرناطہ تمہارا مطیع وفرمانبردار' عقیدت ونیاز مندی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں سیدھا غرناطہ آیا اور یہاں کے تمام امرا اور علمانے مجھ کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا، یہ دن مجھ کو خدا کے فضل اور تمہاری عنایت ومدد سے نصیب ہوا ہے"
(بحوالہ "خلافت اندلس"۔ نواب ذوالفقار جنگ بہادر)

پرتگال واندلس کے سمندر میں (جو کبھی مسلمانوں کے پاس ہوتے تھے) غرناطہ ایک چھوٹے سے جزیرے کی طرح تھا' (رقبہ سابق مشرقی پاکستان کے رقبے سے بھی کچھ کم رہ گیا تھا) اگر جنوب میں جبل الطارق بھی اس کے پاس نہ ہوتا تو بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ کٹ جاتا۔ غرناطہ کی خوش قسمتی میں یہ امر بھی شامل تھا کہ جب اندلس کا زیادہ تر حصہ عیسائی ریاستوں کے قبضے میں آگیا تو ہوس ملک گیری میں یہ ریاستیں اس بات پر آپس میں جھگڑتی رہیں کہ غرناطہ پر پہلے کون قابض ہو اور اس کے حصے بخرے کیسے کئے جائیں۔ دوسری طرف بنی احمر کے حکمران ہر سال ان سے وفاداری کے نئے معاہدے کرتے' ہر نیا حکمران نیا

Marfat.com

معاہدہ کر کے تابعداری کا اظہار کرتا تھا۔ یوں وقتی طور بلا ٹلتی رہی۔ لیکن کب تک۔ آخر بنی احمر کا خاندانی انتشار اور غرناطہ کے لوگوں کی جذبہ جہاد سے بے اعتنائی اور بے ہمتی رنگ لائی اور اندلس کی آخری ریاست بھی غروب ہو گئی۔ مولائے علی ابوالحسن سے پہلے ابن عثمان نے اور اس کے بعد ابن اسماعیل دونوں نے سرکشی اور عیسائیوں کی برملا حمایت سے غرناطہ کی حکومت حاصل کی تھی۔ یہ دونوں ظالم حکمران تھے۔ ابوالحسن کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ ایک طرف اس کے اپنے بیٹے نے بغاوت کی دوسری طرف بھائی حکومت کا دعویدار بنا' تیسری طرف دو عیسائی ریاستوں قسطلہ اور اراغون نے اتحاد قائم کر لیا یہ اتحاد فرڈنیڈ (حکمران اراغون) اور ملکہ ازابیلا (حکمران قسطلہ) کے درمیان شادی کا نتیجہ تھا۔ بات خاندانی جھگڑے سے شروع ہوئی تھی۔ لیکن شامت آتی ہے تو ایک معمولی بہانہ بھی حادثے کا سبب بنتا ہے۔ ابوالحسن کی دو بیویاں تھیں' ایک مسلمان اور دوسری عیسائی، ابوالحسن کو عیسائی بیوی اور اس کی کم سن اولاد زیادہ عزیز تھی۔ مسلمان بیوی سے اس کا بیٹا عبداللہ تھا' بظاہر اس نے بغاوت کا یہ جواز پیش کیا کہ باپ ملک کی حکمرانی نصاریٰ قوم کی بیوی سے اولاد کے سپرد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دوسری طرف بھائی الزاغل نے علم بغاوت بلند کیا۔ فرڈنیڈ نے شہزادہ ابو عبداللہ کی سرپرستی شروع کی اور اُسے غرناطہ کا حکمران بنانے کا وعدہ کیا۔ ابوالحسن کی وفات کے بعد الزاغل اور ابو عبداللہ کے درمیان حکومت کے لئے کشمکش زور پکڑ گئی۔ عام مسلمانوں نے الزاغل کا ساتھ دیا جبکہ عیسائی طاقتیں ابو عبداللہ کی سرپرستی کر رہی تھیں۔ علمائے غرناطہ نے فتویٰ جاری کیا کہ ابو عبداللہ گمراہ ہے اور جو اس گمراہ کا ساتھ دے گا وہ جہنمی ہو گا۔ ساتھ ہی عیسائیوں کے خلاف جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن قیادت صفر ہو چکی تھی۔ فرڈی نیڈ نے ابو عبداللہ کو سرپرستی میں لیتے ہوئے کہا: "تخت غرناطہ کا حقیقی وارث تو ہی ہے' میری دلی تمنا ہے کہ تجھے تخت غرناطہ پر بٹھا کر حق ہمسائیگی ادا کروں" (حوالہ: "خلافت اندلس"۔ ذوالفقار جنگ بہادر) فرڈی نیڈ نے احمق اور ملت فروش

Marfat.com

ابو عبداللہ کا ساتھ حقِ ہمسائیگی اس طرح ادا کیا کہ سب سے پہلے قلعہ مالقہ پر قبضہ کر لیا۔ زاغل فوجیں لے کر مالقہ کا قبضہ واگزار کرانے کے لئے غرناطہ سے باہر نکلا۔ ابھی وہ مالقہ پہنچا ہی تھا کہ اس نے خبر سنی کہ ابو عبداللہ نے پیچھے سے غرناطہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ فرڈنیڈ کی دوستی کے بارے میں ابو عبداللہ کی خوش فہمی اس وقت دور ہونے لگی جب حسرت سے اس نے دیکھا کہ عیسائی فوجیں ان علاقوں پر بھی قابض ہو رہی ہیں جو ابو عبداللہ کے پاس تھے۔

کشتی ڈوبنے سے پہلے

غرناطہ کی کشتی میں جگہ جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ ابو عبداللہ کو جب فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے حقیقی عزائم کا احساس ہوا تو کافی تاخیر ہو چکی تھی۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ جس الزاغل کو ملت اندلیسیہ کا مردِ حر قرار دے کر علمائے غرناطہ نے فتویٰ دیا تھا اب وہی مردِ حر اپنی بقاء اور بھتیجے کے خلاف آتشِ انتقام فرو کرنے کے لئے فرڈی نینڈ سے پینگیں بڑھا رہا تھا۔ غرناطہ نزع کی حالت میں آخری ہچکیاں لے رہا تھا' مسلمان عظیم المیے سے بے خبر آپس میں لڑ رہے تھے۔ سکرات سے موت تک کی کہانی میں کوئی نئی بات نہ تھی، وہی کچھ ہوا جو ہمیشہ کسی قوم کو مرگ کے جانگسل لمحے میں پیش آتا رہا ہے۔ آیئے اس کہانی کے انجام حسرتناک کے چند واقعات کا ذکر کریں۔ یہ بڑا مختصر انجام تھا، ایسا ہی مختصر جیسا کہ صدیوں بعد حادثہ سقوط ڈھاکہ۔ "تب صبح کے ہوتے ہوتے ہمارا عذاب آپہنچا اور ہم نے حکم دیا کہ اب ہمارے عذاب اور ڈرانے کا مزا چکھو" (القرآن)

1489ء میں فرڈی نینڈ نے قلعہ بسطہ کا محاصرہ کیا، مسلمانوں نے مختصر مزاحمت کے بعد یہ قلعہ عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔ فرڈی نینڈ نے وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے جان و مال کو نہیں چھیڑا جائے گا لیکن طاقتور معاہدوں کی کب پرواکرتے ہیں۔ فرڈی نینڈ نے قلعہ میں داخل ہو کر قتلِ عام کا حکم دیا اور مسلمانوں کی تمام جائیداد حملہ آوروں میں بانٹ دی

Marfat.com

گئی۔ زاغل کو عیسائیوں نے جھانسہ دیا کہ اگر وہ صوبہ المیریا پر ان کا قبضہ کروادے تو اسے وہاں کا حاکم بنادیا جائے گا۔ چنانچہ اس صوبے پر بھی فرڈی ننیڈ نے قبضہ کر لیا۔ اب زاغل کو اپنی شدید بے چارگی کا احساس ہوا۔ صرف شہر غرناطہ اور مضافات باقی رہ گئے تھے۔ جب زاغل نے فرڈی ننیڈ کو اس کے پرانے وعدے یاد دلائے تو اسے کہا گیا کہ وہ مراکش چلا جائے' چنانچہ وہ جلاوطنی کر کے اندلس سے شمالی افریقہ چلا گیا' اس کے علاوہ اس کے پاس چارہ ہی کیا تھا؟ اب میدان میں صرف ابو عبداللہ رہ گیا تھا اور غرناطہ کے شہری اور وہاں مقیم فوج۔

کہیں سے مدد نہ پہنچی!

یہاں قاری کے ذہن میں شاید یہ سوال اٹھے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں جب اندلسی مسلمان غرناطہ مین زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے تو دوسرے مسلمان ملکوں یا اسلامی حکومتوں نے ان کی کوئی مدد کی یا نہیں؟ (کیونکہ اندلس کی عیسائی مملکتوں کو تو یورپ بھر سے لگاتار مدد حاصل ہو رہی تھی) ان دنوں دنیائے اسلام کی دو طاقتور ترین سلطنتیں تھیں ایک قسطنطنیہ (استنبول) کی ترک (عثمانی) خلافت تھی اور دوسری ممالیکِ مصر کی سلطنت۔ مصر کا رویہ اندلسی مسلمانوں کی طرف ویسے ہی بے اعتنائی کا تھا۔ حکومتِ عثمانیہ کو غرناطہ کے مجبور اور محصور مسلمانوں نے اسلامی اخوت کے نام پر فوری مدد کے لئے محضر نامہ بھیجا۔ عرضداشت کے الفاظ میں ایسا درد اور سوز تھا کہ سنگدل سے سنگدل بھی موم ہو جائے۔ ترک بادشاہ نے عملی طور پر کوئی مدد کرنے کے بجائے، اندلسی مسلمانوں کا خط روم کے پاپائے اعظم کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ اس سلسلے میں فرڈی ننیڈ وغیرہ پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اسے باز رکھے۔ پوپ نے وہی خط آگے فرڈی ننیڈ کو بھجوا دیا جس نے جواب میں پوپ کو لکھا کہ تمام اندلس پر ان کا حق ہے' دوسری طرف اس نے ترک سلطان بایزید ثانی کو خط لکھ کر اپنی طرف سے یہ یقین دلانے کے لئے کوشش کی کہ وہ ممالیکِ مصر

Marfat.com

کے خلاف کاروائی میں ترکوں کا ساتھ دے گا۔آپ تصور کریں کہ دنیا کی طاقتور ترین مملکت بھی مسلمانوں کی ہو' عیسائیوں کے مقدس مقامات (یروشلم وغیرہ) بھی مسلمانوں کے پاس ہوں پھر بھی وہ دشمنوں میں گھری ہوئی ایک مسلمان ریاست کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔ اخلاقی کمزوری اور سیاسی دیوالیہ پن کا اس سے بڑا ثبوت بھلا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ اگر مسلمانوں میں زندگی کی حرارت ہوتی تو وہ اندلس کی یخ بستہ سردیوں میں، دنیا بھر کے مسلمانوں کی مدد سے محروم و مایوس' عیسائی بھیڑیوں اور اپنے غداروں کے درمیان گھرے ہوئے یوں بے یارومددگار برباد نہ ہوتے۔

غرناطہ غروب ہوتا ہے!

" وہ غرناطہ جس کی سرزمین گوہربار تھی، جس کے باغات جنت نشاں تھے' جس کی خاک مردم خیز تھی جو مرکز علم ادب تھا اور معدنِ سیم وزر تھا، وہ غرناطہ جس کے محلّات پر شبہ ہوتا تھا کہ وہ فرشتوں کے ہاتھوں کی صنعت ہیں، جس کی یونیورسٹیاں وحشی یورپ کو حریّتِ افکار سے مالامال اور برکاتِ تمدن سے ہمکنار کرنے والی تھیں۔ وہ غرناطہ کہ جس کے لوگ اپنی راست بازی اور امانت و دیانت میں شہرہ آفاق تھے۔ ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ اندلس کے عیسائیوں کی تحریر کے مقابلہ میں زیادہ وقیع اور کافی سمجھا جاتا تھا" ("مسلمان یورپ میں"۔احسان الحق سلیمانی) اب اسی غرناطہ میں مسلمان محاصرے میں تھے۔ ابوعبداللہ پر ملکہ ازابیلا اور فرڈی ننیڈ کے ٹڈی دل متحدہ لشکر کی یلغار ہو چکی تھی۔ یہ وہ ابوعبداللہ تھا جس نے باپ کے خلاف اقتدار کے لالچ میں بغاوت کی تھی' چچا الزاغل کے ساتھ جنگیں لڑی تھیں' مسلمانوں کو آپس میں لڑایا تھا' ہمیشہ عیسائیوں سے مدد کی بھیک مانگتا رہا تھا اور اب وہی عیسائی حقِ ہمسائیگی اچھی طرح ادا کرنے کے لئے غرناطہ کے قلعہ کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔

Marfat.com

یہ دسمبر 1491ء کے دن تھے اور حد سے ٹھنڈی راتیں، جب برفباری سے تمام راہیں مسدود ہو گئیں اور شہر میں رسد پہنچنی بند ہو گئی تو ایک دن غرناطہ کے کچھ شہریوں نے جمع ہو کر ابو عبداللہ سے درخواست کی کہ اس طرح فاقوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے بہتر ہے کہ باہر نکل کر مردوں کی طرح لڑا جائے، یا کامیاب ہوں گے یا پھر شہید۔ ابو عبداللہ نے امرائے سلطنت سے مشورہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں سے اکثر کو خفیہ طور پر دشمن نے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ غرناطہ کے لوگ اس وقت اخلاقی گراوٹ کی دلدل میں گھٹنوں گھٹنوں دھنسے ہوئے تھے۔ امرا کے طبقے کو صرف اپنی جاگیروں اور دولت کے تحفظ سے غرض تھی (عیسائیوں نے انہیں یہ پر فریب یقین دلایا تھا کہ ان کی ہر چیز محفوظ رہے گی) جبکہ غریب اور بھوکے عوام کے لئے پیسہ اور روٹی دین و ملک پر مقدم تھی۔ رہا درمیانہ طبقہ تو اسے کوئی پوچھتا نہ تھا' اس طبقے کے لوگوں کی ہمتیں جواب دے چکی تھیں۔ تباہی یونہی نہیں آیا کرتی۔ مکمل تباہی سے پہلے قوموں کی اخلاقی زندگی ختم ہو جایا کرتی ہے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد امرائے سلطنت' ممتاز فقہا اور مفتیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عوام کے مال و جان کا تحفظ بہت ضروری ہے (اسلام اور غیرت کا جنازہ نکلتا ہے تو نکلے)۔ اس لئے مال و جان وغیرہ کے تحفظ کی یقین دہانی جیسی شرائط پر دشمن سے صلح کر لی جائے اور اسے غرناطہ میں داخل ہونے دیا جائے' 30 دسمبر کو عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے گئے' جس کی پچاس سے زیادہ شرائط میں سے کئی شرائط ڈھاکہ میں دسمبر 1971 میں پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کے معاہدے جیسی تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو مذہبی آزادی یقین دلایا گیا تھا' ان کا راہ چلتے مذاق نہ اڑانے کی شرط تھی (کیا لاجواب شرط تھی!) نو مسلموں کو دوبارہ عیسائی بننے پر مجبور نہ کرنے کا اعلان تھا، مسلمانوں کو افریقہ جانے کے لئے سہولتیں دینے کا وعدہ تھا۔ ایک اہم شرط یہ تھی کہ سلطان ابو عبداللہ کو غرناطہ سے کچھ دور ایک بڑی جاگیر ا بشارات عطا کی جائے گی۔ یہ بھی طے ہوا کہ ضمانت کے لئے معاہدے پر روم کا پاپا

Marfat.com

اعظم بھی دستخط کرے گا اور یہ کہ معاہدہ کی تمام شرائط کی تکمیل ساٹھ دنوں میں ہو گی۔ گویا فوری طور پر غرناطہ عیسائیوں کے حوالے کرنا ضروری نہ تھا۔ اب یہ بات تاریخ کا حصہ ہے کہ عیسائیوں نے اس معاہدہ کا کتنا احترام کیا۔ میمنے اور شیر کے درمیان اس قسم کے معاہدے کا جو حشر ہو سکتا ہے وہی ہوا۔ اس کا ذکر آگے چل کر ہو گا۔ خیر جیسے ہی اس معاہدے کی بعض خفیہ اور مسلمانوں کی تذلیل پر مبنی شرائط کا لوگوں کو علم ہوا وہ بپھر گئے۔ ابو عبداللہ نے لوگوں کے تیور دیکھے تو گھبرایا کہ کہیں معاہدہ توڑنا نہ پڑ جائے۔ یہاں ایک لمحہ کے لئے رک کر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یکم جنوری 1492ء کی صبح کو جب ابو عبداللہ نے لوگوں میں آثارِ بغاوت دیکھ کر عیسائی متحدہ کمان کو غرناطہ میں فوراً داخل ہو جانے کا پیغام بھیجا تو اس وقت غرناطہ کے محاذ کی صورتِ حال کیا تھی؟ غرناطہ اس وقت آٹھ دس لاکھ کی آبادی کا بھرا پرا شہر تھا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حکمران مولائے علی ابو الحسن نے اہل کلیسا کو یہ پیغام دیا تھا کہ آج کل غرناطہ کی ٹکسالیں سکے ڈھالنے کے بجائے تلواریں اور جنگی ہتھیار تیار کرتی ہیں۔ لہذا اس شہر میں ہتھیاروں اور ہتھیار بنانے والے کارخانوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مسلمانوں کی فوج کی تعداد بیس سے تیئس ہزار تھی جو شہر کی حفاظت کر رہی تھی، جبکہ ہزاروں رضا کار بھی جنگ میں شامل ہو سکتے تھے۔ عیسائی فوج کی تعداد اسی ہزار تھی جبکہ وہ اپنے وطن سے دور ایک اجنبی مقام پر تھے۔ گوریلا طرز پر گلی کوچوں میں بھی جنگ لڑ کر عیسائی فوج کو بے بس کیا جا سکتا تھا۔ رسد بھی بالکل ختم نہ ہوا تھا۔ لہذا حالات، تمام تر دشواریوں کے باوجود، مسلمانوں کے لئے اتنے ناموافق اور ناسازگار ہرگز نہ تھے کہ وہ شتر مرغ کی طرح اپنا منہ ریت میں چھپا لیتے۔ اس قسم کا شرمناک معاہدہ کر کے اپنے آپ کو عیسائیوں کی غلامی میں دے دیتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اہل غرناطہ (غرناطہ کی ریاست میں مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ سے زائد تھی اور یہ مسلمان اکثریت کی مملکت تھی) ہمت کر کے لڑتے رہتے تو باہر سے بھی کوئی کمک انہیں پہنچ جاتی۔ جب کوئی جمعیت خود ہمت اور کوشش کرتی ہے تو قدرت غیب سے اسکی مدد کے

Marfat.com

اسباب پیدا کرتی ہے‘ ایسا تاریخ میں کئی بار ہوا ہے۔

عیسائیوں نے مجبور نہیں کیا تھا لیکن ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن ابو عبداللہ نے ساٹھ دن کی مقررہ معیاد سے پہلے ہی 2 جنوری 1492ء کو غرناطہ دشمن کے حوالے کر دیا۔ یکم جنوری اور دو جنوری کی درمیانی شب مسلمانوں کے لئے قیامت کے مناظر کی رات تھی‘ جبکہ ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈی ننیڈ کے لئے یہ عید کی رات تھی۔ اب ان غدار مقامی مسلمانوں کو بھی اپنے آخری انجام کا اندازہ ہو رہا تھا جنہوں نے انعام و اکرام کے وعدوں پر قوم کی پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا۔ ابو عبداللہ نے عیسائی بادشاہ اور ملکہ کو قاصد کے ذریعے آگاہ کر دیا کہ دو جنوری کو وہ غرناطہ کی چابیاں وصول کرنے کے لئے قصرِ الحمرا میں داخل ہو سکتے ہیں۔ قارئین! کلیجہ تھام لیجئے‘ یہ کسی یونانی المیہ ڈرامے کا منظر نہیں‘ ایک قوم کے غروب ہونے‘ ایک دوسری قوم کے ابھرنے کا منظر ہے‘ اندلس‘ مسلمانوں کا اندلس جان کنی کی اذیت کے بعد مر رہا ہے، سپین اور پرتگال پیدا ہو رہا ہے۔ موت کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوا کرتا۔ ایس پی اسکاٹ مصنف ”اخبار اندلس“ لکھتا ہے: ”2 جنوری 1492ء کی تاریخ ہے‘ شاہی خاندان کے افراد اور ارا کین اپنا زرق برق لباس پہنے بادشاہ کے ساتھ تھے۔ ملکہ ازابیلا اپنی خدم و حشم کے ہالے میں چاند کی طرح موجود تھی‘ جب یہ باشکوہ جلوس‘ طبل و بوق‘ فوجی باجوں کی آواز‘ پرچموں کی جنبش اور لاکھوں افراد کے پر مسرت نعروں کیساتھ قصر الحمرا کی طرف بڑھا تو الحمرا کا دروازہ آہستگی سے وا ہوا، چند خوبصورت نوجوان گھوڑوں پر سوار آداب بجانے کے لئے آگے آئے، انہوں نے رنگا رنگ ریشمی ملبوسات پہن رکھے تھے۔ ان کے ہتھیاروں اور زرہ بکتروں میں جواہرات چمک رہے تھے۔ ان استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے بد قسمت ابو عبداللہ اور باقی سب اس کے امرا تھے“۔ پانچ سو سال بعد اسی قسم کا منظر پاکستانی فوج کے سپہ سالار نے ڈھاکہ میں بھارتی جرنیل کے روبرو ہتھیار ڈالتے ہوئے اور اپنا پستول حوالے کرتے ہوئے پیش کیا۔ قصہ مختصر‘ فاتحِ غرناطہ کو قصر الحمرا میں داخل

Marfat.com

ہوتے دیکھ کر ابو عبداللہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کے گھوڑے کی باگ تھام لی' ساتھ ہی اندلس کی آٹھ سو سالہ اسلامی روح پرواز کر گئی۔ غرناطہ کی چابیاں کانپتے ہاتھوں سے دشمن کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ابو عبداللہ نے کہا: "یہ چابیاں اندلس میں عربوں کی حکمرانی کی آخری نشانی ہیں' آپ انہیں لے لیجئے کیونکہ خدا کی مشیت کے مطابق ہمارا ملک' مال اور جانیں سب آپ کی ملکیت میں ہیں"۔ قصرِ الحمرا کے سب سے بلند مینار پر مسلمانوں کا ہلالی پرچم اتار کر مکروہ سنہری صلیب نصب کر دی گئی۔

غرناطہ میں ایک کہرام مچا تھا' مسلمان رو رہے تھے، عیسائی سپاہی اپنی صلیبوں کے ساتھ بازاروں میں دندناتے پھرتے تھے، لوگوں کو اپنے کل کا کچھ علم نہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ افراتفری کا عالم تھا، لوگوں کو اپنے حال میں چھوڑ کر، ابو عبداللہ غرناطہ کی حدود سے باہر نکلا، کوئی اسے خدا حافظ کہنے والا موجود نہ تھا۔ معاہدہ کے مطابق اسے لشارات کی جاگیر کا پروانہ دے دیا گیا تھا، اب وہ ابشارات کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دور جا کر پہاڑی پر سے اس نے ایک نگاہ واپسیں غرناطہ پر ڈالی جہاں اب جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور شدتِ جذبات سے رو پڑا۔ اس کی ماں نے کہا "اچھا ہوتا اگر تو ملک کا دفاع مردوں کی طرح کرتا، اب عورتوں کی طرح رونے کا کیا فائدہ!"۔

سقوطِ غرناطہ کے بعد۔۔ قیامتِ کبریٰ کے مناظر

ابو عبداللہ اپنی جاگیر کی طرف چلا گیا، اب اس کی کوئی حیثیت نہ تھی' غرناطہ میں دشمن نے معاہدے کی تمام شرائط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف انتقامی کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ابو عبداللہ کا اپنا انجام یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ بعد اسے اپنی جاگیر سے بھی جان بچا کر فرار ہونا پڑا کیونکہ نسل پرست عیسائی حکومت مسلسل اس کا ناک میں دم کر رہی تھی۔ اندلس سے وہ افریقہ چلا گیا اور بادشاہ فاس کا ملازم ہو گیا اور ایک جنگ میں مارا گیا۔

Marfat.com

عیسائیوں نے اندلس پر مکمل قبضہ 1492ء میں کیا، اس وقت وہاں مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ اتنی بڑی تعداد کو فوری طور پر نیست و نابود کرنا آسان نہ تھا ،ہر عیسائی حکومت (خصوصاً سپانیہ کی کیتھولک حکومت) شدت سے متعصب پادریوں کے اثر میں تھی' ان کا پروگرام یہ ٹھہرا کہ سپانیہ سے مسلمانوں کی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں سے جو معاہدے اور وعدے کئے تھے، ایک طرف رکھ دیئے گئے' ویسے بھی طاقت کی سیاست میں اخلاقی قدروں پر مبنی معاہدوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ سپانیہ سے مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کا سلسلہ اس کے بعد کم و بیش ایک صدی تک جاری رہا حتیٰ کہ 1609ء میں بچے کھچے مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ سپانیہ سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں۔ آئیں دیکھیں کہ غروبِ غرناطہ کے بعد اندلسی مسلمانوں پر کیا گزری اور بالآخر وہ کہاں چلے گئے ؟ ان سے کیا سلوک ہوا؟

اندلسی مسلمانوں کی یہ خوش فہمی بہت جلد رفع ہو گئی کہ معاہدے کے مطابق عیسائی حکمران اور عوام ان کے مذہبی اور دینی امور میں تعرض نہیں کریں گے۔ غرناطہ پر قبضے کے فوراً بعد عیسائی جنونیوں نے مسلمانوں کو عبادت گاہوں میں امن کے ساتھ عبادت کرنے سے روکنا شروع کیا' مسلمانوں کی تضحیک ایک معمول بن گئی' انہیں معمول کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں بھی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق مسلمانوں نے ایک چھوٹی سی بغاوت کی' لیکن عیسائی حکمرانوں نے اس بغاوت کو سختی کے ساتھ کچل دیا۔ عیسائیوں کو تو ایک بہانہ درکار تھا، انہوں نے اعلان کر دیا کہ اس بغاوت کے بعد وہ 1492ء کے معاہدے کے پابند نہیں رہے، چنانچہ غرناطہ کے مسلمانوں کو جو تھوڑے سے فوائد (مذہبی آزادی وغیرہ) حاصل تھے وہ واپس لے لئے گئے حالانکہ پورے آٹھ سو سالوں میں مسلمانوں نے اپنی عیسائی رعیت کو کبھی مذہبی آزادی سے محروم نہیں کیا تھا' اگر مسلمانوں نے اپنے دور میں صرف دس سال بھی عیسائیوں سے اس قسم کا سلوک کیا

Marfat.com

ہوتا (جواب وہ مسلمانوں سے کر رہے تھے) تو شاید آدھے یورپ میں کوئی عیسائی نظر نہ آتا۔ 1499ء میں سپانیہ کے رہنے والے تمام مسلمانوں کو ایک اعلان کے ذریعے حکم دیا گیا کہ وہ یا تو عیسائی ہو جائیں یا پھر جلاوطنی اختیار کریں۔ مسلمانوں کے ایک رہنما الذکری پر اس قدر تشدد روا رکھا گیا کہ اسے مجبوراً عیسائیت اختیار کرنی پڑی۔ ایسا ہی سلوک اس کے شیر دل ساتھی "لیون" سے کیا گیا۔ اس سلسلے میں ایل پی ہاروے (L.P Harvey) اپنے تحقیقی مقالے "مُسلم سپین کی میراث" میں رقم طراز ہیں۔ "اس مرحلہ پر غرناطہ کے مسلمانوں کو احساس ہوا کہ خواہ کیسی ہی مزاحمت کریں، ان کے لئے کامیابی کا امکان کم ہے' اگرچہ انہیں علاقے کی ساخت اور پہاڑی راستوں کا علم تھا، تعداد زیادہ تھی' رسد اور ہتھیاروں کی بھی کمی نہ تھی لیکن طاقت کا مجموعی توازن ان کے حق میں نہ تھا، چنانچہ منطقی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ (مسلمان) جزیرہ نمائے اندلس سے باہر کی امداد کی طرف دیکھیں' مغربی یورپ کی کسی طاقت سے ان کے لئے مدد کی امید عبث تھی، بلکہ سقوطِ غرناطہ پر پوری دنیائے عیسائیت میں جشن منایا گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ سانحہ اس وقت پیش آیا جب بیرون ملک کسی مسلمان طاقت سے بھی مداخلت کی کوئی توقع نہ تھی۔ جو مسلمان ہجرت کر کے شمالی افریقہ جاتے ان کی وہاں خاطر تواضع ضرور ہوتی، لیکن مہمان نوازی کے سوا اور کچھ مدد نہ کی جاتی۔ عثمانی ترکوں میں ابھی اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ کوئی پیش قدمی کر سکتے۔" کافی سوچ بچار کے بعد اور اپنے وجود کو بچانے کے لئے، غرناطہ کے مسلمانوں نے مصر کے مملوک سلطان کے پاس مدد کے لئے وفد بھیجا۔ ویسے بھی مصر کے تاجر سپانوی بندرگاہوں کی طرف آتے جاتے رہتے تھے اور سپانیہ میں مسلمانوں کو جو آگ جلا رہی تھی اس کی تپش وہ نسبتاً زیادہ محسوس کر سکتے تھے۔ غرناطہ کے مسلمانوں کا خیال تھا کہ کم از کم مصر جس کے دائرہ اقتدار میں فلسطینی عیسائی اور عیسائیوں کے مقدس مقامات بھی تھے' سپانوی عیسائی حکومت پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے اندلسی مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم سے باز رکھنے کی حیثیت میں تھا۔ غرناطہ کے

Marfat.com

مسلمانوں کے وفد کی قیادت کرنے والی شخصیت مشہور عالم دین اور غرناطہ کا قاضی ابن الازرق تھا۔ یہ وفد سلطان مصر سے ملا، غرناطہ کے مسلمانوں کی حالت زار سے آگاہ کیا اور مسلمانوں کو جبراً عیسائی کرنے کی ہسپانوی عیسائیوں کی پالیسی پر مصری حکومت سے مدد کی اپیل کے علاوہ یہ درخواست بھی کی کہ اندلسی مسلمانوں کے مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ وہاں ان کی آزاد اور خود مختار مملکت کا دوبارہ قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ تقریباً ویسی ہی تجویز تھی جیسی مسلمانوں کی مخلص قیادت نے 1940ء میں برصغیر میں مسلمانانِ ہند کے مستقبل کے تحفظ کے لئے ایک الگ مسلم مملکت کے قیام کے لئے پیش کی تھی۔ ابن الازرق جیسی عظیم شخصیت کی وکالت کے باوجود یہ مشن ناکام رہا کیونکہ مصری حکومت کمزور تھی اس کے علاوہ ہسپانوی عیسائیوں نے توڑ کرنے کے لئے اپنا ایک جوابی وفد پیٹر مارٹائر کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا۔ عیسائی وفد نے صریح کزب بیانی سے کام لیتے ہوئے مصری سلطان سے کہا کہ ہسپانوی عیسائیوں نے ہرگز کسی مسلمان کو عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ وفد نے کہا: "یہ الزام بالکل غلط ہے۔ بلکہ اندلسی مسلمانوں نے بلا جبر و اکراہ دینِ عیسوی قبول کیا، انہوں نے پورے غرناطہ میں امن و امان کو تہ و بالا کر دیا تھا اور اپنے ہمسایہ عیسائی باشندوں کے خلاف چڑھائی کی تھی اور بہت سوں کو قتل کر دیا تھا۔ اس جرم پر وہ سزائے موت کے مستحق تھے، انہیں دوسری بار شکست دی گئی، اس مرتبہ انہوں نے رحم اور معافی کی درخواست کی، انہیں اس شرط پر معافی دی گئی کہ اگر ان میں سے کوئی اس سرزمین میں آباد رہنا چاہتا ہے تو عیسائی بن جائے اور جو نہیں رہنا چاہتا وہ سمندر عبور کر کے افریقہ چلا جائے۔" پیٹر نے اپنا کیس طاقت کی زبان سے پیش کیا جبکہ مجبور اور مقہور اندلسی مسلمانوں نے ایک فریاد اسلامی اخوت کے حوالے سے پیش کی تھی جسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ کمزور خواہ قوم ہی کیوں نہ ہو بے رسوخ ہوتا ہے (ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات)۔

اندلسی مسلمانوں کے وفد دنیا میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے، لیکن انہیں

Marfat.com

کسی گوشے سے امداد کی یقین دہانی نہ کرائی گئی۔ اس طرح کا ایک وفد 1512ء میں عثمانی ترک سلطان بایزید ثانی کے دربار میں بھی پہنچا اور اندلسی مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کیا' ترک سلطان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے ملک میں موجود عیسائیوں کے توسط سے سپانوی حکومت پر دباؤ ڈالے کہ وہاں اندلسی مسلمانوں سے برا سلوک نہ کرے اور انہیں مکمل تباہی سے بچایا جائے۔ وفد نے قسطنطینہ کے سلطان کے سامنے پیٹر کے جھوٹ کا پول کھولتے ہوئے کہا: "وہ لوگ (عیسائی) یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کافروں کا دین اپنی مرضی سے قبول کیا ہے اور یہ کہ ہم پر کوئی جبر نہیں کیا گیا تھا، وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں، خدا کی قسم ہم نے اس دین کو اپنی مرضی سے قبول نہیں کیا، بلکہ قتل اور آگ میں جھونکے جانے کے ڈر سے ایسا کیا اور ہم نے اپنی مرضی کے خلاف کیا جو کچھ کہا' جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا دین ہی دراصل ہمارا دین ہے" (بحوالہ، مضمون ایل پی ہاروے۔ "مُسلم سپین کی میراث")۔ سلطان بایزید ثانی کو جو یادداشت پیش کی گئی اس مین چند دلدوز واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا' مثلاً: "شہر اندرخ کے باشندوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیا گیا کہ اس کے مسلمان باشندوں کو آگ میں ڈالا گیا یہاں تک کہ جو لوگ جامع مسجد میں پناہ لئے ہوئے تھے وہ جل کر راکھ ہو گئے" اگر کسی کو مسلمانوں کی یہ یاداشت مبالغہ پر مبنی معلوم ہوتی ہے تو خود الفانسو ڈی سانتا کروز کی اس شہادت (جس کا تعلق 1500ء کے بعد کی کسی تاریخ سے ہے) سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دشمن کی اپنی گواہی ہے۔ اس کا تعلق البشارات میں مسلمانوں کی نسل کشی سے ہے: "اگلے روز جبکہ مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے کچھ عیسائی فوج سے الگ ہو کر مسلمانوں کے محلوں کی طرف چلے گئے جہاں لوٹ مار ہو رہی تھی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کی تباہی کا وقت آن پہنچا ہے تو انہوں نے مزاحمت شروع کر دی، جب عیسائی فوج کو اس کشمکش کا علم ہوا تو مزید سپاہی وہاں شامل ہونے کے لئے پہنچ گئے اور انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا' تین ہزار سے زیادہ مقتول تھے جن میں

Marfat.com

مرد و عورت دونوں شامل تھے۔ اکیلی جامع مسجد میں چھ سو سے زیادہ عورتوں کو ذبح کیا گیا جنہوں نے وہاں پناہ لے رکھی تھی' یہ ایک خوفناک واقعہ تھا" (حوالہ : ایل پی ہاروے۔)
اندلسی مسلمانوں سے ظاہری ہمدردی کے باوجود عثمانی ترکوں نے ان کے آنسو پونچھنے کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا اور یوں سولھویں صدی کی بین الاقوامی پاور پالیٹیکس کی مصلحتوں کے آہنی پردے سے ٹکرا کر لاکھوں اندلسی مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی فریادیں اور چیخیں بے اثر ہو گئیں اور ان کی سسکیوں اور آہوں کا دھواں، بحیرہ روم کے دونوں کناروں پر آباد مسلمان مملکتوں کی خود غرضیوں کے غبار میں گم ہو گیا۔

غرناطہ میں مسلمانوں پر جو قیامت گزری اس کے بارے میں حالات ایک گمنام عرب اندلسی مصنف کی کتاب "الجامع" میں درج ہیں، غالباً تعذیب و عقوبت کے خوف سے مصنف نے کتاب پر اپنا نام لکھنے سے گریز کیا۔ اس کتاب میں سولھویں صدی کے واقعات بیان ہوئے ہیں' مصنف نے حج کے لئے مکہ جانے سے پہلے غرناطہ کے نواح میں ایک بزرگ یوسف بنی عباس سے ملاقات کی تو اس نے غرناطہ کے دردناک واقعات یاد کرتے ہوئے مصنف سے کہا: " دنیا میں غرناطہ کے بیٹوں پر آنے والی قیامت جیسی مصیبت کسی پر نہ آئی ہو گی۔ میں جو کچھ کہتا ہوں' اس پر شک مت کریں کیونکہ میں ان واقعات کا چشم دید گواہ ہوں' میں نے ان آنکھوں سے اونچے گھرانوں کی مستورات، بیواؤں اور شادی شدہ عورتوں کی بے حرمتی ہوتی دیکھی' میں نے تین سو سے زیادہ دوشیزاؤں کو نیلام ہوتے دیکھا۔ میں اس سے زیادہ آپ کو نہیں بتا سکتا کیونکہ ایسا کرنا میری برداشت سے باہر ہے۔ میرے تین جوان بیٹے دین کے لئے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، میری دو بیٹیاں اور بیوی بھی شہید ہوئی۔ اس طرح میں نے اپنا سارا خاندان کھو دیا' خدا کو یہی منظور ہو گا"
(حوالہ۔ ایل۔ پی ہاروے)

Marfat.com

اندلسی مسلمان کہاں چلے گئے؟

اندلس پر عیسائی قبضہ کی تکمیل اور ہر قسم کی بیرونی امداد سے نا امیدی کے بعد مسپانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کے سامنے صرف تین راہیں کھلی تھیں: بپتسمہ لے کر عیسائیت اختیار کر لینا۔ بظاہر عیسائیوں کی طرح رہنا مگر خفیہ طور پر مسلمان رہنا' دین وایمان کی بقا کے لئے ہجرت کر جانا۔ بپتسمہ یا ہجرت کے درمیان انتخاب کے لیئے تو عیسائی حکمرانوں کی بھی روز اول سے خواہش بلکہ حکم تھا، جہاں تک "تقیہ" کے طور پر ظاہراً عیسائی مگر درحقیقت مسلمان رہنے کے تیسرے راستے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں 1503ء میں اوران میں رہنے والے ایک مفتی عبیداللہ احمد المغربی نے بڑا مشہور فتویٰ دیا تھا کہ اگر مجبوری حائل ہو تو مسلمان ظاہراً عیسائی گرجاؤں میں رکھی عیسیٰؑ اور مریمؑ کی شبیہوں کے سامنے سجدہ کر سکتے ہیں' شراب پی سکتے ہیں اور ساتھ ہی اپنا ایمان بھی اندر ہی اندر برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اس فتویٰ نے عیسائیوں کا کام آسان کر دیا کیونکہ مسلمانوں کی ایک نسل نے تو ظاہراً عیسائیت اختیار کی جبکہ آنے والی نسل جو عیسائی مذہب وثقافت کے مکمل اثرات میں پلی بڑھی اسلام سے بالکل انجان نکلی اور عیسائی رنگ میں رنگی گئی۔ اس فتویٰ کو بعض عیسائیوں کی طرف سے بھی تائید حاصل ہوئی۔ مثلاً 1526ء میں اراغون کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عیسائیت اختیار کریں، ان مسلمانوں نے انکار کیا اور ہتھیار اٹھا لئے، قریب تھا کہ اقلیت میں ہونے کی بنا پر وہ سب قتل کر دیئے جاتے کہ ایک عیسائی سردار نے انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا: "او بد قسمت اور پریشان لوگو، تم کیوں خود کو ہلاکت میں ڈالتے ہو' اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمان رہو تو ہمیں کیا اعتراض ہے' تم بس یہ کرو کہ ظاہراً بپتسمہ لے لو لیکن دل کو اپنے پیغمبر ﷺ سے وابستہ رکھو، اس طرح تم اس خطرے سے محفوظ ہو جاؤ گے جو تمہیں اس وقت درپیش ہے"۔ اراغون کے مسلمانوں نے اسے ایک آسان انتخاب سمجھ کر قبول کیا'

Marfat.com

ان کی دوسری یا تیسری نسل یا تو خود بخود عیسائی ہو گئی یا پھر اسلام اور اسلامی ثقافت سے اس قدر دور ہو گئی کہ انہیں بطور مسلمان شناخت کرنا مشکل ہو گیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ سقوطِ غرناطہ کے سو سال بعد جب ان خفیہ ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ہسپانیہ سے جلاوطن کیا گیا اور یہ لوگ تیونس اور دیگر ممالک میں پہنچے تو وہاں کے مسلمان انہیں یورپی و عیسائی جاسوس سمجھ کر شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے کیونکہ ان کے لباس واطوار عیسائیوں جیسے تھے، حتیٰ کہ عمارتیں بھی عیسائیوں کی طرز پر بناتے اور الگ محلوں میں رہتے تھے۔

اندلس کے مسلمانوں کی پہچان مٹانے اور انہیں جبراً عیسائی بنانے کے لئے جو ظلم و ستم ڈھائے گئے تھے، مذاہب عالم کی تاریخ میں (سوائے عیسائیت کے) کہیں کوئی مثال نہیں ملتی، سچ یہ ہے کہ موجودہ عیسائیت شروع سے بذریعہ ظلم و جبر یا لالچ و طمع پھیلائی گئی ہے۔ کسی کو شک ہو تو سلطنتِ روم کی تاریخ پڑھ لے۔ جو کچھ یورپ کی بے دین اقوام کو عیسائیت کی راہ پر لانے کے لئے کیا گیا تھا وہی اب اندلسی مسلمانوں کے ساتھ کیا جارہا تھا۔ اس سلسلے میں پادریوں نے رسوائے زمانہ مذہبی عدالتیں (INQUISITIONS) قائم کیں، جو مسلمان بھی عیسائیت قبول کرنے سے کھل کر انکار کرتا اسے موقع پر اذیت ناک سزا دی جاتی۔ اب کسی شخص کو درپردہ مسلمان رہنے کی بھی اجازت نہ رہی، اگر کسی شخص کے متعلق شبہ ہوتا کہ وہ خفیہ طور پر مسلمان ہے تو اسے عذاب دے کر مکمل عیسائی بننے پر مجبور کیا جاتا۔ ان مذہبی عدالتوں کی دہشت سے مسلمان تو مسلمان آزاد خیال عیسائی بھی لرزہ بہ اندام رہتے، ان کے سامنے نہ داد، نہ فریاد نہ وکیل نہ دلیل نہ تفصیل۔ ذرا سے شبہ پر لوگوں کو عذاب کے شکنجے میں کس دیا جاتا اور مسلمانوں کو سزا کے لئے تو نئے سے نئے طریقے اختراع کیے جاتے۔

کیا اس زمانے کے مسلمان اس حال میں خدا سے مدد کے لئے فریاد نہ کر سکتے تھے؟

Marfat.com

وہ تو سب کی دعائیں سنتا ہے! ان لوگوں کی دعائیں کہاں گئیں؟ ان کے لئے خدا کی مدد کیوں نہ پہنچی؟ دعائیں ضرور مانگی گئی ہوں گی، انفرادی طور پر کچھ لوگوں کو اذیت سے رہائی بھی ملی ہو گی، لیکن جب اجتماعی ضمیر کی موت واقع ہو جائے، لوگ حرام کو حلال خیال کرنے لگیں، آپس میں لڑتے ہوں اور غیروں کو دوست بناتے ہوں، بپتسمہ لے کر، لحمِ خنزیر کھا کر اور شراب پی کر دعا کی جائے تو اس کا مستجاب ہونا محال ہے۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ ملت کے گناہوں کو معاف نہیں کیا جاتا۔ عذاب کا جب گھنٹا بجتا ہے تو مہلت کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

ہسپانوی کیتھولک حکمرانوں نے پاپائے اعظم سے اشیرباد لے کر تہیہ کر لیا تھا کہ ہسپانیہ میں کسی ایسے شخص کو بھی نہ رہنے دیا جائے جس کا نام مسلمانوں جیسا ہو یا جو اندر سے اسلام پر قائم ہو (خواہ بظاہر گرجا گھر جاتا ہو)۔ اراغان کی ریاست میں پادریوں کے اکسانے پر عیسائی جنونیوں کے انبوہ مسلمانوں پر مذہب کی جبری تبدیلی کے لئے پل پڑے۔ یہ مسلّح ہجوم صلیبیں اٹھائے قریہ بہ قریہ جاتے، مسجدوں کو ویران کرتے اور مسلمانوں کو پکڑ کر بپتسمہ دیتے۔" قاندیہ میں جہاں یہ تحریک شروع ہوئی، عیسائی جھاڑو اور لکڑی کی شاخیں لے کر پانی کے لئے ندی نالوں میں ڈبوتے اور ایک ہی وار میں لوگوں کو جمع کر کے بپتسمہ دیتے جاتے۔ لیکن یہ "نو عیسائی" پھر بھی خوش قسمت رہے، پولوپ میں مسلمان عیسائی ہجوم کے ڈر سے بھاگ کر ایک قلعہ میں جا گھسے۔ چند دن تک مزاحمت ہوتی رہی، اس کے بعد مسلمانوں کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے عیسائیت قبول کرنے کی شرط پر خود کو ہجوم کے حوالے کر دیا، لیکن جب ان سب کو بپتسمہ دیا جا چکا تو ان تمام چھ سو افراد کو قتل کر دیا گیا، غالباً انہوں نے پادریوں کی اس خواہش پر عمل کیا ہو گا: زیادہ سے زیادہ ارواح جنت میں اور زیادہ سے رقم جیبوں میں (بلاشبہ انہوں نے ان لاشوں سے کافی قیمتی چیزیں حاصل کی ہوں گی)" (ایل پی ہاروے۔ "پولیٹیکل سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف مورسکوس")

Marfat.com

1525ء سے آئندہ کوئی شخص جزیرہ نما آئبیریا (اندلس) میں بطور مسلمان کھلم کھلا زندگی بسر کرنے کا مجاز نہیں رہا تھا۔ دنیا کے تین الہامی مذاہب والا اندلس ختم ہو گیا۔ اب جو لوگ بھی بطور مسلمان رہ رہے تھے وہ چھپ کر رہتے تھے۔ 1567ء میں باقاعدہ قانون منظور کر لیا گیا کہ جن لوگوں نے ظاہراً عیسائیت اختیار کی ہے انہیں مکمل طور پر عیسائی رسم و رواج اور مذہب کا پابند کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہیں حکم دیا گیا کہ عربی زبان میں لکھنا پڑھنا اور بولنا بند کر دیا جائے' مسجدوں کو تالے لگا دیئے گئے اذان، نماز، عبادت، زکوٰۃ، حج وغیرہ پر پابندی لگا دی گئی۔ کوئی شخص گھر کے اندر بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا، گھروں پر جاسوس بٹھا دیئے گئے۔ حد یہ ہوئی کہ انہیں غسل جنابت، طہارت اور وضو وغیرہ سے حکماً روک دیا گیا۔ پادریوں کے نزدیک میل اور نجاست برائی نہیں بلکہ مذہبی ضرورت تھی۔ بعض آزاد خیال اور مسلمانوں کی پاکیزگی پسند ثقافت سے متاثر عیسائی حلقوں نے ان پابندیوں کے خلاف اپنی حکومت کو قائل کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا۔ اب مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا جانے لگا۔ زیادہ تر مساجد کو کلیساؤں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان مساجد پر مرقوم قرآنی عبارات اور شاندار خطاطی کو مٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کی مذہبی کتابوں' احادیث اور تفاسیر و قرآن مجید کے نسخوں کے علاوہ عربی میں لکھی ہر قسم کی کتابوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا گیا اور لاکھوں کتابوں پر مشتمل کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ صرف ایک مقام' باب الرحلہ پر کوئی اسّی ہزار نایاب کتابوں اور مخطوطات کو خاک سیاہ کیا گیا یہ تقریباً ایسی ہی واردات تھی جیسی سقوط بغداد کے وقت تاتاریوں نے بغداد کی مشہور عالم لائبریری کو برباد کر کے کی تھی اور جس کی کتابوں کی راکھ سے دجلہ کا پانی کئی روز تک ایک سیاہ سی لکیر چھوڑتا رہا۔ مشرق میں ہلاکو خان کے ہاتھوں مسلمانوں کی علمی و تمدنی میراث کا ذخیرہ برباد ہوا ادھر مغرب میں عیسائیوں نے وہی کام سرانجام دیا' یوں مسلمان قوم اس کے بعد اپنے حقیقی تمدن کے راستے سے بھٹک گئی اور ابھی تک بھٹک رہی ہے۔ پھر اس قوم میں کوئی ابن رشید'

Marfat.com

ابن حزم، ابن خلدون، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن حیان جیسا پیدا نہ ہوا۔ اس کے شہر علم ودانش کی گلیاں سونی ہوگئیں۔

مغرب میں کاروانِ اسلام کی پسپائی اور ایک تہذیب کا اختتام!

اب اندلس میں مسلمانوں کو مٹانے کی کاروائی کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ بے شمار مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا جا چکا، ایک بڑی تعداد نے جان کے خوف سے خنجر نما صلیب گردن میں لٹکالی، عربی زبان، عربی لباس، اسلامی ثقافت کی ہر نشانی کھرچ دی گئی، شراب اور لحم خنزیر کا استعمال ضروری ٹھہرا کیونکہ مسلمانوں کی پہچان اور کسی وجہ سے ہو نہ ہو، لحم خنزیر سے اجتناب کی وجہ سے ضرور ہو جاتی ہے اس طرح جن لوگوں نے ایمان پوشیدہ رکھا تھا وہ عیاں ہو جاتے تھے، غرناطہ میں ان شدائد کے خلاف ایک بار پھر چھوٹی سی بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت کا قائد ابن معاویہ تھا، بادشاہ فلپ دوم کو بغاوت فرد کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی کیونکہ مسلمان مقامی پہاڑیوں اور راستوں سے نسبتاً زیادہ واقفیت رکھتے تھے، تاہم مسلمانوں کی صفوں میں اب بھی اتحاد نہ پیدا ہو سکا۔ ان کی قیادت منقسم ہو گئی، ان کے باہمی اختلافات سے ایک بار پھر عیسائیوں نے فائدہ اٹھایا اور بغاوت کو کچل دیا گیا، ابن معاویہ کو اس کے مسلمان مخالفوں نے ہی قتل کر دیا، یہی حشر اس کے جانشین ابن ابو کا ہوا۔ بہر حال یہ کوشش ایسے تھی جیسے بجھنے سے پہلے ایک بار شمع کی لو بھڑک اٹھتی ہے، اس کے بعد مسلمانوں کے لئے اندلس میں رہنا سراسر ممنوع ہو گیا، یہاں تک کہ ایسے دور دراز شہروں سے بھی مسلمانوں کا اخراج شروع ہو گیا جو ہمیشہ پر امن رعایا کی طرح عیسائیوں کے درمیان رہتے آئے تھے۔ مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ اندلس خالی کر دیں۔ تمام مسلمانوں کو اندلس چھوڑنے کا حکم 1609ء میں دیا گیا، تاہم اس حکم کی تکمیل میں مختلف رکاوٹوں کے باعث پانچ سال لگے۔ یہ تقریباً ایسا ہی منظر تھا جیسا 1947ء میں بھارتی علاقوں سے پاکستان کی طرف

Marfat.com

ہجرت کرنے والوں کا تھا۔ اندلس بھر سے مسلمانوں کو قافلوں کی شکل میں ہانک کر جبل الطارق یا مارسیلز کے ساحل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ان کی اپنی کشتیاں تو طارق بن زیاد نو سو سال پہلے جلا کر واپس چلا گیا تھا، اب وہ عیسائیوں کی کشتیاں کرایہ پر حاصل کر کے واپس جا رہے تھے، یہ منظر بھی دنیا نے دیکھنا تھا! مسلمان مورخین کے مطابق سقوطِ غرناطہ کے بعد تیس لاکھ مسلمانوں نے ہجرت کی۔ عیسائی مورخوں کے مطابق یہ تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ سوال یہ ہے کہ ایک کروڑ مسلمان آبادی میں سے باقی سب لوگ کیا عیسائی بن گئے تھے؟ یہ جواب تاریخ پر قرض ہے۔ تاہم قیاس کہتا ہے کہ گئی گزری اخلاقی حالت میں بھی باقی سب لوگ عیسائی نہیں بنے ہونگے۔ اگر بقایا آبادی میں سے نصف عیسائیت کا لبادہ اوڑھنے والے فرض کئے جائیں تو بھی کم از کم تیس سے چالیس لاکھ آبادی کا حساب باقی رہتا ہے۔ پھر یہ لوگ کہاں گئے؟ ظاہر ہے قتل کر دیئے گئے! تو گویا المیہ اندلس میں کم از کم تیس لاکھ مسلمان صلیبی جنونیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس طرح قدرت کا قانونِ عذاب حرکت میں آیا اور خدا کے عطا کردہ انعامات سے بار بار ناشکری کرنے والوں کو سزا سنا دی گئی۔ نافرمانی اور ناشکری کرنے والوں کو سزا دینے کے معاملے میں قدرت یہ نہیں دیکھا کرتی کہ کون مسلمان ہے یا عیسائی یا یہودی۔ یہ قانون سب قوموں کے لئے ایک ہے۔

ہجرت کے لئے روانہ ہونے والے قافلوں کی گرد میں اندلس میں مسلمانوں کی نشانیاں بھی مٹ گئیں۔ بے شمار مسلمان عورتیں اور بچے سفر کی صعوبتوں کی تاب نہ لا کر راستے میں دم توڑ گئے۔ زیادہ تر مسلمانوں نے تیونس اور مراکش کا رخ کیا جہاں ان کے آج بھی مخصوص قبیلوں کو اہل الاندلس کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے آباؤاجداد اندلس سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے تھے۔ افسوس کہ اندلسی مسلمان مہاجروں کے ساتھ شمالی افریقہ میں بھی امتیازی سلوک کیا گیا، کبھی صحراؤں میں سفر کرتے ہوئے انہیں بدوؤں نے لوٹا، شہروں میں انہیں عیسائیوں کا جاسوس سمجھ کر ذلیل کیا جاتا رہا۔ بہر حال اسلامی تاریخ کا یہ

Marfat.com

ایک المناک باب تھا جو ختم ہوا۔ آٹھ سو برسوں تک حکومت کرنے اور نو سو برسوں تک وہاں رہنے بسنے والوں کی آج ہسپانیہ میں کچھ پرانے کھنڈروں اور اذانوں کی آواز سے محروم جامعِ قرطبہ جیسی چند مسجدوں کے سوا کوئی نشانی موجود نہیں!

قبر اس تہذیب کی یہ سر زمین پاک ہے
جس سے تاکِ گلشن یورپ کی رگ نمناک ہے
(اقبال)

Marfat.com

باب۔8

وسط ایشیا اور قفقاز میں مسلمان روسی اژدہا کے چنگل میں

ستر اسی سال تک مسلسل اشتراکیت' مادیت و دہریت کی پیٹ میں سڑانڈ پید کرنے والی گندگی سے شکم پری کرتے رہنے کے بعد 1991ء میں سابق سوویت یونین (روس) نے "الٹی" کی تو اس کے معدے سے نصف درجن لنگڑی لولی مسلم ریاستوں کے لوتھڑے بھی برآمد ہوئے جنہیں عرصہ پہلے روسی اژدہا نے (کئی دوسری مسلم ریاستوں کے علاوہ) نگل لیا تھا۔ ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان کرغیز ستان اور قازقستان وسطی ایشیا کی راکھ سے برآمد ہوئے جبکہ آذربائجان کی ریاست کا تعلق قفقاز (کوہ قاف) کے علاقے سے ہے جہاں ابھی تک چیچنیا، انگیشتا اور داغستان وغیرہ مسلم ریاستیں روسی ریچھ کے شکنجے میں گرفتار تڑپ رہی ہیں۔ یہ بیان بڑی حد تک سچ کے قریب ہے کہ اگر سابق سوویٹ یونین افغانستان میں الجھ کر اپنے آپ کو نیم جان نہ کر لیتی تو شاید وسط ایشیا اور قفقاز کی یہ مسلم ریاستیں کبھی آزاد نہ ہوتیں۔ آج جبکہ یہ مسلمان ریاستیں آزاد ہیں' گزشتہ سو سوا سو سال تک غلامی اور جبر کے بد ترین اندھیروں میں رہنے کے بعد ان پر روسی کلچر کی اتنی گہری چھاپ ہے' روسی تہذیب و زبان کا اس قدر اثر ہے کہ انہیں اپنی اصلیّت کی طرف رجوع کرنے میں شدید مشکل درپیش ہے، حتیٰ کہ وہ ناموں سے "اوف" کے لاحقے کو ابھی تک بدل نہیں سکے۔ ذریعہ تعلیم و سرکاری زبان ابھی تک روسی ہے' اپنی قومی زبانوں کو بھی روسی رسم الخط میں لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ قومیں مکمل طور پر دوبارہ اسلامی ثقافت کے رنگ میں رنگی جائیں

Marfat.com

کی کیونکہ اسلام ان کے شعور و لاشعور میں گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے موجود ہے جبکہ روسی اثرات کی عمر ڈیڑھ دو صدیوں سے زیادہ نہیں۔ ویسے بھی جب حق آجائے تو باطل مٹ جاتا ہے۔

اسلام کے خلاف صلیبی یورپ کا مشرقی محاذ

اکثر مورخ لکھتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی' اندلس کے بعد سب سے بڑا دھچکا اسلام کو شمالی ایشیا کے اسٹیپ کے میدانوں' سائبریا اور قفقاز میں لگا، یورپ نے اسلام کے خلاف ایک محاذ اپنے جنوب (اندلس) میں کھولا اور مسلمانوں کو وہاں سے ناپید کر دیا، یہ ایک عبرتناک داستان ہے جس کا تھوڑا سا بیان ہو چکا۔ مورخین کے مطابق دوسرا بڑا محاذ یورپ کے مشرق میں کھولا گیا جس پر روس کے ذریعے تمام کلیسائی دنیا نے "پراکسی" جنگ لڑی اور مسلمانوں کی بد اعمالیوں، نفاق افتراق اور اخلاقی پستی کے سبب انہیں کامیابی ہوئی' عین انہی اسباب کی بنا پر انہیں اندلسی محاذ پر مسلمانوں کے خلاف کامیابی ہوئی تھی۔ ہم واقعات کو ان کے ظاہری اسباب کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں، لیکن یہ ظاہری اسباب محض علامات کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ بیماری کی اصل وجہ باطنی ہی ہوتی ہے۔ سائبیریا' وسط ایشیا اور قفقاز وہ علاقے ہیں جہاں اسلام کی جڑیں گہری چلی گئی تھیں' لیکن جب مرض نے زور پکڑا تو کسی عارضی علاج کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ خود مریض نے ہلاکت کو دعوت دی۔ اس طرح قانونِ الٰہی حرکت میں آیا اور ان علاقوں میں آباد مسلمانوں کو سزا سنا دی گئی۔

تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وسط ایشیا اور قفقاز وغیرہ علاقوں میں اسلام کی آمد اور مسلمان حکومتوں کی مختصر تاریخ پر روشنی ڈال لی جائے۔

Marfat.com

خلیفہ ولید کا ایک باغی جرنیل اور اس کا انجام!

اسلام سب سے پہلے آذربائیجان میں آیا اور یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عہد راشدہ کا ہے۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً اسلامی لشکر قفقاز اور وسطِ ایشیا کے خطے میں براہ ایران آتے جاتے رہے لیکن حقیقی پیش رفت اس وقت ہوئی جب اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں اسلامی لشکر مشہور جرنیل قتیبہؒ بن مسلم کی قیادت میں دریائے جیحون (آمو) پار کر کے موجودہ ازبکستان کے علاقے میں داخل ہوا اور پیکند' بخارا' سمرقند' خیوا (خوارزم) فرغانہ' تاشقند وغیرہ کو فتح کرتا ہوا کاشغر (موجودہ چینی ترکستان یا ژنگ جیانگ) جا پہنچا اور چین کے شہنشاہ نے اپنی وسیع سلطنت خطرے میں دیکھ کر اسلامی لشکر سے صلح کر لی یوں یہ تمام علاقہ صرف دس سالوں کے اندر مسلمان عساکر کے قدموں میں تھا۔ کاشکہ خلیفہ ولید کو حکومت کرنے کا کچھ اور وقت مل جاتا۔ یہ درست روایت ہے کہ خلیفہ ولید کے بھیجے ہوئے تین جرنیلوں محمد بن قاسم' طارق بن زیاد اور قتیبہ بن مسلم نے اسلامی فتوحات کا جھنڈا دنیا کے دور دراز حصوں تک لہرایا' اگر انہیں راستے میں روک نہ دیا جاتا تو شاید ان عدیم المثال جرنیلوں نے یورپ سے لے کر جاپان اور جاپان سے لے کر ہندوستان تک ساری دنیا پر ہلالی پھریرا لہرا دینا تھا۔ کسی نامعلوم اور ان دیکھی سازش کے تحت (جس پر آج تک پردہ پڑا ہوا ہے) ان تینوں جرنیلوں کو ذلت کے ساتھ واپس آنے کا حکم دیا گیا۔ یہ "کارنامہ" خلیفہ ولید کے جانشین سلیمان بن عبدالملک کی حکومت نے سرانجام دیا' سادگی سے یہ کہہ دینا کہ تینوں عظیم فاتحین دمشق کی محلاتی سازشوں کا شکار ہوئے (جیسا کہ عموماً ہمارے مورخ لکھا کرتے ہیں)' اصل سوال کا جواب نہیں ہے۔ محلاتی سازش کسی ایک جرنیل کے خلاف ہو سکتی تھی آخر یہ کیا ہوا کہ ہندوستان، اندلس، افریقہ اور وسط ایشیا تک اسلامی سلطنت کی حدود وسیع کرنے والے تمام جرنیل واپس بلا لئے گئے اور یوں ان علاقوں میں نہ صرف اسلام کی

Marfat.com

پیش قدمی رک گئی بلکہ ہندوستان میں تو پسپائی ہوئی۔ قتیبہ نے محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کا حشر دیکھا تو احکامِ خلافت کی تکمیل سے معذوری ظاہر کی کیونکہ اس نازک مرحلے میں اسلامی لشکروں کے واپس چلے جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ وسط ایشیا میں اسلام نے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ ملیا میٹ ہو جاتا۔ اسلام کے عظیم تر مفاد کو خلیفہ کے غلط احکام پر ترجیح دیتے ہوئے قتیبہؒ بن مسلم نے خود مختاری کا اعلان کر دیا جسے دربار خلافت میں سرکشی قرار دیا گیا۔ یزید بن مہلب کو خراسان کی گورنری کا پروانہ دے کر وسط ایشیا بھیجا گیا (اس دور میں وسط ایشیا کو صوبہ خراسان سے کنٹرول کیا جاتا تھا)۔ یزید نے پہنچتے ہی اسلامی فوجوں کو قتیبہ کے خلاف اکسایا اور ان سے کہا کہ اسلام کے مطابق حکمران خلیفہ کا حکم ماننا فرض ہے اور چونکہ قتیبہ معزول ہو چکے ہیں لہذا اس کی اطاعت ترک کرنی ہو گی۔ قتیبہ کو اپنی فوج پر غلط بھروسہ تھا' اس نے مرو پہنچ کر فوج کے سامنے دلسوزی کے ساتھ تقریر کی، اسلام کے لئے اپنی خدمات کا ذکر کیا' یزید بن مہلب کے کردار پر روشنی ڈالی اور دربار خلافت کی سازشوں سے پردہ اٹھایا' لیکن یزید بن مہلب کی مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوششیں کامیاب ہو چکی تھیں۔ طبری لکھتا ہے: "ان فوجیوں نے اسے چھوڑ دیا جن کے ساتھ اس نے اتنے خطرات اور معرکے دیکھے تھے۔ اس کے اپنے لوگوں نے، حتیٰ کہ اس کے اقارب نے اس سے بے وفائی کی جنہیں اس نے اتنا دولتمند بنا دیا تھا۔ صرف تھوڑے لوگ اس کے ساتھ رہ گئے۔ دشمنوں نے اس کا محل گھیر لیا۔ اصطبل نذر آتش کر دیئے، یہاں تک کہ آخر میں سواری کا گھوڑا بھی اس کے پاس نہ رہا اور وہ پیدل لڑتا رہا۔ اپنے ایک قریبی رشتے دار کو مخالف حملہ آوروں میں دیکھ کر یہ شعر پڑھا: افسوس آج لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے یہ ادھر اپنا رخ کر لیتے ہیں۔ قبیلہ جہم کے ایک آدمی نے تیر مار کر اسے زخمی کر دیا اور دوسرے نے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا" (تاریخِ طبری۔ بحوالہ "تاریخ بخارا"۔ وسمبرے) یہ تھا اس عظیم مسلمان فاتح کا پینتالیس سال کی مختصر عمر میں حسرتناک انجام جس نے اسلام کے لئے

Marfat.com

مشرق بعید میں ایک وسیع اور طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی اور مجوسیت پر کاری ضرب لگائی۔ اس نے سمر قند و بخارا کی سر زمین میں اسلام کا پودا کچھ اس طرح سے لگایا کہ آئندہ چل کر یہ علاقہ اسلامی اجتہاد و دینی علوم کا مرکز بن گیا اور دین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے لوگ بغداد و دمشق کی جگہ سمر قند و بخارا کی درسگاہوں کا رخ کرنے لگے۔ یہ بات بار بار سچ ثابت ہوتی رہی ہے کہ اسلام کو زیادہ نقصان اپنوں سے پہنچتا رہا ہے۔ "با من ہر چہ کرد آں مہرباں کرد"۔

ہم جس ابتدائی اسلامی دور کی بات کر رہے ہیں اس میں وسطی ایشیا کا دریائے آمو (جیحون) کے پار کا تمام علاقہ "ماوراالنہر" (دریا پار) کہلاتا تھا جس میں بخارا' سمرقند' خیوا' تاشقند وغیرہ سب علاقے شامل تھے جبکہ خلیفہ کا مقرر کردہ گورنر' خراسان (اس خراسان کا کچھ علاقہ اب ایران اور کچھ افغانستان میں شامل ہے) سے اس تمام علاقے کی نگرانی کرتا تھا اور خلیفہ دمشق یا خلیفہ بغداد کے دیئے گئے اختیارات کے تحت گورنر خراسان وسطی ایشیا میں مختلف علاقوں کے لئے الگ الگ حاکم یا نائب بھی مقرر کرتا تھا۔ اس سے ملتی جلتی صورت حال قفقاز کی تھی' مختصر یہ کہ ان علاقوں پر عربی خلفا کے مقرر کردہ گورنروں کی حکومت 175 برس تک رہی، اس لئے یہ عرب حکمرانوں کا عہد کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں بھی داخلی بدامنی گڑبڑ اور بغاوتوں کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا۔ مرکز سے بہت زیادہ دوری اس انتشار کی بڑی وجہ تھی۔ گورنروں کو چونکہ اہم فیصلوں کا مقامی اختیار حاصل نہیں ہوتا تھا اس لئے بار بار ان کے دل میں خود مختاری کا خیال پیدا ہوتا رہا' ویسے بھی وسطی ایشیا کی ترک و منگول مخلوط نسل انتہا درجے کی شوریدہ سر اور جنگجو نسل تھی' قفقاز کے تاتاری ان سے بھی زیادہ بے چین اور انقلابی طبیعت رکھتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی قابو میں نہ آنے والی نسلوں کو اسلام نے کس طرح قاعدہ تسلیم سکھایا۔ عربی دورِ حکومت میں وسطی ایشیا کے کئی حاکم آئے اور گئے۔ قتیبہ کے بعد یزید بن مہلب آیا جس نے قتیبہ کے افسروں کو چن چن کر انتقام کا نشانہ بنایا' یزید کے بعد مسلیمہ آیا' اس نے یزید اور اس کے خاص آدمیوں

Marfat.com

کے ساتھ یہی سلوک دھرایا۔ روایت ہے کہ یزید نے اپنے دور حکومت میں خوب دولت اکٹھی کی تھی، اسے بھی قتل کیا گیا۔ اسی زمانے میں فرغانہ میں مقامی ترکوں نے بغاوت کر دی، ابھی تک ترکوں کے دل میں اسلام پوری طرح اترا نہیں تھا۔ بغاوت سمرقند تک پھیل گئی، خراسان کے گورنر نے فوج مقابلے کے لئے روانہ کی، ترک باغیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، مسلمانوں کو پہلی بار شدید دھچکا لگا اور ان کے بیس ہزار سپاہی شہید ہوئے۔ تاہم بغاوت بعد میں کچل دی گئی۔ نصر بن سیار، بنو امیہ دور کا اس علاقے کا آخری گورنر تھا۔ عباسی خاندان کے اقتدار کے آغاز میں یہ علاقہ ابو مسلم خراسانی کے ماتحت رہا۔

شیطانی خیالات کا دور!

اس زمانے میں جب پوری دنیائے اسلام میں خلافت کے ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہونے کے پس منظر میں، عجیب عجیب تبدیلیوں کی ہوائیں چل رہی تھیں، بدعات، کافرانہ فلسفوں اور طلسم و خرافات کا زور تھا۔ بقول طبری:

"اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جو خدا اور رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے تھے، نماز اور روزے کا مذاق اڑاتے تھے۔ بے دین مشرک، یہودیوں سے بھی بدتر تھے، یہ لوگ کہتے تھے کہ دنیا کی کوئی ابتدا نہیں، اس لئے اس کا انجام بھی کوئی نہیں، آدمی اور جانور پودوں کی طرح اگتے ہیں" (تاریخ طبری) اس دور کا خاص واقعہ جس سے اسلام کو وسط ایشیا میں بہت زیادہ نقصان پہنچا، ایک جھوٹے نبی ہاشم بن حکیم المعروف مقنع کا ظہور تھا جو مرو کا رہنے والا تھا۔ اس نے پورے وسط ایشیا میں اپنے مذہب کی تحریک چلائی، وہ پہلی بار 760ء میں لوگوں کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا: "کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا " تو ہشام بن حکیم ہے" اس نے کہا: "تم غلطی پر ہو، دراصل میں تمہارا خدا ہوں، تمام جہانوں کا خدا۔ جو نام چاہوں وہ رکھ لوں گا۔ اس سے پہلے میں آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد ﷺ اور ابو مسلم کی صورت

Marfat.com

میں نمودار ہوا اور اب اس شکل میں ہوں جس میں تم دیکھتے ہو" خراسان کے گورنر نے اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن ناکام رہا، ترکستان کے پورے کے پورے گاؤں اس کی پناہ گاہ بن چکے تھے۔ بخارا، سمرقند، کیش، نخشب و ترکستان کے دیگر علاقوں میں اس کے پیروکار چھا گئے۔ وہ سنہری نقاب سے چہرہ چھپائے رکھتا اس لئے "مقنع" کہلایا جس کا مطلب نقاب میں مستور ہونا ہے۔ اس نے مشہور کیا کہ چونکہ وہ خدا ہے اس لئے اس کا چہرہ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ بے شمار نومسلم ترک سپاہی، عرب دشمنی میں اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور ملک بھر میں لوٹ مار کرنے لگے۔ یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے اس لئے (سفید جامیاں) بھی کہلاتے تھے۔ یہ قریب قریب ویسی ہی دہشت پسند جمعیت تھی جیسی آگے چل کر حسن بن صباح نے اسماعیلی فدائیوں کی قلعہ الموت میں قائم کی تھی۔ مقنع کی سرگرمیاں پوری اسلامی سلطنت کے لئے خطرۂ عظیم بن گئیں، عباسی خلیفہ بغداد سے چل کر نیشاپور پہنچا تاکہ اس فتنے کا کسی طرح سدباب کیا جائے اس نے خراسان کا گورنر تبدیل کر کے معاذ بن مسلم کو مقرر کیا اور تین ہزار اسلحہ سازوں کو دن رات ہتھیار تیار کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ مقنع کے فتنہ میں بے شمار مسلمان شہید ہو گئے، بالآخر وہ اپنے قلعہ میں روپوش ہو گیا۔ اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مقنع کے کوئی پچاس ہزار عقیدت مند قلعہ کے سامنے جمع ہو گئے اور اپنے "خدا" سے درخواست کی کہ ایک بار انہیں زیارت کا موقع دے، مقنع نے اپنے خاص خادم کے ذریعے کہلا بھیجا "میرے بندوں سے کہدو کہ موسیٰ بھی میرے دیدار کا طالب ہوا مگر میری تجلی کی تاب نہ لا سکا، میرا دیدار ہر خاکی انسان کے لئے ہلاکت ہے" اس پر اسکے پیروکاروں نے کہا کہ انہیں دیدار کی خاطر موت قبول ہے۔ چونکہ وہ ٹلنے والے نہ تھے اس لئے مقنع نے ان کی درخواست کو "شرف قبولیت" عطا کرتے ہوئے دیدار کے لئے ایک وقت طے کیا اور اس سے ذرا پہلے اپنی بہت سی بیویوں کو آئینے دے کر قلعہ کے اندر ایک قطار میں اس طرح کھڑا کیا کہ سورج کی شعاعیں آئینوں پر پڑتی ہوں۔ عین اس وقت جب کرنوں کا بہت زور تھا اس

Marfat.com

نے قلعہ کا دروازہ کھلوایا، عقیدت مندوں کی آنکھیں اس کی طرف دیکھتے ہی چندھیا گئیں اور وہ سجدے میں گر کر کہنے لگے "اے خدا تیرا یہ جلوہ ہمارے لئے کافی ہے' اگر ہم مزید دیکھیں گے تو تباہ ہو جائیں گے"۔ اب عربوں نے طاقتور فوج کے ساتھ اس کے قلعے کو گھیرے میں لے لیا' پہلے انہیں ہتھیار ڈالنے کے لئے پیغام دیا۔ مقنع نے پیغام لانے والے سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ قاصد نے جواب دیا" تم اپنے آپ کو خدا کہتے ہو اور اتنا بھی نہیں جانتے۔ تمہیں تو ان سب باتوں کا پہلے سے علم ہونا چاہیے"۔ قصہ مختصر اس مکالمے کے باوجود مقنع نے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا اور جنگ کے لئے تیار ہوا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ سمر قند کے قریب بہت ہی مشکل مقام پر پہاڑوں میں تھا۔ چار سال تک کوشش ہوتی رہی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسری طرف مقنع کے ساتھی طویل محاصرے کے نتیجے میں فاقوں سے مرنے لگے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے' تاہم مقنع اپنی ضد پر قائم رہا۔ موت سے پہلے اس نے اپنی سب بیویوں کو دعوت پر بلایا اور شراب سے لبریز پیالے پینے کو دیے جن میں زہر ملائی گئی تھی۔ ایک بیوی بنوقہ کے سوا (جس نے یہ سب حال بعد میں سنایا) سب نے وہ پیالے پی لئے، بنوقہ کو پہلے سے علم تھا کہ زہر دی جا رہی ہے اور اس نے شراب چالاکی سے کپڑوں میں انڈیل لی اور جھوٹ موٹ کی بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد مقنع ایک بھٹی میں کود گیا جسے تین دن سے دہکایا جا رہا تھا۔ اس قلعہ سے عربوں کو بھاری خزانہ ہاتھ لگا اور اسلام کو ایک زبردست خطرے سے نجات ملی۔

شمالی وسطی ایشیا کے اس علاقے میں پہلی مسجد کا سنگ بنیاد مسلمان فاتح قتیبہ بن مسلم نے رکھا تھا یہ مسجد سمر قند میں بنی تھی۔ مسلمانوں کو اس علاقے کی تسخیر میں دوسرے علاقوں کے مقابلے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا' زیادہ جنگ وجدل کرنا پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ باشندے جنگجویانہ فطرت رکھتے تھے' یہ کریڈٹ مسلمان مجاہدوں کو جاتا

Marfat.com

ہے کہ انہوں نے ایسی بہادر اور لڑاکا قوم پر تسلط حاصل کیا۔ ایک بار اسلام کا حلقہ بگوش ہو جانے کے بعد یہ لوگ صدیوں تک اسلام کا بازوئے شمشیر زن بنے رہے' تمام افرنگ ان کے نام سے لرزاں براندام ہوتا' حتیٰ کہ بازنطینی سلطنت اور عیسائی دنیا کا ناقابل تسخیر ہونے کی شہرت رکھنے والا طلسمی شہر قسطنطنیہ (استنبول) بھی انہی لوگوں نے فتح کیا۔ شروع شروع میں بغاوتوں اور شورشوں کی ایک وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ کے خلفا (بااستثنائے عمر بنؓ عبدالعزیز) نے تالیفِ قلب کی پالیسی سے انحراف کرتے ہوئے خزانہ پُر کرنے کے لالچ میں نو مسلموں پر غیر مسلموں کی طرح جزیہ عاید کیا تھا، بالکل ایسی ہی غیر اسلامی کاروائی اندلس میں بھی کی گئی تھی' جس کی وجہ سے وہاں اسلام کی تبلیغ اور نفوذ پر انتہائی منفی اثر پڑا تھا۔ جب حضرت عمر بنؓ عبدالعزیز نے یہ ناجائز ٹیکس (جزیہ) نو مسلمانوں سے ہٹایا تو وسطی ایشیا' سائبیریا اور قفقاز کے لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے' داغستان اور چیچنیا وغیرہ نے تو بہت گہرا اثر قبول کیا حتیٰ کہ وہاں عربی زبان اور عربی تہذیب رائج ہو گئی۔ قفقاز سے اسلام کے اثرات مزید شمال کی طرف اورال کی طرف بڑھے جہاں ترک نسلیں آباد تھیں' اس علاقے کا حکمران الماس سلجی خان عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے دور میں مشرف بہ اسلام ہوا تو وہاں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ اورال کے ترکوں کے تعلقات سائبیریا کے تاتاریوں سے تھے' ان کے میل جول سے اور مسلمان صوفیا کی تبلیغ سے انہی ایام میں سائبیریا کے تاتاری بھی اسلام کے سایہ عاطفت میں آگئے اور یوں ابتدائی صدیوں میں ہی اسلام بخارا سے قفقاز اور قفقاز سے سائبیریا تک زبردست تہذیبی وسیاسی طاقت بن گیا۔

وسط ایشیا میں خود مختار حکومتوں کا آغاز

بغداد کی خلافت بنی عباس کا زوال شروع ہوا تو اسلامی سلطنت کے وسیع وعریض علاقوں میں خود مختار حکومتیں تشکیل پانے لگیں۔ تاہم خیر وبرکت کے لئے

Marfat.com

یا عوام کے اطمینان کے لئے یہ خود مختار بادشاہ نام کے خلیفۂ بغداد سے پروانہ حکومت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے' ادھر خلفا کی پالیسی یہ تھی کہ دو متحارب بادشاہوں میں جو زیادہ طاقتور نظر آتا پروانہ اس کے نام تحریر کر دیتے، بعض اوقات ایک ہی علاقے کے لئے دو بادشاہوں کو منظوری دے دی جاتی تھی، انحطاط و زوال میں ہمیشہ ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ سمرقند و بخارا اور قفقاز کے علاقوں میں بھی، خلافتِ بغداد کے زوال کے ساتھ خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ سب سے پہلی خود مختار حکومت سامانی خاندان نے قائم کی جس کی شان و شوکت کا ڈنکا 874ء سے 1004ء تک بجتا رہا۔ سامانی بادشاہوں میں اسماعیل (جسے خلیفہ معتمد نے تمام ترکستان کا بادشاہ مقرر کیا تھا) سب سے پہلا بادشاہ تھا لیکن وہ اپنے بڑے بھائی نصر کا علاقہ اور حق غصب کر کے عیاری سے حکمران بنا تھا۔ اسماعیل کے دور میں عمرو بن لیث نے جو ایران میں حکومت پر قابض ہو چکا تھا' اسماعیل کے خلاف مہم جوئی کی لیکن وہ شکست کھا کر قید ہوا' تاریخوں میں اس کے متعلق یہ سبق آموز حکایت لکھی ہے کہ اسیری کی پہلی رات تھی اور وہ اپنے خیمہ (جہاں وہ قید تھا) کے سامنے پہرے دار کو اسکے لئے کھانا تیار کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا' کھانے اور پکانے کے لئے صرف ایک ہی برتن تھا، یعنی بالٹی جس سے بوقت ضرورت گھوڑوں کو بھی پانی پلایا جاتا تھا، جب اس میں کھانا بن چکا تو ایک کتا آیا اور اس میں منہ ڈال دیا لیکن سر باہر نہ نکال سکا اور برتن مع کھانا لے کر بھاگا، عمرو یہ واقعہ دیکھ کر ہنسا' محافظ نے پوچھا بھلا قید میں اس طرح ہنسنے کا یہ کون سا موقع ہے تو عمرو نے کہا" آج صبح جب میں آزاد تھا تو میرے ملازم نے شکایت کی تھی کہ میرے باورچی خانے کے برتن اٹھانے کے لئے تین سو اونٹ ناکافی ہیں اور آج رات صرف ایک کتا میرا برتن اور کھانا دونوں لے کر جا رہا ہے"۔ سامانی دور میں تمام وسطی ایشیا کا دار الحکومت بخارا رہا۔ سامانی دور حکومت اس اعتبار سے بہت بابرکت تھا کہ وسطی ایشیا اور خصوصاً سمرقند و بخارا مسلمانوں کی علمی، مذہبی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز بنے اس دور میں مسلمانوں کی قرآن مجید کے بعد صحیح ترین اور متبرک

Marfat.com

ترین کتاب جامع بخاری یا صحیح بخاری کو حضرت عبداللہ بخاری نے چھ لاکھ احادیث کے ذخیرہ میں سے چھان پھٹک کے بعد مرتب کیا، وہ بخارا کے رہنے والے تھے۔ تل خواجہ، شیخ بیدار، امام محمد شیبانی، محمد بن الفضل بھی اس زمانے کے مشہور بزرگ ہیں۔ مشہور شاعر ابوالحسن رودکی کا تعلق بھی سامانی دور ہے وہ فارسی زبان کے مشہور کلاسیکی شاعر ہیں۔ بخارا میں اس قدر زیادہ اسلامی مکتب اور کالج تھے کہ کوئی دوسرا اسلامی شہر اسکی نظیر پیش کرنے سے قاصر تھا۔ بڑے بڑے حکما، صناع اور اطبا سے اس شہر کو زینت حاصل تھی۔ مذہبی درس و تدریس اور اسلامی پرہیزگاری و تصوف کی بنا پر بخارا کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے زیادہ شہرت حاصل تھی، آج بھی برصغیر، ایران اور عرب میں کئی برگزیدہ خاندان بخارا کی اسی خصوصیت اور تعلق کے باعث "بخاری" کہلاتے ہیں۔ سامانی خاندان کے زوال کا سبب باہمی نااتفاقی اور ناچاقی تھا، سامانیوں کے بعد وسط ایشیا کے اقتدار کے وارث ترک و تاتار ہوئے اور مشہور سلجوقی خانوادے نے حکومت قائم کرلی۔ اس خاندان میں بعض ایسے بیدار مغز، لائق اور بلند کردار بادشاہ ہوئے ہیں کہ تاریخ میں بہت کم ایسی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ خوش قسمتی سے طویل عرصہ تک ان بادشاہوں کو نظام الملک جیسے لائق و فائق وزیر کی خدمات حاصل رہیں جس نے "سیاست نامہ" جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھی جس میں بادشاہوں کو سیاسی سلیقہ و حکمرانی کے گر بتائے گئے ہیں۔ اس دور میں حکومت و ثقافت کا مرکز نیشاپور منتقل ہوا لیکن بخارا کی تقدس و تبرک والی حیثیت برقرار رہی۔ خلفائے بنو عباس محض نام کے خلفا رہ گئے تھے۔ الپ ارسلان، ملک شاہ اور سلطان سنجر اس خاندان کے عظیم الشان بادشاہ تھے۔ ملک شاہ کا دور تو معراج تھا۔ اس نے یمن سے جیحوں تک اپنی وسیع و عریض سلطنت کا بارہ دفعہ چکر لگایا تھا۔ بارھویں صدی عیسوی کے شروع میں اس خاندان کو بھی زوال ہوا، اس کے بعد پچاس ساٹھ سال تک وسط ایشیا میں افراتفری اور انتشار کے جھگڑے چلتے رہے، اوغور اور خوارزم شہزادے باغی ہو کر مختلف علاقوں پر قابض ہوتے

Marfat.com

اور لڑتے رہے، کوئی مرکزی حکومت باقی نہ رہی۔ خوارزم (خیوا) کی ریاست میں ایک ترک افسر محمد قطب الدین نے حکومت قائم کر لی اور خوارزم شاہ کا لقب اختیار کیا۔ خوارزم شاہ خاندان کی حکومت نے وسعت حاصل کی لیکن عین اسی دور میں شمال سے منگولوں کی یلغار ہوئی اور چنگیز خان اور اس کے بعد اس کے جانشینوں نے وسطی ایشیا سمیت (ہندوستان اور اندلس وافریقہ کے سوا) تمام اسلامی دنیا کے شہروں اور آبادیوں کو برباد کر دیا۔ ان دردناک واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ وسطی ایشیا کے شہر چونکہ ان منگولوں (تاتاریوں) کے راستے میں سب سے پہلے آئے اس لئے ان شہروں اور آبادیوں کو سب سے زیادہ نقصان سہنا پڑا۔

بخارا کے علماء خچروں کے نگہبان!

بخارا پر چنگیز خانی لشکر کی یلغار کا حال لکھتے ہوئے، "تاریخ بخارا" کا مصنف رقمطراز ہے: "شہر کے باشندوں نے خوفزدہ ہو کر چنگیز کے پاس رحم کے لئے وفد بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی منگول شہر میں داخل ہو گئے۔ بخارا کی عظیم الشان جامع مسجد نے جو عظیم سامانی خاندان نے تعمیر کی تھی چنگیز کی توجہ کھینچی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہی مسجد میں داخل ہو گیا اور بڑے منبر کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کا بیٹا طولی ساتھ تھا، وہ بھی منبر پر چڑھ گیا۔ چنگیز نے پوچھا: "کیا یہ سلطان کا محل ہے؟" اسے بتایا گیا کہ یہ خانہ خدا ہے تو وہ گھوڑے پر سے اترا، منبر پر چڑھا اور منگولوں سے جو اس کے عقب میں کھڑے تھے کہا " گھاس کٹ چکی ہے، گھوڑوں کو چارہ دو" یہ اشارہ تھا کھلی غارتگری کا۔ چنانچہ یہ وحشی وسط ایشیا کے دارالحکومت کی دولت کے نشہ میں اہل بخارا پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے صرف مکانوں ہی کو نہ لوٹا، سب کچھ اٹھا لے گئے بلکہ متبرک چیزیں بھی نہ چھوڑیں، قرآن پھاڑے گئے اور جانوروں کے سامنے ڈال دیئے گئے، جن صندوقوں میں قرآن رکھے جاتے تھے انہیں جانوروں کے چارہ کے لئے

Marfat.com

استعمال کیا گیا' بڑے بڑے علما کو شراب کی مجلسوں میں ناچنے گانے کا حکم دیا گیا۔ سب سے زیادہ جید علما کو خچروں کی نگرانی پر مقرر کیا گیا"۔ بخارا میں تیس ہزار سے زیادہ افراد قتل کیے گئے' باقی سب غلام بنا لئے گئے۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر دیہات میں منتشر ہو گئے یوں بخارا کے مسلمان جو علم و فن کے ساتھ لگاؤ اور اخلاق و تمدن کے لئے شہرہ آفاق تھے' آن واحد میں ذِلت و مصیبت کے عمیق گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ مورخ ابن اثیر کے مطابق حملۂ تاتار کے وقت "عورتوں، بچوں اور خاوندوں کے نالہ و بکا اور چیخ و پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا اور وہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے۔ ان وحشیوں نے لڑکیوں اور عورتوں کی آبروریزی ان کے رشتہ داروں کے سامنے کی، بہت سے لوگ اس منظر کی تاب نہ لا کر جان پر کھیل گئے"۔ بخارا کے بعد اس طوفان نے سمرقند کا رخ کیا، ان کے ساتھ بخارا اور دوسرے شہروں کے قیدی تھے جنہیں سمرقند پر حملے میں استعمال کیا جاتا تھا' بے شمار قیدی خستگی اور بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر راہ میں دم توڑ گئے۔ خوارزمیوں نے مقابلہ کیا لیکن ٹڈی دل منگول لشکر نے انہیں پیس کر رکھ دیا۔ سمرقند کا بارونق شہر اور قلعہ مسمار کر دیا گیا' تیس ہزار افراد کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان قطب الدین خوارزم کو اس کی خود اعتمادی اور عیش پسندی لے ڈوبی' وہ مغرور اور لاپروا ہو کر عیش و نشاط میں پڑ گیا۔ اسے چنگیز خانی لشکر کی آمد کے خطرے سے آگاہ کیا گیا لیکن وہ خوبصورت عورتوں کی صحبت اور شبانہ عشرتوں میں غرق رہا۔ اسے اس زبردست قہر خداوندی کا اندازہ ہی نہ ہو سکا جو شمالی ایشیا کی بلندیوں سے منگول لشکر کی شکل میں امت مسلمہ پر برسنے والا تھا۔ آخری خوارزمی شہزادہ' جلال الدین نے چنگیز کے تعاقب سے بچنے کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ منگولوں نے تیزی کے ساتھ پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ دریائے سندھ کے قریب پہنچ کر وہ منگولوں کے گھیرے میں آ گیا لیکن اس نے شیر کی طرح مقابلہ کیا' دو گھوڑے اس کے نیچے مر گئے، وہ لپک کر تیسرے پر سوار ہوا اور دریائے سندھ کے تیس فٹ اونچے عمودی کنارے سے سندھ کی پھری ہوئی موجوں میں

Marfat.com

چھلانگ لگادی۔ منگول اس کا اب بھی تعاقب کرنا چاہتے تھے لیکن چنگیز خان نے اس بہادری سے حیران اور متاثر ہو کر انہیں روک دیا اور کہا: "ایسا باپ ایسے ہی بہادر بیٹے کے لائق تھا"۔ جلال الدین خوارزم شاہ تیرتا ہوا سندھ کے پار اتر گیا اور چنگیز کنارۂ سندھ سے لوٹ گیا۔ اگلے ڈیڑھ دو سو سال تک وسطی ایشیا منگول لشکروں کی سفاکی اور غارتگری کی زد میں رہا' یہ تمام علاقہ چنگیز کی اولاد میں تقسیم ہو گیا تھا جو مسلسل آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بخارا اور سمرقند کی رونقیں بحال ہونے میں کافی وقت لگا۔ تاتاری مسلمانوں کو فتح کرنے نکلے تھے لیکن بالآخر مفتوح ہو گئے اس طرح کہ ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ تاتاریوں سے یہ علاقہ تاتاریوں کے قبیلہ برلاس کے سردار امیر تیمور نے چودھویں صدی عیسوی میں چھین لیا اور تیموری سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ سمرقند دارالحکومت بنایا جہاں دنیا بھر سے خزانے اور کاریگر اکھٹے کر لئے گئے تھے۔ امیر تیمور کو دنیا کا سب سے بڑا فاتح بھی کہا جاتا ہے۔ تیمور نے وسط ایشیا کی شان و شوکت بڑھائی۔ تاہم اس کے جانشین نالائق نکلے اور عظیم سلطنت کو جو روس تک پھیلی ہوئی تھی سنبھال نہ سکے۔ تیموری شہزادہ شاہ رخ شعر و شراب میں مستغرق ہو گیا تھا' اس کا بیٹا شہزادہ بائیقر کثرت بادہ خوری کے سبب عین جوانی میں حوالۂ اجل ہوا' اس کے اردگرد مصوروں اور گویوں کا ہجوم رہتا۔ یہی حال کم و بیش احمد مرزا کا تھا۔ آخری تیموری شہزادہ بابر مرزا تھا' وسط ایشیا میں غروب ہو کر وہ کابل اور پھر ہندوستان میں طلوع ہوا اور برصغیر میں خاندان مغلیہ کی طرح ڈالی۔ یوں تیموری اقتدار قریباً ڈیڑھ سو سال بعد وسط ایشیا کے سبزہ زاروں سے غائب ہو کر قصہ پارینہ بن گیا۔ تیموری بادشاہوں کو اسلام کے ساتھ واجبی سا تعلق تھا، امیر تیمور نے ایران، ہندوستان اور قفقاز میں مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر کے متعصب روسی عیسائیوں کے دل میں ٹھنڈک ڈالی، مورخوں کے مطابق تیمور کی سفاک خونریزی سے صرف مسکووی (روس کا قدیم نام) کی قدیم ریاست محفوظ رہی' اس کی فوج میں بڑی تعداد روسی عیسائیوں کی تھی۔ تیموری درباروں میں اسلامی اور دینی

Marfat.com

سنجیدگی کا نام نہ تھا۔ راگ رنگ کا زبردست رواج، سمرقند و بخارا کی درباری اور عوامی زندگی کا لازمی حصہ بن گیا حتیٰ کہ علما بھی رقص کو برا نہیں سمجھتے تھے" ایک سید جس کا نام بدر تھا بہت بڑا رقاص تھا۔ اس نے کئی نئے رقص ایجاد کئے۔ آج کل کے مسلمان یہ سن کر متعجب ہونگے کہ ایک سیّد بھی اپنے جبہ و دستار کے ساتھ رقص کرتا دکھائی دے، لیکن ایسا ہوتا تھا" (تاریخ بخارا۔ وَمبری)

بد کردار اور سفاک شیبانیوں کی کہانی

آل تیمور کے بعد شیبانی وسط ایشیا کی بساط سیاست پر نمودار ہوئے اور چھا گئے۔ یہ لوگ تاتار قبیلے کی ازبک شاخ سے تعلق رکھتے تھے، آج کا ازبکستان اسی قبائلی شاخ کی آبادی کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ شمال مغربی دشت کے وحشی باشندے تھے، ان میں کافی تعداد بعد میں بادیہ نشینی اور خانہ بدوشی ترک کر کے مستقل مقامات پر آباد ہوگئی، لیکن کچھ لوگ غیر مہذب اور آوارہ گردبنے رہے، انہیں قرغیز اور قازق (قزاق۔ یعنی رہزن) کہا گیا۔ آج کل کی ریاست قازقستان اسی پرانی نسل کی دشت پیمائی کی عادت کی یادگار ہے۔ ازبکوں کو روسی سلطنت نے خطرہ سمجھتے ہوئے شمالی علاقوں سے نکال دیا تھا اور وہ وسط ایشیا کے علاقوں میں آگئے تھے۔ ان کے سردار ابوالخیر کے پوتے محمد شیبانی نے تیموریوں کی بکھری ہوئی طاقت اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان علاقوں میں حکومت قائم کرلی اور آخری مغل شہزادے مرزا بابر کو وسط ایشیا سے مایوسی کے عالم میں کابل کا رخ کرنا پڑا: "یوں سمرقند تسخیر ہوا اور ساتھ ہی تیموریوں کی سلطنت ختم ہوگئی۔ ازبکوں نے انتقام میں شہر لوٹ لیا، باشندے فاتح سے ڈر کر پہلے ہی فرار ہوگئے تھے، ان میں شیبانی کا جانی دشمن سمرقند کا عارضی حکمران خواجہ یحییٰ بھی تھا۔ اپنی شناخت کو چھپانے کے لئے اس نے داڑھی منڈوالی، لیکن پہنچانا گیا اور گرفتار ہوا۔ جب شیبانی نے اس سے پوچھا کہ اس نے داڑھی صاف کرنے جیسا ہولناک

Marfat.com

اقدام کیوں کیا؟ تو اس نے فارسی کا شعر پڑھا:

چراغے راکہ ایزد برفروزد ہر آنکس تف کند ریشش بسوزد

(جس چراغ کو خدا روشن کرے اگر کوئی اسے بجھانا چاہے تو اس کی داڑھی جلے)

اس بر محل شعر کے باوجود شیبانی متاثر نہ ہوا اور جلادوں کے ہاتھ سے یحیٰ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا" (تاریخ بخارا) محمد شیبانی بہادر شخص تھا لیکن کردار کا وہ پہلو بہت کمزور تھا جس کا تعلق پاکیزگی اور ذاتی عصمت سے ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ جب اُس نے خراسان کے شہر ہرات کو فتح کیا تو شہر کے باہر قیام کیا۔ اُس وقت اس کے سامنے شکست خوردہ تیموری شہزادے کے گھرانے کے افراد پیش کیے گئے۔ تب شیبانی کی عمر اٹھاون برس کی تھی، اس نے شہزادہ مظفر حسین مرزا کی دلہن دیکھی تو عاشق ہو گیا اور اس کے باوجود کہ اس عورت کا نکاح موجود تھا اس سے شادی کر لی۔ اس طرح شیبانی نے حدِ اسلامی کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اور ایسی عمر میں جب انسان کو ویسے ہی پرہیز گاری کی طرف زیادہ مائل ہونا چاہیے۔

کہا جاتا ہے کہ محمد شیبانی وسط ایشیا بلکہ پورے ایشیا کا آخری بڑا فاتح تھا جس نے شمالی ایشیا سے افغانستان اور خراسان تک وسیع حکومت جنگیں لڑ کر قائم کی۔ اسی دور میں ایران میں صفوی خاندان کی حکومت تھی اور اسماعیل صفوی جیسا زیرک بادشاہ ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا، جب بابر کو شیبانیوں نے سمرقند و بخارا سے نکالا تو بابر نے بھی شاہ اسماعیل صفوی سے مدد حاصل کی تھی اور کابل پر قبضہ کیا تھا۔ ہوا یہ کہ ایران میں صفویوں نے مذہب تشیع کو سرکاری مذہب قرار دیا اور ایران کو شیعہ مملکت قرار دیا، دوسری طرف شیبانی نے بزعم خود اپنے آپ کو سُنیوں کا سرپرست قرار دے دیا اور اہل شیعہ کو اسلام سے

Marfat.com

خارج کرنے کا ایک عجیب وغریب فتویٰ حاصل کیا۔ سمرقند و بخارا کے علما نے غالباً اپنے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے جو فتویٰ جاری کیا اس کے مطابق "شیعوں کی بطور غلام خرید و فروخت جائز کر دی اور ان کی شادیاں مکروہ سمجھی گئیں" (تاریخ بخارا)۔ شیبانی نے مذہبی جوش میں بہہ کر صفوی بادشاہ کو خط لکھ کر نئے سرے سے اسلام لانے کی دعوت دی اور دھمکی دی اگر اس نے ایسا نہ کیا تو پھر قلعہ اصفہان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ شیبانی نے جو شاہِ ایران کو لکھا اس کی تحریر انتہائی زہریلی اور الفاظ ناشائستہ تھے' شیبانی نے یہ فرض کر لیا کہ اسلام صرف وہی ہے جس پر وہ خود کاربند ہے۔ عقل مند صفوی بادشاہ نے جواب دینے بجائے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ بالآخر خراسان میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو شیبانی بہادری سے لڑا مگر شکست کھائی۔ عقلمندی نے جوش کو ھرا دیا تھا۔ شیبانی لڑتا ہوا قتل ہوا۔ صفوی بادشاہ نے دشمن کی کھوپڑی پر سونا چڑھالیا اور اسے جامِ شراب کے طور استعمال تا تھا۔ اس جنگ کا ایک بہت اہم سیاسی اور جغرافیائی نتیجہ نکلا۔ شیبانی کے جانشینوں نے عافیت اس میں سمجھی کہ وہ جیحوں کے اس پار ایران کی الگ مملکت کا اقتدار یا دائرہ اثر تسلیم کر لیں دوسری طرف ایرانی بادشاہ کی ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ وہ ایسے علاقے اپنے پاس رکھے جہاں اکثریت سنیوں کی ہو۔ صفویوں نے اسلامی ایشیا کے اس علاقے میں نئی حد قائم کر کے اسے دو حصوں میں منقسم کر دیا اور دریائے جیحوں ایرانی اور تورانی تہذیب و ثقافت کے مابین حدِ فاصل بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد صفوی جرنیل نجم شان نے پچھلی فتح کے گھمنڈ میں خراسان سے فوج لے کر وسط ایشیا کے سنی علاقوں کو فتح کرنے کا عزم کیا لیکن اس مرتبہ ازبکوں نے اپنے علاقے میں ایرانیوں کو شکست دے کر ان کی ملک گیری کی امیدوں پر ہمیشہ کے لئے پانی پھیر دیا' بلکہ ازبک دستے اس کا تعاقب کرتے ہوئے خراسان میں گھس آئے۔ مغل شہزادہ مرزا بابر نے یہ دیکھ کر کہ صفوی حکومت محض مذہبی جوش کی بنا پر سنیوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو رہی ہے' ایرانی بادشاہ کے ساتھ اتحاد کو ترک کر دیا اور ہندوستان میں قسمت

Marfat.com

آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم فرقہ وارانہ چپقلش کی بنیاد پر مسلمان اس خطے میں اپنی توانیاں برابر ضائع کرتے رہے۔ تھوڑے عرصے بعد جب عبداللہ شیبانی وسط ایشیا کا حکمران ہوا تو یہ کشمکش پھر زور پکڑ گئی۔ ازبکوں نے خراسان کے مختلف شہر فتح کرتے ہوئے، ایرانی شہر مشہد کا محاصرہ کر لیا جو اہل تشیع کا مقدس ترین شہر ہے اور جہاں روضہ امام رضاؒ ہے۔ بے شمار لوگ حملے کے بعد امام رضا کے وسیع و عریض مزار کے احاطے میں جمع ہو گئے لیکن ازبکوں نے ان سب کو قتل کر دیا اور جو چیز سامنے آئی تباہ کر ڈالی۔ شہر کی گلیوں کے علاوہ مسجدوں کے صحن بھی بے گناہ شیعہ مسلمانوں کے خون سے لبریز ہو گئے۔ روضہ امام رضاؒ اور آل علیؓ کی دوسری قبروں کو بہت نقصان پہنچا۔ سونے چاندی کے بھاری فانوس' بیش قیمت پتھر' جواہرات' تبرکات اور سابقہ سلاطین کے تحفے جو مزاروں میں موجود تھے لوٹ لئے گئے۔ ان واقعات کو دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ وسط ایشیا کے علاقے میں مسلمان حکمرانوں (خواہ سنی ہوں یا شیعہ) نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری' آپس میں مذہبی تفرقہ بازی کے نام پر لڑ لڑ کر زخموں سے چور ہوئے تو پھر جب روسی ریچھ نے انہیں اپنے خونی پنجوں میں جکڑا تو اتنی طاقت باقی نہ تھی کہ مزاحمت یا دفاع کر سکتے۔ یہ سولھویں صدی کا وسط ایشیا تھا۔ عبداللہ شیبانی کے بعد مملکت میں انتشار رونما ہوا۔ اس کا بیٹا عبدالمومن انتہائی وحشی، ضدی اور سفاک تھا' بات بات پر قتل کر دیتا تھا' چھ ماہ کی حکومت کے بعد وہ قتل ہوا۔ اس کی جگہ جس شہزادے نے جانشین بننا تھا وہ بالکل الٹ تھا' انتہائی ڈرپوک اور زنانہ مزاج رکھتا تھا بلکہ عورتوں کی پوشاک پہنے رہتا۔ ایک اور شیبانی شہزادہ بھی حکمرانی کا امیدوار تھا اور وہ مستقل افیون کھانے سے فاترالعقل ہو چکا تھا۔ اس طرح خانہ جنگی کی حالت شروع ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ افیون اور شراب خوری کی عادت اس دور کے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں وبا کی طرح پھیل گئی تھی' کوئی گھر ایسا نہ تھا جو محفوظ ہو، قوموں پر زوال اسلحہ کی کمیابی یا خوراک کی قلت سے نہیں آتا بلکہ برائیوں کو بطور عادت اپنا لینے سے آتا ہے۔ اس کے بعد باہمی نفاق سے رہی سہی کسر پوری

Marfat.com

ہو جاتی ہے۔ شیبانیوں کے دور عروج میں سنی ازبکوں نے مشہد میں اہل تشیع کے مقدس مقامات کی شدید بے حرمتی کے علاوہ جو خونریزی اور سفاکی کی داستانیں رقم کیں وہ ان داستانوں سے کچھ ہی کم ہوں گی جنہیں بغداد کے حوالے سے تاتاریوں کو ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اہلِ ایران نے ان واقعات کو فراموش نہیں کیا تھا، وہ انتقام کے لئے مناسب وقت کے منتظر تھے۔ جیسے ہی شیبانی خاندان کے انحطاط پر وسط ایشیا میں انتشار پھیلا' ایران کے صفوی بادشاہ عباس نے نجومیوں کی پیش گوئی کی روشنی میں چالیس ہزار لشکر کے ساتھ جوابی کاروائی کی، اور خراسان میں ازبکوں کو شکستِ فاش سے ہمکنار کر کے انہیں ایرانی علاقے سے نکال باہر کیا اور انتقام میں دل کھول کر خونریزی کی۔ دوسری طرف قازقوں نے سمرقند وغیرہ علاقے شیبانیوں سے چھین لئے۔

اونٹ چرانے والوں کی خرمستیاں

شیبانیوں کے بعد ایک تاتار خاندان استراخان نے جیحوں (وسط ایشیا) کے علاقے میں حکومت قائم کر لی اور قریباً دو صدیوں تک اس علاقے میں اقتدار برقرار رکھا۔ استراخان یا استرخان دراصل اشتربان ہے جس کا مطلب ہے اونٹ چرانے والے لوگ۔ اس خاندان کے سرکردہ افراد شیبانی فوج میں افسر بن گئے تھے'۔ جب شیبانی حکومت کا خاتمہ ہوا اور خانہ جنگی پھیلی تو لوگوں نے استراخانی افسروں کی شاندار خدمات کی بنا پر انہیں حکومت طشتری میں رکھ کر پیش کی تھی۔ گزشتہ چند صدیوں سے خصوصاً تیرھویں صدی میں حملہ تاتار کے بعد وسطی ایشیا میں مسلمانوں میں جو اخلاقی زوال پیدا ہو گیا تھا اس میں حکمران خاندانوں کی تبدیلیوں کے باوجود کسی قسم کی کوئی اصلاح رونما نہیں ہوئی تھی' بلکہ اخلاقی بحران میں شدت آ گئی تھی۔ اس بحران کے ساتھ تنگ ذہنی' روایت پرستی' ضعیف الاعتقادی اور عقائد کے بگاڑ نے مسلمانوں کو تعطل اور جمود کا شکار بنا دیا تھا۔ استرخانی شہزادہ باقی خاں

Marfat.com

شدید بیمار ہوا تو ایک بزرگ شیخ عالم عزیزاں کی کرامتوں پر تکیہ کیا گیا کہ اس طرح مریض ٹھیک ہو جائے گا لیکن مریض مر گیا۔ شہزادہ ولی محمد خان شراب اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اس کے دور میں مجرموں کے سر ان کے کندھوں سے کھینچ کر نکالنے کی ظالمانہ سزا کا رواج پڑا۔ بعض مجرموں کو گرم تیل میں ڈال کر ہلاک کر دیا جاتا تھا یا زندہ کھال کھینچی جاتی تھی۔ شہزادہ امام قلی جسے بہت اچھا سمجھا جاتا تھا اسلام کے بارے میں عجیب و غریب خیالات رکھتا تھا اور اپنا وقت زیادہ تر شاعروں کے ساتھ گزارتا تھا۔ تاہم آخر میں دین کا رنگ بہت غالب آگیا تھا اکثر رات کو فقیروں کی گدڑی والا لباس پہن کر بخارا کی گلیوں میں گھومتا رہتا۔ اس سلسلے میں آج بھی وہاں کافی قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ حج کے لئے عرب گیا اور پھر وہیں مدینہ میں مستقل قیام کر لیا' واپس نہیں آیا۔ اس کا بھائی نذر محمد جانشین بنا' نذر محمد میں حکمران بننے کی صلاحیتیں نہ تھیں' البتہ خزانہ بہت تھا۔ روایت ہے کہ قارون کے برابر خزانہ جمع کیا تھا' اونٹوں کی چھ سو قطاریں خزانہ اٹھاتی تھیں۔ اس کے بیٹے عبدالعزیز نے باپ کے خلاف بغاوت کر کے بخارا پر قبضہ کیا۔ عبدالعزیز نے اپنے ایک بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد خانہ جنگیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ پریشان حال نذر محمد نے ایران کے شاہ عباس سے مدد طلب کی' یہ مدد بھی اس کے کام نہ آسکی اور وہ مایوس ہو کر مدینہ روانہ ہوا لیکن راستے میں مر گیا۔ وسط ایشیا مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ عبدالعویز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت موٹا تھا اور پاؤں اتنے بڑے تھے کہ اس کے جوتے کے ایک پاؤں میں تین چار سال کا بچہ سما سکتا تھا۔ ایک شاعر نے اس کے موٹے ہونے پر ہجو لکھی تو اسے دس ہزار دینار انعام دے کر کہا کہ اس نظم کو آئندہ کسی کے سامنے مت پڑھنا۔ عبدالعزیز بھی بھائیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر مدینہ چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ عبدالعزیز کے جانشینوں کی باہمی آویزش جاری رہی حتیٰ کہ اٹھارھویں صدی کے وسط کے قریب مشہور فاتح نادر شاہ نے ایران' افغانستان، اور ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد محض اپنی گھنی مونچھوں

Marfat.com

کو تاؤ دیتے ہوئے وسط ایشیا پر قبضہ کر لیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ جب نادر شاہ کی فوج بخارا کے باہر خیمہ زن ہوئی اور نادر شاہ نے اپنے وزیر کو آخری استر خانی شہزادہ ابو الفیضی کے پاس شہر بھیجا تاکہ اس کے ساتھ جنگ یا صلح کی بات چیت ہو تو اس وزیر نے استر خانی حکمران کو دربار میں لڑائی کے متعلق تدابیر کرتے ہوئے پانے کی بجائے، درویشوں اور صوفیوں کی ایک مجلس میں بیٹھا دیکھا جہاں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا حال بیان ہو رہا تھا۔ اس سے ملتے جلتے ماحول میں نادر شاہ نے دہلی کے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلے کو پایا تھا۔ قدرِ مشترک یہ تھی کہ دونوں اپنے سروں پر لٹکتی نادر شاہی تلوار سے غافل اپنے معمولات میں محو رہے۔ قصہ مختصر انتہائی ذلت آمیز شرائط پر استر خانیوں نے نادر شاہ سے صلح کی اور بہت سا خزانہ' وسیع علاقہ' حتیٰ کہ لڑکی کا رشتہ حوالے کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح نادر شاہ کا حملہ استر خانی خاندان کے خاتمے کا سبب بنا۔ اس دور میں جب دنیا انقلابات کی زد میں تھی' سلطنت عثمانیہ' ایران اور ہندوستان میں مستحکم حکومتیں قائم تھیں' روس اور یورپ ترقی کی راہیں تلاش کرنے میں مصروف تھے وسط ایشیا کے لوگ افیون اور حشیش کے نشے میں مست تھے' تصوف کا مطلب انفعالیت قرار پایا تھا' تحقیقاتِ علمی کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ جمود کا تسلط تھا۔ کسی بھی میدان میں صف اول کے انسان پیدا ہونا بند ہو چکے تھے۔ استر خانی دور میں وسط ایشیا چار مستقل ریاستوں خیوا' بخارا' فرغانہ' اور قازق میں تقسیم ہو گیا تھا" ان ریاستوں کے حکمران ہر وقت باہم دست و گریباں رہتے تھے۔ ان کی باہمی دشمنی و عناد اور سر پھٹول نے ترک مسلمانوں کی رہی سہی اجتماعی قوتیں بھی کمزور کر دیں۔ اتحاد ملی تو ایک زمانے سے حکمران خانوادوں اور آئے دن اٹھنے والے نئے نئے حوصلہ مندوں کی نذر ہو چکا تھا۔ مسلسل انتشار و افتراق اور باہمی تصادم سے سیاسی ناتوانی اور اخلاقی و تہذیبی ابتری نے جنم لیا' وہ شمال سے اٹھنے والے روسی سامراج کے خطرے سے بے نیاز اپنی قوتیں ضائع کرتے رہے۔"

(روس میں مسلمان قومیں۔۔۔ آباد شاہ پوری)

Marfat.com

اٹھارھویں صدی کے اختتام سے پہلے استرخانی خاندان کی جگہ ایک اور ازبک خاندان منگت' خاندان وسط ایشیا کے نقشے پر ابھرا' منگت منگولیا کے شمال مشرقی علاقے سے چنگیز خان کے ساتھ وسط ایشیا میں وارد ہوئے تھے اور شاہی فوج میں شامل ہوتے رہے' بعد میں بخارا کے قریب آباد ہو گئے۔ اس قبیلے کے اثر کا یہاں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آخری استرخانی حکمران ابوالفیضی کے دربار میں وزیر رحیم بے' کلی اختیارات کا مالک تھا اور وہ منگت تھا۔ "بے" کا لاحقہ آگے چل کر "بیگ" میں تبدیل ہوا اور اکثر منگت شہزادے اپنے نام کے ساتھ بیگ لکھتے تھے۔ چنانچہ وزارت سے منگت بادشاہت تک جا پہنچے۔ اس خاندان کے پہلے حکمران امیر معصوم نے محض جنگ جوئی کے شوق میں ایران پر حملہ کیا اور ایران کے شمال مشرقی علاقے میں زبردست تباہی برپا کی، ایران سے قیدی شیعہ مسلمانوں کو غلام بنا کر بخارا لایا گیا۔ روایت ہے کہ بخارا کی بردہ فروشی کی منڈی میں غلاموں کی اتنی کثرت ہوئی کہ ایک صحت مند شیعہ جوان کی قیمت چند ٹنکے رہ گئی تھی۔ بخارا کے اس ظالم حکمران نے بارہ سال تک ایران میں اپنے ہم مذہبوں کے خون سے ہولی کھیلی حالانکہ شمال سے روسی ریچھ برابر وسط ایشیا کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ ایران کے بادشاہ آغا محمد خان نے امیر معصوم کو لکھا بھی کہ بخارا والوں کو جیحوں عبور کر کے ایران کے پرانے اور تسلیم شدہ علاقوں پر قابض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایران ہرگز وسط ایشیا کی تورانی سرحد عبور کرنا نہیں چاہتا' لیکن امیر معصوم نے اس مشورہ پر توجہ نہ دی۔ اِدھر ایران کی پتلی حالت دیکھ کر روس کی ملکہ کتھیرائن نے حملہ کر دیا اور ایران کو بادلِ نخواستہ قفقاز میں آذربائیجان اور بحیرہ کیسپین کے آس پاس کا بہت سا علاقہ روس کے حوالے کرنا پڑا اور یہ سب کچھ مسلمان حکمرانوں کی آپس میں سر پھٹول سے ہوا۔ ایک طرف بخارا کا امیر معصوم مسجد میں باقاعدہ حاضر نہ ہونے والوں کو موت کی سزا دے رہا تھا' اپنی پگڑی میں مٹی کے ڈھیلے نہ رکھنے والوں کو کوڑے مارتا تھا، تمباکو پینے والوں کو بھی سزائیں دیتا تھا دوسری طرف ایران سے اسی ہزار شیعہ مسلمانوں کو قید کر کے بخارا میں

Marfat.com

غلاموں کی منڈی میں بیچ ڈالا اور افغانستان کے حکمرانوں کے ساتھ بھی تمام معاہدوں کو بالائے طاق رکھ کر لڑائیاں لڑیں۔ ساتھ ہی خیوا اور قوقند کی ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ بھی بر سر پیکار رہا۔ منافقت کا یہ عالم تھا کہ خود خیمہ میں رہتا، اونٹ کے بالوں سے بنی پوشاک پہنتا۔ معمولی اور گندے برتنوں میں کھانا کھاتا جبکہ فوجی افسروں کو کھلی اجازت تھی کہ ریشم پہنیں اور سونے چاندی کے برتن استعمال کریں۔

قربِ قیامت کے نقیب ننگِ دیں حکمران

امیر معصوم کا جانشین امیر سعید عجیب و غریب عادات رکھتا تھا۔ دانشمندی سے عاری تھا' اسے اس بات پر بڑا فخر تھا کہ ملک میں سب سے لمبی داڑھی اس کی ہے "اس نے فوجی مہموں پر ریاستی خزانہ لٹایا، علاوہ ازیں حرم کو عورتوں سے بھر لیا اور بے تحاشا خرچ اس مد میں کیا" (کیمبرج ہسٹری آف اسلام) خیوا کا حکمران مار امار کرتے ہوئے بخارا کے دروازہ پر دستک دے رہا تھا۔ کسی نے امیر سعید سے کہا دشمن آ پہنچا ہے' کچھ فکر کریں اس نے ترکی زبان میں کہا " آخیر رغستان اباں در"(کیا فرق پڑتا ہے ہمارا محل تو ابھی دور ہے۔)۔ ایک طرف رات بھر علما کی مجلسوں میں بیٹھ کر شریعت کے مسائل سنا کرتا' دوسری طرف جب ذاتی فائدہ نظر آتا کسی اصول پر عمل نہ کرتا۔ اپنے محل میں ہمسایہ ریاست کے ایک امیر شاہ زمان کو پناہ دی' اس کی خوبصورت بیٹی دیکھی تو نیت خراب ہو گئی اور اسے حرم میں پہنچادیا۔ شاہ زمان نے شکایت کی تو اسے قتل کرادیا۔ تاریخ بخارا کا مصنف لکھتا ہے "بخارا میں اخلاقی حالت پہلے بری تھی لیکن منگت خاندان کے عہد میں بدتر اور خوفناک ہو گئی ایک طرف شراب اور تمباکو کی مخالفت کی جاری تھی تو اس سے زیادہ مضر چیز یعنی افیون کا استعمال زیادہ عام ہو گیا" (تاریخ بخارا) اسی دور میں وسط ایشیا میں لواطت کی وبا بہت زیادہ پھیلی۔ مورخوں نے درد اور دکھ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے اس علاقے میں زوال کا ایک

Marfat.com

سبب یہ تھا کہ وہ قوم لوط کے فعل کے بہت زیادہ عادی ہو گئے تھے۔ امیر سعید کا جانشین امیر نصر اللہ بڑے بھائی کو قتل کر کے حکمران بنا، یعنی حکومت کا آغاز ہی برادر کشی اور دجل سے کیا۔ تاریخ بخارا کا مصنف آرمینیس ویمبرے لکھتا ہے ''اس وقت بخارا کے معاشرے کی جو حالت تھی اس کا آپ اس طرح اندازہ لگائیں کہ وہ لوگ بے انتہا ریاکاری، جہالت' بے رحمی اور بداخلاقی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ مکاری' بے عقلی' غرور' تکبر' آوارہ مزاجی' مذہبی تعصب اور دیگر قابلِ نفرت برائیوں کا عکس نصر اللہ کے کردار کے قوام میں بھی دیکھا جا سکتا تھا'' بڑے بھائی کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس نے تخت کے ممکنہ دعویدار دو اور بھائیوں کو بھی دھوکے سے قتل کیا اور چونتیس سال تک طویل حکومت کر کے دنیا کو دکھایا کہ اسلامی ایشیا کا ایک شہزادہ ظلم و بربریت کی تمام حدوں کو کیسے پھلانگ سکتا ہے۔ جن امراء نے حکمرانی کے حصول میں اس کی مدد کی تھی سب سے پہلے اس نے انہی پر اپنے وحشی پنجے آزمائے۔ اپنی خون آشام فطرت کو تسکین دینے کے لئے اس نے ایک ترکمان معصوم بروی کو کوتوال مقرر کیا' کوتوال کے ساتھ ساتھ وہ نصر اللہ کا وزیر بھی تھا۔ لوگوں پر جاسوس مقرر کئے گئے جو اس شخص کو باخبر رکھتے تھے۔ اتنی احتیاط کی کہ ریاکار ملاؤں کو نہ چھیڑا جن کے فتوے اس کے لئے عموماً مددگار ثابت ہوتے۔ جس شخص کی بیوی یا مال پر قبضہ کرنا ہوتا اسے ملک اور اسلام کا سرکش قرار دے کر گرفتار کر لیا جاتا اور پھر اس شخص کا کہیں سراغ نہ ملتا۔ ان بادشاہی مجرموں کو ہولناک زیرِ زمین قید خانہ میں ڈال دیا جاتا جسے ''سیاہ چاہ'' کہا جاتا تھا۔ اس میں بے شمار کیڑے مکوڑے اور ڈسنے والے حشرات ہوتے تھے۔ مظلوم لوگوں کو بلند دیواروں اور برجوں سے نیچے گرایا جاتا' زندہ کھالیں کھچوائی جاتیں یا تنور میں ڈالا جاتا۔ ادھر ''امیر المومنین'' صاحب خوفِ خدا سے بے نیاز ہر قسم کی عشرت اور سیاہ کاریوں میں غرق رہتے۔ ایک طرف یہ فسق و فجور اور جور ستم، دوسری طرف اس کے دماغ میں دنیا کا فاتح اعظم بننے کا سودا سمایا تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہمسایہ مسلمان ریاستوں

Marfat.com

پر بار بار حملے کئے' شہر سبز کا قلعہ اس کے لئے مسلسل چیلنج رہا اور اس نے وہاں بے شمار مسلمانوں کا خون بہایا۔ اسی طرح اس نے قوقند (ترکستان کا مشرقی علاقہ) پر بار بار حملے کئے حالانکہ وہاں محمد علی خان جیسا بہادر اور سلیم الطبع شہزادہ حکمران تھا۔ کئی بار کی کوشش اور جنگ کے بعد اس نے قوقند پر قبضہ کر لیا اور محمد علی خان اور اس کے خاندان کے افراد (اس کی حاملہ بیوی سمیت) کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ نصر اللہ کی سب سے ناقابل معافی حرکت یہ تھی کہ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ روس اپنی سرحدیں وسط ایشیا کی طرف وسیع کرنے میں مصروف تھا اور خیوا پر دباؤ ڈال رہا تھا (جو اس کے راستے میں حائل ہونے والی پہلی اسلامی ریاست تھی)' خیوا پر حملہ کر دیا۔ تاریخ بخارا کا فرنگی مصنف لکھتا ہے

"نصر اللہ ہمیشہ اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں کا جانی دشمن رہا جو جیحوں کے زیریں حصے میں آباد تھے۔ بخارا میں بیس ہزار سے زائد قیدی کراہ رہے تھے جو زیادہ تر ایرانی تھے' گاہ گاہ شکستوں کے باوجود نصر اللہ خود کو شہنشاہی جاہ و جلال کا مالک سمجھتا رہا' اس کی یہ حماقت مضحکہ خیز تھی اس لئے اسے باہر کی دنیا کا کوئی علم نہ تھا' کاش وہ جان لیتا کہ شمال کی طرف سے ایک بڑی طاقت کا سایہ وقت گزرنے کے ساتھ اور لمبا ہو جائے گا اور اس کے جانشینوں کے مستقبل کو تاریک بنا دے گا۔"

نصر اللہ کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے دربار میں سفیروں کو قتل کرا دیتا تھا۔ انگریز ایلچی آرتھر کنالی کو پہلے قید میں رکھا پھر قتل کر دیا۔ ایک اور غیر ملکی ایلچی آرلینڈو کو اس بات پر قتل کر دیا کہ وہ شاہی محل کی دیوار والی گھڑی (جو کسی وجہ سے رک گئی تھی) درست کر کے چلانے میں ناکام رہا تھا۔ جب انگریزوں سے شکست کھا کر افغانستان کا امیر دوست محمد خان اپنے خاندان کے ساتھ پناہ لینے بخارا آیا تو امیر نصر اللہ امیر کابل کے چودہ سالہ لڑکے پر فریفتہ ہو گیا اور آدابِ میزبانی کو بالائے طاق رکھ کر اس نے باپ سے بیٹے کو تسکینِ نفس کے لئے مانگ لیا۔ کون سا باپ ہو گا جو بیٹے کو اس مقصد کے لئے کسی کے حوالے

Marfat.com

کرے ! دوست محمد خان نے اپنے بچے کو بچانے کے لئے بخارا سے راہِ فرار اختیار کی لیکن نصر اللہ نے تعاقب کر کے لڑکے اور اس کے بھائی کو پکڑ لیا' دوست محمد خان بمشکل تمام اس کے پنجوں سے نکل سکا۔ بخارا میں ہر فرد خوف سے لرزہ براندام رہتا تھا' ماں باپ دیکھتے رہ جاتے تھے اور ان کے لڑکے اور لڑکیاں ان کے روبرو اٹھوالی جاتی تھیں اور شاہی حرم میں شیطانی جذبے کی تسکین کے لئے لے جائی جاتی تھیں، کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ بادشاہ اپنی رعیّت سے وہ سلوک کر رہا تھا جو ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ سے کرتا ہے۔ معمولی شک وشبہ پر سزائے موت دی جاتی تھی۔ 1860ء میں چونتیس سال حکومت کرنے کے بعد وہ فوت ہو رہا تھا، نزع طاری تھی کہ کسی نے اسے خبر سنائی کہ شہر سبز کا قلعہ فتح ہو گیا' زبان جواب دے چکی تھی اشارہ کیا کہ وہ خون دیکھنا چاہتا ہے' حکم دیا کہ برادرِ نسبتی اور اس کے سب بچوں کو مار ڈالا جائے فوری طور پر اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکتی تھی، اس لئے برادرِ نسبتی کی بہن یعنی اپنی بیوی کو بلایا جو اس کے دو بچوں کی ماں تھی' وہ کانپ اٹھی لیکن ظالم کو حالتِ مرگ میں بھی رحم نہ آیا اور اپنی بجھتی ہوئی آنکھوں کے سامنے اسے قتل کرا دیا اور ساتھ ہی اس کی اپنی جان بھی نکل گئی!

روسی قدموں کی چاپ

امیر نصر اللہ کے بعد اس کا بیٹا مظفر الدین بخارا کا امیر بنا۔ اسی کے دور میں جانشینی کے چھ سات بعد روس نے وسط ایشیا کے بڑے حصے پر قبضہ مکمل کر لیا۔ اس وقت تمام وسط ایشیا شدید ترین تہذیبی اور سیاسی ابتری کی لپیٹ میں تھا۔ فرغانہ، قوقند، بخارا اور خیوا کے خوانین (امرا) خود کو فاتح کہلانے کے شوق میں ایک دوسرے کے شہروں اور علاقوں پر حملے کرتے اور بے گناہ عورتوں اور مردوں کو مارتے اور غلام بناتے۔ قپچاقوں نے قوقند میں ادھم مچا رکھا تھا' وہاں مظفر الدین نے فوج کشی کر کے کٹھ پتلی خدایار خان کو حکمران بنا دیا جو بعد میں

Marfat.com

روسی فوج کے سامنے روک تھام میں ناکام رہا۔ وسط ایشیا کے مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی یہاں سے ظاہر ہوتی ہے کہ ترکی کے عثمانی خلیفہ نے خیوا، بخارا اور قوقند کے سفیروں کو جو وہاں برسوں سے مقیم تھے' بلا کر (روس کے ساتھ اپنی صدیوں کی کشمکش کی روشنی میں) یہ مشورہ دیا کہ وہ واپس جا کر اپنے حکمرانوں کو مشورہ دیں کہ اپنے اسلامی ملکوں کی آزادی بچانے کی فکر کریں اور آپس میں متفقہ اقدامات کریں، لیکن کسی ریاست نے کوئی قدم نہ اٹھایا بلکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور روس کے سامنے سرخرو ہونے میں لگے رہے۔ بخارا کے حکمران کو اپنا دشمن مغرب میں خیوا اور مشرق میں قوقند کی ریاست نظر آتی تھی۔ اگر روسی خطرے کی طرف بخارا کے حکمرانوں اور مسلمانوں کی توجہ دلائی جاتی تو وہ کہتے کہ ان کی روحانی طاقت کی وجہ سے کوئی ان پر غالب نہیں آسکتا۔ جبکہ ان کی روحانی طاقت صرف مزار پرستی تھی۔ دوسری طرف وسط ایشیا کی ریاستوں کے حکمرانوں کی بدکرداریوں کے باعث دنیا میں کوئی ان کا ہمدرد باقی نہ رہا تھا' ایرانی شیعہ باشندوں کے ساتھ بخارا کی غلاموں اور لونڈیوں کی منڈی میں جو کچھ کیا جاتا تھا' ایران کس طرح آڑے وقت میں مظفر الدین کی مدد کرتا یا خیوا کے خان کے لئے اپنے لشکر بھیجتا۔ عثمانی ترکوں نے بار بار انہیں متحد ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن کسی نے کان نہیں دھرا تھا' افغانستان خانہ جنگی کا شکار تھا اسے اپنے گھر میں بہت کام تھا' اس کے علاوہ امیر دوست محمد اور اس کے بیٹوں کے ساتھ مظفر الدین کے باپ نے "مہمان نوازی" کا جو سلوک کیا تھا وہ افغانستان کے لوگوں کو بھولا نہیں تھا۔ جہاں تک ترکستان (کاشغر وغیرہ) قوقند، خیوا، بخارا وغیرہ کا تعلق تھا وہ آپس میں "اتحاد" کے لفظ سے ہی "الرجک" تھے۔ تاریخ بخارا کا مصنف لکھتا ہے کہ جب روس نے جیحوں پار کر کے وسط ایشیا کے جنوبی علاقے پر قبضہ کیا تو ایران میں خوشی کا اظہار کیا گیا کیونکہ اب اس کی ہمسائیگی بخارا اور خیوا کے "وحشی" ازبکوں اور ترکمانوں کی بجائے روس جیسے "مربی" کے ساتھ ہو گئی تھی۔ امیر بخارا پر سرکاری خزانہ اور خصوصاً بیت المال میں خرد برد اور بھاری خیانت کے الزامات بازاروں اور گلیوں میں

Marfat.com

دہرائے جاتے تھے۔ راہ چلتی عورتیں اُسے گالیاں دیتی تھیں اور لعنت ملامت کرتیں۔ روسی عقاب کے حملے کو نزدیک دیکھ کر جدید ہتھیاروں کی فراہمی اور فوجی تربیت کی بجائے عوام و خواص بخارا و سمرقند کے بزرگوں کی قبروں کی طرف رجوع کرنے لگے اور ترکِ دنیا میں عافیت ڈھونڈتے تھے۔ بھلا اجتماعی بے عملی اور بے کرداری کا خانقاہ نشینی اور چلہ کشیوں سے علاج کبھی ہوا ہے؟ بزدلی کی انتہا یہ تھی کہ بخارا و سمرقند کے قریب دریائے زرفشاں کے کنارے روسی فوج اور ازبک لشکر کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی، ازبکوں کی تعداد چھ گناہ زیادہ تھی پھر بھی پیٹھ دکھا کر فرار ہوگئے اور تمام اسلحہ وساز و سامان روسی فوج کے لئے چھوڑ گئے۔ خیوا' بخارا اور قوقند وغیرہ وسطی ایشیائی ریاستوں کے حکمران عثمانی ترکوں کے ہاتھوں جنگ کریمیا میں روسی فوج کی شرمناک شکست کا بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اجتماعی اخلاقی انحطاط' فکری' علمی اور تہذیبی جمود' غداروں کی کثرت' جہالت' قومی و ملی مفاد سے بے خبری اور سب سے بڑھ کر آپس میں کبھی ختم نہ ہونے والی نااتفاقی وکشمکش ایسے گناہ تھے جن کی سزا قوموں کو ہمیشہ موقع پر دے دی جاتی ہے' قدرت ان گناہوں کو کبھی معاف نہیں کرتی' چنانچہ قفقاز' شمالی ایشیا اور وسط ایشیا میں مسلمانوں پر سولھویں صدی سے بیسویں صدی عیسوی تک روسی ریچھ کے خونیں پنجوں میں آنے کے بعد جو کچھ گزری وہ انہی گناہوں کا نتیجہ تھا۔

Marfat.com

باب۔9

وسطی ایشیائی مسلمان روسی چکی میں !

روس۔ کیچوے سے اژدھے تک

انیسویں صدی کے خاتمے سے پہلے پہلے روس جو (1917ء کے انقلاب کے بعد سوویٹ یونین کہلایا اور آج کل پھر وہی روس ہے) قفقاز' سائبیریا وغیرہ سمیت مسلمانوں کے وسیع علاقے ہڑپ کرنے کے بعد وسط ایشیا کے مرغزاروں میں بھی اپنے خونی پنجے گاڑ چکا تھا۔ جو کچھ روس نے مسلمانوں کے ساتھ کیا' جس طرح ان کی نسل مارنے کی انتھک اور کامیاب کوشش کی، چنگیز' ہلاکو اور الفانسو بھی شاید اس حد تک نہیں گئے ہوں گے۔ دنیا روس کی بے پایاں وسعت اور بے لگام طاقت سے لرزاں براندام رہی ہے۔ تاتاریوں جیسی کسی کے قابو نہ آنے والی قوموں پر کمند ڈالنا کٹھن کام تھا، روس نے یہ کام کر دکھایا۔ آخر یہ روس کیا چیز تھا؟

روس کی اصلیت اور مصنوعیت کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے، اتنا سر چکرا دینے والا فرق ہے کہ حقائق کا ادراک انسان کو پریشان کر دیتا ہے۔ وہ روس جو بطور سوویٹ یونین 1990ء میں' پوری دنیا کے چھٹے حصے کو ڈھانپ رہا تھا، ریاستہائے متحدہ امریکہ سے تین گنا بڑا تھا' جس کے انتہائی مغربی سرے سے انتہائی مشرقی سرے تک دس ہزار کلو میٹر کا طویل فاصلہ حائل تھا اور شمال سے جنوب تک ساڑھے چھ ہزار کلو میٹر چوڑا تھا' جس کی مشرقی سرحد پر صبح ہوتی تو' مغربی سرحد پر شام ہو رہی ہوتی تھی، جس کی شیطان کی آنت کی طرح لمبی سرحدیں بارہ ممالک سے ملتی تھیں' جس کے ساحلوں کو بارہ سمندر چومتے تھے' جہاں انسانی نسلوں کی بوقلمونی سب سے زیادہ تھی، وہ عظیم روس آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال قبل موجودہ دارالحکومت ماسکو اور اردگرد کے چند میلوں پر مشتمل علاقے تک محدود، ایک ادنی سی

Marfat.com

سرداری یا جاگیر تھی اور طاقتور ہمسایوں کو باقاعدہ باج ادا کر کے اپنی بقا کا بندوبست کیا کرتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ جاگیر وسیع ہونا شروع ہوئی، پھر بھی کم از کم دوڈھائی صدیوں تک اس کا رقبہ چند ہزار مربع میل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس ریاست کا نام صدیوں تک مسکووی (Muscovi) رہا۔ جب چنگیز خان اور اس کے بعد تیمور نے حملہ کیا' تب بھی یہ ریاست "مسکووی" ہی کہلاتی تھی۔ اس کی توسیع ہمسایہ ترک' مغل اور مسلمان ریاستوں پر جبر و جفا اور دجل و فریب کے ذریعے قبضہ سے ہوئی۔ ڈاکٹر محمد حمید اپنی فاضلانہ تصنیف "سائبیریا تا افغانستان" میں لکھتے ہیں: "اپنے آغاز سے ہی روسی مملکت ایک عسکری ریاست تھی۔ اس معاشرے میں علاقائی پھیلاؤ اور فوجی مہموں کی ضرورت تھی تاکہ فوجی سرداروں کے طبقے کو ان کی خدمات کے عوض زمین دی جا سکے جن کا سب سے بڑا شغل سرکاری ملازمت اور جنگ جوئی تھا نہ کہ کاشتکاری" روسی حکمرانوں کی پالیسی یہ تھی کہ عوام کو مستقل طور پر جنگوں میں مصروف رکھا جائے تاکہ ان کی توجہ حکمرانوں کی بجائے دشمنوں کے خطرے کی طرف رہے۔ دوسروں کے علاقوں اور شہروں پر قبضہ کرنے کا ان کا معروف طریقہ یہ تھا کہ وہ شہریوں کو متواتر محاصرے میں رکھ کر بھوک پیاس اور اشیائے ضرورت و رسد کی عدم دستیابی کے تحت ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرتے۔ اس سلسلے میں جبر و تشدد اور فریب کاری کے طریقے بھی استعمال کیے جاتے۔ بعض اوقات وہ اپنے دشمن کو پسپائی کا غلط تاثر دے کر اپنے علاقے کے سخت سرد اندرونی حصوں میں آنے دیتے اور اس کے بعد عقب سے حملہ آور ہوتے۔ اس طرح روسیوں کو دباؤ کے وقت فرار ہونے میں بھی آسانی رہتی۔ جب ایک دفعہ وہ ایک علاقہ فتح کر لیتے تو تیمور اور ہلاکو کی طرح واپس نہیں چلے جاتے تھے' بلکہ مفتوحہ علاقے میں مقامی لوگوں کے عین درمیان روسی باشندوں کو آباد کرتے تاکہ مستقبل میں بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ان روسی باشندوں کو مقامی لوگوں کی جاسوسی اور نگرانی کے کام پر بھی لگایا جاتا۔

Marfat.com

شراب اور خنزیر کا انتخاب' اسلام مسترد!

روس کے متعلق ایک حیران کن حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام عیسائیت سے پہلے پہنچا۔ اس کے باوجود روسیوں نے اسلام کو نہ مانا۔ روس میں اسلام کا پیغام آٹھویں صدی عیسوی میں پہنچ چکا تھا۔ اس وقت ولاڈی میر روس کا حکمران تھا۔ شروع شروع میں وہ بھی عام ملکی باشندوں کی طرح بہت سے خداؤں کا پجاری تھا۔ ہمسایہ ریاست کیف (موجودہ یوکرائن) پر قبضے اور حکومت کا جشن اس نے ایک ہزار آدمیوں کو اپنے خداؤں کی قربان گاہ پر ذبح کر کے منایا تھا۔ بلغار اور دریائے والگا کے وسطی علاقے میں مسلمان مبلّغین کی سرگرمیاں عرصے سے جاری تھیں۔ دوسری طرف کیف کی جانب سے (جہاں عیسائیت رائج ہو چکی تھی) دینِ مسیحیت کے اثرات روسی علاقے کا رخ کر رہے تھے۔ بت پرستی کے قدیم مذہب پر قائم رہنا وقت کے بہاؤ کے مخالف چلنے والی بات تھی۔ روسیوں کے لئے تاریخی موقع تھا کہ وہ اسلام اور عیسائیت میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ مورخ لکھتا ہے کہ ولاڈی میر کے سامنے اسلام اور عیسائیت دونوں کی خصوصیات ان مذاہب کے نمائندوں نے پیش کیں۔ ولاڈی میر کو سور اور شراب پر اسلام کی بندش پسند نہ آئی' اس نے کہا "ہم روسی لوگ شراب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے" کہتے ہیں کہ یہود کا دین بھی روسی حکمران کے سامنے پیش کیا گیا لیکن انہی وجوہ کی بنا پر اور خصوصاً یہ دیکھ کر کہ یہودی اس وقت دربدر ٹھوکریں کھا رہے تھے، دین موسوی کو بھی رد کر دیا۔ اب صرف عیسائیت میدان میں رہ گئی تھی جس کی دو بڑی شاخیں، رومن کیتھولک جس کا سربراہ روم کا پاپائے اعظم تھا' یہ تھا کلیسائے مغرب' دوسری شاخ یونانی آرتھوڈاکس چرچ کہلاتی تھی یہ تھی عیسائیت کی مشرقی شاخ جس کا مرکز بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ (استنبول) تھا۔ کہتے ہیں کہ روسی حکمران نے روم اور قسطنطنیہ میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ وہاں

Marfat.com

ان دونوں فرقوں کی عبادات و مذہبی رسوم کا جائزہ لیں۔ ان کی رپورٹوں کے مطابق رومن کیتھولک چرچ کی عبادت اور مذہبی زبان مشکل اور غیر دل چسپ تھی، جبکہ یونانی چرچ (قسطنطنیہ) کے طریقے خوبصورت اور دل کش تھے چنانچہ روسی حکمران ولاڈی میر نے کسی تذبذب کے بغیر یونانی کلیساوالی عیسائیت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی اعلان کر جاری کیا کہ تمام رعیت اس کی تقلید کرے۔ دارالحکومت کے لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اگلے روز صبح سویرے دریائے ماسکو کے کنارے پہنچ جائیں اور اس کے پانی اور پادریوں کے بابرکت ہاتھوں سے سب لوگ بپتسمہ لیں: ''جو شخص ایسا نہ کرے گا، خواہ وہ امیر ہو یا غریب میری نظروں سے گر جائے گا'' اس کے ساتھ ہی، سب سے بڑے روسی دیوتا ''پیرون'' کا مجسمہ اٹھا کر توڑ ڈالا گیا اور اس کے بعد دریابرد کر دیا گیا۔ دوسرے دیوتاؤں کے مجسموں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا گیا۔ مشرقی قسطنطینی کلیسا روس کا سرکاری مذہب ٹھہرا۔ اس فرقہ سے تعلق کی وجہ سے روس نے آنے والی صدیوں میں یورپ کے ساتھ تعلقات میں سرگرمی نہیں دکھائی کیونکہ یورپ' کلیسائے روم کے تابع تھا۔ اس کا ایک خطرناک نفسیاتی و مذہبی پہلو یہ تھا کہ پندرھویں صدی میں جب عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے بازنطینی و یونانی چرچ کے اس مرکز پر قبضہ کر لیا تو روس نے (جس کے دل کے تار قسطنطنیہ سے جڑے ہوئے تھے) عثمانی ترکوں اور مسلمانوں کے خلاف گرہ دل میں بٹھالی' بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یورپ اور روس کے عیسائی فرقوں کے نمائندے مل بیٹھے اور یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح یورپ کے جنوب میں اسلامی مرکز اندلس کو ختم کر کے اس طرف سے یورپ کو محفوظ و مامون کر دیا گیا ہے' یورپ کے مشرق میں مقدس مشن (یعنی اس طرف اسلامی خطرے کو ملیامیٹ کرنے کا مشن) روس پورا کرے۔ ''یورپ کے مشرقی کنارے پر روس کی پوزیشن کا عام طور پر مغربی سمت میں سپین کی پوزیشن سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ دونوں کو دشمن دنیائے اسلام کے آمنے سامنے کھڑے عیسائیت کے مضبوط قلعے سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

ایک تہذیب جو بربریت کے مقابل ہے۔ روس نے کئی صدیوں کی زبردست جدوجہد میں خود کو تھکا کر بیدم کر دیا لیکن یہ قربانی رائیگان نہیں گئی، کیونکہ یورپ بچ گیا اور روس کے ذریعے محفوظ رہ کر اپنی چمکتی دمکتی تہذیب کو پروان چڑھاتا رہا، تاہم اس رضاکارانہ قربانی کی قیمت بہت بھاری تھی' کیونکہ اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لئے اور بالآخر ایشیائی "وحشیوں" کو زیر تسلط لانے کے لئے' مسکووی کو ان کے طریقے اختیار کرنے پڑے' جیسے تشدد' مطلق العنانیت' غلامی اور آزادی کا فقدان"۔ (اسلامک تھریٹ ٹو سوویٹ یونین۔ الیگزنیڈر بینگسن) یہ نظریہ یورپی مورخین کا ہے کہ روس کے سپرد (اس کے عیسائیت اختیار کرنے کے بعد) یہ کام کیا گیا تھا کہ یورپ کے مشرق میں عیسائی دنیا کو اسلام کے خطرے سے بچانے کے لئے وہ اسلام کے خلاف جارحانہ پالیسی اپنائے رکھے اور اس پالیسی میں ہرگز نرمی پیدا نہ ہونے دے۔ آنے والے وقتوں میں اس نظریہ کی صداقت بالکل واضح ہو گئی۔ لیکن مسلمانوں کو کبھی شک نہ گزرا کہ روس اس پالیسی پر کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل کر رہا ہے۔ اس پالیسی پر عمل کرنے میں روس نے تاریخی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا' جب حالات سازگار نہ ہوتے پیچھے ہٹتا، جب موقع پیدا ہوتا آگے بڑھتا۔

روس اور مسلمانوں کے درمیان تعلق کی تاریخ دل چسپ ہے' بلکہ کہا جاتا ہے کہ روس کی تاریخ پر مسلم عنصر چھایا ہے۔ سب سے پہلا وہ دور تھا جب مسلمان بالواسطہ روس پر حکومت کرتے تھے۔ یہ اس طرح ہوا کہ چنگیز خان کا لشکرِ زرین روسی علاقے کا فاتح تھا اور چودھویں و پندرھویں صدیوں میں ریاست مسکووی کو باجگزار بنائے رکھا' اس لشکر کے منگول حکمران و سردار مسلمان ہو گئے تھے۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں ایک قسم کا توازن پیدا ہوا' بلکہ روسیوں نے قازان اور استراخان کی مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں روس نے اپنے آس پاس کے تمام مسلمان علاقوں پر قبضہ کر کے بالادستی قائم کر لی۔ اس طرح روس وہ کچھ بن گیا جو اب ہے، بلکہ آج سے کہیں بڑا ملک

Marfat.com

تھا جب تک اس کا نام سوویٹ یونین تھا، جبکہ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہ تھا۔ آیئے' دیکھیں مسلمان بستیوں پر روسی عفریت نے کیسے پنجے گاڑے۔

مسلمان عرصۂ محشر میں

دنیا میں ایسی تبدیلیاں ہوئیں کہ حاکم محکوم بن گئے۔ دراصل یہ تبدیلیاں اندر سے رونما ہوتی ہیں لیکن قومیں بیرونی اسباب کو ذمہ دار ٹھہراتی ہیں۔ اس علاقے میں مسلمانوں پر پہلا حادثہ 1552ء میں گزرا جب روسیوں نے مسلمانوں کی ریاست قازان پر قبضہ کیا حالانکہ تھوڑا عرصہ پہلے وہ قازان کے منگول حکمرانوں کو خراج ادا کیا کرتے تھے۔ یہ علاقہ آج تک روس کے پاس ہے' مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا وہاں نام و نشان باقی نہیں۔ یہ بہت وسیع علاقہ تھا جو شمال میں روس کے ہاتھ آیا۔ مورخ حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے پاس پندرھویں صدی میں زبردست طاقت موجود تھی اور مسکووی کی چھوٹی سے ریاست نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا تھا تو انھوں نے اِس سنپولیے کا سر اُسی وقت کیوں نہ کچلا؟ جواب میں اسکے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں کے اعمال کی شامت تھی کہ ایسا ہوا اور بالآخر روس محض ایک کیڑے سے بہت بڑا اور خونخوار سانپ بن گیا۔ روس کی تاریخ میں آئیوان سوم کا دورِ حکومت (1462ء تا 1505ء) ایک انقلابی خود اعتمادی کا نقطۂ آغاز تصور ہوتا ہے'۔ اس کے دور میں یہ ہوا کہ تیرہ سو مربع کلو میٹر والی معمولی جاگیر یا ریاست 39 ہزار کلو میٹر (مربع) تک وسیع ہو گئی۔ آئیوان سوم (جسے آئیوان اعظم بھی کہا جاتا ہے) کے عہد میں مخصوص روسی ثقافت' زندگی اور رسم ورواج کے خطوط بھی واضح ہو گئے۔ اُسی نے سب سے پہلے خود کو "زار" کہلوانا شروع کیا' "زار" دراصل قیصر یا سیزر (بمعنی شاہنشاہ) کا مترادف ہے' آئیوان سوم نے مشرقی بازنطینی کلیسا کے چیمپئن کا خطاب بھی حاصل کیا کیونکہ قسطنطنیہ ترکوں کے قبضے میں آچکا تھا'

Marfat.com

اُسی کے دور میں روس میں کمیروں (Serfdom) کا نظام رائج ہوا' یہ وہ کسان تھے جو جاگیروں پر مستقل کام کرتے تھے اور انہیں کسی قسم کی آزادی حاصل نہ ہوتی تھی۔ یہ رسوائے زمانہ سسٹم سوشلسٹ انقلاب تک موجود تھا۔ روس میں جارحانہ توسیعی پالیسی کا آغاز آئیوان چہارم (1533ء تا 1584ء) کے زمانے میں ہوا۔ ابھی وہ تین سال کا بچہ تھا جب روس کے تخت پر بیٹھا۔ اسے آئیوان وحشتناک" (Ivon. the terrible) بھی کہا جاتا ہے۔ لڑکا تھا تو جانوروں کو اذیت دیتا اور انہیں محل کی چھت سے نیچے گرا کر ہلاک کرنا اُس کا مشغلہ تھا۔ سترہ سال کی عمر میں جب اُسکے سر پر تاج رکھ کر کاروبارِ سلطنت کی ذمہ واریاں سپرد کی گئیں تو اُس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ملک بھر سے سینکڑوں دوشیزاؤں کو (جو ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت تھیں) جمع کر کے اپنے سامنے پہلے ان کی "پریڈ" کرائی اور ایک لڑکی کو پسند کر کے چھانٹ لیا اور شادی کی۔ آئیوان چہارم نے رعیت کو دہشت زدہ رکھا' اپنے وزیروں مشیروں کو شوق پورا کرنے کے لئے پھانسی دے دیتا تھا' حتیٰ کہ اپنے بیٹے کو اس لئے قتل کیا کہ بہو اچھے کپڑے پہننے کا شعور نہیں رکھتی تھی۔ آئیوان چہارم کی دہشتناکی اور وحشت کا بدترین مظاہرہ مفتوحہ علاقوں میں ہوا' شاید اسی لئے تاریخ دان اُسے "وحشی" کا خطاب دیتے ہیں' مسلمانوں کو اُسکے ساتھ معاملہ کرنے میں بہت غلطی لگی جس کی سزا اُن علاقوں اور نواح کے مسلمانوں نے آنے والی صدیوں میں برداشت کی۔ قازان پر قبضے سے پہلے بلکہ بعد میں بھی' کریمیا' سائبیریا اور استراخان کے خوانین یہ سمجھتے رہے کہ آئیوان بھی اُن جیسا ایک خان (منگول) ہے اور اختلافِ مذہب کے سوا اُس کے اور اُن کے درمیان کوئی فرق نہیں' انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ زارِ روس (آئیوان) محض ملک گیری کا شوق پورا کرنے کے لئے مہم جوئی کر رہا ہے اور اسلام کو اُس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اسی لئے قازان کے خلاف زار کی مہم یکسوئی سے جاری رہی' کسی مسلمان ریاست' حتیٰ کہ سلطنتِ عثمانیہ نے بھی' اس عظیم خطرے کے خلاف قازان کی مدد نہ کی۔

Marfat.com

چنانچہ سولھویں صدی کے وسط میں روس قازان کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر کے نہ صرف وسط ایشیا اور سائبیریا کو جانے والے فوجی اور تجارتی راستوں پر بیٹھ گیا بلکہ مفتوحہ علاقے کی زمینوں اور معدنی و قدرتی وسائل کے حاصل ہو جانے سے اُسکی معاشی اور سیاسی حالت مضبوط ہو گئی اور وہ مزید اسلامی علاقوں پر زیادہ توانائی کے ساتھ چڑھائی کے قابل ہو گیا۔ اگر قازان پر قبضہ نہ ہوتا تو روس کے لئے بحیرہ کیسپیئن اور دوسری طرف سائبیریا کی طرف پیش قدمی کا راستہ کبھی نہ کھلتا۔ چار سال بعد استراخان جو مسلمان تاتاری ریاستوں میں کمزور ترین تھی، پکے ہوئے پھل کی طرح روس کی جھولی میں تھی۔ اسکے بعد سائبیریا کی باری آئی، کریمیا کے تاتاروں نے روس کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن قریبی ریاست "نوگے لشکر" نے زار روس کی مدد کی جو علاقے کی طاقتور ترین مملکت تھی، یوں سائبیریا بھی 1584ء میں روسی عفریت کے پیٹ میں چلا گیا اور اب تک ہے۔ چنگیز خانی لشکروں نے روس پر قبضے کے دوران جس شدید سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ مفتوحہ رعیت کو دبا کر رکھا تھا، روسی زاروں نے خود مختاری حاصل کرنے کے بعد وہی انداز اپنائے، بلکہ تاتاریوں سے کہیں زیادہ وحشی ثابت ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے قبضہ کے بعد جو سلوک کیا اُس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی پرانی عداوت اور دشمنی کا انتقام لے رہے ہیں۔ روسی زار (آئیوان چہارم) نے اپنے لشکروں کو عام اذن دے رکھا تھا کہ قبضے کے بعد آبادیوں کو جلا دیا جائے، تمام مردوں اور بچوں کو یا قتل کر دیا جائے یا غلام بنا کر روسی جاگیروں پر زندگی بھر مفت کام کرنے اور مشقت کے لئے بھیج دیا جائے۔ اِن مواقع پر گھروں کو لوٹ لیا جاتا، خون ریزی کا مشغلہ جاری رہتا، عورتوں کی آبروریزی سرِ عام کی جاتی۔ آبروریزی کے بعد عورتوں کو قتل کر کے اُن کی لاشیں سڑنے کے لئے باہر پھینک دی جاتیں۔ یہ زمانہ کریمیا کے مسلمان تاتاروں کے عروج کا زمانہ تھا، روس نے کریمیا پر لشکر کشی کی جرأت تو نہ کی البتہ اسکے گرد گھیرا تنگ کر لیا۔ اگر کریمیا کی ریاست کو علانیہ و خفیہ عثمانی ترکوں کی حمایت و مدد حاصل

Marfat.com

نہ ہوتی تو شاید روس سولھویں صدی میں اسکے ساتھ بھی دو دو ہاتھ کر لیتا۔ البتہ اس دوران کریمیا نے دوبار براہِ راست ماسکو پر حملے کیے۔ پہلے حملے میں کریمیائی تاتاروں نے شاہی محل تک جلا ڈالا۔ شہر میں خوب خونریزی کی اور ایک لاکھ روسیوں کو قیدی بنا کر لے گئے' البتہ اُن کا دوسرا حملہ ناکام رہا۔ اگر یہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو ایشیا کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔ قازان اور استراخان پر روسی قبضہ اس لئے ممکن ہوا تھا کہ اُس وقت کی تین بڑی تاتار خانی ریاستیں یعنی قازان' استراخان اور کریمیا آپس میں لڑ رہی تھیں' حتیٰ کہ وہ بعض اوقات لڑتے لڑتے روس کے دروازوں تک آ پہنچتے۔ آئیوان چہارم ان ریاستوں کے حالات پر گہری نظر رکھے ہوا تھا اُن کی باہمی مخاصمت سے فائدہ اٹھا کر روس قازان اور استراخان پر چڑھ دوڑا۔ قازان کی ریاست روسی توسیع پسندی کے عزائم کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ تھی' اب روس کے لئے جنوب اور مشرق کی سمت پیش قدمی کا راستہ صاف تھا۔ چنانچہ اگلی تین صدیوں تک منگولوں کی آتش و خون کی روایات کے امین روسی حکمرانوں کی تلواریں مسلمانوں کے خون سے سیراب ہوتی رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں یورپ کے اُن یہودیوں نے روسیوں کی بہت مدد کی جنہیں روسیوں نے جدید ہتھیاروں اور خصوصاً بارود کی تیاری کے لئے اپنے ہاں بلایا تھا' یہ یہودی مدینہ اور خیبر سے اپنے اخراج کو نہیں بھولے تھے' بہر حال یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پرانے اور روایتی اسلحہ کے مقابلے میں نئے اسلحہ اور خصوصاً بارود کے استعمال سے روسیوں کو کم از کم حربی فوقیت ضرور حاصل ہوئی اور وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں آ گئے۔ روایات یہ بھی ہیں کہ آئیوان چہارم کو وحشی بنانے والے یہودی طبیب تھے' انہوں نے روسی حکمران کو ایسی ایسی گولیاں کھلائیں کہ اُس کا دماغ فتور کا شکار ہوا' اُسکے دماغ میں وحشت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت داخل کرنے والے یہودی تھے' واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

مسلم سائبیریا روسی پنجوں میں کیسے آیا؟

سائبیریا پر روسی قبضہ تاریخ اسلام کی ایک اور عبرت ہے۔ قازان کی تسخیر کے بعد سائبیریا کی طرف رسائی کا دروازہ کھل چکا تھا۔ سولھویں صدی میں سائبیریا کا وسیع و عریض علاقہ دو تاتاری خانوں ، سلطان کشم خان اور سلطان یادیگر کے درمیان میدانِ جنگ بنا ہوا تھا۔ کبھی ایک کامیاب ہوتا، کبھی دوسرا، سائبیریا پشمینہ، پوستین و فرو غیرہ کی پیداوار کے لئے شہرت رکھتا تھا۔

"فر" کی یورپ بھر کے شاہی خاندانوں میں مانگ تھی، اس کی منہ مانگی قیمت دی جاتی تھی۔ روسی حکمرانوں نے سائبیریا کے حکمرانوں سے طے کر رکھا تھا کہ وہ انہیں تجارتی راہداری فراہم کرنے کے عوض معقول مقدار میں تحائف دیں گے جن میں فر اور سیبل لازماً ہوں۔ ہوا یہ کہ کشم خان نے یادیگر اور اس کے بیٹے کو شکست دے کے کر ہلاک کر دیا تو روسیوں کے کان کھڑے ہوئے' روسیوں کو فکر لاحق ہوئی کہ پورے سائبیریا کی حکومت ایک حکمران کے پاس آجانے سے وہ تحائف کی وصولی اپنی من پسند شرائط پر نہیں کر سکیں گے۔ شاید یہی زعمِ فتح مندی تھا کہ یادیگر کی ہلاکت کے بعد کشم خان نے روسی حکمران کو معمول کے مطابق تحائف نہیں بھیجے' جس پر اسے یاد دہانی کا خط بھیجا گیا۔ اس خط کے جواب میں کشم خان نے زار روس کو لکھا: " اللہ اکبر۔ یہ خط ایک آزاد اور خود مختار بادشاہ کشم کی طرف سے عظیم اور عادل زار کی طرف لکھا جا رہا ہے۔۔ پہلے میں آپ کو اس لئے خط نہ لکھ سکا کہ میں اپنے دشمن کے خلاف جنگ میں مصروف تھا' لیکن اب ہم نے اُسے قابو کر لیا ہے۔ اگر کوئی ہم سے پرامن رہنا چاہتا ہے تو ہم پرامن رہیں گے' لیکن اگر کوئی لڑنا چاہتا ہے تو ہم لڑیں گے۔ ہم آپ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے ہیں بشرطیکہ آپ صرف امن چاہتے ہوں" زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط ایک ایسے شخص کا تھا جو احمقانہ جرأت کو جرأت مومنانہ خیال کر رہا تھا۔

Marfat.com

اسی حماقت کی طرف کشم کی توجہ دلاتے ہوئے بخارا کے سلطان نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسرے مسلمان شہزادوں کے ساتھ جنگ بازی نہ کرے، لیکن کشم نے اس نصیحت کو بہرے کانوں سے سنا۔ بخارا کے امیر عبداللہ نے اسے لکھا تھا۔ "اس وقت ہمارے دین کے مخالف (روسی) کافر ہیں۔۔ تمہیں مقامی ایشیائی سرداروں کے ساتھ صلح کر لینی چاہئے اور اپنے علاقے کافروں کے غاصبانہ چنگل سے واپس لینے چاہیں، اگر تم نے ہوش کے ناخن نہ لئے اور موجودہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو کفار کے مقابل بے دست و پا ہو کر رہ جاؤ گے" (حوالہ: "روس میں مسلمان قومیں"۔ آباد شاہ پوری) کشم خان نے اس کے بعد زار روس کی طرف تحائف بھیجے لیکن دیر ہو چکی تھی۔ روس نے ایک تاجر سڑاگانوف کو سائبیریا کا بڑا علاقہ تجارتی و صنعتی فوائد کے لئے برائے نام شرائط پر عطا کر دیا۔ ان شرائط میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ سائبیریا میں اپنی پرائیویٹ فوج بھیجے گا اور اس علاقے کو زار روس کے ماتحت لے آئے گا۔ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو پھر قدرتی حالات بھی مخالف ہو جاتے ہیں۔ سڑاگانوف نے قازقوں پر مشتمل کرائے کی مختصر سی فوج تیار کی جس کا کام زیادہ تر لوٹ مار کرنا اور چھپ کر حملہ کرنا تھا۔ اس فوج کا لیڈر یرماک تھا، کم تعداد ہونے کے باوجود اس فوج کو یہ برتری حاصل تھی کہ اسلحہ جدید تھا، بارود بھی وافر موجود تھا۔ قصہ مختصر کرائے کی یہ فوج آرال عبور کر کے دریائے تورا کے کنارے پہنچی جہاں سے سائبیریا کے عظیم سلطان کشم کی حکومت شروع ہوتی تھی۔ یہاں سے یہ فوج آگے بڑھی، ایک مقام پر جنگل میں یرماک کے ساتھ طاؤسن کی ملاقات ہوئی جو کشم کی فوجوں کا لیڈر تھا، یرماک نے اس کی بہت آؤ بھگت کی، جدید بارودی ہتھیاروں کا مظاہرہ کر کے دکھایا اور یہ تاثر دیا کہ پیچھے سے اُن کی چالیس گنا زیادہ بڑی فوج آ رہی ہے۔ طاؤسن کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ہمت ہار بیٹھا، تاہم کشم، اس کے بھتیجے محمد گل اور بیٹے اشیم (ہاشم) نے جنگ جاری رکھی، کئی بار قازق روسی لشکر کو پریشان کر کے پسپائی پر مجبور کیا لیکن دشمن کو برابر کمک ملتی رہی جبکہ کشم کی

Marfat.com

ساتھی اسے چھوڑ کے چلے گئے، خصوصاً اس کی باجگزار تاتاری نوابیوں نے روسیوں کا پلہ بھاری دیکھ کر اپنی وفاداریاں تبدیل کر لیں۔ اس کے باوجود کشم خان اور اس کے بیٹے ہاشم خان نے اپنی جدو جہد جاری رکھی لیکن حالات ان کے بس سے باہر ہو چکے تھے۔ آخری شکست سے پہلے انہوں نے قازق سپہ سالار یرماک سے بھرپور انتقام لیا، وہ بھاگا اور دریا میں ڈوب کر مرا۔ 1598ء میں کشم کو مکمل شکست ہو گئی وہ بھاگ کر نوگایاس چلا گیا جہاں دو سال بعد اسے سازش سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھتیجے محمد گل کو روسی پکڑ کر ماسکو لے گئے' بیٹے ہاشم خان نے کالموکوں کی مدد سے جنگ جاری رکھی لیکن بالآخر ناکامی ہوئی کیونکہ روسی اپنے قدم سائبیریا میں جما چکے تھے، اپنی استعماری اور نوآبادیاتی پالیسی کے مطابق روسیوں نے آتے ہی سائبیریا میں اپنے قلعے تعمیر کیے۔ تومن کے مقام پر پہلی نوآبادی قائم کی' پھر ٹوبولسک کا شہر بسایا جہاں سائبیریا کے لئے روسی گورنر کی رہائش ہوتی تھی تاتاری آبادی خصوصاً مسلمان آبادی کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لئے روس سے لوگوں کو لے جا کر آباد کیا گیا۔ اس طرح سائبیریا کا اسلامی تشخص ہی مٹا دیا گیا۔ اگر سائبیریا آزاد اسلامی ملک کے طور پر باقی رہتا تو رقبے میں وہ سب سے بڑا مسلمان ملک ہوتا۔ سائبیریا کی وسعت کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ اس کا رقبہ ایک کروڑ مربع کلو میٹر ہے اور مشرق سے مغرب تک لمبائی سات ہزار کلو میٹر ہے۔ روس کی بیشتر معدنیات، کوئلہ، معدنی تیل اور سونا سائبیریا سے حاصل ہوتا ہے' درحقیقت سائبیریا دولت کی کان تھی جس پر روس نے سولھویں صدی کے خاتمے پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ یوں اسلامی دنیا قدرتی وسائل کے ایک عظیم ذریعے سے بھی محروم ہو گئی۔ لیکن جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری مجموعی طور پر امتِ مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ آج سائبیریا کے کسی حصے سے موذن کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جیسے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے انگریزوں نے قبضہ کیا بالکل اسی طرح سائبیریا پر روس نے ایک تجارتی کمپنی کے ذریعے قبضہ کیا۔

Marfat.com

مزید مسلم علاقے روس کے پیٹ میں

سائبیریا پر قبضہ کے بعد روس کچھ مدت کے لئے پر سکون ہو گیا، لیکن پیٹر اعظم (1672ء تا 1725ء) کے عہد میں اس کے معدے میں پھر دوسروں کی زمینوں کو ہضم کرنے کے مروڑ شروع ہو گئے، شاید قازان، استراخان اور سائبیریا اب تک اس کے پیٹ میں ہضم ہو گئے تھے' یہاں سرِ راہے ایک بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جہانِ عیسائیت خواہ کوئی وجہ جواز پیش کرے لیکن حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے، حقیقت ہے کہ عیسائی یورپی ممالک اور روس کی سیاسی تاریخ میں ان تمام بادشاہوں اور حکمرانوں "عظیم الشان" یا "بہادر" وغیرہ قسم کے خطابات سے یاد کیا جاتا ہے جو اپنے زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ وجدل یا ایذا رسانی میں مشہور ہوئے' اس ایک بات سے مغربی ممالک کے نام نہاد "لبرل ازم" و "مذہبی رواداری" و بے تعصبی کا پول کھل جاتا ہے "آیوان اعظم" "آیوان۔ خوفناک" "رچرڈ۔ شیر دل" پیٹر اعظم" وغیرہ اسی قسم کے حکمران تھے جنہوں نے مسلمانوں کو شدید زخم لگائے۔ روس کا "پیٹر اعظم" عمر بھر عثمانی ترکوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کرتا رہا۔ وہ سترھویں صدی کے اخیر میں روس کا زار بنا۔ ذہنی اور جسمانی طور پر غیر معمولی آدمی تھا سات فٹ لمبا قد، طاقت میں تنہا کئی افراد کے برابر وہ مسلسل متحرک رہتا، کم از کم بیس قسم کے پیشے اور ہنر جانتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے معتوب درباریوں کے دانت اکھیڑ لیتا اور داڑھیاں جلدِ سے الگ کر لیتا۔ ترکوں کو شکست دینے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بلقان کی ریاستوں کو عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کے لئے بار بار اکسایا' وہاں اپنے مشن بھیجے لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ان ناکامیوں کے بعد پیٹر اعظم نے ایران کو دبانے کی کوشش کی کیونکہ ایران نسبتاً کمزور ملک تھا اس کے علاوہ اس طرح قفقاز پر قبضہ بھی ممکن ہو سکتا تھا۔ بادلِ نخواستہ ایران نے اپنے شمالی صوبوں آرمینیا اور جارجیا

Marfat.com

علاوہ آذربائیجان کا ایک حصہ روس کے حوالے کر دیا۔ تاہم پیٹر کی جانشین ملکہ این نے یہ صوبے ایک بار ایران کو واپس کر دیئے کیونکہ وہاں روسی فوجوں کے قیام سے روسی معیشیت پر بہت بوجھ پڑ رہا تھا اور اسے لگاتار بغاوتوں کا بھی سامنا تھا۔ اب روس کی نظریں کریمیا پر لگی تھیں، کریمیا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا میں جنت کا نمونہ ہے۔ انتہائی نرم و معتدل و صحت بخش آب و ہوا، پھولوں پھلوں کی فراوانی اور خوبصورت مناظر۔ یہ ریاست عثمانی ترکوں کے اقتدار کو تسلیم کرتی تھی اگرچہ بڑی حد تک خود مختار تھی۔ بحیرہ اسود میں اس جزیرہ نما تاتار ریاست پر قبضے کا یہ فائدہ تھا کہ روس اوپر کی طرف سے سلطنتِ عثمانیہ کو گھیرے میں لینے کی پوزیشن میں آجاتا، اس کے علاوہ بے شمار اقتصادی فوائد الگ حاصل ہوتے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کریمیا پر قبضہ روسی ملکہ "کیتھرائن" کے وقت میں ہوا۔ کیتھرائن کو بھی روسی تاریخوں میں "کیتھرائن اعظم" (کیتھرائن دی گریٹ) لکھا جاتا ہے اس لئے کہ عثمانی ترکوں اور تاتاری مسلمانوں کے خلاف اس نے بے رحمانہ جنگیں لڑیں اور کامیابی حاصل کی۔ لشکرِ زرّیں کی تیمور کے ہاتھوں تباہی کے بعد ایشیا کے طول و عرض سے تاتاریوں نے کریمیا میں پناہ لی تھی اور وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کی تھی۔ یہ تاتاری مسلمان جنگجو تھے اور عثمانی حکومت روس کو کبھی کبھار مزا چکھانے کے لئے انہی لوگوں سے اس پر حملہ کرا دیتی تھی۔ عثمانی خلافت میں فوجوں کی بھرتی بھی زیادہ تر اسی علاقے سے ہوتی تھی، لیکن عثمانی خلافت اٹھارھویں صدی میں کمزور ہو گئی تو روس نے کریمیا کے خلاف مہم شروع کی۔ کریمیا میں اب پرانا دم خم باقی نہیں تھا، تاتاری شہری زندگی کی سہولتوں کے عادی ہو کر شجاعت کھو بیٹھے تھے۔ پھولوں اور پھلوں کی کاشت میں اتنی ترقی کی تھی کہ یورپ کے لوگ انہیں دیکھنے آتے تھے، خوشحالی، مادہ پرستی اور مادہ پرستی بے دینی کی طرف لے گئی تھی۔ 1771ء میں روسی فوج نے کریمیا پر حملہ کر دیا، عثمانی ترکوں نے روسیوں کا مقابلہ کیا لیکن روسی فوجیں آگے بڑھتی رہیں، روسی جس شہر کو فتح کرتے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے۔ مثلاً صرف ایک شہر کا

Marfat.com

رواسو بازار میں تیس ہزار مسلمان شہید کئے گئے' غالباً یہی شہر کی کل آبادی تھی۔ 1774ء میں روس نے عثمانی حکومت سے یہ بات تسلیم کروالی کہ کریمیا ایک آزاد مملکت ہوگی 'لیکن یہ محض ایک بہانہ تھا اس ملک پر قبضے کا۔ فوراً بعد روسیوں نے کریمیا میں مداخلت شروع کر دی' لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانے لگا' تنگ آکر کریمیا کے تاتاریوں نے روسیوں پر جوابی حملے کئے' روس کو یہی بہانہ درکار تھا' اس نے 1783ء میں پورے ملک پر جبراً قبضہ کر لیا۔ قبضے کے ساتھ ہی روس نے کریمیا کو "روسی" بنانے کے منصوبے پر کام شروع کیا تاکہ تاتاروں کی جنگی روح اور اسلامی حمیّت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے روس کے دور دراز علاقوں سے عیسائی کسانوں کو تاتاریوں کی جگہ آباد کیا گیا' تاتاری کسانوں سے ان کی زمینیں چھین لی گئیں' کریمیا کی آدھی آبادی اس ظلم و جبر کے طوفان سے تنگ آکر ترکیہ کی طرف ہجرت کر گئی اور ان کی جگہ روسی آ گئے۔ جن مقامی باشندوں نے مزاحمت کی انہیں یا تو سائبیریا بھیج دیا گیا یا غلام بنا کر روسی زمینداروں کی جاگیروں پر بھیجا گیا یا قتل کیا گیا۔ یوں کریمیا کے تاتاریوں کے لئے ان کا اپنا ملک بیگانہ ملک بن گیا۔

کریمیا پر قبضے سے ذرا پہلے اٹھارھویں صدی میں قازق مسلمانوں کے علاقے پر بھی ہاتھ صاف کیا گیا۔ یہ وسیع و عریض علاقہ ارال سے شروع ہو کر سائبیریا کے پاس سے گزرتا ہوا وسط ایشیا تک چلا جاتا ہے' اس میں وسیع چراگاہیں (سٹیپ کے میدان) اور مرغزار اور وادیاں ہیں' مسلمان قازق قبائل اپنے مویشیوں کے گلے لے کر اس وسیع علاقے میں گھومتے تھے' علاقہ چار چنگیز خانی لشکروں میں بٹا ہوا تھا اور وہ آپس میں لڑا کرتے تھے۔ روسیوں کی نگاہ اس وسیع قطعۂ ارض پر لگی تھی لیکن معقول موقع میسّر نہیں آرہا تھا کہ پیش قدمی کی جائے۔ ہوا یہ کہ کچھ عرصے سے بدھ جنگاریوں نے اس علاقے میں لوٹ مار اور تاخت و تاراج شروع کر رکھی تھی' چونکہ روسی سائبیریا تک پہنچ چکے تھے اس لئے قازقوں نے ان سے مدد کی درخواست کی' یہ درخواست قبول کی گئی اور روسیوں نے آگے بڑھ کر

Marfat.com

قازق علاقوں پر قبضہ شروع کیا۔ ڈوبتے اور کمبل والا معاملہ ہو گیا۔ روسیوں نے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اور راستے میں استحکام کے لئے قلعے تعمیر کرتے گئے' پہلا قلعہ 1716ء میں ومسک کے مقام پر تعمیر کیا گیا، بالآخر سٹیپوں کے عین مرکز اور چینی سرحد کے ساتھ ساتھ قلعے تعمیر کر لئے گئے، اس کے بعد روسیوں نے براہِ راست ماسکو سے حکومت شروع کر دی۔ بالآخر جب قازقوں کو اپنی نادانی کا احساس ہوا تو کھیت چڑیاں چگ چکی تھیں۔ قازق علاقے میں بھی روسیوں نے مقامی ثقافت و تشخص کو مٹانے کے لئے پرانے استعماری ہتھکنڈے استعمال کئے' روس کے اندرونی علاقوں سے لاتعداد کسانوں کو لا کر وہاں آباد کیا گیا اور قازق زمینداروں سے زمینیں چھین لی گئیں۔ مزاحمت کرنے والوں کو جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔

کوہ قاف والوں کا حشر!

قفقاز میں اسلامی اقتدار روسی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا تھا۔ یہ پہاڑی لوگ بڑے ہی بہادر ہوتے تھے۔ ایران کی سرحد تک رسائی کے لئے قفقاز سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ سولھویں صدی کے آخر سے روس نے قفقاز میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ابتدا میں سرحد کے پاس قلعہ بندیاں کیں' لیکن مسلمانوں نے روسیوں کی جنگی مہموں کو ناکام بنا دیا' عثمانی ترکوں کی حمایت بھی انہیں حاصل رہی جس کی وجہ سے روس کا منصوبہ جلدی پورا نہ ہو سکا۔ بالآخر یہ موقع اٹھارھویں صدی کے آخر میں روس کو ملا جب جنگ کریمیا کے بعد عثمانی سلطنت کمزور ہو گئی تھی۔ 1783ء میں، کریمیا کی مہم سے فارغ ہوتے ہی روسیوں نے شمالی قفقاز پر دھاوا بول دیا لیکن توقع کے برعکس انہیں اس علاقے میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات تاریخ میں ایک عجوبے سے کم نہیں کہ قفقاز میں پوری ایک صدی تک جن لوگوں نے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس بے پناہ روسی فوج کی پیش قدمی روکے رکھی وہ بے سروساماں مجاہد نقشبندی سلسلے کے مرید تھے۔ چنانچہ اس چھوٹے سے علاقہ کو فتح کرنے کے لئے روسی

Marfat.com

حکومت کو بے شمار وسائل اور لاتعداد افرادی قوت کی قربانی دینی پڑی۔ یہ داغستان، انگشتیا اور چیچنیا کے مسلمان علاقے تھے جن کا رقبہ اور آبادی بہت کم لیکن ہمتیں بہت زیادہ تھیں۔ 1828ء تک داغستان کے سوا تمام "ٹرانس کاکیشیا" روس کے قبضے میں آچکا تھا، 1864ء میں داغستان کی تحریک مزاحمت بھی دم توڑ گئی اور یہ تمام علاقہ روسی عفریت کے پیٹ میں تھا۔ قفقاز کے اسلامی علاقے میں روسیوں کو جن ہوشربا نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، اور جس قدر تباہی ہوئی، اسے یاد کرتے ہوئے روس کے عسکری مورخ جنرل قادییف نے لکھا تھا "کوہستان قفقاز کے (مسلمان) باشندوں کے ساتھ جنگ میں ہمیں اتنے بڑے لشکر سے ہاتھ دھونا پڑے جو ہندوستان سے جاپان تک پھیلے ہوئے علاقے کو مسخر کرنے لئے کافی ہوتا" (حوالہ: "روس میں مسلمان قومیں" آباد شاہ پوری) قفقاز میں روسی استعمار کے خلاف جدوجہد کی قیادت نقشبندی سلسلے کی تحریک "مریدیہ" نے کی۔ دراصل یہ ایک روحانی تحریک تھی لیکن روسیوں کے ظلم و ستم اور عزائم کے خلاف منظم مزاحمت کے لئے ایک جہادی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔ قریب قریب ایک صدی تک تحریک مریدیہ نے روسیوں کو زچ کئے رکھا۔ شیخ منصور، غازی محمد، حمزہ بک اور امام شامل اس تحریک کے عظیم رہنما تھے، امام شامل بہت بڑے عالم بھی تھے، تصوف میں وقت کے قطب تھے۔ انہوں نے مجاہدین کی قیادت کا حق ادا کیا، بیرونی امداد کے فقدان اور بے سروسامانی کے باوجود انہوں نے پچیس سال تک روسیوں کی نیندیں حرام کئے رکھیں۔ ہیبت اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ روسی ان کا نام سن کر فرار ہو جاتے تھے، تاہم زارِ روس ہر قیمت پر داغستان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ روس دولاکھ سے زائد فوج بیک وقت اس علاقے میں بھیجتا رہا۔ یہ تعداد اس فوج سے زیادہ تھی جو روس نے بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں افغانستان میں بھیجی تھی۔ روسی فوج کی قیادت بہترین جرنیل کرتے رہے، اس کے باوجود امام شامل نے بار بار اسے شکست دی، اس پر روس نے بوکھلا کر مسلمانوں کی آبادیوں اور بستیوں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کیا، سیکڑوں دیہات ملیامیٹ کر

Marfat.com

یے گئے۔ اس کے باوجود مجاہدین نے ہمت نہ ہاری۔ ایک وقت آیا کہ امام شامل ؒ کے پاس بہت تھوڑے لوگ باقی رہ گئے۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ قفقاز کے جنوب میں ایران نے مجاہدین کی مدد کرنے کی بجائے روسیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ مصنفین الیگزینڈر بینگسن اور میری براکسپ نے اپنی فاضلانہ کتاب "سوویٹ ریاست کیلئے اسلامی خطرہ" میں یہاں تک لکھا ہے کہ قفقاز کے علاقے میں روسی مداخلت اور جارحیت کی مہم میں ایران باقاعدہ روس کا ایک اتحادی بنا ہوا تھا اور اس کی وجہ ترکوں کے خلاف ایران کی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب فقہی اختلاف تھا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اس نازک وقت میں جب ملت اسلامیہ کو قفقاز میں بدترین حالات کا سامنا تھا اور آزادی خطرے میں تھی' ایران و بخارا و خیوا سمیت کسی نے آنے والے نازک وقت کا احساس نہ کیا اور وسط ایشیا اور کوہستان قفقاز کے ملک یکے بعد دیگرے روسی قبضے میں چلے گئے۔ علاوہ ازیں غداران ملت نے بھی امام شامل ؒ کی تحریک مزاحمت کو شدید نقصان پہنچایا۔ مسلمان قوم میں غداروں کی ہمیشہ کثرت رہی ہے' جب امام شامل ؒ اور ان کے ساتھی مجاہد ملک کی آزادی کے لئے زندگی و موت کی جنگ لڑ رہے تھے' یہ غدار' روسیوں سے ان کے ٹھکانوں اور منصوبوں کی مخبری کرتے اور یوں اس تحریکِ جہاد کو آخری برسوں میں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا، جن دیہات میں مجاہدین کی موجودگی کا شک ہوتا روسی انہیں جلا کر راکھ کر دیتے۔

آذربائیجان کا شمالی علاقہ پیٹر اعظم کے زمانے میں روس نے ایران سے چھین لیا لیکن نپولین کے حملوں کے دباؤ اور دیگر حالات کے باعث تھوڑا عرصہ بعد روس نے یہ علاقہ ایران کو لوٹا دیا۔ تاہم انیسویں صدی کے آغاز میں روس کی نیت میں پھر فتور پیدا ہوا' پہلے تو روس نے ان علاقوں کے حکمرانوں کو "مکمل آزادی" کے سبز باغ دکھائے اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی' مسلمانوں کے اندر شیعہ۔ سنی تنازعہ کو ہوا دینے کے لئے پراپیگنڈا کیا' اس کے بعد آہستہ آہستہ (قفقاز کی مہموں سے فراغت حاصل ہوتے ہی) آگے بڑھنا شروع

Marfat.com

کیا۔آذربائیجان کے باشندوں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن اُن کا باہمی اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا' ایران مین دم خم باقی نہ تھا، بلکہ ایران نے خود روس کو صلح کی پیشکش کی۔ 1828ء میں روس نے " کمال شفقت" کا مظاہرہ کرتے ہوئے آذربائیجان کا جنوبی حصہ (مذہباً شیعہ علاقہ) ایران کو بخش دیا اور باقی پر خود قبضہ کر لیا۔ یوں روس گرم پانیوں کے بہت ہی قریب پہنچ گیا۔ یہی روس کا پرانا خواب تھا جو پورا ہونے والا تھا!

وسطِ ایشیا کے مرغزاروں کی طرف روسی پیش قدمی

اب وسطی ایشیا کی ریاستیں خیوا، قوقند (فرغانہ) اور بخارا باقی رہ گئی تھیں۔ قفقاز اور آذربائیجان سے فارغ ہو کر روس نے دنیائے اسلام کے ان بہترین علاقوں کی طرف توجہ کی وسطِ ایشیا کے مرغزاروں پر قبضہ روس کا چار سو سال پرانا خواب تھا جسکی تعبیر اب قریب معلوم ہوتی تھی۔ اِن علاقوں پر قبضے کا مطلب اسلام کی روحانی طاقت کے قلعہ پر قبضہ تھا اور اسکے بعد شمالی و وسطی ایشیا کے مسلمان روحانی و ثقافتی طور پر اپنی جڑ سے کٹ جاتے۔ یہی روس کا حقیقی مقصد تھا' یہی وہ مشن تھا جو دنیائے مغرب (یورپ) نے سقوطِ غرناطہ کے بعد روس کے ذمہ لگایا تھا۔

گزشتہ باب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ وسطی ایشیا میں شدید اخلاقی و تہذیبی انحطاط کے علاوہ افتراق و انتشار کی جو حالت انیسویں صدی میں رونما ہوئی اسکی ذمہ داری حکمرانوں اور عوام پر عاید ہوتی تھی۔ قازقستان (ترکستان) کے بعد روسی لشکر قدم بڑھاتے بڑھاتے دریائے یجوں کے دائیں کنارے تک آ پہنچے تھے۔ مفتوحہ قازقستان سے غیر مطمئن قازقوں کے قبیلے روسی لشکروں سے آگے آگے بخارا اور خیوا کی طرف ہٹتے گئے۔ اِن "مہاجرین" کی آمد نے خیوا اور بخارا کے درمیان کشیدگی پیدا کی۔ ایک طرف روس اژدہا بن کر اِن ریاستوں کی سرحدوں پر پھنکار رہا تھا دوسری طرف انجام اور عاقبت سے سراسر بے نیاز یہ ریاستیں آپس میں

Marfat.com

لڑمرنے میں مصروف تھیں۔ ایران کا رویہ خاصا مبہم تھا' ایران کو ماضی کے وہ خونیں واقعات یاد تھے جب بخارا کے سنی حکمرانوں نے مشہد مقدس میں روضہ امام رضا میں پناہ گزیں ہزاروں زائرین کے خون سے ہاتھ رنگے تھے' لہذا ایران کی طرف سے کسی قسم کی مدد کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا' افغانستان میں خانہ جنگی کی لہر تھی' عثمانیہ سلطنت کو کریمیا اور قفقاز پر قبضے کے بعد وسط ایشیا سے کاٹ دیا گیا تھا اور وہ اس پوزیشن میں نہ تھی کہ روس کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے اس خطے سے کوئی رابطہ پیدا کرے۔ خانہ جنگی اور بخارا کی طرف سے حملوں کی تکرار کے باعث قوقند کی ریاست دو حصوں میں بٹ چکی تھی' چنانچہ روس نے سب سے پہلے اسی طرف اپنے پر پھیلائے اور مشہور قصبہ قلعہ آق مسجد پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ یہاں سے روس نے وسط ایشیا کے طریقِ جنگ کی کمزوریوں اور ان کے حکمرانوں کی عیش کوشیوں کا بغور جائزہ لیا۔ یہ انیسویں صدی کے وسط کی بات ہے۔ جب روسی جرنیل پیرامسکی آق مسجد کے قلعہ میں محصور ازبک مسلمانوں پر بارود کے گولے پھینک رہا تھا (جو جلدی آگ پکڑ لیتے تھے اور دیواروں کو منہدم کرتے تھے) تو اس کی فوج میں عیسائی روسیوں کے ساتھ ازبکوں کے ساتھ مخاصمت رکھنے والے قرغیز مسلمان بھی تھے۔ جنرل پیرامسکی نے اہل قلعہ کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت دیتے ہوئے پکار کر کہا تھا" روسی یہاں ایک دن یا ایک سال نہیں بلکہ ہمیشہ رہیں گے (ہمیشہ رہنے کا دعویٰ قدرت نے 1991ء میں باطل کر دیا۔ مصنف)' واپس نہیں جائیں گے اگر تم زندگی چاہتے ہو تو رحم کی درخواست کرو' اگر آق مسجد میں ہی مرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔" (حوالہ تاریخِ بخارا)

1853ء سے 1857ء تک چار پانچ سال وسطی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے موافق تھے' اس وقت روس جنگ کریمیا میں الجھا ہوا تھا' اگر خیوا' بخارا اور قوقند و ترکستان کے مسلمان شہزادے متحد ہو جاتے تو ان کے لئے قوقند کے علاقے سے روسیوں کو پیچھے دھکیلنا مشکل نہ ہوتا کیونکہ روس وہاں سے اپنی زیادہ تر فوج نکال چکا تھا لیکن شائد ان لوگوں کے اندر آزاد

Marfat.com

زندگی کی حس ہی مردہ ہو چکی تھی۔ عثمانی دربار میں ان ریاستوں کے سفیروں کو بلا کر عثمانی حکومت نے نصیحت کی کہ وہ اپنے اپنے ملک میں جا کر حکمرانوں کو روسی دشمن کے خلاف متحد ہو جانے کا مشورہ دیں، لیکن بخارا، سمرقند، خیوا اور خجند وغیرہ میں فضا ھی کچھ اور تھی' خیوا کے حکمران نے الثاروس کو خوش کرنے کے لیۓ آق مسجد پر قابض روسی رئیسِ لشکر کو عثمانی حکومت کے اس مشورے سے آگاہ کر دیا۔ بخارا کے حکمران نے موقع سے یہ فائدہ اٹھایا کہ قوقند کی مدد کرنے کی بجائے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے بڑے علاقے پر قابض ھو گیا۔ ادھر روس جنگِ کریمیا کے بعد صلح نامہ پیرس سے فارغ ھوتے ہی وسطِ ایشیا پر پل پڑا۔ روسی چوکیاں یچوں سے آگے بڑھتی گئیں اور قلعے بنتے گئے۔ 1864ء میں جب ترکستان کے شہر یا حضرتی پر روسی قبضہ ھوا تو مسلمانوں کو کافی غصہ آیا کیونکہ وہاں خواجہ احمد سیوی کا مزار ہے لیکن اب جوش کا نہیں ھوش کا وقت تھا۔ پھر بھی کسی طرف سے ھوشمندی کا مظاہرہ نہ ھوا۔ اہل بخارا افیونکے نشے میں یہ فرض کر چکے تھے کہ چونکہ ان کا وطن بے شمار اولیاء' صلحا' شہدا اور بزرگوں کا مسکن رہا ہے اور وہاں اُن کے مقدس مزار ھیں اس لئے عیسائی روسی وہاں کبھی قبضہ نہیں کر سکتے۔ بخارا والوں کو شاید یاد نہیں رہا تھا کہ داغستان' آذربائیجان اور قوقند میں بھی ایسے بے شمار مقدس مزار تھے لیکن روسیوں کی خونیں صلیب وہاں گاڑی جا چکی تھی۔ دراصل روسی ریچھ اس لئے اسلام کے روحانی مرکز بخارا کی طرف آہستگی سے بڑھ رہا تھا کہ وہ عالمِ اسلام کے ردِ عمل کا منتظر تھا۔ لیکن ردِ عمل کیا ہونا تھا؟ اسلامی غیرت تو استنبول کے شبستانوں' تہران کے پرستانوں، اور کابل کے قحبہ خانوں میں کب کی دفن ھو چکی تھی' رہا ھندوستان (برصغیر) تو آخری مغل بادشاہ دنیا کی بے ثباتی پر شعر موزوں کرتے کرتے گرفتار ہو کر رنگون میں زندگی کے آخری ایام بسر کر رہا تھا۔ بخارا کے امیر مظفر الدین نے خیال کیا کہ جس طرح اُس نے قوقندیوں کو زیر کر لیا تھا، روسیوں سے بھی نپٹ لے گا۔ روسی تاشقند کے پاس پہنچ چکے تھے۔ بخارا کی فوج پینتالیس ھزار تھی جبکہ روسی فوج

Marfat.com

پندرہ ہزار۔ 20 مئی 1866ء کو سیر جار کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں بخارا کی فوج کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ اہل بخارا عددی برتری کے باوجود مختصر روسی فوج کے سامنے نہ ٹھیر سکے' ان کے ایک ہزار آدمی مارے گئے، جبکہ صرف پچاس روسی ہلاک ہوئے فرار ہوتے ہوئے بخارا والوں نے اپنے امیر مظفرالدین کا خیمہ اور سامان تک پیچھے چھوڑ دیا' تمام اسلحہ اور توپیں بھی چھوڑ گئے۔ "اس جنگ سے ترکستان کی آزادی ختم ہوئی جسے وہ ایک ہزار برس سے قائم رکھے ہوئے تھا۔ وسطِ ایشیا کے لوگوں پر اس (بخارا) کا اثر ختم ہوا اور وسطِ ایشیا میں اسلام پر کاری ضرب لگی" (تاریخ بخارا)۔ قوقند کے امیر نے روسی عقاب کے پروں میں پناہ لے لی کیونکہ بخارا کے انجام سے اُسے مستقبل کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اِن تیز رفتار کامیابیوں پر خود روسی حیران تھے۔ روسیوں کے خواب و خیال میں نہ تھا کہ وسطِ ایشیا' سمرقند و بخارا کی اسلامی قوت کا مینار' جسکے افسانے صدیوں سے مشہور چلے آرہے تھے' اتنی جلدی اور اس قدر سہولت سے زمین بوس ہو جائیگا۔ اس کڑے وقت میں جب دریائے نیل کے کنارے سے کاشغر کی خاک تک مسلمان خون کے آنسو رو رہے تھے، مشرقی ترکستان کے امیر یعقوب خوش بیگی نے وسطِ ایشیا کی بچی کھچی طاقت کے مالک حکمرانوں کو ایک جھنڈے تلے اکر روسی دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے پکارا۔ یعقوب خوش بیگی اسلامی اتحاد کا داعی تھا' لیکن نحوست میں مبتلا اِن حکمرانوں کی عقل پر پردے پڑ چکے تھے۔ قوقند کے حکمران نے لڑنے کی نسبت روسی پناہ میں عافیت ڈھونڈی، معاہدہ کے مطابق تاوانِ جنگ دینا منظور کیا (حالانکہ جنگ روس نے مسلط کی تھی) اور ساتھ یہ شرط بھی مانی کہ اس کے مرنے کے بعد ریاست خود بخود روسی سلطنت کا حصہ بن جائے گی۔

بخارا کے حکمران مظفرالدین نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، اُسے دور دور تک' قازقستان اور سائبیریا کے برفانی میدانوں تک روسی پھریرے لہراتے نظر آئے، وہ اب تنہا تھا اور بدنصیبی کا نشانہ بھی۔ خیوا کی مسلم ریاست ابھی تک آزاد تھی لیکن خیوا سے جو سلوک اس نے

Marfat.com

روا رکھا تھا اب کس منہ سے اُس سے مدد کی درخواست کرتا' غرور اور خود پسندی نے اُسے خیوا کی طرف رجوع کرنے سے روکا، افغانستان میں خانہ جنگی کے شعلے سرد نہیں ہوئے تھے اس کے علاوہ بخارا کی کمزوری پر افغان شہزادے یوں بھی خوش تھے کیونکہ وہ خیال کر رہے تھے کہ اب اُن کے لئے جیحوں کے زرخیز میدانوں پر قبضہ کرنا آسان ہوگا اور اگر روس نے محض اِن وسطی ایشیائی ریاستوں کو شکست دینے پر اکتفا کیا تو پھر اُن پر قبضہ بھی کر لیا جائے گا۔ مشرقی ترکستان سے یعقوب خوش بیگ بخارا کی دستگیری کرنے کو تیار تھا لیکن اب قوقند کی مکمل تسخیر کے بعد روس اس کے اور بخارا کے عین درمیان حائل ہو گیا تھا اور بخارا کی طرف مدد او لشکر بھیجنے کے راستے بند ہو چکے تھے۔ ترکی (سلطنت عثمانیہ) نے بھی دور بیٹھ کر بخارا کی تباہی افسوس کے سوا کچھ نہ کیا کیونکہ ترکی کے اپنے حالات اچھے نہ تھے۔ ''ترکی چاہتا تھا کہ مشرقِ بعید کی پیچیدگیوں میں نہ اُلجھے کیونکہ اس کے سیاسی افق پر طوفان نمودار ہو رہے تھے (تاریخ بخارا) جہاں تک ایران کا تعلق ہے وہاں ترکستان کا نام ہی صدیوں سے خوف و دہشت کی علامت بنا ہوا تھا، اُس وقت بھی ہزاروں ایرانی بخارا و سمرقند میں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے' ''چنانچہ ایران کو جیحون اور سیحون پر روسی فتوحات سے خوشی ہوئی اور ایران اپنے دوست (روس) کی راہ میں روڑا اٹکانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا'' (تاریخ بخارا) یکہ و تنہا امیر بخارا مظفرالدین نے ہر طرف سے مایوس ہو کر قوم کو جنگ کے لئے پکارا، لیکن غیر تربیت یافتہ او توہم پرست شہریوں نے کیا جنگ لڑنی تھی؛ انتشار میں مزید اضافہ ہوا، یہی بات روس چاہتا تھا۔ روسی جرنیل مزید آگے بڑھے اور بخارا کے سرحدی قلعہ جزاق پر قبضہ کر لیا۔ اب جنرل کاف مان روسی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ جنرل کاف مان کو ہی عام طور پر فاتح وسط ایشیا کہا جاتا ہے' وہ ایک لائق اور بہادر جرنیل تھا۔ 1868ء میں روسی، سمرقند کے قریب دریائے زرفشاں کے خوبصورت کناروں پر پہنچ گئے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ازبک فوج تھی جسکی تعداد روسیوں سے پانچ گناہ زیادہ تھی' گولہ باری کی آڑ لیکر روسی فوج نے دریا عبو

Marfat.com

کیا۔ اس دوران بخارا کی ازبک فوج نے روسی پیشقدمی کا راستہ روکنے کی بالکل کوشش نہ کی' دراصل وہ لوگ باطنی طور پر ہمت ہار چکے تھے اور اب صرف اجل کے منتظر تھے۔ جب روسی فوج دریائے زرفشاں کے دوسرے کنارے پہنچی تو توپ خانہ اور اسلحہ چھوڑ کر ازبک فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور سمرقند شہر میں پناہ لینے کی کوشش کی۔ شہریوں نے اپنے بھگوڑوں کو اندر آنے کی اجازت نہ دی اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ لیکن دوسرے روز فاتح روسیوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یہ بھی تاریخ کا عجیب مذاق تھا۔ تیمور جیسے فاتح عالم کا پسندیدہ شہر کسی لڑائی اور شرط کے بغیر وہاں کے مسلمانوں نے روسیوں کے قدموں میں ڈال دیا جبکہ اپنے سپاھیوں پر اِس کے دروازے بند کئے رکھے۔ جب روسی جرنیل اپنی فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تو اُسکے ہمراہ افغانستان کا ایک شہزادہ اسکندر خان بھی تھا۔ یہ شہزادہ پہلے بخارا کے امیر کے پاس گیا اور امداد کی پیشکش کے عوض خطیر رقم مانگی، جب بخارا والوں نے وہ قیمت ادا کرنے سے معذوری ظاہر کی تو افغان شہزادہ اپنے آدمیوں سمیت روسیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ نازک وقت پر مہلت کے مفاد سے روگردانی کرنے کے معاملے میں افغان کردار کا یہ پہلو تاریخ اسلامی کے طالب علم کے لئے ہمیشہ ایک معمہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں برِ صغیر میں سید احمد بریلوی و شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ مجاہدین کا جو حشر سرحد کے افغانوں نے کیا وہ اپنی جگہ ایک داستانِ عبرت ہے۔

یوں سمرقند کے "امن پسند" مسلمانوں نے اپنا شہر کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر روسیوں کے حوالے کر دیا۔ یہ 14 مئی 1864ء کا واقعہ ہے۔ اسلام کی تاریخ میں نامور اور اولوالعزم شخصیات کی جائے پیدائش اور آخری آرامگاہ، اسلامی علوم و ادب کا مرکز' سینکڑوں اولیاء و بزرگوں کی سرزمین، فاتحین کے آہنی عزم کی علامت، سمرقند سرنگوں ہو گیا۔ سمرقند کے حادثہ کے بعد، گردونواح سے ہزاروں مسلمان باشندے پیدل یا سوار بخارا کی طرف بھاگنے لگے۔ روسیوں نے ان کا تعاقب کیا، امیر بخارا کا لڑکا عبدالمالک سمرقند سے

Marfat.com

بھاگ کر بخارا پہنچا اور باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ روسیوں نے بخارا کے قریب مریل کے مقام پر بخارا کے لشکروں کے سامنا کیا۔ یہاں بھی از بک سپاہی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ امیر بخارا نے یہ دیکھکر کہ اسکی فوج میں مقابلے کی سکت نہیں اور بیٹا مخالف ہو گیا ہے روسیوں سے صلح کر لی اور بخارا ان کے حوالے کر دیا۔ شرائط صلح کے مطابق طے پایا کہ امیر بخارا اب صرف نمائشی حکمران ہو گا، سالانہ سوا لاکھ طلائی سکے بطور تاوان روس کو ادا کرے گا' روسیوں کو وسط ایشیا کے اس علاقے میں ہر طرح کی سیاسی، سماجی و تجارتی سرگرمی کی اجازت ہو گی۔ عملاً امیر بخارا روسی حکومت کے تابع آگیا۔ امیر بخارا کے بیٹے عبدالمالک نے روسیوں کے خلاف جہاد و مزاحمت کی کوششیں جاری رکھیں، وہ پورے ملک میں گھومتا رہا روسی اس کے تعاقب میں تھے، لیکن وہ ان کے قابو میں نہ آیا، بعد میں مایوس ہو کر وہ خیوا چلا گیا۔ امیر بخارا نے ضمانت کے طور پر اپنا چھوٹا بیٹا (ولی عہد) ابوالفتح مرزا روسی دارالحکومت پیٹرز برگ میں بھیجا تا کہ وہاں وہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید فرنگی تہذیب سے بھی آشنا ہو اور آئندہ کے لئے روس کا خیر خواہ ثابت ہو۔ برصغیر میں انگریزوں نے بھی راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی اولاد کو لندن تربیت کے لئے بھیجنے کے اسی طریقے پر کامیابی سے عمل کیا تھا اور انہی لوگوں کی اولاد فرنگیوں اور امریکیوں کے لئے خیر خواہی، وفاداری اور نسل در نسل چلے آرہے نرم گوشے کے ساتھ پاکستان میں حکمرانی کی کرسیوں پر دادِ عیش دے رہی ہے۔ یوں بخارا کی عظیم مملکت تاریخ کی دھول میں گم ہو گئی: وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ أَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ (الانبیاء۔۱۱) (اور ہم نے بہت سی بستیاں غارت کر دیں کیونکہ وہاں کے باشندے ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم لے آئے)۔

سقوطِ بخارا کے پانچ سال بعد روسیوں نے دم توڑتی ریاست قوقند کا تشخص مٹانے کے لئے وہاں کی "خانیت" کا خاتمہ کر دیا۔ خیوا کی باری 1873ء میں آئی۔ دراصل روس

Marfat.com

وسط ایشیا میں پھونک پھونک کر اور مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اقدامات کر رہا تھا۔ خیوا کے شہر پر قبضے کے ساتھ ہی وہاں کی حکومت اور آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب روسی، ترکستان کی طرف بڑھے اور غداری کے ذریعے مرو پر قبضے کے بعد 1900ء میں پامیر کے مشرقی حصوں پر بھی قبضہ کر لیا، یوں سوا تین سو سالوں میں لاکھوں مربع میل پر مشتمل اسلامی علاقوں کو ہڑپ کرنے کے بعد مسکووی کی معمولی سی جاگیر ایک استعماری طاقت بن گئی۔ یہ قبضہ مسلمانوں کے باہمی نفاق، اسلام کے مقاصد سے روگردانی، عیش کوشی، فسق و ظلم اور سب سے بڑھکر مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کی غداری سے ممکن ہوا۔ قوقند میں مجاہد عالم گل کی تحریکِ جہاد کی ناکامی کی واحد وجہ اپنوں کی غداری تھی جنہوں نے روسیوں سے سازباز کر کے اس عظیم مجاہد کو گولی ماردی۔ تاشقند کا سقوط گورنر عبدالرحمٰن بیگ اور اس کے ٹولے کی روسیوں کے ساتھ ھمدردی اور ملی بھگت سے ھوا حالانکہ عام لوگ آخری وقت تک لڑنا چاہتے تھے۔ مرو میں یہی ڈرامہ رچایا گیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک جائزہ شائع ھوا تھا جسکے مطابق روس وہ واحد استعماری طاقت تھی جسکے قبضے میں سب سے زیادہ مسلمان علاقے تھے یعنی قریباً چھیاسٹھ لاکھ مربع میل کا رقبہ جو پہلے مسلمانوں کا تھا اب روس کے پاس تھا جبکہ برطانیہ کا نمبر دوسرا تھا اور اسکے پاس اٹھارہ لاکھ مربع میل اسلامی رقبہ تھا۔ روسی استعمار نے مسلمان علاقوں پر فتح اور قبضے کے بعد اسلامی تشخص کو ملیامیٹ کرنے اور مسلمانوں کو اُن کے اپنے وطن میں اقلیت میں تبدیل کرنے کے لیئے جو ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال کیئے اُن کی مثال صرف اندلس کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔ زاروں کے عہد میں کم از کم محدود مذہبی آزادی حاصل تھی، جبکہ سوشلسٹ انقلاب کے بعد اسلام کا نام لینا جرم ٹھہرا جس پر کم از کم سزا سائبیریا کے سرد جہنم کی طرف جلاوطنی تھی۔

Marfat.com

ویرانے پہ کیا گزری!

اسلامی وسط ایشیا، قفقاز، کریمیا، آذربائیجان اور سائبیریا پر روسی قبضے کے ساتھ ہی اُن علاقوں میں مسلمانوں پر قیامت گزر گئی۔ آزاد علاقوں کے مسلمان ہرگز اُن سختیوں 'ایذاؤں اور ظلم و ستم کا تصور نہیں کر سکتے جو روسی محکومی میں اور خاص طور سوشلسٹ روس کے دور میں مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑے۔ یہ سچ ہے کہ آزادی کی قدر و قیمت غلامی و محکومی میں معلوم ہوتی ہے۔

روس میں زاروں کے زمانے میں روسیوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب مسلمانوں کے کسی شہر پر قبضہ کرنے کے لئے محاصرہ کرتے تو شہریوں پر ہر طرف سے رسد بند کر کے انہیں بھوکوں مارتے یہاں تک کہ لوگ مجبور ہو کر ہتھیار ڈالتے۔ ایسا ھی ایک طریقہ لوگوں کو تابع فرمان کرنے کا یہ تھا کہ مفتوح مسلمان آبادی کے بڑے حصے کو قتل کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد روسی فوج کو لوٹ مار اور غارت گری کی کھلی اجازت دیدی جاتی تھی۔ اب جو لوگ باقی رہ جاتے وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے۔ مفتوحہ علاقوں میں لوٹ مار اس حد تک کی جاتی کہ بعض اوقات وہاں طویل مدت تک قحط پڑ جاتا اور لوگ روٹی کے لئے یا دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہوتے یا وہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔ اس طرح جب وسیع علاقے خالی ہو جاتے تو اندرون روس سے عیسائی آبادی لا کر وہاں آباد کر دی جاتی۔ اکثر مقامی لوگوں کے عین درمیان روسیوں کو بسایا جاتا رہا تاکہ مسلمانوں میں اُن کے میل جول سے نیا ثقافتی رنگ پیدا ہو، اور اسلامی رنگ پھیکا پڑ جائے اور ساتھ ھی مسلمانوں کڑی نگاہ بھی رکھی جا سکے۔ عظیم الشان سلطنت عثمانیہ کے ساتھ روس کی مسلسل کشمکش جاری رہی' یورپ نے عثمانی سلطنت کے ساتھ پنجہ آزمائی کا فرض روس کے ذمہ کیا تھا پاپائے اعظم نے روسی حکمرانوں کو باور کرایا تھا کہ ترکی کو شکست دینا ایک عظیم مذہبی فریضہ

Marfat.com

تھا۔ لیکن تمام تر کوشش اور جدوجہد کے باوجود روس، سلطنت عثمانیہ کو سرنگوں نہ کر سکا بلکہ
بار بار شکست کھائی، چنانچہ روس کی نفسیات یہ ہو گئی تھی کہ اُس نے عثمانی ترکوں کے سامنے
شکست کا بدلہ اپنے زیرِ قبضہ و مفتوحہ مسلم علاقوں کے لوگوں کو سنگین سزائیں دے کر لیا۔
کبھی اُن سے زمینیں چھین لیں، کبھی اُنہیں جلاوطن کر دیا، کبھی مذہب پر پابندیاں لگائیں اور کبھی
قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ کریمیا میں تحریکِ مزاحمت کو کچلنے کے لئے روس نے جو
کاروائیاں کیں اور دہشت گردی کا بازار گرم کیا وہ انسانیت اور تہذیب کے دامن پر بدترین
داغ ہے۔ لوگوں کے ساتھ جانوروں کا برتاؤ کیا گیا، پورے کے پورے دیہات جلائے گئے،
عورتوں اور بچوں کو گھروں میں بند کر کے جلایا گیا، اکثر لوگوں کو قطار میں کھڑا کر کے گولیوں
سے اُڑایا جاتا تھا۔ قبضے کے ابتدائی سالوں میں ہی کریمیا میں روسی باشندوں کا ایک سیلاب
داخل ہوا جنہیں ساحل سمندر کے آس پاس بہترین زمینوں پر مقامی مسلمانوں کو بیدخل
کر کے آباد کیا گیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں زار الیگزینڈر اول نے جو قدیم یونانی ثقافت
کا بڑا مداح تھا۔ کریمیا کے طول و عرض میں بے شمار یونانی جلاوطنوں کو آباد کیا اور اسلامی تشخص
کے خاتمے کے لئے کریمیا کے شہروں اور بستیوں کے نام یونانی زبان میں بدل دیئے، جیسے
سیباسٹوپول اور سمفرپول وغیرہ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے آخر سے بیسویں
صدی کے آغاز تک دس لاکھ سے زیادہ تاتاری مسلمانوں کو کریمیا سے جلاوطن کیا گیا اور وہ
عثمانی سلطنت میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، ان کی جگہ روسیوں کی لایا گیا اور یوں کریمیا کے
تاتاریوں کو اقلیت میں تبدیل کیا گیا۔ بھلا کون اپنے وطن کو چھوڑتا ہے؟ تاتاریوں کو
سنگینوں کے بل پر ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ انہیں موت اور ترکِ وطن کے درمیان
ایک بات کو اختیار کرنا تھا۔ 1917ء میں سوشلسٹ انقلاب تک کریمیا میں سخت جان
تاتاریوں کی کچھ تعداد باقی تھی، سوشلسٹ حکومت نے اس اقلیت کی ''سردردی'' کا حل بھی
ڈھونڈ لیا اور 1943ء میں انہیں سائبیریا جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ اب کریمیا میں کوئی

Marfat.com

تا تاری مسلمان باقی نہیں۔ اور کریمیا وہ علاقہ تھا جس نے دارالاسلام کی تاریخ میں ایک عظیم کردار ادا کیا تھا، آج وہاں کی مسجدیں کلب گھروں میں بدل چکی ہیں یا کلیساؤں میں۔ گزشتہ ایک صدی سے وہاں کی فضاؤں میں اذان کی آواز نہیں گونجی۔ یہ علاقہ مسلمان امت ہمیشہ کے لئے کھو چکی ہے۔

سولھویں صدی میں آئیوان چہارم کے دور میں جب قازان اور ملحقہ علاقوں قبضہ ہوا تو وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ بالکل وہی سلوک روا رکھا گیا جو اندلس سقوطِ غرناطہ کے بعد الفانسو اور ظالم ملکہ ازابیلا نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ بلکہ شا اس سے بھی بدتر۔ قسطنطنیہ سے عثمانی ترکوں کے ہاتھوں شکست کا ذائقہ چکھے ہوئے باز پادریوں نے (جو اب روس میں منتقل ہو چکے تھے) اس علاقے کا رخ کیا۔ قازان سمیت تم بڑے شہروں میں ان کی متشددانہ مذہبی سرگرمیاں شروع ہو گئیں، مسلمانوں سے کہا گیا کہ عیسائیت اختیار کر لیں یا پھر اپنی زرخیز زمینوں اور جائدادوں کو چھوڑ کر ملک سے چلے جائیں ان زمینوں پر روسی کسانوں کو آباد کیا گیا۔ مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیا گیا جن کے حقوق عیسائی رعیت کے مقابلے میں بہت کمتر تھے۔ بیشمار مسلمانوں کو جبراً بپتسمہ لینے مجبور ہونا پڑا، ان جبری طور پر عیسائی بننے والوں کی نسلیں بعد میں سوشلسٹ حکومت دست و بازو بنیں۔ اسلام سے ان کا تعلق قصہ پارینہ بن گیا۔ مسجدوں کو عیسائی خانقاہوں کلیساؤں میں بدل دیا گیا۔ "مقامی مسلم آبادی کو روسی آبادکاری کے حوالے سے تیزی کے ساتھ اقلیت کا درجہ دیدیا گیا۔ روسی حکومت نے جو پالیسی اپنائی وہ بہت سخت تھی سابق حکمران طبقوں اور اونچے خاندانوں کو اقتصادی تباہی اور تبدیلی مذہب کے ذریعے تباہ کر دیا گیا، مذہبی اداروں کی سرگرمیوں کو بہت محدود رکھا گیا اور عوام کو روسی ثقافت میں جذب کرنے کے لئے بہت ٹھوس کوششیں کی گئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تاتاریوں نے بار بار روسی غلا کا جوا اتار پھینکنے کے لئے بغاوتیں کیں، ان بغاوتوں کے سدباب کے لئے تاتاریوں کو

Marfat.com

مشرق میں سرد سٹیپ کے میدانوں، ترکستان اور بشکیریا کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔
("سوویت ریاست کے لئے اسلامی خطرہ"۔۔ الیگزینڈر بینگسن و میری براکسپ) قریب
قریب ہر روسی زار نے اسلام کے خلاف عدم برداشت کا رویہ اپنایا اور اس مذہب کو تحلیل
کرنے کے لئے مختلف اقدام کئے۔ قازان میں 1738ء سے 1755ء تک پانچ سو چھتیس
میں سے چار سو اٹھارہ مسجدوں کو تباہ کیا گیا اور وقف جائیدادوں اور زمینوں کو بحق سرکار ضبط کر
لیا گیا' دینی مدرسے جن کا انحصار ان وقف آمدنیوں پر تھا خود بخود بند ہو گئے' مذہبی اساتذہ بیکار
ہو کر ادنیٰ مزدوریاں کرنے لگے اور دینی علوم کی تعلیم دینے والا کوئی نہ رہا۔ جن تاتاریوں
نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کی انہیں اعلیٰ عہدے اور مراعات دی گئیں' ان کے
بچوں کو مشنری سکولوں میں تعلیم دیکر ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنایا گیا۔ دیہات کے دیہات
خالی کرا کے مسلمانوں کو سائبیریا بھیجا گیا اور وہاں عیسائیت اختیار کرنے والوں کو بسایا گیا۔
چوں چرا کرنے والوں کو موقع پر پھانسی دے دی جاتی تھی۔ جبر و تشدد کے اس طوفان کے
سامنے کم لوگ ہی اپنا ایمان سلامت رکھ سکے۔ صرف 1865ء سے 1900ء تک کے نسبتاً
پر امن دور میں ایک لاکھ تاتاریوں نے سیاسی اور معاشی جبر سے تنگ آکر عیسائیت اختیار کی۔
سائبیریا کے علاقے میں سیدھی سادی یہ پالیسی اپنائی گئی کہ لوگوں کو مسجدوں کے استعمال
سے منع کر دیا، ان کے مذہبی ادارے بند کر دیئے (تاکہ وہ دینی تعلیم سے بے بہرہ ہو جائیں)
اور اس کے ساتھ کثیر تعداد میں عیسائی روسی اور بے دین کاسک (قازق) آباد کئے' یوں
تھوڑے عرصے میں سائبیریا میں آبادی کا توازن روس کے حق میں ہو گیا اور وہاں مسلمانوں
کے ابھرنے کا امکان ہی ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔ یہ حکم جاری کیا گیا کہ پورے روس میں
کوئی نئی مسجد یا مدرسہ حکومت کی اجازت کے بغیر تعمیر نہ کیا جائے' خلاف ورزی کی سزا مسجد کی
بربادی اور تعمیر کرنے والوں کی موت یا جلاوطنی تھی۔ دینی کتابوں اور قرآن مجید کی اشاعت پر
مختلف قسم کی پابندیاں عاید کی گئیں، عربی رسم الخط کی جگہ روسی رسم الخط اور زبان کو فروغ دیا

Marfat.com

جانے لگا۔ دینی تعلیم پانے والوں اور روسی زبان نہ جاننے والوں پر روزگار کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

قفقاز کے مسلمانوں کے لئے روسیوں نے مختلف پالیسی اختیار کی۔ داغستان وغیرہ میں مسلمانوں کو سرے سے روسی شہریوں کے طور پر تسلیم ہی نہ کیا گیا' انہیں صرف "مقامی" لوگ کہا جاتا تھا، خصوصاً فوجی ملازمت سے انہیں الگ رکھا گیا کیونکہ روس کو یاد تھا کہ قفقاز میں اسے شدید مجاہدانہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ 1860ء میں دس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے قفقاز کو چھوڑ کر سلطنت عثمانیہ کے سائے میں پناہ لی، تاہم داغستان میں مسلمان موجود رہے' البتہ سائے کی طرح روسی ان کا پیچھا کرتے تھے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ قفقاز میں بھی روسیوں کو لا کر آباد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نقشبندی تحریک کا اس قدر خوف تھا کہ روسی ان علاقوں میں بسنے سے ہمیشہ کتراتے رہے۔

قازقستان کے علاقے میں اسلامی ثقافت کو بے اثر کرنے کے لئے وہاں قازقوں کی اسلام سے پہلے کی ثقافت اور بولی کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کے اندر قازق قومیت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے پراپیگنڈا کیا گیا تاکہ وہ اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ سے علیحدہ قوم سمجھیں' روسیوں کی ڈیڑھ سو سال کی لگاتار کوشش کے باوجود قازق خود کو اسلامی ثقافت سے مکمل علیحدہ نہیں کر سکے البتہ یہ ضرور ہوا کہ ان پر روسی ثقافت کی گہری چھاپ لگ گئی کیونکہ روس نے ان پر اسلامی تعلیم کے دروازے طویل عرصہ تک بند رکھے 1891ء میں قازقستان کے گھاس کے میدانوں میں روسی اور یوکرائنی آبادکاروں کی پہلی لہر پہنچی۔ 1914ء تک وسطی روس اور یوکرائن سے گیارہ لاکھ کے قریب روسی کسان' قازقستان کے وسیع علاقوں میں چینی سرحدوں کے ساتھ ساتھ زرخیز زمینوں پر لا کر آباد کئے گئے۔ جبکہ خانہ بدوش قازقوں کو بے رحمی کے ساتھ قازقستان کے بنجر اور ویران خطوں کی طرف دھکیل دیا گیا جہاں ان کے ریوڑوں کے لئے کوئی گھاس موجود نہ تھی۔ اس طرح بے شمار جانوروں

Marfat.com

کے علاوہ غریب قازق بھی بھوک اور افلاس سے ہلاک ہوئے۔ ان حالات سے تنگ آکر دو سال بعد خانہ بدوش قبائل کی ایک مسلح جماعت نے روسی آباد کاروں پر حملہ کر دیا۔ ان قبائلیوں کو سنگدلی اور سفاکی کے ساتھ روسی فوج اور مسلح آباد کاروں نے ذبح کر دیا' جو بچ رہے وہ سرحد پار کر کے چینی صوبہ سنکیانگ چلے گئے۔ رہی سہی کسر انقلاب 1917ء کے بعد سوویٹ یونین نے پوری کر دی۔ قازق قبائل خانہ بدوش طرزِ زندگی کے دلدادہ ہیں' کمیونسٹوں نے انہیں اس طرزِ زندگی کو خیرباد کہنے پر مجبور کرنے کے لئے جو بے رحمانہ حربے استعمال کئے' ان میں ایک یہ تھا کہ 1920ء میں ان کے جانوروں کو زبردستی پکڑ کر ذبح کر دیا' اس ایک اقدام کے نتیجے میں جو قحط رونما ہوا اس میں اگلے پندرہ بیس سالوں میں پندرہ لاکھ مسلمان قازق بھوک کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ قازقستان پر دوسرا سوویٹ " حملہ " 1950ء میں ہوا جب روسی آباد کاروں کا ایک سیلاب وہاں داخل ہوا اور قازقوں کو اقلیت کے درجے تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ سوویٹ یونین کے دور میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

جہاں تک ترکستان (وسط ایشیا کی ریاستوں' خیوا، بخارا، قوقند وغیرہ کو ہم اب " ترکستان " کہیں گے) کا تعلق ہے یہاں روسیوں نے ایک مختلف پالیسی اپنائی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ روسیوں نے مختلف مفتوحہ مسلم علاقوں کے لئے مختلف پالیسیاں اختیار کیں۔ مثلاً قازان، سائبیریا اور بشکیریا کے تاتاروں کو بطور روسی شہری قبول کیا گیا، کبردیان اور آذربائیجان کے اعلیٰ طبقوں کو مساوی درجہ دیا گیا اور سابقہ عہدوں پر برقرار رکھا گیا' قازق اور قفقازوالوں کو اس سلوک سے محروم رکھا گیا، والگا کے تاتاریوں کو جبراً عیسائی بنانے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔ کریمیا اور ترکستان میں براہِ راست ثقافتی مداخلت سے پرہیز کیا گیا لیکن ان کا اسلامی تشخص ختم کرنے کے لئے مختلف دوسرے حربے استعمال کئے گئے۔ روسی فتح کے بعد ترکستان کے مسلمانوں کو 1917ء تک یہ آزادی حاصل رہی کہ ان کے مذہبی معاملات

Marfat.com

میں مداخلت نہ کی گئی، ان کی مسجدیں اور مدرسے برقرار رہے، تاہم مقامی حکمرانوں کی حیثیت روس کے کٹھ پتلیوں کی تھی، حتیٰ کہ انہیں اپنے سکے ڈھالنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ روسی بنکوں نے ترکستان کی معاشی زندگی پر قبضہ کرلیا، روسی فوجیں سمرقند و بخارا جیسے شہروں میں مستقل مقیم رہیں جن کے اخراجات امیر بخارا کو ادا کرنے ہوتے تھے۔ روسی پناہ اور اثر میں آنے کے بعد بخارا اور خیوا کے حکمران خاندان "کرپٹ" ہو گئے۔ جہادی اور جنگی سرگرمیاں ناپید تھیں، حکمران خاندانوں کے افراد نے ملک کی تجارت و صنعت پر اجارہ داری قائم کرلی۔ امیر بخارا روسیوں کو کپاس فروخت کر کے بے تحاشا منافع کما رہا تھا۔ خیوا میں اس سے بھی بدتر حالت تھی اور داخلی انتظامیہ شدید بدعنوانیوں میں مبتلا تھی۔ 1917ء تک روس نے پندرہ لاکھ روسی کسان ترکسان کی زمینوں پر آباد کئے تھے۔ مقامی شہروں میں بھی روسی آبادی بڑھتی جارہی تھی۔ الماتا جیسے شہر میں آبادی کی اکثریت روسیوں کی ہو چکی تھی۔ 1910ء کی مردم شماری کے مطابق تاشقند کی کل آبادی دو لاکھ سے ذرا زیادہ تھی جس میں 55 ہزار روسی تھے۔ لوگوں کو روسی کلچر اور عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے جدید سکول بخارا و سمرقند وغیرہ شہروں میں کھولے گئے جہاں ذریعہ تعلیم روسی زبان تھی اور بائبل بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اس کے باوجود ترکستانیوں نے ان سکولوں کی طرف کم توجہ دی۔ 1916ء میں زار حکومت نے ایک حکم جاری کیا جس کی رو سے انیس سے چالیس سال کی عمر تک کے افراد کو لازمی "لیبر ڈیوٹی" کے لئے پکڑا جانے لگا۔ اس حکم کے خلاف قازقوں، قرغیزوں، ازبکوں اور قپچکوں نے جگہ جگہ بغاوت کی اور ہزاروں روسی آبادکاروں کو قتل کر دیا۔ روسی حکومت نے ان بغاوتوں کو کچلنے کے لئے بھاری فوج روانہ کی، ایک مقتول روسی کے بدلے میں کم از کم ایک ہزار مسلمان قتل کئے گئے۔ صرف ایک شہر سمرچی میں قتل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ پانچ ہزار تھی۔ لاکھوں مسلمان سرحد پار کر کے چین چلے گئے۔ ابھی اس قتلِ عام اور جلاوطنی کا سلسلہ جاری تھا کہ 1917ء کا انقلاب آگیا،

Marfat.com

زاروں کے دور میں مسلمانوں کے خلاف جو ہتھکنڈے اور استعمال کئے گئے' (اور یہ ہتھکنڈے تقریباً تمام علاقوں میں استعمال ہوئے) ان کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے :

۱) نسل کشی بذریعہ جلاوطنی : یہ ایک وحشیانہ مگر موثر حربہ تھا جسے کریمیا اور قفقاز میں آزمایا گیا اور بے شمار مسلمانوں کو ترکی میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا گیا اور روسی ان کی جگہ آباد ہو گئے۔

۲) نسل کشی بذریعہ قتل عام : والگا کے تاتاریوں ، اور جنوبی ارال کے بشکیریوں کے علاوہ قازقستان، داغستان اور کریمیا میں دل کھول کر اس پالیسی پر عمل کیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، یا پھر انہیں قحط پیدا کر کے ہلاک کیا گیا۔

۳) ثقافتی حملے کے بغیر تبدیلی مذہب : مقامی زبان اور ثقافت کو چھیڑے بغیر یہ حربہ والگا کے تاتاریوں پر کامیابی سے استعمال کیا گیا اور انہیں جبراً تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا۔

۴) ثقافت و مذہب میں مداخلت : یہ حربہ بھی والگا کے تاتاریوں پر استعمال کیا گیا۔ سائبیریا میں بے شمار لوگوں کو تبدیلی مذہب و زبان پر مجبور کیا گیا۔

۵) اونچے طبقہ کے ساتھ گٹھ جوڑ : بعض مسلمان ریاستوں میں، قبضے کے بعد وہاں کے اونچے طبقے کو بذریعہ مراعات قابو میں کیا گیا، انہیں جاگیریں دی گئیں، اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کئے گئے تاکہ ان کے ذریعے مقامی لوگوں کو قابو میں رکھا جائے، وسط ایشیا' قازقستان وغیرہ میں زیادہ تر یہی پالیسی اختیار کی گئی۔ برطانیہ نے بھی آزادی سے پہلے برصغیر میں اسی قسم کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بعض مقامی خاندانوں کو جاگیریں دی تھیں اور یہ خاندان آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں برسر اقتدار ہیں۔

Marfat.com

باب۔10

عذاب کی سُرخ قِسم!

1917ء میں روس میں بالشویک (سوشلسٹ) انقلاب آگیا اور زار شاہی نظام کا خاتمہ ہو گیا، لیکن مسلمان قومیتوں کی قسمت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ نام نہاد انقلابی دور میں 1990ء تک سب سے زیادہ نشانہ ہی مسلمان بنے، سمرقند و بخارا والوں کو لینن کے خوش آئند ابتدائی اعلانات سے دوبارہ آزادی و خود مختاری حاصل ہونے کی جو خام امید پیدا ہوئی تھی وہ ان علاقوں میں مذہب دشمن کمیونسٹ کیڈروں کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہی ختم ہو گئی۔ روس میں کمیونسٹ اقتدار کے بعد مسلمانوں کی حالت زار اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کے متعلق کئی مستند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تفصیلات کا یہاں موقع نہیں، ہم اجمالی طور پر کمیونسٹ دور میں مسلمانوں پر کی جانے والی زیادتیوں کا ذکر کریں گے۔

مسلمانوں پر انقلابی دور میں ڈھائے گئے مظالم کے سلسلے میں کمیونزم اور مارکسزم کے معذرت خواہ عموماً یہ دلیل دیتے ہیں کہ جوشیلے اشتراکی کیڈرز لامذہب نوجوانوں پر مشتمل تھے اور ان کی نگاہ میں تمام مذاہب یکساں رجعت پسند اور انقلاب کے راستے میں رکاوٹ تھے اور اگر ان کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ حرکتیں ہوئیں تو عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ مختلف نہ تھا۔ حالات کا یہ تجزیہ دراصل روسی پراپیگنڈا کا ایک انداز ہے اور مکمل جھوٹ ہے۔ سچ یہ ہے کہ سرخ جنت کی سرخی میں زیادہ رنگ مسلم خون کا شامل تھا۔ روسی کمیونسٹ لیڈر اور ان کے موثر کارکن زیادہ تر اسلام دشمن یہودی تھے جنہوں نے وقتی طور تر دہریت اور مذہب بیزاری کا لبادہ اوڑھا تھا۔ ترکستانی مہاجر اعظم ہاشمی نے کمیونسٹ انقلاب کے بعد شہر سبز میں کمیونسٹوں کی اسلام دشمن

Marfat.com

حرکتوں کا ذکر کرتے ہوئے "اردو ڈائجسٹ" میں شائع ہونے والے اپنے سلسلہ مضامین 'سمر قند و بخارا کی خونیں سرگزشت" میں ایک واقعہ کا بطور عینی شاہد حال بیان کیا ہے کہ کیمونسٹ نوجوان شہر کی جامع مسجد میں جمع ہو کر مذہب اسلام کے خلاف یاوہ گوئی کرنے لگے۔ جو کچھ منہ میں آیا کہتے رہے ایک کیمونسٹ تو ساری حدیں پھاند گیا محراب پر تھوک دیا پھر ناک سنک دی قرآن مجید طاق سے اٹھائے اور مسجد کے صحن میں پردہ دار عورتوں کے لباس سے نوچے ہوئے برقعوں پر پھینک کر آگ لگا دی اور چلانے لگا: "اب ہم خرافاتیوں کو نہیں پنپنے دیں گے جس طرح ہم نے بخارا' سمر قند اور فرغانہ میں روحانیوں (مذہبی مسلمانوں کو یہ لوگ طنزاً "روحانی" کہتے تھے) پر فتح پائی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کریں گے"۔ ایک مسلمان تمر بیگ کو جوش آگیا اور اس نے کہا کہ تم یہودی ہو اگر تم مذہب کے اتنے خلاف ہو تو پہلے اپنے معبدوں کو آگ لگاؤ۔ اس پر کیمونسٹوں نے جلدی جلدی جلسہ ختم کر دیا۔ گویا ان یہودی کیمونسٹوں کا اصل نشانہ مسلمان تھے اور وہ صدیوں پرانے جذبہ انتقام کا اظہار کر رہے تھے۔

نئے زار

1917ء میں روس میں انقلاب کے ساتھ ہی محکوم مسلمان علاقوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا انہیں امید تھی کہ روسی انقلابی انسانی حریت و آزادی کے جو خوبصورت نعرے لگا رہے ہیں۔ اُن پر خود بھی عمل کریں گے' تاہم کیمونسٹ 'زار حکمرانوں کے بھی باپ نکلے' ابتدائی خانہ جنگی اور انتشار کے بعد جیسے ہی کیمونسٹ حکومت لینن کی قیادت میں مستحکم ہوئی مسلمانوں کو ان کے اعلاناتِ آزادی کی کڑی سزا دینے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ سلوک صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص تھا۔ مسلمان کسی حد تک اس سلوک کے مستحق بھی تھے۔ وہ اس طرح کہ انقلاب کے فوراً بعد کئی

Marfat.com

سالوں تک روس سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا' اس وقت ان مسلمان ریاستوں خصوصاً بخارا اور خیوا اور داغستان کے لئے بہترین موقع تھا کہ وہ متحد ہو کر آزاد ہو جاتیں' کیونکہ کم از کم ان علاقوں میں اسلامی حکمرانی اور خود مختاری کے آثار ابھی تک موجود تھے۔ اور ان کے قرب و جوار میں ایسی آزاد مسلمان مملکتیں بھی موجود تھیں جن سے مدد کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ کیمونسٹوں نے مسلمانوں کو یہ لالچ دیا کہ وہ ان کی خود مختاری کو تسلیم کرتے ہوئے آزاد ریاستیں بنادیں گے جنہیں ہر قسم کی داخلی آزادی حاصل ہو گی بلکہ اگر وہ چاہیں تو سوویت یونین سے الگ بھی ہو سکیں گی۔ چنانچہ یہ مسلمان قومیتیں کیمونسٹوں کے بچھائے ہوئے دام میں آگئیں اور اپنے مستقبل پر نحوست کی مہر لگالی۔ داغستانیوں نے قفقاز میں روس کے خلاف بغاوت کر دی لیکن روسی فوج نے یہ بغاوت کچل دی' بے شمار مسلمان قتل ہوئے' بے شمار ترک وطن کر گئے۔ شمالی قفقاز "کیمونسٹ" ہو گیا۔ کریمیا میں بھی مسلمانوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر آزادی کا اعلان کیا اور "فرقہ ملی" کے نام سے سیاسی جماعت قائم کی لیکن ابھی اس اعلان کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ کیمونسٹوں نے کریمیا کو گھیر لیا اور آزادی کی جدوجہد دم توڑ گئی۔ آذربائیجان میں تو باقاعدہ انتخابات بھی کرا لئے گئے اور ایک قومی اسمبلی بھی وجود میں آگئی لیکن جنوری 1920ء میں سرخ فوجیں باکو پہنچ گئیں۔ ایران سمیت کسی ہمسایہ ملک نے ساتھ نہ دیا۔ باکو میں تین دن تک مسلمان کیمونسٹوں کے ہاتھوں ذبح ہوتے رہے۔ قازقستان میں شروع شروع میں بڑے جوش کے ساتھ روسی غلبہ کے خلاف بغاوت ہوئی لیکن مسلمانوں کے اندر برادر کشی کی عادت رنگ لائی۔ مقامی غداروں نے کیمونسٹوں کا ساتھ دیا اور دینی حمیت ایک طرف رکھ دی' یکے بعد دیگرے تمام قازقستان پر ایک بار پھر روسی چھا گئے۔

ترکستان (بخارا و خیوا وغیرہ) میں آزادی کی تحریکیں سب سے زیادہ منظم تھیں لیکن مقامی حکمرانوں میں حوصلہ باقی نہ تھا۔ اسکے علاوہ اتحاد و اتفاق کی صورت حال بھی

Marfat.com

بل رشک نہ تھی۔ کیمونسٹ انقلاب کے بعد متفقہ موقف اختیار کرنے کے لئے ترکستان کی
لف اسلامی پارٹیوں اور تنظیموں نے 1917ء میں تاشقند میں ایک اجلاس منعقد
ا۔ مسلمان جماعتیں کوئی متفقہ پلیٹ فارم قائم کرتے میں ناکام رہیں۔ قوقند کی ریاست نے
ی آزادی کا اعلان کیا لیکن نہ اسلحہ تھا نہ پیسہ نہ کوئی تنظیم' لوگوں نے عبوری حکومت کے
امنے رقم کے ڈھیر لگا دیئے لیکن انہیں اسلحہ کہیں سے نہ مل سکا۔ روسی فوج نے
رالحکومت کا محاصرہ کیا۔ اس کی مدد کے لئے قوقند کے کیمونسٹوں نے عین موقع پر بغاوت
ردی۔ چار روز تک لڑائی جاری رہی۔ مسلمان اسلحہ کے بغیر لڑے لیکن ناکام رہے، اپنوں کی
اری نے اشتراکیوں کو غلبہ دلوادیا۔ کیمونسٹوں نے کم از کم چودہ ہزار مسلمان شہید کر دیئے
ران کے گھر اور جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔ قوقند قبرستان میں تبدیل ہو گیا۔ کیمونسٹوں
نے اس علاقے کی طرف غلے کی رسد بھی روک دی۔ اسکے نتیجے میں قحط اور بھوک سے
لاکھ مسلمان ہلاک ہوئے اور بے شمار سرحد عبور کر کے ہمسایہ ملک میں چلے گئے۔
یوا میں مسلمان کم از کم دو ڈھائی سال تک (بڑے عرصے کے بعد) آزاد فضا میں سانس لیتے
ہے' لیکن کیمونسٹ کب تک برداشت کر سکتے تھے۔ جنوری 1920ء میں خیوا پر
رخ پرچم لہرا دیا گیا۔ خیوا کے سقوط میں بھی سبز نما سرخ مسلمانوں کی غداری سبب بنی۔
زبک لیڈر جنید خان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی پل پل کی رپورٹیں روسی اشتراکیوں کو خیوا
کے اندر سے بھجوائی جاتی رہیں۔ شکست کے بعد جنید خان نے قراقم میں پناہ لی اور عرصہ تک
سرخ فوج کے خلاف گوریلا جنگ میں مصروف رہا۔ بخارا کی ریاست کو زاروں کے دور میں
(روسی فتح کے بعد) بڑی حد تک داخلی خود مختاری حاصل رہی' تاہم امیر بخارا کا اقتدار
سینٹ پیٹرز برگ کا مرہون منت ہوتا تھا اور روسیوں کو ہر قسم کی مداخلت کا حق حاصل تھا۔
اہل بخارا چاہتے تھے کہ اس مداخلت سے بھی مکمل آزادی حاصل کریں لیکن ان کے اندر
اسلامی پاکیزگی اور سعادت کی روح کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ لوگ اتنے ہی مادہ پرست

Marfat.com

تھے جتنے کہ کمیونسٹ' اخلاقی اور معاشرتی زوال انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اسلام کے ایک مرکز کے طور پر بخارا کا صرف نام چلتا تھا۔ "سیاست شجر ممنوعہ تھی' یہ میدان علماء نے لادین قوتوں کے لئے خالی چھوڑ رکھا تھا۔ ترکستانی معاشرہ عالم اسلام سے بالکل بے خبر اور بڑی حد تک کٹا ہوا تھا۔ رفاہیت اور خوشحالی کی وجہ سے پورا معاشرہ خوابِ خرگوش میں مبتلا تھا۔ ہر شخص شاطر اور ہر فرد ہوس کار تھا۔ سال میں چھ مہینے سیر و تفریح میں کٹتے۔ شکار کھیلنا نام و نمود کی خاطر مال و دولت لٹانا طرۂ افتخار اور امتیازی نشان بن چکا تھا۔ علما کی اکثریت تنگ نظر جمود کا شکار اور فروعات میں الجھی ہوئی تھی۔ مشائخ اور صوفیا معاشرے اور قوم کے عملی مسائل سے بے نیاز خانقاہوں میں گم تھے۔ مراقبہ' کشفِ قبور' عزلت گزینی' ریاضت چلہ کشی' وحدت الوجود پر بحث مباحثے اور نفس کشی ان کا شغل تھا" ("سمرقند و بخارا کی خونیں سرگزشت"۔ اعظم ہاشمی)۔ اپنی کتاب "روس میں مسلمان قومیں" میں آباد شاہ پوری ترکستانی مسلمانوں کی (انقلاب روس کے وقت) اخلاقی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ملت اسلامیہ میں ایسے غداروں کی بھاری تعداد موجود تھی جنہوں نے روپے کی خاطر دشمن کی افواج میں شریک ہو کر اپنی ہی قوم کو کچلنے میں مدد دی۔ اخلاقی گراوٹ کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ عمل قوم لوط عام ہو چکا تھا، بیگ، خان اور شیوخ سب اسی لت میں مبتلا تھے' جو اس سے محفوظ تھے ان کے اعصاب پر عورت سوار تھی۔ شریعت اسلامیہ بازیچہ بن چکی تھی۔ اسکے نام پر ہر خلافِ شریعت کام روا رکھا جاتا تھا۔ علماء کی عمومی حالت بھی خوش آئند نہ تھی۔ مچھر چھاننا اور اونٹوں کو سموچا سمیت نگل جانا ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی' مشرکانہ اعمال اور بدعات کا بازار گرم تھا" جدت پسندوں اور قدامت پسندوں کے درمیان کشمکش قوم دشمنی کا روپ دھار چکی تھی، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے دشمن کے ہاتھ میں کھیلتے رہے۔ قدامت پسندوں نے جدت پسندوں کی مخبری روسی حکومت سے کی۔ اسکے جواب میں جدت پسند کمیونسٹوں کے آلہ کار بن گئے۔ جب قوقند کے

Marfat.com

حکمران نے کمیونسٹوں کے خلاف حاکم بخارا سے مدد طلب کی۔ تو امیر بخارا نے قوقند کے وفد کو اپنے پاس باریاب ہونے کی اجازت صرف اس لئے نہ دی کہ اسکے مطابق قوقند کی حکومت پر جدت پسند مسلمان چھائے تھے جن سے امیر بخارا کو شدید نفرت تھی۔ امیر بخارا کو دولت سمیٹنے کا ضبط تھا۔ تاشقند کے سٹیٹ بنک میں اسکے ذاتی اکاؤنٹ میں چار کروڑ روبل جمع تھے۔ بخارا کے شاہی محل میں سونے اور چاندی سے بھرے صندوق تھے' امیر بخارا متمول سوداگروں کو سود پر قرض بھی دیتا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں اہل بخارا کو مکمل آزادی کا اعلان کرنے کی سوجھی لیکن روپے کو ایمان سمجھنے والے غداروں (جنہوں نے کمیونزم کے تمغے سینے پر سجائے تھے) نے روسی حکومت کے ساتھ مل کر آزادی کی اس کوشش کو اسطرح ناکام بنایا کہ بخارا' سمرقند' تاشقند اور شہر سبز کی مساجد کے میناروں سے اگلے ستر سال تک اذان کی آواز نہ گونج سکی۔ کمیونسٹوں کو بخارا کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر آخری امیر بخارا سید عالم جان نے والیٔ افغانستان کی طرف مدد حاصل کرنے کے لئے وفد بھیجا' لیکن تحائف کے تبادلہ کے سوا والیٔ افغانستان امان اللہ خان نے اس نازک وقت میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی، قوموں کے متعلق بھی یہ بات صحیح ہے۔ ایک طرف بھری دنیا میں بخارا کا ساتھ کوئی نہیں دے رہا تھا' دوسری طرف خراب موسم کے سبب فصلیں بھی اچھی نہ ہوئیں، ستر فی صد مال مویشی بارشیں نہ ہونے سے ہلاک ہو گئے اور ترکستان کا وسیع علاقہ قحط کی لپیٹ میں آ گیا، پہلے یاجوج (چنگیز خانی لشکر) نے اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی۔ اب ماجوج (روسی کمیونسٹ فوجیں) سیلاب کی طرح اسلامی علاقوں میں امڈ آئے۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے سرخ جنت کا تصور پیش کیا جسمیں محنت کشوں' غریبوں اور عام لوگوں کے لئے وہ تمام نعمتیں میسر ہونی تھیں جنہیں صرف امرا اور دولتمند لوگوں کے گھروں میں دیکھا جاتا تھا۔ غریب محنت کش اور کسان (مسلمانوں سمیت) اپنی مادی خواہشات کی تکمیل کی آرزو میں روسی جنت کی طرف دوڑے۔ اہل ایمان

Marfat.com

(جو قلیل تعداد میں تھے) نے انہیں اس سراب سے خبردار کیا بھی لیکن وہ پیٹ کی غلامی قبول کر چکے تھے' پھر جو ہوا سو ہوا۔ اگست 1920ء میں سرخ افواج بخارا کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئیں' مسلمانوں میں سے مقامی غداروں اور کمیونسٹوں کی ایک بھاری تعداد شہر سے باہر نکلی اور سرخ فوج سے مل گئی۔ چند دنوں تک روسی فوجوں کے لیڈر اور امیر بخارا کے درمیان مصالحت کے لئے پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا، لیکن دراصل روسی مناسب موقع کے منتظر تھے۔ ایک دن نصب شب کو روسی فوج نے ہلہ بول دیا، بخارا کے شہری اس وقت غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ لوگ صبح سویرے نماز فجر کے لئے بیدار ہوئے تو انہوں نے سرخ فوج کو شہر کے دروازوں سے داخل ہوتے دیکھا۔ مزاحمت ہوئی لیکن روسیوں نے بمباری شروع کر دی، بخارا اکیلا تھا، پھر غداروں کا جم غفیر شہر کے اندر بلکہ امیر بخارا کے دربار میں موجود تھا۔ ہر طرف سے پراپیگنڈا کا سیلاب آ رہا تھا جو کمزور ایمان لوگوں کو سرخ جنت کی موعودہ برکتوں اور انعامات کی "بشارت" دیتا تھا۔ شدید مزاحمت کے باوجود بخارا چار دن بعد سرنگوں ہو گیا' امیر بخارا پناہ کی تلاش میں اپنے وفادار ساتھیوں سمیت افغانستان بھاگ گیا۔ یہ سقوط بخارا تھا۔ اس کے بعد ترکستان کے مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہونا قدرتی بات تھی' اس اضطراب کا اظہار مشہور و معروف "بسماچی" تحریک کی شکل میں ہوا۔ اس لفظ کا مطلب تو غالباً بد معاشی ہے، لیکن یہ تحریک گوریلا طریق جنگ کی تحریک تھی۔ مقصد' آزادی کے لئے روسیوں کو ذلیل کرنا اور قتل کرنا تھا۔ ایک وقت آیا کہ روس اس تحریک کے روح رواں انور پاشا جیسے لوگوں کے ناموں سے لرزاں تھا۔ لیکن روسی کمیونسٹ اس تحریک میں بھی اپنے خاص لوگ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے، تحریک کی قیادت پھوٹ کا شکار ہوئی۔ دو سال بعد 1922ء میں روسی کمیونسٹ عین اس وقت تحریک کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ آور ہوئے جب قائدین سمیت مجاہدین عید کی نماز پڑھ رہے تھے۔ تمام قیادت شہید ہو گئی اور تحریک دم توڑ گئی۔ کچھ شہروں میں تحریک کے باقی ماندہ اثرات کے تحت روسیوں

Marfat.com

پر 1924ء تک اکا دکا حملے ہوتے رہے لیکن حقیقی جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔

اسلام سے خوف زدہ مسلمان حکمران!

سائبیریا اور قازان وغیرہ علاقوں کو چھوڑ کر (جنہیں پہلے ہی "روسیایا" جا چکا تھا) روسی حراست میں آئے ہوئے تمام مسلمان علاقوں کو 1917ء کے بعد روسیوں نے نئے سرے سے فتح کیا تھا' اس لئے کہ ان سب علاقوں نے کسی نہ کسی انداز میں روسی بالادستی (حکمرانی) سے نجات کے لئے ہاتھ پاؤں مارے، آزادی و خود مختاری کے اعلان کئے' بلکہ تھوڑے عرصے کے لئے (جب تک سوشلسٹ روس اندرونی کشمکش اور خانہ جنگی میں مبتلا رہا) حقیقی آزادی کا ذائقہ بھی چکھا۔ تاہم نئی روسی حکومت نے سیاسی طور پر مستحکم ہوتے ہی ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس مرتبہ یہ محض قبضہ نہ تھا، فولادی پردہ بھی تھا' زاروں نے کم از کم قفقاز اور وسط ایشیا میں اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور مسلمانوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کی اجازت تھی۔ اب "نئے زاروں" نے اسلام کے بارے میں مختلف پالیسی پر عمل کیا۔ اس پالیسی کا اہم نظریاتی پہلو یہ تھا کہ چونکہ سوشلسٹ جمہوریہ روس یا سوویٹ یونین میں کسی دین یا مذہب کو تسلیم نہیں کیا جاتا (سب روسی شہری بشمول ازبک' ترک' تاتار' قپچاق' کرغیز' ترکمان وغیرہ کمیونسٹ ہونے کے ناطے برابر ہیں) اس لئے مسلمان اپنے آپ کو الگ قوم نہیں کہلوا سکتے۔ یہ وہ نئی بات تھی جو شاید فرعون کو بھی نہیں سوجھی تھی ورنہ اسے بنی اسرائیل کے بیٹے قتل کرانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ 1991ء میں جب نصف درجن ایسی ریاستیں سوویٹ یونین کے خاتمے کے ساتھ آزاد ہوئیں جن پر مسلمان ہونے کا لیبل تھا تو عموماً یہی سمجھا گیا کہ روس نے مجبوری کے تحت مسلمان ریاستوں کو آزاد کیا ہے۔ کیونکہ اسلام کو ان علاقوں کے لوگوں کے دل سے کھرچا نہیں جا سکا تھا۔ یہ بات بڑی حد تک صحیح تھی لیکن اتنے طویل عرصے میں روسی زبان و ثقافت و دیگر اثرات کے

Marfat.com

تحت ترکستان کے مسلمانوں کے نزدیک اسلام کا تصور خاصا گڈ مڈ ہو چکا ہے۔ اور جہاں تک ان علاقوں کی حکومتوں کا تعلق ہے وہ اسلامی تعلیمات کے احیاء سے اب اتنی ہی خوفزدہ ہیں جتنا کہ کبھی روس تھا' اس کی وضاحت ایک خبر سے ہوتی ہے جو 21 مئی 1998ء کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ خبر یہ تھی کہ "ازبکستان کی حکومت نے مذہبی آزادیوں کے خلاف نئے اور سخت قوانین جاری کئے ہیں' جن کو اس ماہ کے آخر میں پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا بی بی سی کے مطابق نئے قوانین کے تحت سرکاری مذہبی عملے کے علاوہ اسلامی لباس پہننے والوں پر جرمانہ عاید کر دیا جائے گا یا قید کی سزا ہو گی، کسی ایسے شخص کو بھی پانچ سال کی سزا ہو سکتی ہے جو حکومتی اجازت کے بغیر کوئی اسلامی تنظیم قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ نجی طور پر بھی مذہبی تدریس پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے"۔ موجودہ قازقستان کے حکمران شروع سے اسلام اور دینی سرگرمیوں کے خلاف اپنے خیالات کا کھلم کھلا اظہار کرتے رہے ہیں۔یاد رہے کہ سمرقند و بخارا جیسے سابق اسلامی مراکز ازبکستان میں ہیں۔ کیا ان اسلام مخالف اقدامات کا یہی مطلب سمجھا جائے کہ روس نے (مغربی ممالک کے ساتھ افہام و تفہیم کے بعد) اس وقت ان علاقوں کو آزاد ہونے کی اجازت دی جب اسے یقین ہو گیا کہ ان علاقوں کی موجودہ نسل صرف نام کی حد تک مسلمان باقی رہ گئی ہے (بلکہ نام کے ساتھ بھی "اوف" مستقل لاحقہ لگ گیا) اور ان کا عملی اسلام یا قرآن سے کوئی رشتہ نہیں رہا اور وہ مکمل طور پر روسیائے جا چکے ہیں؟

سرخ جنت میں اسلام پر کیا گزری؟

تفصیل کا موقع نہیں' مزدوروں کی سرخ جنت سوویٹ یونین (سوشلسٹ جمہوریہ روس) نے اپنے محروسہ مسلم علاقوں میں جو "حسن سلوک" مسلمانوں سے کیا اس کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے (کہ ہلاکو بھی شرما جائے)۔ مسلمانوں کی

Marfat.com

ملی وحدت کے تصور کو پارہ پارہ کرنے کے لئے قبائلی بنیادوں پر نئی قومیں کھڑی کی گئیں (قرغیزیہ 'ازبکستان' ترکمانستان' قازقستان' چیچنیا' انگوش وغیرہ وغیرہ) عربی فارسی پر پابندی لگا کر ان قبائلی قوموں کی از کار رفتہ و دقیانوسی بولیوں کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ پہلے عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس اقدام کے خلاف شدید احتجاج کیا لیکن ان کی آواز روسی پروپیگنڈا میں دبا دی گئی اور اس اقدام کی مزاحمت کرنے والوں کو سائبیریا جلاوطن کر دیا گیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو جن میں باکو کے کلیم براجیموف اور سلطان غالیف جیسے دانشور شامل تھے، قید و بند میں ڈال کر اذیتیں دی گئیں یہاں تک کہ انہوں نے سنگینوں کے خوف سے اقرار کیا کہ لاطینی رسم الخط ہی صحیح ہے۔ 1940ء میں لاطینی رسم الخط کی جگہ روسی رسم الخط تمام مسلمان علاقوں میں رائج کیا گیا' دلیل یہ دی گئی کہ اس طرح روسی و غیر روسی قوموں کے درمیان اتحاد کو فروغ حاصل ہوگا' لیکن اصل مقصد تو اسلامی ثقافت کو مٹانا تھا۔ ترکی میں کمال اتاترک نے رومن رسم الخط شروع کر کے پہلے ہی یہ نظریہ پیش کر دیا تھا کہ عربی زبان' عربی رسم الخط اور عربی انداز کی ثقافت ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ بہر حال مسلمان علاقوں میں جب روسی رسم الخط رائج کیا گیا تو مسلمان دانشوروں کے ایک بڑے طبقے نے ایک بار پھر احتجاج کیا اور روسی قید خانے ان دانشوروں سے بھر گئے۔ "بہت سے ممتاز رہنما گولیوں کا نشانہ بنے" (روس میں مسلمان قومیں۔ آباد شاہ پوری) عربی جو محراب و منبر کی زبان ہے، قرآن کی زبان ہے، اس کے رسم الخط سے ناطہ ٹوٹ جانے کے بعد وسط ایشیا، قفقاز، آذربائیجان' سائبیریا، قازان و کریمیا کے کروڑوں مسلمانوں کو عملاً ارکانِ اسلام سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس طرح جس خاردار جھاڑی کا تخم بویا گیا آج وہ خوب پھل پھول رہی ہے۔ روس کی یہ تمنا تھی کہ "مسلم ملت" کے تصور کو ختم کر کے مختلف زبانیں بولنے والی مسلم قوموں کو روسی کلچر میں جذب کیا جائے یا کم از کم انہیں زبانوں کی بنیاد پر مختلف علاقائی قومیں بنا دیا جائے۔ پہلے لاطینی رسم الخط' اس کے بعد روسی

Marfat.com

رسم الخط کا رواج، عربی زبان کا امتناع وغیرہ، ان تمام اقدامات کا واحد مقصد یہی تھا، لیکن ستر سال تک کوشش کے باوجود روس یہ مقصد مکمل طور پر حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا، البتہ یہ کامیابی ہوئی کہ علاقائی زبانوں کو فروغ دیکر "مسلم ملت" کے تصور کو مسخ ضرور کر دیا۔ انقلاب 1917ء کے وقت روس کے محروسہ مسلمان علاقوں میں تین بڑی علاقائی زبانیں (جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں) رائج تھیں، مسلم قفقاز بشمول آذربائیجان و داغستان وغیرہ میں آذری ترکی زبان سب سے بڑی زبان تھی اور اس میں قابل قدر اسلامی، علمی ذخیرہ ادب موجود تھا، مغرب میں وسطی والگا، قازان اور تاتاری علاقوں میں والگا تاتار بطور اہم زبان بولی اور لکھی جاتی تھی، جبکہ تمام وسطی ایشیاء (قازقستان، بخارا، خیوا، قوقند وغیرہ) میں "چغتائے ترکی" رائج تھی۔ مسلم قفقاز میں تو آزادی کے ساتھ ساتھ عربی بھی بولی اور لکھی جاتی تھی اور شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم قفقاز میں آزادی اور اسلامی تشخص کے لئے جو تڑپ ہے اسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مصنف کو یقین ہے کہ مسلم قفقاز (چیچنیا، انگشتیا و داغستان) میں اسلام کی تحریک ضرور کامیاب ہوگی اور پوری دنیا کے لئے جو اہل اسلامی انقلاب کا آغاز بھی اسی سرزمین سے ہوگا، شاید اسی سرزمین سے وہ انسان نکلیں جو فرنگی و روسی یاجوج و ماجوج کے لشکروں کو مکمل تباہ و برباد کر دیں، جبکہ آج جاپان سے لیکر جبوتی تک انہی یاجوج و ماجوج کا حقیقی یا تہذیبی تسلط ہے۔ خیر، سوشلسٹ روس کے لئے نرم گوشہ رکھنے والے ترقی پسند مسلمانوں نے روسی حکمرانوں سے اُس وقت یہ درخواست کی کہ چھوٹی چھوٹی زبانوں اور نسلوں پر مبنی ایک درجن طفیلی مسلم ریاستیں بنانے کی بجائے ایک بڑی مسلم ریاست (بشمول قفقاز، والگا، سائبیریا کا تاتاری علاقہ، قازان و ترکستان وغیرہ) قائم کی جائے جس کا نام "ری پبلک آف توران" ہو، لیکن کمیونسٹ رہنماؤں نے یہ تجویز مسترد کر دی اور ایک درجن کے قریب ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں اپنے ماتحت قائم کیں جن کی بنیاد زبانوں پر تھی اور ان زبانوں میں سے بعض ایسی تھیں کہ کبھی

Marfat.com

لکھنے میں نہ آئی تھیں اور محض بولی Dialect کا درجہ رکھتی تھیں۔ مزاحمت کرنے والوں کو غدار قرار دیکر کچل دیا گیا۔ عربی کا لکھنا اور بولنا جرم قرار دیا گیا۔

اسلام پر حملہ۔ سوشلسٹ سٹائل!

روسی کمیونسٹوں نے دوسرا بڑا حملہ براہِ راست اسلام پر کیا۔ اس سلسلے میں بعض جگر خراش حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔ کمیونسٹوں نے شروع میں یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی مذہب کو نہیں مانتے، چنانچہ ابتدا میں مسیحیت کے خلاف بھی مختصر سی مہم چلائی گئی' یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ یہودیت کے خلاف نظری یا عملی کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ 1928ء کے لگ بھگ اسلام پر بھرپور حملے کا آغاز کیا گیا۔ جس کی قیادت بظاہر ان دہریوں کے سپرد کی گئی جو اتفاق سے مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ مہم اس لئے بھی بے رحمانہ تھی کہ روسیوں کے نزدیک اسلام کے قانونی اور اخلاقی ضابطے (دیگر مذاہب کے مقابلے میں) مسلموں اور غیر مسلموں کے مابین نفسیاتی دیوار بن کے حائل تھے۔ "چنانچہ تاریخ میں پہلی بار ایک اہم مسلمان کمیونٹی کو الحاد کے باقاعدہ اور سنگین چیلنج کا سامنا تھا اور اس کے مذہب کو مکمل بربادی کا خطرہ لاحق تھا۔ یہ اپنی "ایمپائر" سے اسلام کو مٹانے کی روسیوں کی پہلی کوشش نہ تھی کیونکہ ایسی ہی کوشش زار فیڈر نے سولہویں صدی کے آخر میں کی تھی' زارینا اینا نے اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں کی تھی' اور آخر میں زار نکولس لنسکی نے انیسویں صدی کی آخر میں کی، لیکن ان پچھلی مہمات کا مقصد اسلام پر عیسائیت کو مسلط کرنا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں جو سفاکانہ طریقے استعمال کئے گئے وہ سٹالن کے طریقوں سے ہرگز مختلف نہ تھے۔" ("دی اسلامک تھریٹ ٹو دی سوویٹ یونین"۔ الیگزینڈر بینگسن اینڈ میری براکسپ) کمیونسٹ پراپیگنڈا کے مطابق اسلام ایک ایسی افیون تھا جس کا مقصد محنت کشوں کو استحصالی طفیلیوں کے خلاف ان کی سوشلسٹ جدوجہد

Marfat.com

سے باز رکھنا تھا۔ یہ کہا گیا کہ اسلام انسان کے اندر تسلیم و رضا اور عاجزی پیدا کر کے اسے انقلابی فعالیت سے محروم کرتا ہے' اگلی دنیا اور جنت وغیرہ کا خواب دکھا کر لوگوں کو غیر سائنسی اور غیر حقیقی طرز عمل سکھاتا ہے اور یہ کہ اسلام ایک مفروضات پر مبنی عقیدہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ دلیل بھی استعمال کی گئی کہ اسلام ایک غیر ملکی مذہب ہے جسے اجنبی عرب باہر سے ان علاقوں میں لائے تھے، یہ کہ اسلام عورتوں کی تذلیل کرتا ہے اور وحشیوں کا مذہب ہے، یہ کہ روزے اور ختنہ وغیرہ جیسے مذہبی کام دقیانوسی اور غیر صحت مندانہ ہیں اور جدید ترقی یافتہ معاشرے میں اسلام کا کوئی مقام نہیں۔ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کے لگاؤ اور محبت کو زائل کرنے کے لئے روس کی کمیونسٹ حکومت نے ستر سال کے عرصے میں جو پراپیگنڈا کیا اور اس مقصد کے لئے جو وسیع وسائل استعمال کئے ان کی کوئی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ روس کے تمام ریڈیو سٹیشن اور بعد میں ٹیلی ویژن دن رات اسلام کو ایک ترقی مخالف اور وحشی مذہب ثابت کرنے میں مصروف رہے، اسلام پر اور اسلام کے بانی پر ایسے ایسے بے سروپا الزام گھڑ کر لگائے گئے کہ ابو جہل بھی سن پاتا تو کانوں کو ہاتھ لگاتا۔ بس اڈوں' ریلوے اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور ڈاک خانوں وغیرہ جیسے پبلک مقامات پر ایسے لمبے چوڑے اشتہار اور کارٹون لگائے گئے جن سے اسلام اور خدا کی توہین ہوتی تھی۔ اسلامی علاقوں میں ملحدین اور منکرینِ دین کی انجمنیں قائم کی گئیں جو شب و روز اسلام کے خلاف زہر اگلتیں اور ان انجمنوں کے ارکان کو بے شمار مراعات دی جاتیں۔ 1940ء میں ترکستان میں انجمنِ الحاد کی بارہ سو شاخیں کام کر رہی تھیں جن کے ہزاروں ارکان تھے۔ سکولوں، کالجوں' یونیورسٹیوں میں اہتمام سے اسلام کے خلاف کتابیں طلبا کو لازمی طور پر پڑھائی جاتیں۔ بے شمار لیکچر اور تقریریں اسلام کے خلاف کی جاتیں۔ اکیلے تاشقند میں 1957ء میں اسلام کے خلاف پندرہ سو لیکچروں کا بندوبست کیا گیا۔ 1960ء سے 1964ء تک روس میں دو سو سے زیادہ کتابیں اور بے شمار رسالے صرف اسلام کے خلاف شائع کئے گئے جن کی

Marfat.com

لاکھوں جلدیں اسلامی علاقوں میں مفت تقسیم کی گئیں۔ حج کے فریضے کی ادائیگی پر پابندی عائد کی گئی۔ کبھی کبھی دکھاوے کے لئے چند نام نہاد مسلمان (در اصل جاسوس) روسی حکومت کے خرچ پر حج کے لئے بھیجے جاتے تاکہ بیرونی دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ سوویٹ یونین میں اسلام محفوظ ہے۔ مثلاً 1966ء میں اسی قسم کے صرف چودہ حاجی حج کرنے گئے۔ 1927ء میں روس کے مسلمان علاقوں میں تمام شرعی عدالتوں کو ختم کر دیا گیا تاکہ آئندہ صرف روسی قانون کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ مذہبی تعلیم پر پابندی لگادی گئی' مثلاً انقلاب سے پہلے ترکستان میں آٹھ ہزار اسلامی مکتب تھے 1928ء تک تمام مکتب غائب ہو چکے تھے' سب سے آخر میں اسلام کے مرکز و محور یعنی مساجد کے نظام پر ضرب لگائی گئی۔ 1917ء میں انقلاب سے قبل ترکستان کو چھوڑ کے دیگر مسلم علاقوں میں چھبیس ہزار مساجد تھیں جہاں 45 ہزار پیش امام خدمات سر انجام دیتے تھے۔ 1942ء تک صرف 1312 مسجدیں باقی رہ گئی تھیں جہاں چند بوڑھے افراد نماز پڑھنے آجاتے تھے' علماء اور خطیبوں کو معاشرے کے طفیلیے اور انقلاب دشمن قرار دیکر ان کو ہراساں کیا گیا اور قید و بند میں ڈالا گیا' ہزاروں کو قتل کر دیا گیا۔ 1953ء تک کار آمد مساجد کی تعداد کم ہو کر صرف چار سو رہ گئی تھی اور جو پیش امام ان مسجدوں میں مقرر تھے زیادہ تر سرکاری جاسوس تھے۔ جن کی رپورٹوں پر راتوں رات اسلام کے قائل نوجوانوں کو اغوا کر کے غائب کر دیا جاتا تھا' اس کے بعد ان کا کبھی سراغ نہ ملتا۔ یہ کام روس کی دہشتناک خفیہ تنظیم کے جی بی سر انجام دیتی تھی۔ ترکستانی مہاجر اعظم ہاشمی نے سمر قند و بخارا و دیگر اسلامی علاقوں پر 1917ء کے بعد روسی اشتراکیوں کی چیرہ دستیوں اور اسلام پر بے دین روسیوں کی یلغار کا آنکھوں دیکھا حال "سمر قند و بخارا کی خونین سر گزشت" کے نام سے ایک مضمون میں لکھا تھا۔ اس مضمون سے چند اقتباسات اس سلسلے میں ملاحظہ ہوں "کمیونسٹوں نے مسلط ہوتے ہی زمینیں' باغات' دکانیں اور بارگاہیں غصب کر لیں' کسان' تاجر' علماء اور مذہب سے وابستہ

Marfat.com

افراد، سب کو حقوق شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ نماز، روزہ جرم قرار پائے۔ حج پر پابندی لگا دی گئی اور مسجدیں بند کر دیں، مسجدیں بند کرنے کے لئے مکارانہ ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ سب سے پہلے مسجدوں اور مدرسوں کے اوقاف ضبط کر لئے گئے۔ اس طرح مسجدیں اور دینی درسگاہیں اپنے وسائل زندگی سے محروم ہو گئیں۔ پھر مسجدوں پر بھاری ٹیکس عائد کر دیئے گئے، جب لوگوں نے چندہ جمع کر کے ٹیکس ادا کیا تو چندہ دینے والوں پر دفینہ ٹیکس لگا دیا گیا، اعلانیہ کہا جانے لگا کہ جو لوگ مسجدوں کا ٹیکس ادا کرتے ہیں انہوں نے خزانے چھپا رکھے ہیں، ہم یہ خزانے ان سے اگلوائیں گے۔ اب مسجد ٹیکس ادا کرنے کی جرأت کون کرتا؟ چنانچہ جب مقررہ معیاد میں ٹیکس ادا نہ ہوتا تو ایک ہفتے بعد مسجد پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا، ادھر جو لوگ نماز پڑھتے ان پر نمازی ٹیکس عائد کر دیا گیا، نتیجہ یہ کہ لوگ گھروں میں نماز پڑھنے لگے اور مسجدیں ویران اور بے آباد ہو گئیں، جب کوئی مسجد اس طرح ویران ہو جاتی تو ایک روز کمیونسٹ اس میں جمع ہوتے اور ایک قرارداد منظور کرتے کہ یہ مسجد بے کار اور ویران پڑی ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ اس کو کسی رفاہی کام میں استعمال کرے، اور کمیونسٹ مسجد پر قبضہ کر کے یا تو اسے شہید کر دیتے یا اصطبل، کلب اور رقص گھر وغیرہ میں بدل دیتے۔ دیندار اور نماز روزے کے پابند مسلمانوں پر حملے ہونے لگے لیکن کبھی کوئی قاتل گرفتار نہ ہوا اس طرح ہزاروں مسلمانوں کو (ترکستان میں) شہید کر دیا گیا۔ کمیونسٹ، اسلام پر بہتان طرازی کرتے، قرآن و حدیث، دین اور دینی پیشواؤں کے مضحکہ خیز کارٹون بنا کر سڑکوں اور مسجدوں میں چسپاں کرتے۔ حضور ﷺ کا فرضی پتلا بنا کر چوراہوں میں رکھ دیتے اور جو شخص ادھر سے گزرتا اس کو پکڑ لیتے اور بڑی دریدہ دہنی کے ساتھ اس پتلے کی طرف متوجہ کرتے ہم ترکستانی مسلمان کفران نعمت میں مبتلا تھے، خصوصاً علما حضرات، سیلاب امڈتا رہا اور وہ پڑے سوتے رہے، جاگے بھی تو اس وقت جب سیلاب مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کی دیواروں سے ٹکرایا۔ بخارا میں آٹھ سو دینی مدارس تھے لیکن وہ اب قال اللہ اور

Marfat.com

قال الرسول کی آوازوں سے محروم ہو چکے تھے، کوئی اصطبل بنا ہوا تھا، کوئی گودام اور کوئی کلب بن چکا تھا اور کسی سے رقص و سرور کی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ رہنمایان ملت اور دینی پیشوا یا تو شہید کر دیئے گئے تھے یا جلاوطن، جیل خانے دیندار مسلمانوں سے بھرے ہوئے تھے' عوام سخت پست حوصلہ اور جذبہ دینی سے خالی ہو چکے تھے، گویا تیمور کے گھر سے غیرت وحمیت کا جنازہ ہی نکل گیا تھا۔۔۔۔۔۔ صبح صادق کے وقت پہلے موذن آیا پھر دو آدمی اور آئے اور صرف ہم چار آدمیوں نے نماز فجر ادا کی، ان لوگوں کی زبانی پتہ چلا کہ رات شہر (بخارا) پر قیامت گزر گئی۔ کمیونسٹ درندے اور سرخ فوج کے وحشی سپاہی شہر بھر میں پھیل گئے اور قتل عام شروع کر دیا، لوگوں کو گھروں میں گھس گھس کر نکالا گیا اور گولی مار دی گئی، صبح کے وقت بخارا کے گلی کوچے لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ (شہر سبز میں ایک دن) کمیونسٹ پارٹی نے نماز مغرب کے بعد تمام بڑی مسجدوں میں بیک وقت جلسے کئے' اہل محلہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی پردہ نشین بہو بیٹیوں اور بیویوں کو لیکر مسجد میں آئیں' مسلح پولیس کے سپاہی ایک سرخ فوجی کی سرکردگی میں ایک ایک گھر گئے اور عورتوں اور مردوں کو جانوروں کی طرح ہانک لائے۔ مسجد کے دروازے پر دائیں بائیں دو کمیونسٹ کھڑے تھے اور مستورات کے سروں سے برقعے، چادریں اور دوپٹے اتار اتار کر مسجد کے صحن میں ڈھیر کرتے جاتے تھے' رات کے دس بجے سب لوگوں کی موجودگی میں اس ڈھیر کو آگ لگادی گئی، اس کے بعد تقریریں شروع ہوئیں، مقرر یکے بعد دیگرے پردے کے خلاف آتشیں تقریریں کرتے اور منہ سے جھاگ اڑاتے رہے (مثلاً یہ کہ)۔۔۔۔۔ پردہ عورتوں پر مردوں کے ظلم کی نشانی ہے۔ نکاح و طلاق کا جھنجھٹ اب باقی نہیں رہا' یہ دین' خدا' رسول۔ قرآن' حساب کتاب' فرشتے' دوزخ اور جنت سب ڈھونگ ہیں' جو روحانیوں نے قولاق (زمینداروں) اور سرمایہ داروں سے گٹھ جوڑ کر کے رچائے ہیں۔۔۔۔ سٹالن کے حکم سے روس کے طول و عرض سے تاتاری' ترکستانی اور قفقازی علما کو بلوایا گیا اور ایک محضر نامہ ان کے سامنے

Marfat.com

دستخط کے لئے رکھا گیا' اس میں لکھا تھا کہ مارکس اور لینن جو کچھ لکھتا ہے وہی اسلام ہے۔ ان مردان حق نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو نہ صرف انہیں بلکہ ان کے ہم خیال سینکڑوں علما کو راتوں رات گرفتار کر کے سائبیریا بھیج دیا۔ 93 نمایاں حضرات کو ٹرکوں میں لاد کر اوش کے پہاڑوں میں پہنچا دیا گیا' ہر شخص کو ایک بوریِ چونے کی اور ایک پاوڑا دیا' پہلے ایک عالم دین کو حکم دیا کہ ایک فٹ چوڑا دو فٹ گہرا چھ فٹ لمبا گڑھا کھودو' گڑھا تیار ہو گیا تو حکم ہوا اس میں اتر جاؤ' جونہی وہ گڑھے میں اترا اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی' دوسرے عالم کو اس پر بوری پلٹ دینے کا حکم دیا۔ اس طرح ہر شخص نے اپنی قبر کھودی اور اسی انجام سے دوچار ہوا۔ آخری آدمی کو زخمی کیے بغیر صحیح سالم زندہ دفن کر دیا گیا۔

جب روسی کمیونسٹوں نے دیکھا کہ جبر' تحریص و تہدید کے باوجود مسلمان اسلام کے ساتھ وابستگی پر مصر ہیں تو انہوں نے اسلام کے سب سے بڑے قلعے "عصمت" پر حملے کا فیصلہ کیا، عصمت یا حرم اسلامی تہذیب کی وہ آخری پناہ گاہ ہے کہ اس میں شگاف کے بعد دشمن کو اور کسی حملے کی ضرورت نہیں رہتی۔ روسی اشتراکیوں نے اسلام کے اس قلعے پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور عورتوں کو اپنی بد اخلاقی کی توپوں کے چارے کے طور پر استعمال کیا۔ مفلس مسلمان خاندانوں کی عورتوں کو مسخر کرنا آسان تھا کیونکہ یہاں افلاس بھی تھا اور جہالت بھی، کمیونسٹوں نے ان کی ان دونوں کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا' انہیں کلب گھروں میں بلایا جانے لگا، عورتیں خوش کہ آزادی مل گئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ مسلمان گھرانوں میں بغاوت شروع ہو گئی اور نوجوان عورتیں اور لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر اشتراکی اقامت گھروں (ہوسٹلوں) میں رہنے لگیں۔ اس سلسلے میں کمیونسٹ دور کی ابتدا کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مسلمان کی بیوی ایک رات اچانک غائب ہو گئی وہ تلاش میں مارا مارا پھرا' آخر اس نے اپنی بیوی کو "آزاد" عورتوں کی قیام گاہ پر ڈھونڈ نکالا' اس نے حکام سے اپنی بیوی مانگی لیکن انہوں نے اسے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ راستے میں وہ ایک دوست کے پاس رات

Marfat.com

گزارنے ٹھہر گیا، صبح ہوئی تو اس دوست کی بیوی بھی غائب تھی۔ مرد وزن کے اس آزادانہ اختلاط اور رنگ رلیوں کی فضا نے شرم وحیا کا جنازہ نکال دیا، کیمونسٹ آزادی کے نام پر مسلمان عورتوں کی عصمت سے کھیل رہے تھے۔" ایک مسلمان مگر نئی کیمونزم کی کشش کا شکار عورت نے بیان کیا "وہ (کیمونسٹ مرد) جب ہم عورتوں سے ملتے تو اپنے جذبات قابو میں نہ رکھ سکتے، اگرچہ غیر شعوری طور پر سہی' فوراً کھل جاتے اور ایسی حرکتوں پر اتر آتے جو کسی بدکار عورت کے ساتھ کی جاتی ہیں" (حوالہ روس میں مسلمان قومیں۔ آباد شاہ پوری) "ڈان اوور سمرقند" کے مصنف ای ایس بیٹس (E.S. Bates) کے مطابق "روسی افسر جب کسی بے پردہ عورت کو دیکھتے اسے لقمہ تر سمجھتے گھیر گھار کر مکان میں لے جاتے اور اس کی عصمت دری کر ڈالتے" (بحوالہ: آباد شاہ پوری) نقاب مسلمان عورتوں کے منہ سے جبراً مقامی عیسائی اور یہودی عورتوں کی مدد سے اتار اگیا۔ عصمت وپاکیزگی کے تصور کو عورت کی آزادی کے منافی قرار دیکر مسلمان عورتوں کی ایک پوری نسل سے دہریوں' مرتدوں اور یہودیوں نے بداخلاقی کا کھیل کھیلا۔ روس کی کیمونسٹ حکومت نے عیسائی وکیمونسٹ روسیوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کی شادیوں کو رائج کرنے کی کوشش کی (حالانکہ ایسی شادی اسلام میں حرام ہے) اس کے علاوہ مسلمان مردوں کے لئے ایک سے زیادہ شادی پر بھی پابندی عائد کر دی۔ عصمتِ بدن کے علاوہ، حلال وحرام کے دوسرے معاملات میں مداخلت کی گئی' مسلمانوں کو جو سور کا لفظ بھی منہ سے نکالنا پسند نہیں کرتے، سوروں کے گلے پالنے اور ان کی نگرانی پر لگا دیا گیا۔ اب ظاہر ہے جب مسلمانوں نے (قرآنی تعلیم سے بے بہرہ ہو کر) سوروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح پالنا اور چرانا شروع کیا تو وہ ان کے گوشت کے ذائقہ سے کہاں تک بچ سکے ہوں گے؟ گمان ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد بھی کم از کم قازقستان میں یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے کیونکہ اب بھی وہاں طویل مدت تک شکم پرستانہ الحاد کی ہولوں کے زیر اثر دولت اور آمدن کا حصول مقاصد حیات میں پہلے نمبر پر ہے، اس کے لئے ذرائع کے پاک یا ناپاک ہونے پر غور نہیں کیا جاتا۔

Marfat.com

مسلمانوں کی نسل کشی بذریعہ قتلِ عام!

(ایک کروڑ مسلمان غائب!)

مقبوضہ و محروسہ مسلمان علاقوں میں زاروں کے زمانے میں مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ان کے قتل وغارت کے جن پروگراموں پر عمل ہوتا رہا ان کا ذکر پہلے ہو چکا' لیکن جس وسیع اور منظم پیمانے پر اشتراکی روس خصوصاً سٹالن کے زمانے میں مسلمانوں کا وجود بذریعہ قتل مٹانے کے سوچے سمجھے پراجیکٹ پر عمل ہوا' اس کے سامنے ایٹلا' چنگیز' ہلاکو اور تیمور کی وحشیانہ خونریزیاں محض گرد نظر آتی ہیں۔ دنیا مانتی ہے کہ انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے قتلِ عام میں روسی کمیونسٹ ماضی کے سفاک سے سفاک وحشیوں پر بازی لے گئے۔ چند مثالیں: کریمیا کے تاتاری مسلمانوں پر الزام لگا کہ انہوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران "روسی مادرِ وطن" کے خلاف جرمن حملہ آوروں کی حمایت کی تھی (حالانکہ اس نوعیت کی حمایت یا ہمدردی کا الزام مسلمانوں سمیت بے شمار روسی دانشوروں پر بھی چسپاں ہوتا تھا جو اشتراکیت کے آہنی پردے کے خلاف تھے اور انسانی حقوق میں یقین رکھتے تھے) 1944ء میں کریمیا کے تمام مسلمان تاتاریوں کو (خواہ وہ کہیں بھی تھے)' روسی فوج کے تاتاری افسروں اور سپاہیوں سمیت پکڑ لیا گیا اور سائبیریا و قازقستان کے برفستانوں میں بھیج دیا گیا۔ ان سزا پانے والے تاتاریوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ سٹالن کی موت کے بعد کچھ "بے گناہ" ثابت ہونے والے تاتاریوں کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن کریمیا اور والگا کے تاتاریوں کو یہ اجازت آج تک نہیں دی گئی۔ لاکھوں سرد دوزخ کے آدم خور ماحول میں ویسے ہی مر کھپ گئے۔ کریمیا میں ان تاتاریوں کی جگہ روسی اور یوکرائنی آباد ہو گئے' یوں تاریخ کے ساتھ ساتھ کریمیا کا جغرافیہ بھی ہمیشہ کے لئے بدل گیا۔ 1979ء کی مردم شماری کے مطابق کریمیا میں صرف پندرہ ہزار تاتاری

Marfat.com

تی رہ گئے تھے۔ ایک ایسی عظیم قوم جس نے پانچ صدیوں تک مشرقی یورپ کی سیاسی تاریخ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا اب ملیامیٹ ہو چکی ہے۔ جنوبی جارجیا میں دو لاکھ ترک و کرد مسلمانوں کو نومبر 1944ء میں کسی ظاہری سبب کے بغیر گھروں سے نکال کر قازقستان کے دور دراز منجمد ویرانوں میں پھینک دیا گیا۔ ان میں سے کم از کم پچاس ہزار افراد راستے کی صعوبتوں کے باعث دم توڑ گئے۔ غالباً ان لوگوں کا واحد جرم مسلمان ہونا تھا۔ 1970ء میں ان جلاوطن ترکوں میں سے کچھ نے ترکی سفارتخانہ کو یہ عرضداشت پیش کی کہ چونکہ انہیں روس میں غیر ملکی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ترک نسل سے تعلق ہونے کے ناطے انہیں ترکی جانے کی اجازت دی جائے، اس پر ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ فروری 1944ء میں چیچنیا اور انگشتیا کے تمام مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور سائبیریا جلاوطن کر دیا گیا۔ ساتھ ہی کراچے اور بلقار کے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی جلاوطن کر دیا گیا' اور ان کے علاقوں کو دوسری ریاستوں سے ملحق کر دیا گیا قفقاز کے ان جلاوطن ہونے والے کوہستانی مسلمانوں کی تعداد آٹھ لاکھ سے اوپر تھی۔ ان میں سے کم از کم دو سے تین لاکھ جلاوطنی کے دردناک سفر کے دوران شہید ہو گئے۔ تاہم ان جلاوطن قفقازیوں نے بہت ہی محکم ایمان اور سخت جانی کا ثبوت دیا اور اشتراکی حکومت کو اپنی شدید مزاحمت سے مجبور کر دیا کہ وہ انہیں واپس جانے کی اجازت دے۔ چنانچہ تیرہ سال بعد انہیں واپس قفقاز اپنے علاقوں میں جانے کی اجازت ملی اگرچہ اس دوران ان کا شدید مالی اور جانی نقصان ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان پہاڑی مسلمانوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان مسلمانوں نے سائبیریا اور قازقستان میں رہنے والے "روسیائے" ہوئے مسلمانوں کے اندر اسلام کے "وائرس" پھیلانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کی جلاوطنی کے دوران روسیوں نے قفقاز کی مسجدوں کو بند کر دیا لیکن یہ تجربہ بھی ناکام رہا۔

نسل کشی کے یہ اقدامات دوسرے مسلم علاقوں میں بھی کئے گئے۔ 1918ء میں

Marfat.com

قوقند کے شہر میں اشتراکی سرخ فوج نے شہری آبادی کے قتلِ عام میں تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ 1930ء میں قازق خانہ بدوشوں کو بستیوں میں آباد ہونے پر مجبور کیا، مزاحمت پر دس لاکھ سے زائد قازق مسلمان خانہ بدوش ہلاک کر دیئے گئے۔ داغستان اور چیچنیا میں نقشبندیہ سلسلے کی تحریک نے اشتراکی کوچہ گردوں کے خلاف جہاد کی منظم کوشش کی اور بہت سے روسیوں کو ہلاک بھی کیا، تاہم اپنوں کی غداری کے سبب روسیوں نے اس تحریک کے کئی رہنماوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں اذیتیں دیکر ہلاک کیا۔ اشتراکی روس کی مشہور و معروف وحشیانہ تطہیر (Purge) جس کا مقصد بظاہر انقلاب دشمنوں کا صفایا تھا، کا نشانہ بھی زیادہ تر مسلمان تھے حالانکہ وہ کمیونسٹ ہو چکے تھے۔ 1928ء میں کریمیا میں اس کاروائی کے دوران تاتار کمیونسٹ پارٹی کے فرسٹ سیکرٹری ولی ابراہیموف کو سولی دے دی گئی۔ تاتار بشیکر کمیونسٹ پارٹی" "یونین آف رائیٹرز" "یونیورسٹی آف قازان اینڈ اوفا بلکہ تاتارا نجمن ملحدین کے قائدین کو بھی قتل کر دیا کیونکہ وہ مسلمان پیدا ہوئے تھے۔ آذربائیجان میں کمیونسٹ تنظیموں کے تمام سرکردہ مسلمان ارکان کو 1937ء تک قتل کیا جا چکا تھا جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ وسطی ایشیا (سمرقند و بخارا وغیرہ) میں مقامی کمیونسٹ پارٹیوں کے تمام نوجوان مسلمان ارکان اور قبل از انقلاب کے دانشوروں کو 1938ء تک ختم کیا جا چکا تھا۔ 1926ء میں ترکستان میں دس ہزار کے قریب بلوچ آباد تھے، روسی ظلم و ستم سے تنگ آ کر ان بلوچ خانہ بدوشوں نے 1931ء میں سرحد پار کر کے ایران جانے کی کوشش کی، روسی سرحدی پولیس نے انہیں گھیر لیا' اکثر بلوچوں کو وہیں ختم کر دیا گیا' عورتوں اور بچوں کو سائبیریا بھیج دیا گیا جہاں سب کے سب مر گئے۔ چھوٹی سے ریاست باشکیریا میں چھ لاکھ مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا' اکثریت جلاوطنی کے دوران ختم ہوئی۔ قفقاز سے سائبیریا اور پھر واپسی کے پر مصائب سفروں کے دوران ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ساڑھے نو لاکھ بتائی جاتی ہے۔ سفر کے دوران ہلاکتوں کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو عام طور پر

Marfat.com

پندرہ بیس منٹ کے نوٹس پر ان کی آبادیوں سے نکال کر ٹرکوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح لاد لیا جاتا تھا اور ریلوے کے مویشی لے جانے والے ڈبوں میں بھر کر ہزاروں میل دور سائبیریا روانہ کیا جاتا۔ راستے میں نہ بول و براز کے لئے کوئی مہذب سہولت نہ سردی سے حفاظت کے لئے مناسب لباس یا ماحول۔ اس طرح پچاس فی صد افراد، خصوصاً بچے، بوڑھے اور عورتیں راستے میں مر جاتے۔ انہیں اپنے ساتھ خوراک لے جانے کی اجازت بھی نہ ہوتی۔ جب کریمیا کے تاتاریوں کو غداری کے الزام میں سائبیریا بھیجا گیا تو انہیں تیاری کے لئے صرف پانچ منٹ دئے گئے اور وہ تن کے کپڑوں میں گھروں سے باہر نکلے، چار ہفتوں کے طویل سفر کے دوران کسی کو کھانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہ دیا گیا۔ سائبیریا میں ایک طرف شدید سردی اور پھر شدید مشقت، قسمت والے ہی جان بچا سکے۔ سب سے زیادہ ''تطہیر'' کے نام پر قتل عام کیا گیا' خونریزی کا یہ جھکڑ تیرہ سال تک مسلسل چلتا رہا' ہزاروں بلکہ لاکھوں بہترین اذہان کو انقلاب دشمنی کے الزام پر فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا' یا موت سے بدتر اذیتوں کا سامنا کرنے کے لئے سائبیریا بھیج دیا گیا' یوں ''بڑے بڑے تناور درخت سرنگوں ہو گئے' ہر طرف ویرانی اور دہشت کا منظر تھا، وہ سب لوگ ختم ہو گئے جنھوں نے سوشلسٹ انقلاب سے پہلے آنکھیں کھولیں، زار شاہی روس کے خلاف تحریک آزادی میں حصہ لیا اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سوشلزم اور سوشلسٹوں سے خوش آیند امیدیں وابستہ کر لیں۔ سوشلسٹ چنگیزیت کے لگائے ہوئے زخموں سے تاتاریوں اور ترکستانیوں کا جسدِ ملی داغ داغ تھا اور ہر داغ سے لہو رس رہا تھا''
(روس میں مسلمان قومیں۔ آباد شاہ پوری)

1917ء میں جب روس میں سوشلسٹ انقلاب آیا تو روسی زاروں کی اسلام دشمنی کی تمام کوششوں کے باوجود روس کے مقبوضہ یا زیر اثر مسلمان علاقوں کی آبادی کا تخمینہ تین کروڑ سے زائد تھا' جبکہ 1939ء میں سرکاری مردم شماری کے مطابق یہ تعداد 2 کروڑ

Marfat.com

40 لاکھ تھی، اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ قدرتی طور پر مسلمانوں کی آبادی میں 22 سالوں کے دوران اضافہ نہیں ہوا (جو کہ ناممکن بات ہے) تو بھی آبادی کے اس فرق (کمی) کی اس کے سوا اور کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی کہ ساٹھ لاکھ سے زیادہ بلکہ شاید ایک کروڑ سے بھی زیادہ مسلمانوں کو سرخ روسی وحشیوں نے قتل کر کے سوشلزم کی خون آشام دیوی کے چرنوں میں بطور نذرانہ پیش کیا۔ عذاب کی یہ سرخ و سیاہ آندھی ان مسلمانوں کے باہمی نفاق، افتراق، ہوس دنیا، زر پرستی قوم لوط کے فعل کی کثرت، بے حیائی، بدعات کی فراوانی اور جہاد سے گریز کے سبب بالکل متوقع تھی لیکن اجتماعی ضمیر چونکہ مردہ ہو چکی تھی اس لئے کسی کو احساس پیدا نہ ہوا، قدرت نے انہیں انقلاب 1917ء کے فوراً بعد اپنی صفوں میں اتحاد کا ایک سنہری موقع دیا تھا۔ لیکن یہ موقع بھی باہمی نزاع اور بیکار بحث میں ضائع کر دیا گیا۔ پھر ایک کروڑ جانوں کے قتل اور لاکھوں جلاوطنیوں اور ہجرتوں کی سزا نافذ کر دی گئی۔

....

Marfat.com

باب - 11

ہند میں "آلِ تیمور" کا بگاڑ اور خوبصورت کنیزوں کے ساتھ ناچنے والے بادشاہ!

وسطِ ایشیا میں سلطنتِ تیمور کے وارث شیبانیوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے تو آلِ تیمور کا ایک بہادر شہزادہ جس کے ساتھ صرف دو تین سو ایسے جاں نثار تھے کہ اکثر ننگے پاؤں ہوتے' موزے ہوتے تو جوتے نہ ہوتے' جوتے ہوتے تو موزے نہ ہوتے' تلواروں کی جگہ اکثر کے پاس صرف لاٹھیاں ہوتیں' بخت آزمانے کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ابتدائی چند ناکامیوں کے بعد ہندوستان کا فاتح بنا۔ یہ مرزا بابر تھا۔ پانی پت کی لڑائی میں اس کا مد مقابل ابراہیم لودھی تھا جس نے اپنے کندھوں پر سلطنتِ دہلی کی نیم مردہ لاش اٹھا رکھی تھی۔ انجام واضح تھا۔ کثرتِ تعداد کے باوجود وہ بابر سے شکست کھا گیا۔ لودھی خاندان نے اسکے بعد محض سات لاکھ روپے بابر سے لیکر قلعہ آگرہ کی چابیاں اس نئے فاتح کے حوالے کر دیں۔ یوں ہند میں افسانوی سلطنتِ مغلیہ کا آغاز ہوا۔ یہ 1526ء کا واقعہ ہے! لودھیوں کی ایک لاکھ سپاہ اور ایک ہزار جنگی ہاتھیوں کے مقابل بابر کے ساتھ دس بارہ ہزار فوجی تھے جو البتہ لڑنا چاہتے تھے۔ دو سو تیرہ سال بعد بابر کی نسل سے تعلق رکھنے والا مغل بادشاہ محمد شاہ ابراہیم لودھی کی طرح نادر شاہ کا سامنا کر رہا تھا اور اُسکے سپاہیوں میں بھی لڑنے کے لئے قوتِ ارادی موجود نہ تھی۔

مغلیہ حکومت کے زوال وانحطاط کے متعلق علمائے تاریخ نے بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مصنف ونسنٹ اے سمتھ کے مطابق مغل سلطنت کے

Marfat.com

زوال کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسکی جڑیں سطحی تھیں' اسکا انحصار محض فوجی قوت پر تھا اور اسکے پس پشت عوامی تائید مفقود تھی۔ ان علمی اور تاریخی موشگافیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم حقائق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شیر شاہ سوری کے درمیانی چند سال چھوڑ کر مغلیہ سلطنت کے عروج کا زمانہ کوئی پونے دو سو سال پر محیط ہے لیکن صرف چھ بادشاہ گزرے' بابر' ہمایوں' اکبر' جہانگیر' شاہجہان اور اورنگزیب۔ اسکے بعد 1707ء (سال وفاتِ اورنگزیب) سے لیکر 1857ء تک باقاعدہ تخت نشین ہونے والے کم از کم دس بادشاہ ہوئے جن میں سے چھ بادشاہ چند ماہ یا چند برس تک تخت پر بیٹھے علاوہ ازیں' باغی ہونے والوں اور صوبوں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کرنیوالے دعویداروں کی تعداد کثیر تھی' انجام اکثر بُرا ہوتا تھا۔ مثلاً اورنگزیب عالمگیر کے بعد کشمکش اقتدار میں جان اور عزت سے ہاتھ دھونے والوں کی اس طویل فہرست پر غور کریں کہ عبرت کے لئے اس فہرست کی طوالت ہی کافی ہے:

شہزادہ محمد اعظم' قتل (1707ء) شہزادہ محمد اکبر مشکوک حالات میں وفات شہزادہ کام بخش' قتل (1709ء) شہزادہ بیدار بخت' قتل (1707ء) شہزادہ جہاندار شاہ قتل (1713ء) شہزادہ نیکوسیر مشکوک حالت میں وفات (1719ء) شہزادہ عظیم الشان قتل' شہزادہ رفیع الشان' قتل' شہزادہ جہان شاہ' قتل' بادشاہ فرخ سیر اذیت و قتل (1719ء)، شہزادہ عالمگیر دوم' قتل (1759ء) شہزادہ شاہ عالم ثانی مشکوک حالات میں وفات' بادشاہ احمد شاہ' معزول (1754ء) بادشاہ رفیع الدولہ تخت نشینی کے فوراً بعد مشکوک حالات میں موت (1719ء) بادشاہ رفیع الدرجات تخت نشینی کے فوراً بعد مشکوک حالات میں موت (1719ء) شہزادہ محمد ابراہیم' معزول (1720ء)۔ آخری بادشاہ بہادر شاہ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس فہرست میں صرف اہم نام ہیں' ورنہ اگر شاہی خاندان کے مختلف شہزادوں کے انجام کا ذکر کیا جائے تو فہرست بہت لمبی ہو جائے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت میں زوال کے جراثیم پہلے دِن سے داخل ہو چکے تھے، کسی حکومت یا سلطنت کی عمارت کی طول العمری کے لئے ضمانت صرف اخلاقی ستون فراہم کرتے ہیں جبکہ اورنگزیب عالمگیر کے سوا کسی مغل بادشاہ میں اخلاقی وابستگی کی واضح علامات نظر نہیں آتیں اور خود اورنگزیب عالمگیر کے کردار میں بھی بعض ایسی متضاد باتیں تھیں کہ آگے چل کر اُن کے جانشینوں کے چیستانی رویے کا حصہ بن گئیں۔ ہم بات کا آغاز مغل سلطنت کے بانی شہنشاہ ظہیر الدین بابر سے کرتے ہیں۔

بے شک بابر نے ابراہیم لودھی پر فتح پائی کیونکہ لودھیوں میں اندرونی انتشار بھی تھا، نااتفاقی بھی تھی اور اخلاقی بگاڑ اور باطنی فساد بھی تھا جو سرطان کی طرح اُن کے جسدِ سیاست کو لپیٹ میں لے چکا تھا، یہی سبب تھا کہ آخر میں سات لاکھ روپے لیکر انہوں نے ہندوستان کا تخت بابر کے حوالے کر دیا۔ بابر مقابلے میں ایک تازہ دم طاقت کی حیثیت رکھتا تھا اور اُسکی دلچسپی واقعتاً شمشیر و سنان سے تھی، لیکن یہ بات بھی شک و شبے سے بالاتر ہے کہ بابر کے اندر وسطی ایشیا میں تیموریہ خاندان کے اخلاقی انحطاط اور عیش کوشی کی عادت سے پیدا ہونے والے اثرات و عوارض وبا کی طرح موجود تھے۔ فارسی کا یہ مقولہ ۔ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ بابر کے حوالے سے صدیوں سے عوام کی زبان پر ہے۔ اپنی کتاب "دی مغل ایمپائر" "The Moghal Empire" میں ہنری جارج کین (H.G. Keene) لکھتا ہے "اس (بابر) کے اندر عیش منانے کا رجحان تھا، اسکی عادت تھی کہ وہ ایک تالاب شراب سے پُر کر لیتا اور کھلی فضا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ (جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوتے) عیش و نشاط میں مصروف ہو جاتا، تالاب کے کنارے یہ مقولہ لکھا ہوتا: خوشی و خرمی کے دِن، کھلتی بہار کا موسم، شرابِ کہنہ اور نوخیز معشوق۔ اے بابر تو دِل کھول کر عیش کر لے کیونکہ یہ زندگانی دوبارہ نہیں آنی"۔ رانا سانگا کے ساتھ جنگ کے موقع پر بابر اور اُسکے کچھ ساتھی امراء نے شراب نوشی سے توبہ کی لیکن بابر کی

Marfat.com

خود نوشت "تزک بابری" میں متبادل نشے کے طور پر ایک قسم کی خمیری معجون کے استعمال کا اس کے بعد بار بار ذکر آیا ہے' مثلاً ایک جگہ : "چونکہ تھکن بہت ہوگئی تھی اس لئے معجون کھائی' رات نشہ میں کاٹ لی"۔ ایک دوسری جگہ : "سوموار کے دِن معجون خوری کی محفل جمی" ایک اور جگہ "آش نوش کرنے کے بعد علیحدہ کمرے میں پہنچا اور معجون کھائی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ معجون میں افیون یا اس قسم کا کوئی نشہ شامل کیا جاتا تھا اور مزاجِ شاہانہ کی مناسبت سے اُسے خوشگوار بنانے کے لئے مغزیات اور شہد وغیرہ ساتھ ملائے جاتے ہونگے۔ بابرؔ کا مزاج ہرگز دینی نہیں تھا' نجوم' رمل اور فال وغیرہ میں اعتقاد تھا' ضعیف الاعتقادی کا مرض بھی تھا۔ بہر حال یہ کریڈٹ اُس کو جاتا ہے کہ برصغیر میں عظیم الشان سلطنت کی بناڈالی۔

"سیکولر اپروچ" ہمایوںؔ کو اپنے والد شہنشاہ بابر سے گویا ورثے میں ملی تھی۔ اُس کا زیادہ تر وقت اپنے بھائیوں کے ساتھ تخت و تاج کے لئے لڑنے بھڑنے میں گزرا' پھر شیر شاہ سوری کے عروج کے سامنے اُسے بھاگ کر ایران میں پناہ لینی پڑی۔ ہمایوں میں بابر کی بعض اخلاقی کمزوریاں تو موجود تھیں لیکن بہادری اور توانائی جیسی خوبیاں موجود نہ تھیں۔ مورخین بابرؔ کو "صاحبِ سیف و قلم" لکھتے ہیں' لیکن ہمایوں میں اِن دونوں خصوصیات کی کمی تھی۔ بابرؔ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہمایوںؔ کے لئے تحریری وصیت چھوڑی تھی۔ اس وصیّت نامے میں دوسری باتوں کے علاوہ بابرؔ نے اپنے جانشین کو تاکید کی کہ وہ مذہبی تعصب کو اپنے دل میں کبھی جگہ نہ دے' شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتا رہے۔ اور ہندوؤں کے دل کے اندر جگہ بنانے کے لئے ہندوستان میں گاؤ کشی سے خاص طور پر پرہیز کرے۔ بظاہر یہ ایک رعیت پرور اور بالغ نظر حکمران کی وصیّت ہے لیکن احکام اسلام پر عمل درآمد کے حوالے سے یہ ایک معذرت خواہانہ دستاویز ہے جسکی ارتقائی وانتہائی صورت اکبر اعظم کی پالیسیوں میں نظر آتی ہے۔ درمیان میں ہمایوںؔ نے اسلام و عقیدے کے حوالے سے ایک مختلف رویہ اختیار کیا۔ شیر شاہ افغان کے خوف سے

Marfat.com

فرار ہو کر وہ طہماسپ' شاہِ ایران کے ہاں مہمان ہوتا ہے تو تھوڑے عرصے بعد اس کے مذہبی خیالات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ غالباً یہ سطحی تبدیلی تھی۔ اُس کے نئے خیالات کی عکاسی اُسکی ایک رباعی سے ہوتی ہے:

ہستیم زجاں بندۂ اولادِ علیؓ　　ہستیم ہمیشہ شادبایادِ علیؓ

چوں سِرِّ ولایت زعلیؓ ظاہر شد　　کردیم ہمیشہ وردِ خود نادِ علیؓ

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کا کہنا ہے کہ ہمایوں کو ہندوستان میں اپنی سلطنت کے دوبارہ قیام کے لئے شاہِ ایران نے فوجی اور مالی مدد دی ہی اس شرط کے ساتھ تھی کہ وہ ہندوستان میں نئے عقیدے کی ترویج کرے گا (حوالہ: رودِ کوثر۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام) اور یہ حقیقت ہے کہ جب ہمایوں واپس آیا تو اُسکے ہمراہ ایران سے عُلما اور اکابر کی ایک بڑی تعداد تھی جو ہندوستان آکر آباد ہو گئی اور بعد میں مغلیہ سلطنت کے تمام ادوار میں اِن حضرات نے امورِ مملکت وسیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ دورِ زوال میں بادشاہ گر سادات بارہہ ایرانی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے امراء میں اکثریت ایرانی نژاد تھی۔ بعد میں انہی امراء نے اودھ' مرشد آباد' بیجاپور اور گولکنڈہ میں الگ ریاستیں قائم کیں جو مرکزِ سلطنت دہلی سے نبرد آزما رہیں بلکہ بعض حالات میں مرکزی حکومت کی بربادی کے لئے کام کرنے والی دُشمن (ہندو) قوتوں کا ساتھ دیتی رہیں۔ اس طرح جو بیج ہمایوں کے دور میں بویا گیا وہ آگے چل کر تناور درخت بنا اور خوب برگ وبار لایا۔ اُس دور کے مشہور بزرگ اور ولیٔ کامل حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حوالے سے اُن کے ملفوظات "لطائف قدوسی" میں ہمایوں کے متعلق یہ بات لکھی ہے "ہمایوں بادشاہ نے اسلام کو تباہ کر دیا ہے اور وہ کفر اور اسلام کے مابین فرق نہیں کرتا' وہ سب کو تاراج کر رہا ہے"۔

Marfat.com

اسلام کو دیوار سے لگانے والا "مسلمان" بادشاہ!

پندرہ سالہ جلاوطنی کے بعد ہمایوں' شاہِ ایران کی مدد سے ہندوستان کا تخت شیر شاہ افغان کے جانشینوں سے واپس لینے میں کامیاب ہوا لیکن چند ماہ بعد ہی کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر فوت ہو گیا۔ بارِ سلطنت کم سن اکبر کے کندھوں پر آ پڑا۔ جہاندیدہ وزیر بیرم خان نے اُسکی اتالیقی کے فرائض سنبھالے۔ یہ 1556ء کا واقعہ ہے۔ چند سال بعد بیرم خان کو معزول کر کے تمام امورِ سلطنت اکبر نے خود سنبھال لئے' تاہم ابتدائی ایام کے اثرات ہمیشہ دیرپا ثابت ہوتے ہیں اور یہ بات اکبر اعظم پر بیرم خان کے اثرات کے متعلق صحیح تھی۔ اکبر کی حکومت کا عرصہ غیر معمولی طویل رہا' یعنی پچاس سال۔ اس نصف صدی میں اُس نے مغلیہ سلطنت کی سرحدیں برصغیر میں حدِ امکان تک وسیع کر دیں۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ ایک لائق منتظم تھا اور اُسکے پاس کام کرنے والوں کی' ماتحتوں کی ایک عمدہ ٹیم تھی۔ بایں همه اکبر نے کسی بھی دوسرے بادشاہ کی نسبت عملی اور نظری طور پر جنوبی ایشیا میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ اپنی سوچ کے مطابق اکبر نے جو پالیسی اختیار کی بظاہر اُس کا مقصد ھندؤوں اور غیر مسلموں کی دلجوئی تھا تاکہ سلطنت کو استحکام حاصل ہو لیکن ہندؤوں کی شراکت اور حرم شاہی میں اُن کی موجودگی سے جو پیچیدگیاں بعد ازاں پیدا ہوئیں اُن سے سلطنت مغلیہ کبھی عہدہ برانہ ہو سکی اور ہندؤوں نے اکبر کی پالیسی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اکبر کی پالیسیوں کا سب سے تکلیف دہ پہلو اُس کے مذہبی خیالات تھے' ناخواندہ اور ان پڑھ ہونے کی بنا پر اپنی اِس کمی کا احساس اُسے ہونا چاہیئے تھا لیکن اسکے برعکس اُس نے بزعم خود یہ خیال کر لیا کہ ایک اُمّی (ناخواندہ) پیغمبر نئے مذہب کا بانی ہو سکتا ہے۔ تو وہ (اکبر) کیوں نہیں ہو سکتا؟ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اس دماغی خلل میں شیخ مبارک اور ابوالفضل جیسے خوشامدی مشیروں نے حسبِ منشا فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعے اضافہ کیا

Marfat.com

یہاں تک کہ اس مغل بادشاہ کو "دینِ الٰہی" کے نام سے ایک ملغوبہ مذہب یا طریقہ ایجاد کرنے کی سوجھی، "منتخب التواریخ" کے مصنف مُلّا بدایونی کے مطابق بادشاہ کو ایسے عُلما اور صوفیا مل گئے جو بادشاہ کی خوشنودی کے لئے ہر قسم کا فتویٰ دینے کو آمادہ رہتے' قطع نظر اس امر کے کہ وہ بات یا حرکت شرعِ اسلامی میں جائز بھی ہے یا نہیں۔ ایک صوفی تاج الدین اجودھنی نے آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کی من مانی تاویل کرتے ہوئے بادشاہ اکبر کو خلیفۃ الزمان اور انسانِ کامل قرار دیا (حلانکہ انسانِ کامل صرف پیغمبرِ اقدسؐ کی ذات والا صفات ہے) اور بادشاہ کے لئے سجدہ تجویز کیا (جبکہ سجدہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے ہے) اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جس سے واضح ہو گا کہ بعض ابن الوقت عُلما نے کتمانِ حق کر کے کس طرح بادشاہ کا ذہن خرافات سے بھرا۔ 1579ء کا واقعہ ہے کہ شہر متھرا میں قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سامان فراہم کیا' ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ ایک مقامی بااثر ہندو نے سامان پر جبری قبضہ کر کے مندر تعمیر کر لیا' جب مسلمانوں نے اُسے روکنا چاہا تو اُس نے پیغمبرؐ اسلام کو گالیاں دیں اور اسلام کی توہین کی۔ اس معاملے کی شکایت اکبر کو کی گئی' عُلما نے اکبر کو توہینِ رسالت کی شرعی سزا سے آگاہ کیا لیکن اکبر نے اس پر کوئی کارروائی نہ کی بلکہ کہا کہ وہ اِن معاملات میں کوئی دخل اندازی نہیں چاہتا۔ تاہم اہانت کے مرتکب ہندو کو قید میں ڈال دیا گیا۔ بادشاہ کی ھندو رانیاں اس کی رہائی کے لئے بادشاہ پر اثرانداز ہوئیں۔ اس دوران صدر الصدور شیخ عبدالنبی نے شرعی سزا نافذ کر کے ہندو مجرم کو اہانتِ رسولؐ کے جرم میں قتل کرا دیا۔ اس پر بادشاہ کی راجپوت رانیاں اور ہندو مصاحبین نے بادشاہ کو طعنے دیئے کہ عُلما خود سر ہو گئے ہیں اور بادشاہ کی خوشی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ابوالفضل اور فیضی کے باپ شیخ مبارک سے بادشاہ نے اس واقعہ اور اُس پر پائے جانے والے رَدِّ عمل کا ذکر کیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ (بادشاہ) ایک مجتہد سے بلند درجہ رکھتا ہے اور احکام اسلامی کی ہر وہ تاویل کر سکتا ہے جو اقتضائے مصلحت کے مطابق ہو۔

Marfat.com

ایک محضر نامہ تیار کرایا گیا جس پر بعض عُلما کے دستخط کرائے گئے تاکہ آئندہ کے لئے بادشاہ کی رائے اور حکم پر بے چوں وچرا (خواہ وہ مطابق شرع ہو یا نہ ہو) عمل ہو۔ جدید مورخین میں سے بعض کے مطابق یہ امر مشتبہ ہے کہ اکبر نے کوئی علیحدہ دین نکالنے کی کوشش کی تھی یا اُس نے دعویٰ پیغمبری کیا تھا۔ اس سلسلے میں جو کچھ ملا بدایونی نے تحریر کیا ہے اُسے مبالغہ آرائی یا اتہام قرار دیا گیا ہے۔ مُلا شیریؔ کے اس قسم کے شعروں کو اس سلسلے میں محض زیبِ داستان کہا گیا ہے:

بادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است

گر خدا خواہد، پس از سالے خدا خواہد شدن

(ترجمہ: اِس سال تو بادشاہ سلامت (اکبر) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، خدا چاہے تو ایک سال بعد وہ خدا بن جائے گا۔)

تاہم اسلام کی عمارت کو ھندوستان میں منہدم کرنے کے اکبر کے مندرجہ ذیل اجتماعی اور ذاتی اقدام کس کھاتے میں ڈالے جا سکتے ہیں؟۔ اکبر نے نفسانی خواہشات کو حدودِ شریعت پر ترجیح دیتے ہوئے چار سے زیادہ بیویاں حرم میں ڈال لیں اور یہ اعلان کیا کہ بطور خلیفۃ الزماں وہ اس قسم کی قرآنی پابندی سے مستثنیٰ ہے۔ اُس نے تبدیل مذہب کرائے بغیر ہندو راجپوت رانیوں سے شادی کی حالانکہ اسلامی شرع میں واضح پابندی ہے کہ ایک غیر کتابیہ اور کافر (بت پرست) عورت سے مسلمان کا نکاح نہیں ھو سکتا۔ گویا اکبر نے اس معاملے میں اپنی ذات کو احکام شرع سے بالاتر سمجھا یا پھر وہ سرے سے اسلام سے ھی منکر ہو چکا تھا۔ اکبر نے ملک بھر میں گائے کے ذبح کرنے پر پابندی عاید کی، خود ہر قسم کا گوشت کھانا بند کر دیا تھا۔ اُس کے دربار میں صرف وہی عُلما پذیرائی حاصل کرتے تھے جو احکام شرع کی اکبر کی خوشنودی کے مطابق تاویل و تشریح کرنے پر آمادہ ہوں، اہلِ بدعت اور بد عقیدہ لوگوں کو رسوخ حاصل تھا، شیخ مبارک جو بادشاہ کے مزاج پر اسقدر حاوی تھا کے بارے میں

Marfat.com

مشہور تھا کہ وہ بدعتی شیعہ ہے۔ ابوالفضل اور فیضی کے متعلق بھی لوگوں کی یہی رائے تھی جبکہ دربار میں انہی لوگوں کا طوطی بولتا تھا۔ اکبر نے حق گو علما کے ساتھ اپنے پورے عہد میں بہت بُرا سلوک کیا۔ اس سلسلے میں شیخ مبارک اور ابوالفضل اور فیضی نے اُس کا خوب ساتھ نبھایا۔ مشہور سُنی عالم شیخ علائی کو ذلیل کیا گیا اور اُسکے خلاف بادشاہ کی مرضی سے بے بنیاد پراپیگنڈہ کیا گیا۔ شیخ عبدالنبی کو مجبور کیا گیا کہ وہ بادشاہ کے عزائم اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کرے۔ جب توہین رسالت کے جُرم میں ایک بااثر ہندو کو قتل کیا گیا تو بادشاہ عُلما کے سخت خلاف ہو گیا۔ ایک شیعہ عالم مُلا محمد یزدی نے حق گوئی کی بہترین مثال قائم کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ بادشاہ بد مذہب ہو گیا ہے۔ بادشاہ کے حکم سے اُس عالم کو شکستہ کشتی میں سوار کر کے سیلابی دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا گیا اور وہ غرقاب ہوا۔ یہی سلوک بنگال کے حق گو عالم معزالملک کے ساتھ کیا گیا۔ ایک اور عالم قاضی القضاۃ قاضی یعقوب مانکپوری کو حق گوئی کے جرم میں پہلے گوالیار کے قلعے میں قید رکھا گیا اسکے بعد قتل کرا دیا گیا۔ مخدوم الملک کو حج کے نام پر جلاوطن کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ وہ بلا اجازت واپس نہ آئیں۔ شیخ عبدالنبی (جنہوں نے توہین رسالت کے مجرم کے خلاف قتل کا فتویٰ جاری کیا تھا) کے خلاف حرم کی ہندو رانیوں کی وجہ سے بادشاہ کی نفرت انتہا کو پہنچی تھی۔ اُسے گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو بادشاہ نے بھرے دربار میں خود اس کے مُنہ پر مکا مارا' پھر قید کر دیا گیا اور بعد میں اشارے پر گلا گھونٹ کر ختم کر دیا گیا۔ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل ایک صاحبِ تصنیف اور ممتاز عالمِ دین تھے' انہیں گوالیار میں قید کیا گیا حتیٰ کہ انہوں نے وفات پائی۔ شہید ہونے والے حق گو عُلما کی فہرست طویل ہے۔ علاوہ ازیں کئی دوسرے عُلما کو اُن کے وطن سے جلاوطن کر کے دور دراز بھیج دیا گیا' جن قاضیوں کی وفاداریوں پر شک ہوا انہیں معزول کر دیا گیا۔ پنجاب کے عُلما اُس زمانے میں زیادہ راسخ الخیال تھے' انہیں ملتان' تلنبہ اور لاہور جیسے علمی مراکز سے جلاوطن کر کے مملکت کے دور دراز علاقوں میں

Marfat.com

منتشر کر دیا گیا' اُن کے مدارس بند کر دیئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عُلمائے حق (خواہ وہ سُنی ہوں یا شیعہ) کے لئے یہ زمانہ بہت بھاری تھا اور اُن پر نا قابلِ بیان ستم توڑے گئے۔ ان کی تصنیفی اور تخلیقی سرگرمیوں پر پہرے بٹھائے گئے' اِس طرح دورِ اکبری کی بعض قیمتی اسلامی تصانیف انتقامی کارروائیوں کے طوفان میں ہمیشہ کے لئے گم ہو گئیں۔ اِن کارروائیوں اور اکبر کے بد مذہبانہ اقدامات کے خلاف جگہ جگہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں نے شورشیں اور بغاوتیں کیں لیکن ہندو راجاؤں اور ہندو رعیت کے بھرپور تعاون سے اِن بغاوتوں کو دبا دیا گیا۔ سلطنت کے (بذریعہ جبر) استحکام کا یہ وہ انداز تھا جس کا اکبر کو عموماً کریڈٹ دیا جاتا ہے۔ پرتگیزی عیسائی مشنریوں (جو ساحل گوا کی نو آبادی سے آتے تھے) کی شہادت یہ ہے کہ اکبر نے حکم دیا تھا کہ ملک میں کوئی نئی مسجد تعمیر نہ ہو اور کسی پرانی مسجد کی مرمت نہ کی جائے۔ اِن عیسائی مشنریوں نے اپنے ملک میں یہ رپورٹیں بھجوائیں کہ اکبر کو عیسائیت سے دلچسپی ہے اور وہ اسلام کا مخالف ہے۔ 1580ء میں جو عیسائی مشنری اکبری دربار میں آئے انہیں بتایا گیا کہ اب اکبر نے نماز باجماعت میں پیغمبرؐ اسلام کے ذکر کو ممنوع کر دیا ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اکبر نے قرآنی آیات کی جگہ فیضی کی لکھی ہوئی دعائیں نماز باجماعت میں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مصنف وی اے سمتھ کے مطابق اکبر نے حکم جاری کیا کہ آئندہ کسی بچے کا نام "محمدؐ" نہ رکھا جائے' عربی' دینیات اور فقہ اسلامی کی تعلیم و تدریس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ پارسی مذہب کے زیرِ اثر آگ اور سورج کی تعظیم سرکاری طور پر شروع کی گئی۔ ہندوؤں کی پرانی کتابوں' مہابھارت' رامائن اور دیگر مذہبی داستانوں اور کہانیوں کو سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرا کے رائج کرنے کی کوششیں ہوئیں' جبکہ اسلامی اور دینی علمی سرگرمیوں پر جمود طاری رہا۔ رقص اور موسیقی کی بے پناہ حوصلہ افزائی ہوئی' نئی نئی راگنیاں ایجاد ہوئیں' تان سین' اکبر کے نورتنوں میں شامل تھا۔ اکبر کے اِن اسلام دشمن خیالات اور اقدامات کے خلاف عامۃ المسلمین میں بے چینی اور

Marfat.com

غم وغصہ ایک قدرتی بات تھی لیکن قدرت کی طرف سے بھی انتباہ ہوتا رہا۔ 1597ء میں قلعہ لاہور میں پارسیوں کے انداز میں جشن نوروز منایا جارہا تھا کہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی جس سے شاہی سائبان اور بہت سا سازوسامان جل کر راکھ ہو گیا اور بڑا نقصان ہوا۔ اس آسمانی آگ کے نزول کو بادشاہ کی غلط روی پر قدرت کی جانب سے سزا تصور کیا گیا' بادشاہ پر اس واقعہ کا اثر ہوا اور اسکی مطلق العنانی میں کمی واقع ہوئی۔ اکبر کو گمراہی کے راستے پر چلانے والے اہم کردار ابوالفضل کا انجام بہت عبرتناک ہوا۔ 1595ء میں ہندوستان کے طول و عرض میں تاریخ کی بدترین قحط سالی شروع ہوئی اور کوئی چار سال جاری رہی' ساتھ ہی طاعون کی وبا پھوٹ پڑی' جسکے نتیجے میں پورے پورے شہر اور گھر انسانوں سے خالی ہو گئے۔ غلہ کی نایابی اور بھوک کے سبب لوگوں نے مردم خوری شروع کر دی' سڑکیں' راستے اور گلیاں مُردوں سے اٹ گئیں' ان لاشوں کو اٹھانے کا بھی کوئی بندوبست نہ تھا۔ مورخین کا زیادہ تر اتفاق ہے کہ اکبر بے دین ہی مرا۔ اُسکے دور میں اسلام کو جو نقصان پہنچا اُسکی بعد میں کبھی تلافی نہ ہو سکی۔ اکبر کی موت کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ اُسے زہر دی گئی تھی کیونکہ اسکی موت ایک قسم کی اذیت ناک پیچش کے باعث ہوئی جسکا طبیب علاج کرنے سے قاصر ہوئے۔ جنازہ ہوا تھا لیکن بہت تھوڑے لوگوں نے جنازے میں شرکت کی اور اُسے جلدی جلدی دفنا دیا گیا۔ اسکی موت کے اسی سال بعد آگرہ میں اُسکی قبر کو جاٹوں نے ادھیڑا' دیواریں اور آرائش تباہ کر دی' قبر میں سے اکبر کی ہڈیوں کو نکال کر آگ میں ڈالا اور راکھ اڑا دی۔ یہ تھا انجام اُس مطلق العنان بادشاہ کا جس نے پچاس سال تک کوس "لمن الملک" بجایا۔

Marfat.com

ایک سیر شراب اور آدھا سیر گوشت کے عوض حکومت عورت کے سپرد

نومبر 1605ء میں شہزادہ نورالدین محمد جہانگیر اکابر مسلمانوں کی طرف سے واضح شرط قبول کرنے کے بعد تخت نشین ہوا کہ وہ شریعت محمدیؐ کا تحفظ کرے گا، چنانچہ اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں جہانگیر نے جو اقدامات کئے اُن سے نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اُسکے جوش و خروش کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً بعض مساجد کی تعمیر کا حکم دیا گیا، گاؤکشی کے امتناع کا حکم منسوخ کر دیا گیا، وغیرہ وغیرہ لیکن وقت کے ساتھ یہ جذبہ سرد ہو گیا بلکہ ایسا محسوس ہونے لگا دورِ اکبری واپس آ گیا ہے۔ نصف صدی پر محیط شہنشاہ اکبر کے عہد میں اسلام کو اس خطے میں جو شدید نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ اسلام اور کفر کے درمیان فرق مدھم ہو گیا۔ سیاسی سطح پر مذہبی رواداری کا جو ڈھونگ رچایا گیا اُسکی آڑ میں ہندومت کا احیا ہوا اور اسلام کو پسپائی ہوئی۔ دربار پر یا تو غیر مسلم چھائے تھے یا پھر ایسے مسلمان دانشور جو اسلامی حمیّت سے خالی اور اباحیت پسند تھے۔ اِسلام برصغیر میں مسلمان حکمران کے ہوتے ہوئے کمزور دفاعی پوزیشن میں آ گیا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے ہم عصر، عارفِ کامل حضرت مجدد الف ثانیؒ اس سنگین صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے "مکتوبات" میں لکھتے ہیں:

"کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں، چنانچہ تھانیسر میں حوضِ کر کھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔۔۔۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دِن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس روز روٹی نہ پکائے اور نہ بیچے اور ماہ مبارک رمضان میں برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے

Marfat.com

عث انہیں کوئی روک نہیں سکتا"۔ عہدِ اکبری میں ہندوؤں میں احیائے مذہب کی جارحانہ تحریک زوروں پر تھی، مسلمانوں کے اندر ہندوؤں کے مشرکانہ اثرات اتنی دور تک سرایت کر گئے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی جیسے بزرگوں کی احیائے اسلام کی بے پناہ اور انتھک کوششوں کے باوجود ان کا مکمل ازالہ صدیوں تک نہ ہو سکا۔

عہدِ جہانگیری میں یہ ضرور ہوا کہ مشرکانہ کارروائیوں کی سرکاری سرپرستی بند ہو گئی لیکن بادشاہ کا ذاتی کردار اسلامی شرع کے حوالے سے سوالیہ نشان بنا رہا۔ میرزا محمد عرف معتمد خان نے "اقبال نامہ جہانگیری" میں لکھا ہے: "بادشاہی کا صرف نام رہ گیا۔ بادشاہ کہتے تھے میں نے سلطنت نور جہاں بیگم کو بخش دی، مجھے ایک سیر شراب اور آدھا سیر گوشت روزانہ کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے" شدہ شدہ ہندوستان کی حکومت عورت کے پاس آ گئی۔ سکے پر ملکہ نور جہاں کا نام اس شعر کے ساتھ لکھ دیا گیا:

~ بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنامِ نور جہاں بادشاہ بیگم زر

بادشاہ جہانگیر کی یہ کیفیت تھی کہ شراب و کباب کے علاوہ جو وقت بچتا وہ شکار کھیلنے میں گزرتا اور یہ معمول تھا کہ سال کا چوتھائی اکثر کشمیر یا اس قسم کے خوبصورت مقامات پر سیر و شکار (تفریح) میں گزارتا مثلاً: "اب خاطر شاہانہ شکار پر مائل ہوئی اور کرجھاک و نندانہ کی طرف توجہ کی تین ماہ چھ روز شکار میں مصروف رہ کر لاہور کی طرف واپس آئے" (اقبال نام جہانگیری۔ میرزا معتمد خان)۔ بادشاہ کو نغمہ و سرور سے خاص طور پر رغبت تھی اس لئے "اقبال نامہ جہانگیری" کے اختتام میں اس وقت کے گویوں اور ساز بجانے والوں کی لمبی چوڑی فہرست درج کی گئی ہے جنہیں سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ یہ درست ہے کہ بادشاہ نے لوگوں کو عدل و انصاف دلوانے میں بہترین مثال قائم کی، اس

Marfat.com

سلسلے میں اُن کے شاہی محل کی سنہری زنجیرِ عدل آج تک مشہور ہے لیکن دوسری طرف سجدہ تعظیمی بجانہ لانے والے پر اُس وقت کی عظیم ترین روحانی شخصیت، حضرت مجدد الف ثانیؒ کو عقوبت خانہ قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔ ”توزک جہانگیری“ میں لکھا ہے کہ مجدد الف ثانیؒ (جن کا نام جہانگیر نے تحقیر سے لیا ہے) کو اُن کے غرور اور گستاخی کے باعث قید و بند میں ڈالا گیا۔ مجدد الف ثانیؒ ایک سال تک قید کی سختیاں برداشت کرتے رہے لیکن جہانگیر کے سامنے جھکنے سے انکار کیا ”اس آزمائش میں انہوں (مجدد الف ثانی) نے جس وقار، استقلال اور علو ہمت کا مظاہرہ کیا وہ ہماری روحانی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ (رودِ کوثر۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام)۔ اس دوران جہانگیر کے حکم پر اُن کی زمینیں، حویلی، باغ، کتب خانہ اور دیگر جائداد ضبط کر لی گئی لیکن وہ جبرِ شاہی کے سامنے ڈٹے رہے، حتیٰ کہ بادشاہ کو مجبور ہو کر انہیں رہا کرنا پڑا۔ بعد ازاں (رہائی کے بعد) وہ بادشاہی دربار میں بادشاہ کو غیر شرعی امور سے مسلسل منع کرتے رہے، اس سلسلے میں آپؒ کے مکتوبات گواہ ھیں۔ کہا جاتا ہے سجدہ تعظیمی سے انکار کی بات ایک بہانہ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ نے فقہی اختلاف کے متعلق اپنے خیالات پر مشتمل ایک رسالہ ”ردِ روافض“ کے نام سے تحریر کیا تھا جبکہ ہمایوں کے دور سے مغل دربار پر ایرانی نژاد امرا چھائے ہوئے تھے، عجب نہیں کہ ردِ عمل میں اِن امرا نے بادشاہ کو مجدد الف ثانیؒ کی گرفتاری اور اسیری کا مشورہ دیا ہو۔ جہانگیر کا بیٹا خسرو شروع سے عوام اور علما میں مقبول تھا، اکبر کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے والے شیخ ابو الفضل کے قتل کے سلسلے میں بھی خسرو کا نام لیا جاتا تھا، تخت نشینی کے موقع پر امراء نے جہانگیر سے یہ عہد لیا تھا کہ خسرو کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائیگی (کیونکہ خسرو نے بھی بادشاھی کا دعویٰ کیا تھا) لیکن جہانگیر اس معاملے میں اپنے عہد پر قائم نہ رہا، خسرو نے بادشاہ کے خوف سے کچھ ساتھی اپنے اردگرد جمع کیے جنہیں پکڑ لیا گیا۔ ان میں بعض کو بیل اور بعض کو گدھے کی کچی کھالوں میں زندہ سیا گیا اور شہر کے بازاروں میں گھمایا گیا۔ اس کے دو سو سے

Marfat.com

تین سو ساتھیوں کو درختوں کے تنوں یا لکڑی کی بنی پھانسیوں پر سولی دیدی گئی۔ اِن سولی پر لٹکتی لاشوں کے درمیان جہانگیر آراستہ و پیراستہ ہاتھی پر سوار ہو کر گزرا۔ شہزادہ خسرو کو پہلے راجہ انی رائے کی تحویل میں رکھا گیا اور بعد ازاں اُسے ملکہ نور جہاں کے بھائی آصف خان کے سپرد کیا گیا جو شہزادہ خسرو کا (ذاتی وجوہات اور اختلاف کی بنا پر) جانی دشمن تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ شہزادہ مشکوک حالات میں دورانِ اسیری فوت ہو گیا۔ اپنی توزک میں جہانگیر اس واقعہ کا اس طرح ذکر کرتا ہے جیسے یہ کوئی اہم اور افسوسناک واقعہ نہ ہو اور کسی قسم کا تبصرہ اس کی اچانک موت پر نہیں کرتا۔ نور جہاں کے ساتھ شادی کے سلسلے میں بھی جہانگیر کے ہاتھ انسانی خون سے رنگے نظر آتے ہیں، روایت یہ ہے کہ اس خوبصورت ایرانی لڑکی کو حرم شاہی میں داخل کرنے کے لئے شہنشاہ کے اشارے پر اُسکے شوہر شیر افگن کو میدانِ جنگ میں قتل کیا گیا تھا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جہانگیر کے حرم میں اٹھارہ عورتیں تھیں جنمیں سے سات ہندو تھیں، یوں ہندو عورتوں کا اثر جہانگیر کے دور میں بھی برقرار رہا اور جہانگیر کبھی کھُل کر برصغیر میں اسلام کی تقویت کے لئے ٹھوس اقدام نہ کر سکا۔ روایت یہ بھی ہے کہ "وہ برملا کہتا تھا کہ اُسے اپنے باپ (اکبر اعظم) کے طریقے (الحاد) پر چلنا زیادہ پسند ہے" (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا) جہانگیر کی عیسائیت سے دلچسپی بلکہ رغبت کا عیسائی مشنریوں نے بار بار ذکر کیا ہے جو اُسکے دربار تک رسائی رکھتے تھے۔ لاہور میں واقع عیسائی کلیسا کی عظیم اور فراخ عمارت جہانگیر کی عیسائی مشنریوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی یادگار ہے۔ جہانگیر کی اجازت سے اس کلیسا کا قیام عمل میں آیا، بلکہ شاہی خزانہ سے اس مقصد کے لئے مالی امداد بھی فراہم کی گئی۔ ایک موقع پر تو عیسائی مشنریوں کو توقع ہو چلی تھی کہ جہانگیر بپتسمہ لینے کو تیار ہے۔ "جہانگیر کا آگرہ میں بادشاہی تخت یوحنا، سینٹ انتھونی، اور سینٹ برناڈین آف سینا کی تصویروں سے گھرا ہوا تھا۔ لہٰذا عجب نہیں کہ عوام میں مشہور ہو گیا تھا کہ جہانگیر عیسائی ہو گیا ہے" (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا)۔ شہنشاہ جہانگیر نے عیسائیت قبول کرنے کی طرف

Marfat.com

رغبت دکھائی ہو یا نہیں، لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اُسکے دور میں عیسائیت کو فروغ ضرور حاصل ہوا اور پہلی دفعہ مغربی عیسائی مشنریوں نے ہندوستان کی فضا عیسایئت کی تبلیغ کے لئے سازگار پائی۔ غالب خیال یہ ہے کہ جہانگیر کو مذہبی اور دینی معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، اس لئے اس کے دور میں اکبر کے دور کے فتنے کا مکمل سدباب نہ ہوا۔ جہاں اپنی حکومت کو خطرہ نظر آیا، اس "عادل" بادشاہ نے بیٹے کی زندگی کی پرواہ نہ کی اور انسانی خون بہانے میں ضمیر کی کوئی خلش محسوس نہ کی۔ اسکے دور میں شراب خوری اور عیش پسندی اونچے طبقے کا کلچر ٹھہرا۔ اخلاقی قدریں خراب ہوئیں، بد مذہبی کے خلاف البتہ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک پھیلی لیکن مجموعی طور پر برصغیر میں مسلمان معاشرہ مزید انحطاط کا شکار ہوا اور خرابیاں محدود نہ رہیں۔

نفسانیت اور ذہنی بے راہ روی کا عہد

شاہجہان، 1627ء میں جہانگیر کی وفات پر سریر آرائے سلطنت ہوا، لیکن اپنے باپ کے دور میں وہ بھی ایک بار بادشاہی کے شوق میں بغاوت کر چکا تھا۔ شاہجہان کا زمانہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا دورِ عروج کہلاتا ہے، شاہجہان نے آگرہ، دہلی اور دیگر مقامات پر خوبصورت تاریخی عمارات بنوائیں جنمیں دہلی کا لال قلعہ اور تاج محل آگرہ (اپنی چہیتی بیوی کی یاد میں) خاص طور پر منفرد شہرت کی حامل عمارتیں ہیں۔ اس کے علاوہ عجوبہ روزگار تخت "تختِ طاؤس" تیار کروایا کہ اُس سے بڑھ کر خوبصورت اور قیمتی مسندِ شاہی دنیا میں نہ پہلے نہ کبھی بعد میں دیکھی گئی۔ شاہجہان کے بارے میں تذکرہ نویس عموماً لکھتے ہیں کہ وہ محافظِ شریعت تھا، داڑھی رکھی تھی (جبکہ اُسکے باپ اور دادا دونوں بے ریش تھے) یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ وہ پانچ وقت کا نمازی تھا۔ "اکبر اور جہانگیر کے مقابلے میں شاہجہان کو امورِ اسلامی کا زیادہ خیال تھا" (رودِ کوثر۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام)۔ لیکن اُسی دور کی تصنیف

Marfat.com

بادشاہ نامہ" (حوالہ رودِ کوثر) میں لکھا ہے کو ہندوستان کے بعض علاقوں میں مسلمانی کی یہ کیفیت تھی کہ مسلمان ہندوؤں سے رشتے ناطے کرنے لگے تھے' نہ صرف بیٹیاں لیتے تھے بلکہ دیتے بھی تھے (جب خود بادشاہ اپنے محل میں ہندو بیویاں رکھتے ہوں تو مسلم رعیت ایسا کیوں نہ کرتی؟) اگر مسلمان لڑکی ہندو سسرال میں مر جاتی تو اُسے جلایا جاتا۔ کئی مساجد پر ہندوؤں نے جبری قبضہ کر رکھا تھا اور وہاں سے اذان کی آواز آنی بند ہو چکی تھی۔ بعض دیہاتی مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ شرعی نکاح موقوف ہو چکا تھا' گائے بیل ذبح کر کے دعوت کرتے اور سمجھتے کہ شادی ہو گئی۔ بیوہ عورتوں کو سسرال کی ملکیت سمجھا جاتا خواہ فروخت کریں یا شادی کر لیں۔ لہٰذا بدترین قسم کی بدعات کے انسداد کے لئے سرکاری طور پر کوئی اقدام دورِ شاہجہانی میں بھی نہ ہوا' البتہ سجدہ تعظیمی جو جہانگیر کے دور تک رائج تھا ختم ہو گیا۔ اس زمانے میں عجیب عجیب قسم کے عقیدے مسلمانوں میں پھیلے' مسلمان بیراگیوں کا ایک گروہ تھا جو ہندو دیوتا وشنو کی پوجا کرتے تھے اِن لوگوں کا کوئی طریقہ شریعت کے مطابق نہ تھا اور وہ خود کو صوفی سمجھتے تھے' بعض بڑے تعلیم یافتہ مسلمان اِن بیراگیوں کے خیالات کی پیروی کرنے لگے تھے۔ مسلمان صوفیوں کا ایک گروہ ہندو یوگیوں کی طرح رہتا تھا' شاہجہان کا بڑا بیٹا دارا شکوہ بھی کچھ ایسا ہی مشرب رکھتا تھا۔ اس دور کے فرانسیسی سیاح ڈاکٹر بر نیز نے اپنی دلچسپ کتاب جس کا اُردو ترجمہ "شاہجہان کے ایام اسیری اور عہدِ اورنگ زیب" کے نام سے ہوا ہے' میں شاہجہان کے بیٹے دارا شکوہ کے متعلق لکھا ہے: "بس وہ صرف پیدائشی مسلمان تھا کیونکہ وہ خلوت میں ہندؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ عیسائی تھا' پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا"۔ شاہجہان کے بادشاہ بننے کے سلسلے میں یہ عوامی ضرب المثل بالکل درست معلوم ہوتی ہے: "ساری خدائی ایک طرف جورو کا بھائی ایک طرف"۔ شہزادہ خرم (شاہجہان) کی بیوی ممتاز محل ملکہ نور جہاں کے بھائی آصف خان کی بیٹی تھی اور آصف خان کی مدد سے شاہجہاں کو جہانگیر کے بعد تخت ہندوستان مِلا جبکہ

Marfat.com

نور جہاں کا بیٹا شہریار اِس دوڑ میں ناکام رہا اور اُسے شاہجہان نے اندھا کر دیا۔ ممتاز محل سے شاہجہان کے چودہ بچے ھوئے'۔ ممتاز محل شاہجہان کے لئے بہت خوش قسمت ثابت ھوئی۔ ممتاز محل کے ساتھ شاہجہان کی محبت مشہور ہے' تاج محل اس کا گواہ ہے' لیکن 1631ء میں ممتاز محل کی وفات کَے بعد شاہجہان کے اطوار بدل گئے' بادشاہ کی نفسانی بھوک بے ھو گئی تھی بکام دیو تا ہر شب تنوع کا طلب گار ھوتا۔ مورخ لکھتے ھیں کہ نوبت یہاں تک کہ بڑی بیٹی جہاں آرا (جو اپنے ھوش ربا حسن و جمال میں ثانی نہ رکھتی تھی اور تمام تر سلطا پابندیوں کے باوجود اُسکے معاشقے مشہور ہوتے رھتے تھے) کے ساتھ "ظلِ سُبحانی" غیر فطری تعلق کے چرچے پھیلے' بلکہ بقول ڈاکٹر برنیئر اُس وقت کے کچھ عُلمائے سُو نے باد پر یہ تعلق حلال ثابت کرنے کے لئے یہ فتویٰ گھڑا کہ "بادشاہ کو اس درخت کے پھل سے متمتع ہونا جس کو اُس نے خود لگایا ہو جائز اور درست ہے" (واللہ اعلم بالصواب) مغلیہ خاند میں یہ ظلم رائج تھا کہ شاہزادیوں کی شادی حتی الوسع نہیں کی جاتی تھی۔ اس پابندی وجہ سے مغلیہ خاندان اندرونی طور پر کھوکھلا ھو گیا تھا' جنسی اسکینڈل بنتے تھے جو دبا دیئے جا تھے' خاندان کی بنیادیں خراب ھونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ شاہجہان کی بیٹیاں' جہاں آرا روشن آرا دونوں عمر بھی نا کتخدا ھیں۔ دونوں بہت لائق شاھزادیاں تھیں۔ شاہجہان کو آخر عمر میں اورنگ زیب نے محل میں قید کئے رکھا' لیکن عیاشی اور بے راہ روی کا سلسلہ تب جاری تھا۔ کہتے ہیں کہ بے اعتدالیوں کی انتہا کے سبب وہ ایک جنسی مرض (سوزاک) میں مبتلا ھو گیا تھا جسکا طبیب علاج کرنے سے قاصر تھے۔ جب یہ بیماری شدید ھوئی تو اُسے فالج ھو پیشاب بھی بند ھو گیا تھا' اعضائے پوشیدہ متورم ھو کر پھول گئے تھے' غرض انہی بیماریو میں اور حالتِ قید میں وفات پائی۔ عیش و عشرت کے علاوہ بادشاہ کو سب سے زیادہ دلچسپی خزانوں کے ڈھیر سے تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے بڑے بیٹے دارا شکوہ کو دہلی کے خزانے دے دیتا تو شاید وہ اورنگ زیب کے مقابلے میں کامیاب ھو جاتا' لیکن فطری بخل

Marfat.com

وجہ سے شاہجہان نے خزانوں کو شہزادوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیا اور وہ آپس میں حسب استطاعت لڑتے بھڑتے رہے، حتیٰ کہ اُن میں سے ظاھری اور باطنی اعتبار سے "بہترین" نے بادشاہ کے ھوتے ھوئے سلطنت پر قبضہ کر لیا۔

دارا شکوہ کی "فقیر منشی" کا ذکر پہلے ھو چکا۔ تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ اُسکے عقائد ھندوانہ تھے، بظاہر تصوف اختیار کیا تھا۔ شاہجہان کا دوسرا شہزادہ سلطان شجاع عورت، شباب، شراب اور کباب کا رسیا تھا۔ "وہ نہایت عیاش اور عشرت پسند تھا اور جب اپنی بے شمار داشتاؤں اور اربابِ نشاط کے ساتھ صحبت یا مجلس میں ھوتا تو تمام دن اور رات رقص و سرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا، کوئی مصاحب جسے زندگی پیاری ھوتی اُسے اِن حرکتوں سے روکنے کی جراٗت نہیں کر سکتا تھا"۔ (ڈاکٹر برنئیر) شہزادہ شجاع اعلانیہ اپنے آبائی عقیدے سے منحرف تھا۔ شہزادہ مراد بخش، شاہجہان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور اُسے "صرف خوش خوری اور سیر و شکار کا شوق تھا" (ڈاکٹر برنئیر) علاوہ ازیں بے حد شیخی خورا تھا، مغرور تھا، شراب بہت پیتا تھا۔ جس رات اُسے اورنگ زیب نے گرفتار کیا اُس رات وہ بہت زیادہ پی کر سو گیا تھا، اس پر مستزاد اُن پری پیکروں کی صحبت اور ھوشربا رقص کا دو آتشہ نشہ تھا جو اُس کے بے ھوش ھو جانے تک مجلس کو رنگین کر رھی تھیں، بقول ڈاکٹر برنئیر: "پس مراد بخش شراب پسند تو تھا ھی، اس پر طرہ یہ کہ ایسی عمدہ صحبت اور ایسی لطیف شرابیں، غرض کہ خوب پی اور یہاں تک پی کہ بالکل سرشار ھو گیا اور اورنگ زیب کا جو مدعا تھا کہ وہ مدھوش ھو کر سو جائے، پورا ھو گیا"۔۔۔

ایک "نا امید" بادشاہ کا دور (دیباچہ زوالِ ملّت!)

اورنگزیب عالمگیر ھندوستان میں مغلیہ سلطنت کے آخری بڑے بادشاہ تھے (بقول اقبالؒ : ترکشِ ما را خدنگِ آخریں)، انہوں نے پچاس سال

Marfat.com

(1658ء سے 1707ء تک) حکومت کی، نوے سال کی غیر معمولی طویل عُمر پائی، زندگی کا طریقہ سادہ بلکہ درویشانہ تھا، ظاہری معیارِ زندگی کسی دیہاتی مسجد کے پیشِ امام سے مختلف نہ تھا، وہ شاید واحد مغل بادشاہ تھے جنہوں نے ھندوستان میں جارحانہ انداز میں نفاذِ شریعت کی کوشش کی، اُن کی متشرع اور درویشانہ زندگی کی خصوصیات اور ذاتی کردار (جرأت قائدانہ صلاحیت اور پارسائی) کی خوبیوں سے قطع نظر اُن کے بعض اقدامات کا کوئی معقول جواز دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ شاجہان اپنے بڑے بیٹے دارا شکوہ کے حق میں تھے، لیکن محض اس بنا پر باپ کی گرفتاری اور طویل اسیری (موت تک) کا کوئی اخلاقی جواز موجود نہ تھا۔ سب سے پہلے اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے دو بھائیوں کو بھی راستے سے ہٹادیا۔ تینوں بھائیوں کو ختم کر کے دم لیا۔ پشتو شاعر خوشحال خان خٹک اپنے معاصر کے بارے میں ایک نظم میں لکھتا ہے:

"میں اورنگ زیب کے انصاف کو خوب سمجھتا ہوں
اس کی دینداری، نفس کشی اور روزہ داری سے بھی آگاہ ہوں
کیا اسکے بھائی ایک ایک کر کے اسکی شمشیر کا شکار نہیں ہوئے؟
اس کی تمام عبادتیں اور پارسائیاں ریا کاری ہیں"

خوشحال خان کو اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف یہ غصہ تھا کہ اسکی سرداری کا حق اُس سے چھین لیا تھا، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر سیاست و جہاں بانی کے امور میں بعض ایسے اقدامات کا قائل تھا جنہیں دین میں جائز تصور نہیں کیا جاتا مثلاً دکن کے بہمنی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے خلاف مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو اپنے خط میں یہ ہدایت کی: "قطب الملک بزدل ہے اور شائد مزاحمت نہیں کرے گا" اپنے توپخانے کے ساتھ اسکے محل کو گھیر لو اور گولکنڈا کی طرف اسکے فرار کو

Marfat.com

روکنے کے لئے ایک دستہ مقرر کر دو' لیکن ایسا کرنے سے پہلے ایک خاص طور پر منتخب کیا ہوا قاصد اسکی طرف روانہ کرو اور یہ پیغام دو' میں مدت سے منتظر تھا کہ تم مجھ سے ملو گے اور مہمان نوازی کے طریقے سے اپنے ساتھ قیام کی دعوت دو گے، لیکن چونکہ تم نے ایسا نہیں کیا لہذا میں خود تمہارے پاس چلا آیا ہوں، اس پیغام کو پہنچانے کے ساتھ ھی اس پر زور سے حملہ کر دو اور اگر ھو سکے تو اسکے کندھوں پر سے اُسکی گردن کا بار ہلکا کر دو، اس منصوبے پر عمل درآمد کا بہترین ذریعہ چالاکی، ھوشیاری اور سبک دستی ہے"۔ اورنگ زیب عالمگیر نے حکومت کا زیادہ عرصہ بہمنی حکومتوں کے خلاف مہم جوئی اور لڑائی میں دکن میں گزارا اور دہلی میں کبھی کبھار آمد ہوتی تھی، دکن کی اِن ریاستوں (گولکنڈا اور بیجاپور) کا ظاہری اور غالبًا واحد "جرم" یہ تھا کہ ان کے حکمران شیعہ تھے اور اورنگزیب کو شبہ تھا کہ وہ ایران سے سازباز رکھتے تھے۔ اس طویل مہم جوئی میں اورنگ زیب عالمگیر نے عظیم الشان مغل سلطنت کی بہترین توانیاں صرف کر دیں اور نتیجہ یہ ھوا کہ حکومت کا پورا ڈھانچہ ہل گیا۔ مرہٹہ طاقت کے مظہر سردار سیواجی کے خلاف اورنگ زیب عالمگیر کی مہم بر صغیر میں مسلمانوں کی بقا کی مہم سمجھنی چاہیئے۔ اگر یہ مہم ناکام ھو جاتی یا اُس وقت تختِ ھندوستان پر اورنگ زیب عالمگیر کی جگہ کوئی اور ھوتا تو شاید ھندوستان میں مسلمانوں کا وہی حشر ھوتا جو اندلس میں ھوا۔ بااین ھمہ اس عظیم شہنشاہ کے ذاتی کردار میں ایسے تضادات (سیاست کے لئے الگ اخلاقی پیمانہ' بیٹوں سمیت کسی پر اعتماد نہ کرنا' کسی سے محبت نہ رکھنا' عام انسانی شفقت کی کمی' حکومت کے لئے حیلہ گری و چالاکی، اپنی ذات پر شرع کا مکمل نفاذ مگر عام لوگوں اور امراُ کے معاملے میں اغماض اور شرعی سزاؤں کے نفاذ سے گریز) تھے کہ سلطنت کے اجتماعی ڈھانچے میں بھی جھلکنے لگے اور بر صغیر میں مسلم معاشرہ مزید اخلاقی شکست و ریخت اور انحطاط کا شکار ھو گیا۔ "منتخب اللباب" کا مصنف خافی خان لکھتا ہے۔ " وہ (اورنگ زیب عالمگیر) شجاعت' مصائب سہنے' برداشت کرنے اور اصابتِ رائے میں ثانی نہیں رکھتا تھا، لیکن شرع کی پابندی

Marfat.com

میں حد سے زیادہ احتیاط کی وجہ سے اُس نے سزائیں دینے سے پرہیز کیا، جبکہ سزاؤں کے بغیر کسی ملک کا انتظام برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ اسکے امراٗ کے مابین رقابتیں اور جھگڑے تھے' لہٰذا وہ جو منصوبہ بھی بناتا اسکا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوتا اور اس نے جو مہم بھی اختیار کی وہ حصولِ مقصد کے حوالے سے ناکام رہی"۔ اپنے ایک خط میں اورنگ زیب عالمگیر نے لکھا "مجھے علم نہیں کہ میں کون ہوں اور کہاں جاؤں گا یا اس گناھگار کے ساتھ آگے کیا سلوک ہوگا؟۔۔۔ میری تمام عمر ضائع ہو گئی ہے۔۔ جب میں اپنے آپ سے ناامید ھوں تو دوسروں میں کیا امید رکھ سکتا ھوں؟"۔ "دی مغل ایمپائر" کا مصنف ایچ۔ جی۔ کین لکھتا ہے "اپنی تمام تر عظمت' شوکت اور وسعت کے باوجود اورنگزیب کے مرنے پر مغلیہ سلطنت ایک ایسی پرانی اور اندر سے گلی ھوئی لاش تھی جسکے سر پر تاج اور بازوؤں پر ہتھیار بندھے ھوں لیکن جو کسی جھونکے یا انسانی ہاتھ کے چھونے سے ھی ٹوٹ پھوٹ جائے"۔ عہدِ عالمگیری میں فقہ حنفیہ کی "فتاویٰ عالمگیری" جیسی وقیع کتاب کی تدوین ہوئی' اسلامی مدارس اور فقیہوں کی تعداد بڑھی لیکن "پچاس سال کے طویل عرصے میں نہ تو شیخ عبدالحق محدثؒ یا امام الہند شاہ ولی اللہؒ جیسا کوئی جیدّ عالم اور نہ ھی سلطان المشائخؒ یا حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسا کوئی زبردست شیخ نظر آتا ہے" (رودِ کوثر)۔ روحانی اور فکری اعتبار سے یہ زمانہ بانجھ تھا جبکہ قومی نمو کے حقیقی سرچشمے ہمیشہ روحانی اور فکری ھی ھوا کرتے ھیں۔ جامد مسلم معاشرے کی اخلاقی حالت کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے (بحوالہ رودِ کوثر) کہ اورنگ زیب نے ایک روز کہا ھندوستان میں صرف دو آدمی ہیں جو شراب نوشی سے مبرّا ہیں' ایک میں (اورنگ زیب) اور ایک قاضی عبدالوہاب (گجرات کے چیف جسٹس)' جبکہ قاضی عبدالوہاب بھی چھپ کر شراب پیا کرتا تھا۔ تو گویا سلاطینِ دہلی کے وقت سے برصغیر کے مسلمانوں میں جو اخلاقی تنزّل آرہا تھا وہ مغلیہ سلطنت کے تھیٹر کے عظیم کرداروں (بابر' ھمایوں' اکبر' جہانگیر' شاہجہان اور عالمگیر) کے ایک سو پچھتر سالوں میں نہ صرف برقرار

Marfat.com

رہا بلکہ شدید ہو گیا، امیر تیمور کے ہاتھوں سقوط دہلی کے جاں فگار حادثے سے مسلمانوں نے کوئی سبق حاصل نہ کیا تو پھر اُسی تیمور کی اولاد وسطِ ایشیا سے نکل کر ھندوستان پر مسلط ھو گئی جو نسلاً اسلامی قوانین کی خوگر نہ تھی، پھر ھندو رانیوں سے حرم بھرنے کی لت نے کسر پوری کر دی، نسل میں مشرک خون کے شامل ھونے سے مغل گھرانے میں اسلامی حمیّت اور دین سے لگاؤ میں ضعف پیدا ھوا۔ جہانگیر اور شاہجہان مسلمان معاشرے میں بد چلنی اور بد اخلاقی کے اُس طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے جو الحاد اور تشکیک کی تین نسلوں کے درمیان بڑھتا چلا آتا تھا "اکبر کے ایک بیٹے نے اپنے آپ کو شراب پی پی کر ہلاک کر دیا تھا اور جب اسکی شراب بند کی گئی تو بندوق کی نالی میں چوری سے شراب منگوالیا کرتا تھا دہلی کا وہ محلہ جسے شیطان پورہ کہتے ہیں، اکبر کے زمانے کی یادگار ہے، بد چلنی کے سیلاب کے ساتھ توہم پرستی بھی آگئی تھی، جادوگروں، رمالوں اور کرامت کے دعویداروں سے دار الخلافہ بھرا پڑا تھا"۔ اپنی تمامتر کوشش کے باوجود عالمگیر اسلامی معاشرے کو غلط کاری، کج روی، بد اخلاقی، شراب خوری، جوا بازی اور وسیع پیمانے پر پھیلی جنسی بد چلنی بلکہ جنسی انارکی کی لعنتوں سے صاف کرنے میں بلکل ناکام رہا۔ اپنے خطوط میں وہ اپنی اس مایوسی، جھنجھلاہٹ اور ناکامی کا بار بار ذکر کرتا ہے۔

جب اورنگ عالمگیر نے 1707ء میں وفات پائی تو شاھی خزانے کو سالانہ (موجودہ پیمانے سے) کم از کم بیس ارب سے پچیس ارب روپے تک کے محصولات حاصل ھو رہے تھے اور سلطنت کی حفاظت و انتظام کے لئے پانچ لاکھ کی تعداد میں مسلّح اور مضبوط فوج موجود تھی، لیکن چند ھی سالوں میں یہ سب کچھ خس و خاشاک کی طرح اڑ گیا، حتیٰ کہ جب بتیس سال بعد نادر شاہ نے دہلی میں لوٹ مچائی تو سلطنت مغلیہ کی رگوں سے خون کے آخری قطرے بھی نچڑ گئے۔ سب کچھ نادر شاہ کے سپرد کر کے بھی محمد شاہ نے سمجھا کہ سودا مہنگا نہیں کیونکہ اسکے لئے شب و روز کی عیش، رقص و سرود اور حسین و جمیل عورتوں کے بازوؤں میں جھولنے کے مواقع برقرار رکھے گئے۔

Marfat.com

بے رحم فتنوں کا دور (ظالم اور کٹھ پتلی بادشاہ اور عیاش وزیر)

اورنگ عالمگیر کی وفات کے بعد برصغیر میں مسلمان قوم کی حالت پہاڑ کی ڈھلوان سے لڑھکنے والے ایسے تودے کی تھی جو راستے میں کہیں تھوڑی دیر کے لئے کسی چٹان کی رکاوٹ کی وجہ سے رکتا ہے، کچھ کچھ ٹوٹتا ہے لیکن بالآخر لڑھکتے لڑھکتے گہری کھائی میں گر جاتا ہے اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔ 1857ء میں یہ قوم واقعی لڑھکتے لڑھکتے کھائی میں جا گری اور انگریزی تسلط پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ لیکن اس سے پہلے دو تین مرتبہ اس کو شدید دھچکے لگے اِن میں شدید ترین دھچکا ایران کے نادر شاہ کا حملہ تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے انتباہ تھا کہ یہ قوم مکمل تباہی سے پہلے سنبھل جائے، لیکن بد قسمت قوم تو خوگرِ زیاں ہو چکی تھی بے حسی میں اضافہ ہوتا رہا۔ پھر سید احمد بریلویؒ نے قوم کو جگانے کی کچھ کوشش کی یہ انتہائی مخلصانہ کوشش تھی، لیکن صرف گنتی کے لوگوں نے اُن کا ساتھ دیا، وہ اور اُن کے ساتھی مجاہدین بے حس قوم کی طرف سے مکمل بے اعتنائی (بلکہ اکثر و بیشتر غداری) کے باعث ناکام رہے اور شہید ہو گئے، تب قدرت نے اس قوم کو بڑی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا اور سات سمندر پار کی ایک مسلمان دشمن قوم کو اس پر مسلط کر دیا۔

چنانچہ اعمالِ بد اور بد چلنیوں کی پہلی کڑی سزا اس قوم کو وفاتِ اورنگ زیب کے تیس بتیس سال بعد نادر شاہی حملے کی شکل میں مل گئی۔ تیس سال کا عرصہ بہت معمولی ہوتا ہے۔ کیا یہ قوم اتنی جلدی مستحق سزا ہو گئی تھی؟ اس سوال کا جواب جزوی طور پر پچھلے صفحات میں دیا جا چکا ہے کہ عظیم مغل بادشاہوں کے دور میں بھی مسلم معاشرے کا اندرونی انحطاط پوری رفتار سے جاری رہا تھا اور خود اِن مغل حکمرانوں کے کردار میں ایسی کجرویاں اور تضادات تھے کہ عوام الناس کے لئے وہ اچھا نمونہ نہ تھے، دوسری طرف اورنگ زیب کا آدھی صدی پر مشتمل دور روحانی طور پر ایک کھوکھلا اور بنجر دور تھا۔ یوں 1739ء میں جو کچھ پیش

Marfat.com

آیا اسکی بنیادیں بہت پہلے رکھی جا چکی تھیں، جو پہلے چشم ظاہر سے پوشیدہ تھا اب کھل کر سامنے آگیا تھا کیونکہ اربابِ اقتدار بھی ننگے ہو گئے تھے اور اُن کے متوسلین اور امراء بھی۔ حیا باقی ہی نہ رہی۔ 1739ء کے خونیں ناٹک سے پہلے پسِ پردہ کرداروں کی ریہرسل کا تھوڑا سا بیان ضروری ہے۔

عالمگیر کی وفات کے وقت اسکے تین بیٹے، معظم، اعظم اور کام بخش میدان میں تھے، عالمگیر کی وصیت یا کم از کم نصیحت یہی تھی کہ وہ آپس میں لڑنے بھڑنے کی بجائے وسیع و عریض سلطنت کو تین حصوں میں بانٹ لیں اور باہمی تعاون کے ساتھ اپنی اپنی جگہ حکومت کریں، لیکن یہ وصیت دھری رہ گئی جو کام پچھلے بادشاہوں کے بیٹوں نے کیا تھا انہوں نے بھی وہی کیا اور تختِ دہلی اور آگرہ کے خزانوں پر قبضے کے لئے لڑ پڑے۔ تاہم قسمت نے سب سے بڑے شہزادے، معظم کا ساتھ دیا۔ پہلے اُس نے شکست دیکر اپنے بھائی شہزادہ اعظم کو قتل کیا، اسکے بعد شہزادہ کام بخش کو بھی قتل کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اسکی عمر چونسٹھ سال تھی۔ پانچ برس حکومت کا موقع ملا، اس عرصے میں وہ تمام فتنے ھندوستان میں اٹھ کھڑے ہوئے جو پہلے عالمگیر کی سختی کی وجہ سے دبے ہوئے تھے، اِن میں پنجاب میں سکھوں کی شورش اور راجستھان میں راجپوتوں کی سرکشی خصوصاً ذکر کے لائق ہیں، مرہٹے دوبارہ طاقت جمع کرنے میں مصروف ہوئے۔ شہزادہ معظم، بہادر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، یہ قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ مغلیہ سلطنت کی تباہی کا آغاز جس بادشاہ سے ہوا اس کا لقب بہادر شاہ تھا، اور انجام جس بادشاہ پر ہوا اس کا خطاب بھی بہادر شاہ تھا (1857ء کا بہادر شاہ ظفر)۔ شہزادہ معظم ناکام بادشاہ ثابت ہوا۔ سکھوں کو کچلنے میں جس خونریزی اور بے تدبیری سے کام لیا اور جو سلوک اُن کے گروؤں سے کیا، اسکی وجہ سے سکھ طاقت ایک خوفناک خطرہ بن گئی اور مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایسی شدید نفرت اور عداوت ہمیشہ کے لئے پیدا ہوئی کہ اس کے نتائج 1947ء میں بھی بھگتنے پڑے۔

Marfat.com

بادشاہ معظم (بہادر شاہ) کو لوگ دہلی کی گلیوں اور بازاروں میں "شاہِ بے خبر" کہتے تھے' کیونکہ اُن میں بصیرت اور رعیت کے احوال سے باخبر رہنے کا جذبہ سرے سے نہ تھا۔ سکھوں کی سرکوبی کے سلسلے میں بادشاہ کو کافی وقت لاہور میں گزارنا پڑا' قیام لاہور کے دوران ایک دِن اُس نے اعلان کیا کہ اُس نے عقیدہ اہلِ سنت ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ اورنگ زیب (اس کا باپ) کٹر سُنی تھا۔ بلکہ بادشاہ معظم کے بیٹے خصوصاً شہزادہ عظیم الشان اور شہزادہ خجستہ اختر بھی قدامت پسند سُنّی تھے۔ اُس نے حکم دیا کہ مساجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے اصلی کلمہ طیبہ کے ساتھ چند نئے الفاظ کا اضافہ کیا جائے' اس پر لاہور کے مسلمان اُسکے سخت خلاف ہوگئے۔ ایک دن اُس نے شہزادہ عظیم الشان کو حکم دیا کہ وہ ایک شیعہ عالم کو ساتھ لیکر بادشاہی مسجد میں جائے تاکہ وہاں نئے عقائد کا اظہار کرے۔ "شاہزادہ شیعہ خطیب کو اپنے ہمراہ لے جانے پر قطعاً تیار نہ تھا' مگر باپ کی خاطر اُسے مسجد لے گیا' جب اُس نے مجمع میں اپنے خیالات کا پرچار کرنا چاہا تو اُسے قتل کر دیا گیا اور شہزادہ دیکھتا رہ گیا" (سیر المتاخرین۔ غلام حسین طباطبائی) اس واقعہ کے بعد سُنّی مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور متفقہ طور پر قرارداد منظور کر کے بادشاہ کو سُنّی ہونے کی دعوت دی جسے بادشاہ نے ردّ کر دیا۔ یہ بادشاہ اس قسم کی حرکتیں کیا کرتا تھا' یہ بھی ممکن ہے کہ بھائیوں کا خون بہانے کے بعد اُس کا دماغ ٹھکانے پہ نہ رہا ہو کیونکہ عُمر رسیدگی کا عنصر بھی تھا۔ لاہور میں اس کے قیام کا واقعہ ہے کہ ایک دِن محرم کے مہینے میں (جب کسی قسم کا خون بہانے سے ویسے ہی احتراز کیا جاتا ہے) اُس نے بیٹھے بٹھائے حکم جاری کیا کہ شہر اور گردونواح میں تمام کتے مار دیئے جائیں۔ "جب لوگوں نے یہ فرمان سناوہ سناٹے میں آگئے، انہوں نے سمجھا کہ یقیناً بادشاہ پر جن یا آسیب کا اثر ہو گیا ہے" (سیر المتاخرین)۔ بادشاہ کا دماغ واقعی درست نہیں رہا تھا سکھوں پر لاہور میں داخلہ ممنوع کر دیا گیا' لیکن ہوتا یہ تھا کہ شام ہوتے ہی شہر میں سکھ نمودار ہو جاتے اور صبح سورج نکلنے سے پہلے راوی عبور کر کے جنگلوں میں چھپ جاتے۔

Marfat.com

شاہی مسجد میں شیعہ عالم کے قتل پر بے شمار لوگوں کو گرفتار کر کے اذیتیں دی گئیں ملک میں ہر طرف بغاوتیں پھیل گئیں اور فتنے آسمان سے اولوں کی طرح برسنے لگے۔ یہ حالات تھے کہ بادشاہ نے قریباً ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ایک طرف محل میں بادشاہ کی میت پڑی تھی، کچھ لوگ رو رہے تھے، دوسری طرف قلعہ میں نوبت بجنے لگی۔ شہزادہ عظیم الشان کو لوگ تاج پہنا رہے تھے تاکہ دوسرا کوئی بھائی موقع سے فائدہ اٹھا کر بادشاہی کا اعلان نہ کر دے۔ گویا ماتم کے وقت وہاں شہنائیاں بج رہی تھیں۔

شہزادہ عظیم الشان کا عرصہ مختصر ثابت ہوا۔ دراصل اب مغلیہ سلطنت بادشاہ گروں کی محتاج ہو چکی تھی۔ ڈیڑھ دو سال بعد اس کی جگہ اس کا بڑا بھائی شہزادہ معز الدین، سپہ سالار ذوالفقار خان کی مدد سے بادشاہ بنا۔ عظیم الشان قتل کر دیا گیا، اسکی لاش تک نہ مل سکی۔ اسکے بعد معز الدین اور دوسرے بھائیوں کے درمیان تنازعہ شروع ہو گیا۔ جو جہاں تھا بادشاہ بن بیٹھا، ملک میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا، مختلف صوبوں میں خود مختار ریاستیں قائم ہونے لگیں، مغلیہ سلطنت کی مرکزی طاقت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ معز الدین نے جہاں دار شاہ کا لقب اختیار کیا۔ جہاں دار شاہ کی عشرت طلبیاں مشہور ہیں، اسکی ایک داشتہ "لال کنور" تھی جسے وہ سفر و حضر حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں ساتھ لئے پھرتا۔ اس عورت کے رشتہ داروں نے بادشاہ سے خوب فائدے اُٹھائے۔ اس عورت کے ساتھ بادشاہ کے قابلِ اعتراض تعلقات کے قصے ہندوستان کے طول و عرض میں مشہور ہو چکے تھے لیکن بادشاہ پوری بے شرمی سے اُسے ساتھ لئے پھرتا۔ سیر المتاخرین سے چند اقتباس اس سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں: " عین اُس وقت ذوالفقار خان کے آدمیوں نے اس (خجستہ اختر) کو گولی کا ایسا نشانہ بنایا کہ اسکی لاش خاک و خون میں لت پت تڑپنے لگی اور اس طرح جہاں دار شاہ فاتح و کامران ہوا۔ وہ اس غیر متوقع کامیابی کی خبر پا کر اپنی معشوقہ لال کنور کے ہمراہ محل میں داخل ہوا اور ساری رات اس کے ساتھ عیش کوشی اور شراب نوشی میں گزاری صبح

Marfat.com

ہوئی تو رفیع القدر (اس کا بھائی) نے اپنے خاص خواجہ سرا کو جہاندار شاہ کے پاس اس اچانک فتح کی مبارکباد دینے بھیجا لیکن جہاندار شاہ رات بھر کے عیش و نشاط میں ایسا مست ہوا تھا کہ اسکی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ ابھی تک بسترِ استراحت پر دراز تھا۔۔۔اِن حد بندیوں سے فرصت ملی تو بادشاہ اپنے اعزاو اقربا کو اعزازو اکرام سے نوازنے اور احباب کو اعلیٰ مراتب دینے کی طرف مائل ہوا۔۔۔اس کی معشوقہ لال کنور امتیاز محل بیگم بن گئیں۔ ساتھ ہی اُسے عزت عطا ہوئی کہ وہ بادشاہ کے ساتھ ایک ہی ہاتھی پر سوار ہوا کرے گی جبکہ یہ اعزاز صرف شاہی افراد کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔۔۔لال کنور کے عشق کا جادو بادشاہ کے دل و دماغ پر اس حد تک سرایت کر گیا تھا کہ اُسکے بھائی خوشحال خان کو (جو ایک رقاص تھا) ہفت ہزاری اور دوسرے بھائی نعمت خان کو پنج ہزاری کے رتبے تک پہنچا دیا' بلکہ ایک معزز امیر کو اکبر آباد کی صوبے داری سے معطل کر کے خوشحال خان کو وہاں صوبہ دار مقرر کرنے کا ارادہ کیا' اس دربار میں ہنگامہ ہو گیا اور ذوالفقار خان نے سند جاری کی اور لطیفہ کے طور پر درخواست حق التحریر کی کہ پانچ ہزار ڈھول اور سات ہزار طنبورے پیش کئے جائیں۔ خوشحال خان نے اس تمسخر کی شکایت بادشاہ سے کی۔۔۔وزیر الملک نے جواب میں بادشاہ سے کہا۔ حضور میری سند کو مذاق یا شوخی نہ سمجھیں' جب گانے بجانے والے کلاونت اب صوبہ داری کے فرائض انجام دیں گے تو خانہ زادان موروثی بیکار رہ کر کیا کریں گے' اس لئے میں نے خوشحال خان سے اتنے ہزار ڈھول اور طنبورے مانگے تھے تاکہ انہیں معزول شدہ صوبہ داروں اور سپہ سالاروں میں تقسیم کر دوں کیونکہ انہیں بھی جینے کا حق ہے' یہ جواب سن کر جہاندار شاہ نے سر جھکا لیا اور خاموشی اختیار کی" لال کنور نے اپنے ھندوانہ دستور کے مطابق ایک کنجڑن عورت زہرہ نامی کو اپنی بہن بنا رکھا تھا۔ اس زہرہ نامی عورت کو بھی شاہی محل میں بہت عروج ملا' وہ کسی روک ٹوک کے بغیر حرم میں آتی جاتی تھی اور سجے سجائے ہاتھی پر سوار ہوتی تھی۔ اس عورت کو یہاں تک جرأت ہوئی کہ وہ بعض شریف امراء پر جو اسکے قریب سے گزرتے

Marfat.com

لعن و تشنیع کرتی اور اُن کی پگڑی اچھالتی' یہ سب کچھ لال کنور کے اشارے پر ہوتا۔ ایک دفعہ اس نے امیر فتح خاں کے ساتھ اپنی عماری سے پردہ ہٹا کر اس طرح تمسخر کیا تو اُسکے آدمیوں نے اس کنجڑن کو ہاتھی سے نیچے گرا دیا۔ اس موقع پر بھی ذوالفقار خان کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوا۔ لال کنور کے بھائی خوشحال خان کو یہاں تک ہمت ہوئی کہ بعض شرفا کی بیویوں کی پردہ دری کرنے لگا۔ اس پر ذوالفقار خان (جسکے سامنے بادشاہ بے بس تھا) نے اُسے کوڑے لگوائے تا کہ اُس کا دماغ ٹھکانے آجائے۔ تو یہ تھا بادشاہ جہاندار شاہ کا عہد جب بھانڈ مرد اور بازاری کسبیاں حرم شاہی اور دربار پر چھائے تھے اس طرح معاشرے پر جو اثرات پڑنے تھے یا شاہی نسل کی جو تخریب ہونی تھی اس پر کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ صرف عذابِ الٰہی کا انتظار باقی رہ جاتا ہے۔

جہاں دار شاہ نے ایک سال حکومت کی' پھر قدرت کا کوڑا برسا اور وہ قتل ہوا (دراصل جان بچانے کے لئے جہاندار شاہ نے ھندوؤں کی وضع قطع اختیار کی اور لال کنور کے ہمراہ میدانِ جنگ سے فرار ہوا لیکن پھر بھی گرفتار ہوا اور بعد میں مارا گیا) اس کے بعد فرخ سیر بادشاہ بنا' یہاں ھمارے لئے شہزادوں کی باہمی لڑائیوں کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں جو ہمیشہ جاری رھتی تھیں۔ فرخ سیر نے کئی معزز امراء کو قتل کرا دیا جنمیں ذوالفقار خان جیسا خاندانِ مغلیہ کا وفادار اور غیرت مند سپہ سالار اور امیر بھی شامل تھا۔ فرخ سیر کے دور میں سادات بارہہ' عبداللہ خان اور حسین علی خان بادشاہ گر کے طور پر سامنے آئے اور بادشاھی اقتدار کمزور ھوا۔ فرخ سیر نے اپنے چھ سالہ دور میں اسقدر خونریزی کی کہ زمین کانپ اٹھی اس کی حکومت کا آغاز ھی سفاکی کے بدترین مظاہرے سے ھوا۔ وہ سخت منتقم مزاج تھا۔ دہلی میں محل میں تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دیا کہ مقتول بادشاہ جہاندار شاہ کا سر نیزہ میں پرو کر اور اس کا دھڑ ہاتھی پر لٹکا کر اور اس ہاتھی کی دم سے ذوالفقار خان کی لاش الٹی لٹکا کر تمام شہر میں گھمائی جائے اور اسکے بعد دونوں لاشوں کو قلعہ

Marfat.com

کے دروازے پر ڈال دیا جائے۔ فرخ سیر بھول گیا کہ برے عمل کی مکافات بھی ہوتی ہے۔ ایک اور مخالف ہندو راجہ سبھا چند کے متعلق حکم ہوا کہ اسکی زبان کھینچ کر کاٹ لی جائے اور کل جائداد ضبط کر لی جائے۔ حکومت کے پہلے دن اُس نے کئی خاندانی امراء کو بھی پھانسی دینے کا حکم دیا' اسطرح مغل دربار' شریف اور معزز افراد سے خالی ہو گیا اور صرف خوشامدی باقی رہ گئے۔ شہزادے بھی اسکے عتاب سے محفوظ نہ رہے۔ تین شہزادوں' اعزالدین عالی تبار اور ھمایوں بخت کی آنکھوں میں گرم سلائیں ڈال کر انہیں اندھا اور اپاہج کر دیا گیا۔ یہ حالات اور واقعات دیکھ کر دہلی میں سکوتِ مرگ طاری ہو گیا' کسی شخص کو اپنی جان و سلامتی نظر نہ آتی تھی۔ لوگ جو دربار سے منسلک تھے' شام کو زندہ سلامت گھر میں داخل ہوتے تو اپنی جان کا صدقہ دیتے۔ فرخ سیر ظالم ہونے کے ساتھ عقل و خرد سے محروم تھا۔ "وہ فطرتاً" کمینہ اور رذیل تھا اور رذیلوں کی صحبت میں رہنے سے پست ہمتی کا مظاھرہ یوں کرتا تھا کہ انہیں انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔۔۔ اعتقاد خاں جیسے لچے اور بازاری لوگ اسکے نزدیک محترم و معزز بنے تھے جو شب و روز اسکی قصیدہ خوانی میں مصروف رہتے"۔۔۔ (سیر المتاخرین)۔ فرخ سیر خود نااہل تھا اور حکومت کی باگ دوڑ سادات بارہہ کے ہاتھ دے رکھی تھی جو خود عیاش تھے' مثلاً قطب الملک عبداللہ خان گو بہت قابل تھا لیکن رقص و سرود اور عورتوں کا رسیا تھا اور آگے اپنے اختیارات ایک ھندو دیوان (منشی) رتن چند کے حوالے کر رکھے تھے۔ یہ رتن چند چالاک اور عیار تھا اور امور مملکت پر چھا گیا' عیاش بھی تھا۔ عداوتیں اور رنجشیں بڑھنے لگیں اور سلطنت کی چولیں ہل گئیں۔ اپنے پیش رووں کی طرح فرخ سیر کو بھی کسی ھندو رانی سے شادی رچانے کا شوق تھا۔ راجہ اجیت سنگھ کی شکست پر جو معاہدہ ہوا اُسکی ایک شرط یہ بھی تھی کہ راجہ کی بیٹی بادشاہ کے حرم میں آئے گی لیکن شادی ہونے پر معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت کی صحت اس قابل نہیں کہ وہ نئی شادی کے تقاضے پورے کریں' اسی دور کی ایک خاص بات یہ ہوئی کہ کلکتہ سے انگریزوں کا

Marfat.com

بٹ انڈیا کمپنی کا ایک وفد شاہی دربار میں آیا اور اپنے ہموطنوں کے لئے بنگال میں تجارتی مراعات مانگیں، ناعاقبت اندیش بادشاہ نے یہ مراعات عطا کر دیں۔ یہ 1716ء کی بات ہے۔ انگریزوں نے اِن مراعات کے لئے بادشاہ کو تیس ہزار پاؤنڈ کے تحائف رشوت میں پیش کئے تھے۔ انگریزی وفد کا سربراہ مسٹر ہملٹن ایک اچھا جراح تھا اور اُسی نے بادشاہ کی ایک بیماری کا علاج بھی کیا تھا جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ فرخ سیر کی نااہل حکومت میں ہندوؤں نے بہت زور پکڑ لیا تھا۔ ایک چھوٹے سے واقعہ سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گجرات میں ھولی کی شب کچھ مسلمانوں نے خیرات کے ارادے سے اپنے گھر میں گائے ذبح کی۔ اس پر مقامی ھندو، مسلمانوں پر حملہ آور ھوئے، مسلمان تعداد میں کم تھے، بھاگ گئے، قصاب بھی بھاگ گیا لیکن قصاب کا چودہ سالہ لڑکا اُن کے ہاتھ آ گیا، ھندو اُسے گھسیٹتے ھوئے اسی جگہ لے آئے جہاں گائے ذبح ھوئی تھی اور بچے کے حلق پر بے دردی سے چھری پھیر دی۔ گجرات کے مسلمانوں کا ایک وفد شکایت لیکر دارالحکومت دہلی پہنچا، وہاں رتن چند تمام معاملات پر چھایا ہوا تھا لہٰذا وفد کے ارکان کو رتن چند کے ایما پر گرفتار کر لیا گیا۔ بالآخر مشکل سے انہیں رہائی نصیب ھوئی۔ اجیت سنگھ کی بیٹی ھندو رانی کے ساتھ شادی پر بادشاہ نے جو جشن منایا اس پر کروڑوں روپے خرچ کر دیئے۔ بقول طباطبائی "ایسی شادی ھندوستان میں کسی بادشاہ اور راجہ کے عہد میں نہ ھوئی تھی"۔ مغلیہ سلطنت کا خزانہ اس طرح کے اللے تللوں میں ضائع کیا جا رہا تھا۔ قوالی اور منقبت گانے کو دینِ اسلام سمجھ لیا گیا تھا۔ طباطبائی کے مطابق دہلی کی سڑکوں اور بازاروں میں پیشہ ور لوگ "مناقب ائمہ طاہرین" گاتے پھرتے تھے۔ غالبًا اس رواج کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سادات بارہہ (عبد اللہ اور حسین علی) دونوں اس کی سرپرستی کرتے تھے اور دہلی میں انہی بھائیوں کا سکہ چلتا تھا، بادشاہ کو صرف عیاشیوں سے سروکار تھا۔ فرخ سیر کے عہد کا ایک عبرتناک واقعہ سکھوں کے گورو "بندہ" سے تعلق رکھتا ہے۔ "بندہ" مسلم دشمنی میں دیوانہ ھو چکا تھا

Marfat.com

کیونکہ گوروگوبند کی موت کے انتقام کا جذبہ اسکے دل میں آگ کی طرح سلگ رہا تھا۔ اس نے سکھوں کی قیادت ہاتھ میں لیتے ھی مسلمانوں کو چن چن کر مارنا شروع کیا' بچے بوڑھے جو بھی اسکی زد میں آتا دو ٹکڑے کر دیتا' حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتا اور ان کے پیٹ سے بچے نکال کر دیواروں سے ٹکرا دیتا۔ "بندہ" کو بڑی جدوجہد کے بعد گرفتار کیا گیا' وہ مغل بادشاہ کے لئے چیلنج بنا ہوا تھا۔ گرفتاری کے بعد بندہ اور اسکے اہم ساتھیوں کو روسیاہ کر کے سواریوں پر الٹا بٹھا کر دہلی مین گھمایا گیا' پھر روزانہ ایک سو سکھوں کو قتل کرنے کا حکم ھوا۔ کوئی تین سو سکھ قتل ھوئے' بندہ کو قتل سے پہلے گرم آھنی زنبور سے داغا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اُس نے اسقدر ظلم و ستم کیوں ڈھائے ؟ اُس نے جو جواب دیا وہ یہ تھا : "جب انسان غرور اور گناہ میں مبتلا ھو کر راہ حق سے دور ھو جاتا ہے اور نظام کائنات کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو مجھ ایسے ظالم اور قاتل کے اختیار میں اسکی مکافات دے دیتا ہے۔۔۔ اور جب انسانوں کو یہ سزا مل چکتی ہے تو قصاب کا مقصد بھی پورا ھو جاتا ہے' اس کے بعد قادر مطلق مجھ جیسے ظالم اور قاتل کو تم جیسے طاقتور بادشاہ کے حوالے کر کے سزا دلواتا ہے" بندہ نے جو اصول بیان کیا ہے وہ "ظلم کے چکر" کا اصول ہے اور بالکل صحیح ہے' قدرت جب کسی گروہ کو سزا دینا چاھتی ہے تو ہلاکو خان' چنگیز خاں' تیمور' نادر اور بندہ جیسے ظالموں سے بھی کام لیتی ہے اور پھر خود اِن ظالموں کو حد سے نکل جانے کی سزا کسی اور قاتل یا ظالم سے دلوا دیتی ہے۔

قدرت کی طرف سے کچھ ایسی ہی کارروائی بادشاہ فرخ سیر کے خلاف سادات بارہہ کے ہاتھوں سے ھوئی اور پھر سادات بارہہ کے خلاف دوسرے حکمرانوں کے ہاتھوں سے ھوئی۔ رتن چند مسلمانوں کا شدید دشمن تھا اور امیر الامرا عبداللہ خان کا دیوان تھا اس نے عبداللہ خان کی عیاشیوں کے لئے شاھی خزانہ خالی کر دیا۔ بادشاہ کو شکایات پہنچیں' لیکن بادشاہ خود عیاش اور فضول خرچ تھا۔ آہستہ آہستہ سادات بارہہ اور بادشاہ کے درمیان اختلافات بڑھتے گئے اور سادات بارہہ نے کٹھ پتلی بادشاہ کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

Marfat.com

زمانے میں ایک شخص محمد مراد نامی کشمیر سے آیا اور بادشاہ کی والدہ کے توسط سے فرخ سیر
خلوت میں باریاب ھوا' یہ شخص اس دور کا راسپوٹین تھا اور معیوب زندگی گزارنے کی
ت رکھتا تھا۔ اس نے بادشاہ کو باور کرایا کہ وہ کسی سخت کارروائی کے بغیر محض چند روحانی
وں سے سادات کا قلع قمع کر سکتا ہے۔ چونکہ بادشاہ بعض بُری علتوں میں مبتلا تھا اس لئے
شخص بادشاہ کا مقرب اور دمساز بن گیا اور بادشاہ اس سے دل کی باتیں کہنے لگا۔ اس شخص
اپنی چرب زبانی سے بادشاہ کو خوب لوٹا اور اتنے انعام و تحائف پائے کہ وصول کرتے
تے تھک گیا۔ باہر اسکے خلاف چہ میگوئیاں ھونے لگیں۔ تنخواہیں نہ ملنے سے شاھی محافظ
توں میں بے چینی پھیلنے لگی۔ منصوبے کے مطابق ایک دِن صبح سویرے قطب الملک بادشاہ
پاس گیا اور شکایت کی کہ بادشاہ اُن پر اعتماد کی بجائے اجنبی لوگوں کو نواز رہے ھیں'
رہ وغیرہ۔ اس موقع پر دونوں طرف سے سخت باتیں کی گئیں' سادات کے آدمیوں نے
ی محل کو آ گھیرا' دہلی میں قیامت کا سماں تھا" "لوگ بے تحاشا بھاگ رہے تھے اور چیخ و پکار
رہے تھے۔ بادشاہ نے برے آثار دیکھ کر اپنے محل کا رخ کیا" (سیر المتاخرین) قلعہ کے
وازے بند کر دیئے گئے' ہنگامہ دارو گیر میں کئی لوگ مارے گئے۔ فرخ سیر اپنے حرم میں
نینوں کے حلقے میں چھپا ہوا تھا۔ ایک دستہ اُسکی گرفتاری کے لئے اندر گیا' تاتاری عورتوں
نے جو محافظتِ حرم سرا پر مامور تھیں ہلکی مزاحمت کی لیکن جلد انہیں بھگا دیا گیا۔ "آخر کار
رخ سیر کو نازنینانِ حرم کے نازک ہاتھوں سے نکالا گیا اور گھسیٹ کر تین پولیہ کے
دھیرے کمرے میں لایا گیا اور نظر بند کر دیا گیا۔ اسکی ایسی توہین کی گئی کہ آج تک کسی شاہی
رد کی نہیں کی گئی ہو گی" (سیر المتاخرین) فرخ سیر کی توہین کرنے والوں میں سادات بارہہ
کے علاوہ بادشاہ کا سُسر اجیت سنگھ اور دیوان رتن چند شامل تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ مغل بادشاہ
تذلیل کے لئے جو سازش کی گئی اُس میں بد قسمتی سے کچھ مسلمان امراء (سادات بارہہ
غیرہ) اور ھندو امراء کا گٹھ جوڑ ھو گیا تھا۔ اس گٹھ جوڑ پر اس لئے بھی حیرت ھوتی ہے کہ

Marfat.com

فرخ سیر مذہبی اعتبار سے بے سمت قسم کا بادشاہ تھا' تاہم وہ مکافاتِ عمل کا شکار ہوا۔ اس تنگ و تاریک قید خانے میں روایت کے مطابق دو ماہ تک فرخ سیر پر مختلف قسم کی اذیتیں روا رکھی گئیں' اسکی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اسے بظاہر اندھا کر دیا گیا لیکن اسکی کچھ بصارت برقرار رہی۔ پھر سادات کے حکم پر اسکا گلا گھونٹ دیا گیا۔ چھتیس گھنٹے تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی' کوئی ماتم کرنے والا نہ تھا۔ اسکے بعد خاموشی سے اِسے مقبرہ ہمایوں میں دفن کر دیا گیا۔ فرخ سیر نے اپنے چھ سالہ دور میں بے انتہا ظلم ڈھائے' بے گناہوں کو قتل کیا' بعضوں کی آنکھیں نکالیں۔ اُسے اپنے کئے کا پھل مل گیا۔

اب دہلی کی بادشاہت مذاق بن گئی۔ فرخ سیر کے بعد بادشاہ گر سادات مغلیہ خاندان کے ایک بیس سالہ شہزادے شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کو پکڑ کر لے آئے اور غسل و تبدیل لباس کے بغیر تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن اس دوران ایک مختصر وقفے میں (جب تخت پر کوئی بادشاہ موجود نہ تھا) دونوں سادات بھائیوں نے شاہی خزانوں پر قبضہ کر لیا اور آپس میں بانٹ لیا' یہ روایت بھی ہے کہ قطب الملک عبداللہ خان چونکہ پرلے درجے کا عیاش تھا اس لئے اس نے شاہی حرم سرا کی صاحبِ جمال نازنینوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

رفیع الدرجات چند ماہ حکمران رہا اور پراسرار حالات میں فوت ہوا' پھر اسکے بھائی رفیع الدولہ کو حکمران بنا تا گیا لیکن وہ بھی تھوڑے دنوں بعد عدم آباد روانہ ہوا۔ ایسے لگتا تھا کہ ہندوستان کا تخت منحوس ہو گیا ہے۔ شاید اسی منحوسیت کا نتیجہ تھا کہ رفیع الدولہ کے انتقال کے بعد کوئی دس دِن تک تخت دہلی خالی رہا۔ آخر نوجوان شہزادہ روشن اختر ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ 1719ء کا واقعہ ہے۔ محمد شاہ (عرف محمد شاہ رنگیلا) اٹھائیس سال تک حکمران رہا لیکن حقیقی یا نیم حقیقی اقتدار نادر شاہ کے حملے (1739ء) تک حاصل تھا۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد بارہ تیرہ سال کا یہ دورانیہ (1707ء تا 1719ء) کس قدر مختصر ہے' لیکن اس مختصر مدت میں کئی بادشاہ آئے اور گئے' دردناک حشر سے دوچار

Marfat.com

ہوئے اور ھندوستان میں مسلمان قوم پر قیامت گزر گئی اُن کے لئے یہ عرصہ ایک صدی سے زیادہ بھاری گزرا۔

Marfat.com

باب - 12

سلطنتِ مغلیہ کی ٹوٹ پھوٹ اور نادر شاہ کی شکل میں خدائی عذاب!

بادشاہ محمد شاہ 'تخت طاؤس' پر بیٹھنے والا آخری مغل بادشاہ تھا، بلکہ اپنی حکومت کے آخری نو سال تو اُس نے تخت طاؤس کے بغیر گزارے اسکے دور میں سلطنت مغلیہ کے ماتحت صوبے آہستہ آہستہ الگ اور خود مختار ہوتے چلے گئے' اگر سلطنت مغلیہ کو گھن نہ لگ گیا ہوتا اور محمد شاہ عیاشیوں سے خود کو باز رکھ سکتا تو شاید وہ ایک کامیاب بادشاہ شمار ہوتا' لیکن بد قسمتی سے سلطنت کی بربادی کا گھنٹا بج چکا تھا۔ محمد شاہ اپنے نفس کو قابو میں رکھنے میں ناکام رہا، وہ پچھلے بادشاہوں کے انجام سے صرف یہ سبق سیکھ سکا کہ سید برادران کی نگرانی شروع کی اور اُن کے تسلط سے آزاد ہونے کے لئے سُنی تورانی امراء کا ایک گروہ تیار کیا، اُدھر سادات بارہہ نے بھی ہم خیال امراء کا گروہ بنالیا۔ حکومت کی ابتداء میں یہ حالت تھی کہ بادشاہ کو محل سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی اور ہر قدم سید بھائیوں سے پوچھکر اٹھانا پڑتا تھا، اگر بادشاہ سیر و تفریح کے لئے نکلنا چاہتا تو محل سے چند کوس کے فاصلے پر واقع باغات تک جاسکتا تھا اور شام ہونے سے پہلے پہلے سادات اس کو محل میں واپس لے آتے۔ بادشاہ کے اس طرح محل کے در و دیوار تک محدود بلکہ محبوس ہونے کی خبریں ملک بھر میں پھیلیں تو صوبوں میں گورنروں اور دوسری مخالف قوتوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ بقول صاحبِ سیر المتاخرین ''سلطنت کے طول و عرض میں ایسا خلفشار پھیلا کہ بد خواہ اور ذلیل لوگ ہاتھ پاؤں نکال کر آزادی کا خواب دیکھنے لگے''۔ دہلی دربار میں سید برادران کا اقتدار دیکھکر امیر اعظم نظام الملک نے طے کرلیا

Marfat.com

کہ وہ آیندہ کے لئے دکن چلا جائے گا اور مرکز سے کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ چنانچہ اس نے دکن پہنچ کر بغاوت کر دی اور خود مختار حکمران بن بیٹھا۔ مرکزی حکومت اسے اپنے تابع کرنے میں ناکام رہی۔ نظام الملک نے دکن میں اپنی خاندانی حکومت کی بنا ڈالی جو انگریزی دور میں بھی برقرار رہی۔

آمد عذاب سے پہلے فتنوں اور پر اسرار واقعات کا ظہور!

فتنوں کا آغاز

مورخین نے محمد شاہ کے دور کو " فتنوں کا دور" لکھا ہے' یہ فتنے آسمان سے نازل ہو رہے تھے اور زمین سے بھی۔ اور سب سے بڑا فتنہ نادر شاہ کا حملہ تھا۔ بعض اوقات عجیب و غریب اور فوق الفطرت واقعات ظہور میں آتے تھے۔ ایک بار جمعہ کا روز تھا کہ زمین ہلنے لگی اور زمین سے ہولناک آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ چالیس دن اور چالیس رات شدید جھٹکے آتے رہے، زمین کے نیچے سے سسکیوں اور کراہوں کی آوازیں سنائی دیتیں، لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے' دہلی کی اکثر عمارتیں زمین بوس ہو گئیں، ایران سے ایک فتنہ پرداز شخص میر محمد حسین آیا اور اُس نے ہندوستان میں ضعیف العقیدگی کا ماحول دیکھ کر ایک عجیب و غریب نئے مذہب اور نئی زبان کا پرچار شروع کیا، وہ خود کو " بیگو کیت" کہتا تھا اور اسکے بقول یہ رتبہ نبوت اور امامت کے بین بین ہوتا ہے، اُس نے اپنے اوپر آسمانی وحی نازل ہونے کا دعویٰ کیا، 'السلام علیکم، کی جگہ کلمہ " خفشاں نمود" سلام کے لئے نکالا' پانچ کی جگہ تین وقت کی نماز کا حکم جاری کیا۔ نماز باجماعت کے لئے نئی ترتیب یہ نکالی کہ امام درمیان میں کھڑا ہو اور مقتدی چوکور (مربع) ہو کر اُسکی طرف منہ کریں، اس نے اپنے چار خلیفے مقرر کیئے جن کے عجیب نام رکھے۔ بے شمار لوگ اس جھوٹے پیغمبر کے جال میں پھنس گئے۔ افسوس کہ علمائے وقت نے اس فتنے کے استیصال میں خاص دلچسپی نہ لی۔ وزیر محمد امین خان نے اس مکار کو گرفتار کرنے کے لئے آدمی بھیجے لیکن اتنے میں محمد امین خان قولنج میں مبتلا ہوا

Marfat.com

اور مر گیا۔ مشہور ہو گیا کہ اس پر ' پیغمبر' کی طرف سے عتاب ہوا۔ چند سال بعد وہ کذاب طبعی موت مرا تو فتنے کے اثرات کم ہوئے۔ اسکے جانشینوں میں جائداد اور گدی نشینی کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے اور پیرو کار بد ظن ہو گئے۔ اس طرح یہ فتنہ فرو ہوا۔ ایک بار کسی ظاہری وجہ کے بغیر دہلی میں چالیس روز تک زمین سے تعفن پھیلا کہ تمام اہل شہر 'امیر ہو یا غریب متاثر ہوئے اور بخار کی وبا پھیلی، کوئی گھر بیماروں سے نہ بچا۔ منڈیاں اور کاروبار بند ہو گئے' سڑکیں ویران ہو گئیں، یہ وبا پٹنہ سے شروع ہوئی اور لاہور تک پہنچی۔ اسی طرح ایک بار دہلی میں ایسی سردی پڑی کہ دریا اور نہریں جم گئیں۔ پھر دہلی میں ایسا سیلاب آیا کہ گھروں میں قد آدم کے برابر پانی جمع ہو گیا، ہزاروں عمارتیں تباہ ہو گئیں۔

سادات بارہہ کے تسلط سے باہر نکلنے کے لئے محمد شاہ نے اورنگ زیب عالمگیر کے قدیم امراء مثلاً نظام الملک اور محمد امین خان وغیرہ کو رازدار بنایا۔ بادشاہ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی لیکن تورانی زبان میں بادشاہ اور محمد امین خان گفتگو کرتے رہتے تھے جو سادات کو سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس سلسلے میں باقاعدہ منصوبہ تیار ہوا۔ منصوبے کے پہلے مرحلے میں امیر الامرا حسین علی کو ٹھکانے لگایا گیا' ایک شخص عرضی لیکر اُسکے پاس پہنچا' حسین علی درخواست پڑھنے لگا کہ قاتل نے اسکے پیٹ میں پیش قبض کا وار کیا۔ قاتل کو حسین علی کے ساتھیوں نے موقع پر قتل کر دیا لیکن حسین علی بھی قاتلانہ حملے سے جانبر نہ ہو سکا۔ اب دوسرے بھائی قطب الملک عبداللہ خان کی باری تھی، اس نے اپنا انجام روبرو دیکھ کر بغاوت کر دی اور ایک باغی شہزادے کو بطور کٹھ پتلی تخت نشین کرنے کی کوشش کی۔ آخر میں فریقین کے مابین شاہ پور کے مقام پر زبردست جنگ ہوئی۔ اس موقع پر بادشاہ اور قطب الملک عبداللہ دونوں اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے ہاتھیوں پر سوار تھے' بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ جب قطب الملک کے دیوان ہندو رتن چند پر قابو پایا جائے تو اس کا سر کاٹ کر شاہی ہاتھی کے پاؤں میں باندھ دیا جائے' قطب الملک سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ ہاتھی سے اتر کر لڑنے لگا اور تیر

Marfat.com

کھا کر زخمی ہوا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ بعد میں اُسے زہر کھلا کر دورانِ قید ہلاک کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ نے ان بادشاہ گر بھائیوں کے خلاف قدم اٹھانے کا سوچنا شروع کیا تو اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے دونوں بھائیوں نے اپنا ایک خاص آدمی علم جفر کے ماہر ایک شخص کے پاس بھیجا۔ اُس شخص نے اعداد کی مدد سے جو استخراج کیا اُسکے مطابق دونوں بھائیوں پر 'غلبہ عدو' ثابت ہو تا تھا۔ چنانچہ آئندہ واقعات سے ثابت ہو گیا کہ ماہر علم جفر کی رائے درست تھی۔ نصف درجن کے قریب کٹھ پتلی شہزادوں کو بادشاہ بنانے والوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ جب قطب الملک زخمی ہو کر گرفتار ہوا تو اُسے وفاداری کا یقین دلانے والے اور جان نثار کرنے والے دوستوں' نوکروں اور کنیزوں نے رُخ موڑ لیا۔ اُس کا قیمتی مال و اسباب حرم سرا کی کنیزوں نے لوٹ لیا۔ اُس کے ایک قدیم دوست عبداللہ خان کاشی نے بے وفائی اور بیدردی کی انتہا کر دی اور قطب الملک کے گھر میں گھس کر مستورات کی بے حرمتی کی۔ ایک ہندو بھی اس واردات میں اسکا شریک تھا' دونوں شیطانوں نے عورتوں کی بے حرمتی کی اور مال لوٹ لیا۔ (ع بدلتا ہے رنگِ آسمان کیسے کیسے!)

مغلیہ حکومت بھانڈوں اور رقاصوں کے قبضے میں!

محمد شاہ کا خطاب 'رنگیلے بادشاہ' عوام و خواص کی طرف سے اسکی عیش پسند اور رنگیلی فطرت کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ نے اقتدار کا مطلب بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے جہانبانی یا ذمہ داری نہیں بلکہ حصولِ عیش و لذت کا موقع سمجھ لیا تھا۔ معمولی معمولی واقعات پر کئی کئی روز جشنِ طرب منالئے جاتے تھے۔ سابق بادشاہ' فرخ سیر کی لڑکی سے بادشاہ کی شادی ہوئی تو شادی سے پہلے ہفتوں رقص و سرود' آتش بازی اور ضیافت کا سلسلہ جاری رہا۔ 'کوکی' نام کی ایک لڑکی بادشاہ کو اتنی بھا گئی تھی کہ وہ ہر وقت حرم اور دربار میں موجود رہنے لگی یہاں تک کہ اُسے بادشاہ نے اپنی طرف سے اہل حاجت کی

Marfat.com

درخواستوں اور عرضیوں پر دستخط کرنے اور انہیں منظور کرنے کا اختیار دے دیا۔ یہ لڑکی ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ خوبرو تھی' شاعری کرتی تھی اور گاتی بھی تھی۔

صاحبِ سیر المتاخرین لکھتے ہیں: ''بادشاہ چونکہ جوان اور بے صبر تھا اس لئے اس کا زیادہ وقت عیش وانبساط اور رقص و سرور میں گزرتا تھا۔ کوئی اہم سیاسی معاملہ سامنے آتا تو اسکی طرف متوجہ ہونیکی بجائے وہ خوش طبعی اور خوش گوئی میں وقت ضائع کرتا۔ اس نے کبھی امورِ سلطنت میں خاص دلچسپی نہ لی اور نہ اِن امور کو وہ اہمیت دی جسکے وہ مستحق تھے۔ آخر کار عوام کے دل میں بادشاہ کے نام کی جو ہیبت طاری ہو سکتی تھی وہ جاتی رہی۔ امرائے سلطنت ہوں یا عام لوگ سب بادشاہ کے جاہ و جلال سے بے نیاز ہو کر خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف ہوئے اور خودسر ہونے لگے۔ نظام الملک (قدیمی نمک خوار اور وزیر) بادشاہ کو اپنے خیالات و آرا کے مطابق چلانا چاہتا تھا' تاکہ بادشاہ رنگین صحبتوں سے نکل کر سلطنت کے معاملات کی طرف توجہ دے۔ وہ چاہتا تھا کہ بادشاہ کوکی جیسی نازنینوں کے قبضے سے باہر نکلے لیکن افسوس کہ اسکے یہ خیالات نہ تو بادشاہ کو اچھے لگے اور نہ بادشاہ کے مصاحبین و مقربین نے اتفاق کیا' بلکہ اُلٹا لوگ نظام الملک کا مذاق اور تمسخر اڑانے لگے۔ جونہی وہ دربار سے باہر نکلتا درباری خوشامدی اسکے خلاف فقرے کستے۔ ان باتوں کی نظام الملک کو خبر ملتی رہی... چنانچہ اِن فقرہ بازیوں اور تمسخر و تضحیک سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُس نے گجرات اور دکن جانے کا فیصلہ کر لیا اور بیماری کا بہانہ کر کے گھر میں گوشہ گیر ہو گیا، وہ مسندِ وزارت بھی چھوڑنا چاہتا تھا''۔ چنانچہ ایک دن نظام الملک آصف جاہ (دکن کا نظام اول) شکار کھیلنے کے بہانے دہلی سے نکلا اور دکن چلا گیا۔ نظام الملک کی جگہ بادشاہ نے قمر الدین کو وزیر مقرر کیا اور دوسری باتوں کے علاوہ اُسکے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ نقلیں کر کے نظام الملک کا مذاق اڑایا کرے گا جس سے بادشاہ اور درباری بہت خوش ہوتے تھے (نظام الملک کا مذاق اڑانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب تک وہی رسمی آداب دربار بجالاتا تھا جو عہدِ عالمگیری میں رائج تھے اور

Marfat.com

پرانا درباری لباس پہنتا جسے خلافِ فیشن اور متروک تصور کیا جاتا تھا) جس مزاج کا بادشاہ اُسی مزاج کے امرا اور درباری۔ عیاشی اور آخرت فراموشی اُس زمانے کی ہوا میں شامل ہو گئی تھی۔ بنگال کا صوبہ دار شجاع الدولہ حد درجہ عیاش تھا، عورت پرستی کی عادت کی انتہا یہ تھی کہ وہ دربار میں سرکاری امور میں مصروف ہوتا کہ ایک دم تخلیہ میں چلا جاتا اور جب ایک آدھ گھنٹے بعد واپس آتا تو کہتا کہ میرے پاس ایک بھوکا ٹٹو (شہوت پرست نفس) ہے جو میرے لئے دردِ سر بن چکا ہے۔ تو گویا اُس زمانے میں مقتدر طبقے نے اپنا یہ چلن بنالیا تھا کہ اختیارات کی آسمانی امانت کو صرف نفس پرستی اور مال اندوزی کے لئے استعمال کرنا ہے۔ چنانچہ اوپر سے نیچے تک دستورِ زمانہ یہ بن گیا تھا کہ جتنے دن ہاتھ میں اقتدار اور تن میں قوت ہے لذت و نشاط اور لطف و سرور تک محدود رہنا ہے۔ ایک طرف یہ لذت و سرور کی محفلیں تھیں، عیش و عشرت کی راتیں تھیں، حسن و عشق کی گھاتیں تھیں تو دوسری طرف سیاسی انتشار اور درباری سازشیں عروج پر تھیں' "انتشار و خلفشار کا جو بھیانک سیلاب امڈا چلا آتا تھا اسکی طرف توجہ دینے کے بجائے نمک حرام اور نفاق پیشہ امرائے دربار ایک دوسرے کے خلاف سازش کرنے میں مصروف رہے اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا خون بہانے میں ایسے منہمک ہوئے کہ دشمنوں سے غافل ہو گئے" (طباطبائی) دربار میں رشوت عام چلتی تھی۔ دور دراز صوبوں میں بھی حالات یہی تھے۔ ایک امیر ظفر خاں، جس پر بادشاہ کو بہت اعتماد تھا، لوگوں سے کام کرانے کے لئے کھل کر رشوت وصول کیا کرتا تھا۔ ہر سال صوبہ کابل کو انتظام و انصرام کے لئے جو بارہ لاکھ روپے بھیجے جاتے تھے' اُس میں سے آدھے وہ اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ جب اُس کا پول کُھلا تو اُس نے دو کروڑ روپے غبن اور رشوت سے جمع کرنے کا اعتراف کیا۔ یہ رقم قدر و قیمت میں آج کل کے دو ارب روپوں سے کچھ زیادہ ہی بنتی ہے اور یہ صرف ایک امیر کا "کارنامہ" تھا۔ اپنی وقیع کتاب "دی مین ہو رولڈ انڈیا" (The Men who ruled India) میں انگریز مصنف فلپ وڈرف نے' وفات

Marfat.com

اورنگ زیب کے بعد اور محمد شاہ کے دور تک کے افسوسناک واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اورنگ زیب کی موت کے بعد آنے والے چالیس برسوں میں محض نام کے بادشاہ یکے بعد دیگرے آتے رہے جو عیاشی اور شراب و شباب کی لذتوں میں غرق رہے، محلوں کے خلوت خانوں میں زندگی گزارتے بھنگ چباتے، خوبصورت کنیزوں سے ہم آغوش ہوتے اور درباری مسخروں کے چٹکلے سنتے۔ اس پر مغربی دروں سے غضبناک حملہ آور ہندوستان کی غیر محفوظ دولت پر جھپٹنے کے لئے حملہ آور ہوئے، جبکہ مملکت کا ہر گوشہ مرہٹوں کے طاقتور نام سے کانپتا رہا۔ جہاں کہیں اُن کے نقاروں کی آواز سنائی دیتی کسان اپنے چاولوں کا تھیلا کندھے پر رکھتا، اپنی مختصر جمع پونجی پیٹی سے باندھتا اور اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ اٹھتا، انہیں نسبتاً وہ ماحول اپنے لئے کم خطرناک معلوم ہوتا جہاں سیاہ گوش اور شیر رہتے۔ جہاں جہاں مختلف صوبوں میں مغلوں کے مقرر کردہ صوبے داروں نے اختیارات برقرار رکھے وہ خود مختار ہو گئے۔ زبانی جمع خرچ کے طور پر وہ خاندانِ تیمور کے اقتدارِ اعلیٰ کو مانتے تھے جبکہ درحقیقت وہ بادشاہ کی مرضی اور منشا پر ہٹائے جاسکنے والے ماتحت نہیں رہے تھے بلکہ آزاد اور موروثی حکمران بن بیٹھے"

حکومت خواہ ہر جمہوری' آمرانہ یا بادشاہت 'اس کا واحد اخلاقی اور قانونی جواز رعیت کا تحفظ ہوتا ہے۔ "رنگیلے بادشاہ" کی حکومت میں اِس تحفظ رعیت کی حالت یہ ہوئی کہ لوگ آبادیوں کی نسبت اُن ویرانوں میں جاکر رہنے کو ترجیح دینے لگے جہاں اژدھے اور وحشی درندے گھومتے تھے۔ بڑے بڑے زمینداروں اور کسانوں نے بے امنی اور حکومت کی نااہلی دیکھکر سرکاری خزانے میں لگان دینا بند کر دیا، جو رقم پھر بھی وصول ہوتی وہ مغل بادشاہ کی ذات اور خاندان پر خرچ ہو جاتی یا درباریوں اور امیروں میں سے جس کو موقع ملتا شاہی خزانے میں داخل کرنے کی بجائے خود اس پر قبضہ کر لیتے۔ سرکاری فوجیں اور دوسرے ملازم تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے فاقے کرنے لگے' خود بادشاہ اپنا خرچ چلانے کے لئے

Marfat.com

ہیرے، جواہرات فروخت کرنے پر مجبور ہوا جو اسکے پیش رو بزرگ بادشاہوں نے جمع کیے تھے۔

عیشِ فراواں میں مستغرق بادشاہ اور اسکے امراء کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کو یہ ہمت ہوئی کہ دارالحکومت شاہجہاں آباد (دہلی) کے مضافات تک آپہنچے، اُس وقت اگر وہ چاہتے تو آسانی سے دہلی پر قبضہ کر سکتے تھے لیکن شاید مغلیہ سلطنت کے نام کا پرانا دبدبہ تھا کہ مصلحتاً واپس چلے گئے اور ملک بھر میں لوٹ مار کرتے پھرتے، مرکز کی اتھارٹی ختم ہو گئی تھی۔ دکن میں نظام آصف جاہ نے خود مختار حکومت قائم کر لی اور مرہٹوں سے مصالحت کی پالیسی اپنائی، ایک ایرانی امیر سعادت خان جسے اودھ کا صوبہ دار بنایا گیا قریب قریب مغلیہ سلطنت سے آزاد ہو گیا۔ شمال میں افغان قبیلہ روہیلوں نے زور پکڑا اور بعد میں روہیل کھنڈ کے نام سے آزاد حکومت بنالی اور ایک وقت آیا کہ وہ دارالسلطنت پر چڑھ آئے، مغرب میں سکھوں نے زور پکڑا۔ یوں محمد شاہ کے عہد میں مغلیہ سلطنت میں بڑے بڑے "ڈنٹ" پڑ گئے اور وفاتِ اورنگ زیب سے صرف تیس سال کے عرصہ میں ایک وسیع و عریض مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، مغل حکومت کو سب سے زیادہ آمدن (لگان) بنگال سے حاصل ہوتا تھا، جہاں نادر شاہ کے حملے کے فوراً بعد علی وردی خان کا اقتدار قائم ہوا اور یوں بنگال بھی خود مختار ہو گیا۔ مرکز سے کٹنے کے بعد یہ صوبے تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے، بنگال کے ساحلی علاقوں میں انگریز آگھسے تھے اور انہوں نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ وہ لوگ مغل بادشاہ کو تحائف اور رشوت بھیج کر خوش رکھتے تھے اور سرطان کی طرح صدیوں سے قائم برصغیر کے معاشی اور معاشرتی نظام کو ملیامیٹ کرتے جاتے تھے۔

Marfat.com

نادر شاہی کوڑے سے پہلے۔ جھوٹ، بہروپ اور ابلیسی کھیل!

1739ء میں نادر شاہ نے حملہ کر دیا۔ اُس وقت جو منظر نامہ تھا اگر اس پر ہم غور کریں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس حملے کے تمام انسانی اور قدرتی اسباب موجود تھے۔ حیرت اگر ہوتی تو اس بات پر ہوتی کہ ان سب حالات و واقعات کے باوجود قدرت نے نوٹس کیوں نہ لیا اور کوئی چنگیز یا ہلاکو ان ظالموں کو سزا دینے کیوں نہ آیا۔ منظر نامہ مختصراً یوں تھا کہ بادشاہ (محمد شاہ رنگیلے) رنگیلی صحبتوں اور عیاشیوں میں کھویا ہوا تھا' وہ "کوکی" وغیرہ جیسی نرم و نازک مگر عیار لڑکیوں کے سپرد سلطنت کے نازک اور حساس معاملات کر چکا تھا سلطنت کے قدیمی نمک خوار و خیر خواہ امراء (نظام الملک وغیرہ) کو نظر انداز کر کے دربار سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ خوشامدیوں اور مسخروں نے بادشاہ کو گھیرے میں لے رکھا تھا جو بے حد لالچی تھے' بادشاہ کو عیش و آرام کی اتنی عادت تھی کہ سنجیدہ باتوں کا ذکر ہی اُسے سخت ناگوار و ناپسند تھا۔ ملک میں وسیع پیمانے پر بدامنی پھیلی تھی، لوگ غیر محفوظ ہو گئے تھے' حکومت کی نظم و نسق قائم کرنے کی "اتھارٹی" ختم ہو گئی تھی' جاٹوں' مرہٹوں' سکھوں اور روہیلوں جیسی قانون شکن اور افراتفری پھیلانے والی غیر متمدن قوتیں ہندوستان کے طول و عرض میں لوگوں کو ہراساں اور خوفزدہ کر رہی تھیں لیکن انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا' ان حالات میں لوگوں نے مغلیہ سلطنت کے محصلین کو لگان دینا بند کر دیا تھا اور حکومت کا خزانہ روز بروز خالی ہوتا جا رہا تھا۔ میدان اور فضا سازگار پا کر (جب لوگوں میں عدم تحفظ اور بے یقینی وبا کی طرح پھیلے تو ہمیشہ یہی ہوتا ہے) ہندوستان کی ہواؤں میں عجیب و غریب عقیدے اور گمراہ کن خیالات گھل مل رہے تھے۔ کہیں کوئی مکار اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے وحی اور نبوت کا دعویٰ کر رہا تھا اور لوگوں کو روزوں اور نمازوں کی "مشقت" سے بے نیاز کر رہا تھا' کہیں کوئی خفیہ زبان ایجاد ہو رہی تھی، کہیں سکھ اپنے مذہب کی تنظیم نو

Marfat.com

کر رہے تھے اور اُن کا رہنما (بندہ) مسلمانوں کا خون بہانا زندگی کی سب سے بڑی روحانی لذت سمجھتا تھا۔ خطرہ نزدیک آجانے کے باوجود بادشاہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی تھی' وہ بڑے بڑے عہدے نااہلوں اور گھٹیا لوگوں میں ریوڑیوں کی طرح تقسیم کر رہا تھا' پنج ہزاری' ہفت ہزاری' دہ ہزاری عہدے مذاق بن کر رہ گئے تھے' ہر شخص "امیر الامرا" "برہان الملک" "اعتماد الدولہ" اور "خانِ دوراں" بننے کے خواب دیکھتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ دربار سازشوں کا گڑھ بن گیا، امراء کی باہمی رقابتیں عروج پر جا پہنچیں۔ کسی کو مملکت اور سلطنت کی خیر خواہی مطلوب نہ رہی، جس کسی کو اچھا خطاب یا عہدہ نہ ملتا وہ بادشاہ بلکہ سلطنت کا دشمن بن جاتا۔ سعادت خاں جیسا نامی سپہ سالار اسی سبب سے نادر شاہ کے حملے کے دوران بادشاہ کا دشمن بنا۔ عہد اکبری کے بعد اور حملہ نادر شاہ کے مرحلے تک سلطنتِ مغلیہ کی مجموعی کمزوریوں پر "رودِ کوثر" کے مصنف نے یہ بلیغ تبصرہ کیا ہے: "عہد اکبری کے بعد ایک اور مہلک خرابی رونما ہوئی یعنی دربار اور امراء کی فضول خرچیاں، نمود و نمائش اور عیش کوشیاں ۔۔۔ جہانگیر کا مزاج دوسرا تھا اور نور جہاں تو خیر نور علیٰ نور۔ اس کے علاوہ فرنگستان سے آنے والے سامانِ زیب و نمائش نے نمود و نمائش کے نئے دروازے کھول دیئے تھے ... نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ یعنی فضول خرچی، تعیش کوشی اور اسے نباہنے کے لئے رعایا اور زیردستوں پر سختی اور رشوت ستانی اور اخلاقی انحطاط۔ اس سلسلے میں عالمگیر نے صورتِ حالات سدھارنے کی کوشش کی لیکن جو مزاج کئی پشتوں سے بگڑے ہوئے تھے وہ درست نہ ہوئے' بلکہ اسکی آنکھیں بند ہوتے ہی پہلے سے بھی بدتر ہو گئے ۔۔۔ اب عیش کوشی اور اخلاقی انحطاط معاشرے کا جزو ہو گیا تھا، یہ کمزوریاں برقرار رہیں۔ رہی سہی کسر مرہٹوں اور نادر شاہ کے حملوں نے پوری کر دی"۔ آرام طلبی، غداری، فرض ناشناسی اور خود غرضی جیسی مذموم عادات مغل سپہ سالاروں اور فوجیوں میں اورنگ زیب کے زمانے سے گھر کر چکی تھیں۔ غداری اور نمک حرامی کی وبا اتنی زیادہ پھیلی ہوئی تھی کہ اسکی مثال ہندوستان کی

Marfat.com

ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی تھی، خود مغل شہزادے بلکہ اورنگ زیب عالمگیر کے اپنے بیٹے اس سے مبرا نہ تھے۔ شہزادہ کام بخش نے اپنے باپ عالمگیر کے خلاف راجہ رام کے ساتھ ساز باز کرنے کی کوشش کی تھی کہ اورنگ زیب کو علم ہو گیا اور وہ پکڑا گیا تھا۔ محمد شاہ کے زمانے تک تو حالات بہت بگڑ چکے تھے۔ اب مغل لڑنے سے جی چراتے تھے اور خطرات پڑنے کی بجائے راہِ فرار اختیار کرتے۔ غرض یہ منظر نامہ مغل سلطنت کا تھا جب ایران نادر شاہ نے طوفان اور آندھی کی طرح ہندوستان پر حملہ کیا اور بابر سے لیکر محمد شاہ تک جو کچھ مغل بادشاہوں نے مال و دولت اور شرف و وقار کی صورت میں جمع کیا تھا لوٹ کر واپس چلا گیا، خلقِ خدا کا جو خون بہا، معصوم انسان جس طرح دہلی کی گلیوں میں ذبح ہوئے قتل ہوئے، چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی اس قتلِ عام کو دیکھ کر شرمائی ہونگی۔

"شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت!"

بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ نادر شاہ کا حملہ سپہ سالار سعادت خاں اور سپہ سالار اعظم خان دوراں کے درمیان رقابت اور چپقلش کا نتیجہ تھا۔ ممکن ہے اس میں مذہبی و مسلکی اختلافات کا عنصر بھی ہو، سعادت خاں نسلاً ایرانی تھا۔ نادر شاہ سے اس کا تعلق ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حملے کے لئے نادر شاہ کی طرف سعادت خاں نے باقاعدہ خط لکھا تھا۔ نادر شاہ ایران کی صفوی حکومت کا خاتمہ کر کے تخت پر بیٹھا۔ تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ نادر شاہ ایران کی تاریخ کا سب سے بڑا فاتح تھا، عموماً ایران کے بادشاہ طاقت و قوت حاصل ہونے کے باوجود اپنی سرحدوں سے باہر کشور کشائی سے پرہیز کرتے رہے ہیں۔ نادر شاہ میں ایک عظیم فاتح کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوفزدہ کر دینے والی چمک تھی، چہرہ اسقدر ڈراؤنا تھا کہ عام آدمی دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتا۔ شخصیت انتہائی رعب دار، فطرت قائدانہ تھی۔ ساتھی اسکے جاں نثار اور وفادار تھے

Marfat.com

نادر شاہ کے حملے کے متعلق ایک مختصر سا بیان "آکسفورڈ ھسٹری آف انڈیا" کا ہے۔ لکھا ہے: "نادر قلی خان' نادر شاہ کے لقب سے 1736ء میں صفوی خاندان کا خاتمہ کر کے ایران کا حکمران بنا۔ جب اسکی ایران میں حکومت مستحکم ہو گئی تو اُسے ہندوستان کے دولتمند اور کمزور ملک کے میدانوں کو لوٹنے اور فتح کرنے کا بہانہ آسانی سے مل گیا' 173ء میں غزنی، کابل اور لاہور کے راستے سے پیش قدمی کی تو اسے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا حتی کہ وہ دہلی سے ایک سو میل دور جمنا کے کنارے پہنچ گیا جہاں پانی پت کے میدان کے قریب کرنال کے مقام پر اسکا آمنا سامنا شاہی فوج سے پہلی بار ہوا۔ مختصر سی لڑائی ہوئی جسمیں شاہی فوج نے شکست کھائی اور بیس ہزار افراد کھیت رہے۔ مالِ غنیمت فاتح کے ہاتھ لگا' اس کے بعد محمد شاہ رنگیلے نے مزید مزاحمت کی کوشش نہ کی' بلکہ خود نادر شاہ کے خیمے میں حاضر ہوا جہاں اُس کا اچھا استقبال کیا گیا۔ دونوں بادشاہ اب اکھٹے دہلی میں داخل ہوئے اور بظاہر امن و سکون قائم ہو گیا' لیکن نادر شاہ کی موت کی غلط افواہ سے شہری آمادۂ شورش ہوئے اور نادر شاہ کے سیکڑوں آدمیوں کو قتل کر دیا۔ نادر شاہ نے اس کا خوفناک انتقام لیا۔ روشن الدولہ کی سنہری مسجد میں بیٹھکر اس نے نو گھنٹوں تک لوگوں کے قتل عام کی نگرانی کی جنکی تعداد بے حساب تھی...... اس کے بعد نادر شاہ نے بے رحمی سے اور طے شدہ منصوبے کے مطابق دہلی کی آبادی کے ہر طبقے سے دولت اکٹھی کی۔ اٹھاون روز کے قیام کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلا گیا، جاتے جاتے وہ ہندوستان سے انگنت خزانے جن میں شاہجہان کا شہرہ آفاق تخت طاؤس بھی تھا، لے گیا۔ اُس نے دریائے سندھ کے مغرب کا تمام علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ یوں افغانستان کا علاقہ ہندوستان کی بادشاہت سے ہمیشہ کے لئے خارج ہو گیا۔"

سید یوسف بخاری دہلوی' دہلی کے قدیم شہر کی یادیں تازہ کرتے ہوئے اپنی دلچسپ کتاب "یہ دلی ہے" میں لکھتے ہیں: "محمد شاہ کے عیش و عشرت اور غفلت کے باعث

Marfat.com

اسلامی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ہندو مسلم صوبائی ریاستیں اور دور پاس کی تمام غیر ملکی
طاقتیں کھڑی ہو گئیں۔ چنانچہ ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے مارچ 1739ء میں دہلی پر حملہ
کر دیا۔ محمد شاہ نے شکست کھائی۔ پھر اپنی ہی بے وقوفی سے قتل عام کرایا۔ لوٹ مار کا بازار گرم
ہوا۔ بازاروں اور گلیوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ایک لاکھ سے
زیادہ جانیں تلف ہوئیں۔ سنہری مسجد متصل کوتوالی میں بیٹھ کر یہ قیامت برپا کرانے کے بعد
نادر شاہ شاہجہان کا تخت طاؤس اور اسکے علاوہ اسی کروڑ روپیہ اپنے ہمراہ لے گیا۔ جاہ و مال کا
سارا نقصان محمد شاہ رنگیلے کی بدولت بے گناہ رعایا کو بھگتنا پڑا"

قریباً ساڑھے تین سو سال بعد دہلی پھر اسی انداز میں روندی اور تباہ و برباد کی جارہی
تھی جسطرح تیمور کے حملے میں ہوئی تھی۔ تیمور سے نادر شاہ کے درمیان تین سو چالیس
سال کا عرصہ حائل ہے۔ بد قسمتی سے اس عرصے میں برصغیر میں بسنے والی حکمران مسلمان
قوم نے خود احتسابی کا کوئی نظام قائم نہ کیا، الٹا مسلمان معاشرہ اور حکمران اخلاقی پستی کی
ساری حدوں کو پار کر گئے۔ چنانچہ قدرت کی طرف سے نادؔر کی شکل میں عذاب نازل ہوا۔
اُس وقت کے مسلمان علما اور فضلا نے ٹھیک کہا تھا کہ :

؎ شامتِ اعمال ما صورتِ نادؔر گرفت (ہمارے بُرے اعمال کی شامت نے نادؔر کی
شکل میں ظہور کیا)۔ یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا جو محض دہلی تک محدود نہ رہا، بلکہ اسکے اثرات
برصغیر کے طول و عرض میں ہر جگہ محسوس کیے گئے۔ جب کوئی بڑا بھونچال آتا ہے
اسکا مرکز ایک خاص مقام ہوتا ہے لیکن "رچر اسکیل" پر اسکا ارتعاش ہزاروں میل دور تک
محسوس کیا جاتا ہے۔ نادر شاہ کی دہلی میں خونریزی اور لال قلعہ میں غارتگری کچھ ایسی
کاروائی تھی جسکے اثرات بنگال اور دکن تک پوری شدت کے ساتھ محسوس کیے گئے۔
تذکرہ نگاروں کے مطابق نادر شاہی حملہ کے واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ اُس وقت
بادشاہی دربار میں خانِ دوران صمصام الدولہ کا اثر و رسوخ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اسکے سپر د شاہی

Marfat.com

افواج کی قیادت کردی گئی تھی لیکن خان دوراں نہ صرف مغرور تھابلکہ غافل اور عیش پرست بھی تھا۔ بادشاہ کو اپنے ذاتی عیش سے فراغت نہ تھی اور سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات سے باخبر ہونے کا نظام بھی مفقود تھا۔ یہاں تک کہ غیر ملکوں سے آنے والے سفیروں کو دربار میں کوئی نہ پوچھتا تھا، اگر وہ اپنے بادشاہ سے کوئی خط یا خیر سگالی کا پیغام لاتے تو اُس کا کبھی جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ غفلت کے علاوہ اخلاقی طور پر بھی یہ ایک معیوب حرکت تھی لیکن دربارِ مغلیہ میں یہی چلن تھا۔ جب نادر شاہ نے ایران میں اقتدار پر قبضہ کیا تو اُس نے پرانے بادشاہوں کے رواج کے مطابق ہمسایہ ملک ہندوستان سے بذریعہ ایلچی رابطہ کرنا ضروری سمجھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک قابلِ اعتماد قزلباش کو دہلی بھیجا لیکن اُسے راہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور اُس سے وہ خطوط بھی چھین لیے جنہیں وہ بادشاہِ ہندوستان کے لئے نادر شاہ کی طرف سے لے جارہا تھا۔ آخر بڑی خوشامد اور منت سماجت کے بعد ڈاکوؤں نے وہ خطوط اسکے حوالے کیے لیکن تن کے کپڑوں کے سوا باقی سب کچھ اُس ایلچی سے چھین لیا۔ ہزار دقتوں کے بعد وہ ایلچی ہندوستان کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور خطوط وزیر کے حوالے کیے لیکن نہ تو وزیر نے اور نہ بادشاہ نے کوئی جواب دیا۔ کسی قسم کی مالی مدد بھی نہ کی کہ وہ واپس ایران جاسکتا۔ اس دوران نادر شاہ مار امار کرتا اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا قندھار تک آگیا' ابھی تک اس کا ایلچی اسکے پاس واپس نہیں گیا تھا۔ چنانچہ نادر شاہ نے ایک اور ایلچی یاد دہانی کے لئے بھیجا۔ اس ایلچی کو بھی دہلی میں روک لیا گیا۔ وہاں بادشاہی دربار میں یہ بحث چلتی رہی کہ نادر شاہ کو اگر جواب دیا جائے تو کیا القاب لکھے جائیں؟ نادر شاہ نے پیش قدمی کرکے قندھار فتح کر لیا اور ہزاروں افغانوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کے ڈھیر لگائے۔ شیراز میں بھی نادر شاہ نے حملہ کر کے تمام افغان یا تو قتل کر دیئے یا انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ انہی مفرور افغانوں کا ایک قبیلہ ہندوستان آکر آباد ہوا اور بعد میں کافی اقتدار بھی حاصل کیا' یہ لوگ "روہیلے" کہلاتے تھے۔

Marfat.com

قندھار پر قابض ہونے کے بعد نادر شاہ نے قلعہ مسمار کر دیا اور تمام شہر والوں کو (جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے) ایک اور قریبی جگہ آباد ہونے کا حکم دیا۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ قندھار میں قتل عام سے فارغ ہونے کے بعد وہ افغانستان کے دوسرے شہروں کی طرف متوجہ ہوا۔ کابل پہنچ کر وہ قلعہ کابل کی دیواروں کے اردگرد خیمہ زن ہوا۔ قلعہ کے کنگوروں پر کابلی افغان جمع تھے۔ یہ لوگ مزاحمت پر تل گئے۔ لیکن نادر شاہ کے حکم پر ایک قزلباشوں کا ایک دستہ پھرتی سے دیوار پھاند کر قلعہ میں داخل ہو گیا۔ مزاحمت بے سود تھی کابلیوں نے ہتھیار ڈالنے میں عافیت سمجھی۔ باہر پہاڑوں میں کچھ مزاحمت ہوئی، اس پر نادر شاہ نے حکم جاری کیا کہ جو افغان سامنے آئے اُس کا سر قلم کر دیا جائے، چنانچہ بے شمار پہاڑی افغان تہ تیغ کر دیئے گئے۔

کابل سے نادر شاہ نے جلال آباد کا رخ کیا، صاف ظاہر تھا کہ اس کا ارادہ درۂ خیبر عبور کرنے کا ہے۔ راستے میں ایک بار پھر اُس نے رابطے کے لئے بادشاہِ دہلی کی طرف ایلچی بھیجا۔ اس مرتبہ بھی نادر شاہ کے سفارتی پیغام کو دربارِ دہلی میں درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وزیراعظم صمصام الدولہ (خان دوراں) نے نادر شاہ کے پیغامات کی تکرار پر ناک بھوں چڑھا کر تکبر سے کہا: ''دہلی کے مکانات کی چھتیں بہت اونچی ہیں اور اتنی بلند چھتوں سے یہاں کے شہری دور سے ہی نادر شاہ اور اسکے سپاہیوں کو دیکھکر اپنا بندوبست کر لیں گے''۔ حملہ کرنے سے پہلے نادر شاہ نے اپنے دس سپاہیوں کی حفاظت میں ایک قاصد جلال آباد روانہ کیا۔ یہ لوگ جلال آباد کے ایک گھر میں اترے تھے کہ فسادیوں نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ صرف ایک سپاہی جان بچا کر نادر شاہ کے پاس کابل پہنچا۔ نادر شاہ غصے سے کھول اٹھا اور حکم دیا کہ اب جو افغان بھی سامنے آئے اُسے قتل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی فوراً جلال آباد روانہ ہو گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا اور قتل عام کا حکم دیا۔

Marfat.com

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کابل اور جلال آباد سمیت تمام علاقہ سلطنتِ مغلیہ کا حصہ تھا اور جلال آباد میں نادر شاہ کے ایلچی اور دوسرے آدمیوں کے قتل کی سازش میں بظاہر دربارِ دہلی شامل تھا۔ نادر شاہ نے جلال آباد میں بے شمار لوگوں کے خون سے انتقام کی آگ بجھائی' ابھی تک حکومتِ دہلی نے نادر شاہ کے ممکنہ حملہ ہندوستان کے سدباب کے لئے کوئی کاروائی نہیں کی تھی، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ نادر شاہ کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا گیا تھا۔

درہ خیبر تک نادر شاہ کی کسی نے مزاحمت نہ کی۔ مقامی حاکم ناصر خان نے درہ خیبر کے پاس تھوڑا سا مقابلہ کیا لیکن جلد ہی انسانی خون کے بھوکے مغل قزلباشوں کے سامنے اسکی تلوار کند ہو گئی اور وہ گرفتار ہوا۔ اب پشاور سے آگے تک راستہ صاف تھا۔ اس نے کشتیوں کے ذریعے دریائے اٹک عبور کیا' وہاں سے آگے صوبہ ملتان کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ چونکہ مغلیہ سلطنت کا نظم ونسق مفلوج ہو چکا تھا، اس لئے اس علاقے میں پہلے ہی ڈاکو اور راہزن مار دھاڑ کر رہے تھے اور لوگوں کا جینا حرام ہو چکا تھا۔ اس طرح نادر شاہ جیسے طاقتور بادشاہ کی آمد کا وہاں یقیناً خیر مقدم ہوا ہو گا، کم از کم کچھ دنوں کے لئے ڈاکو راج سے تو اُن لوگوں کو نجات مل گئی۔ پنجاب کے یہی ڈاکو پہلے نادر شاہ کے ایلچیوں کو بھی لوٹ چکے تھے۔

مرتضیٰ احمد خان لکھتے ہیں: "نادر شاہ نے پشاور سے شہنشاہ دہلی کو ایک خط بھیجا جسے محمد شاہ رنگیلے نے "دفترِ بے معنی" قرار دے کر "مئے ناب" کے پیالے میں غرق کر دیا۔ اس توہین آمیز سلوک کے باعث نادر شاہ نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ شہنشاہ نے دہلی سے چالیس میل کے فاصلے پر کرنال تک آنے کی زحمت گوارا فرما کر مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ نادر شاہ، شہنشاہ دہلی سے معمولی نذرانہ لیکر یہیں سے واپس جانے پر آمادہ تھا کہ مغلیہ دربار کے ایک امیر نے اُسے دہلی جا کر دودمانِ تیموریہ کی ثروت ودولت کا جائزہ لینے کی ترغیب دی۔ نادر شاہ دہلی کا مہمان بن گیا۔ دہلی کے بانکوں نے بھنگڑ خانے کی ایک گپ کو صحیح سمجھ کر کہ محمد شاہ نے قلعے میں نادر شاہ کو ایک قلماقنی کے ہاتھ سے مروا دیا ہے'

Marfat.com

ایرانی فوج کے سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ نادر کو اطلاع ملی تو وہ افواہ کی عملی تردید کے لئے ہاتھی پر سوار ہو کر چاندنی چوک میں نکلا، اس پر پتھر پھینکے گئے، اس پر نادر نے اپنی فوج کو دِلّی والوں کے قتلِ عام کا حکم دیا۔ نادر ایک مسجد کی سیڑھیوں پر تلوار کھینچے بیٹھا رہا۔"
(تاریخ اقوام عالم۔ مرتضیٰ احمد خان)

بات ہندوستان کی طرف نادر شاہ کی آمد کی ہو رہی تھی۔ دریائے اٹک پار کرنے کے بعد نادر شاہ بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ لاہور کی طرف بڑھا۔ مغل صوبے دار زکریا خاں مقابلے کو آیا، دریائے راوی کے کنارے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا' بھلا نادر شاہ کے طوفانی لشکر کے سامنے آرام پسند مغل فوج کہاں ٹھہر سکتی تھی۔ "نادر شاہ نے اپنے قزلباش رفقا کے ساتھ گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور مخالف سمت سے زکریا خان پر اس طرح آندھی اور طوفان بن کر حملہ آور ہوا کہ اگلی صف کے آزمودہ اور تجربہ کار گھوڑ سوار بھاگ کھڑے ہوئے" (سیر المتاخرین) یوں لاہور کے مغل لشکر کو نادر شاہی فوج نے شکست فاش دی۔ وہاں سے نادر شاہ نے براہِ راست دہلی کا رخ کیا۔ اب محمد شاہ کو خطرے کا کچھ احساس ہوا اور وہ دہلی سے باہر نکلا، اپنی کثیر فوج، ہاتھیوں، بیشمار خیموں اور مال و اسباب کے ساتھ اس نے دہلی سے کرنال تک چالیس پچاس میل کا فاصلہ دو ماہ میں طے کیا جبکہ نادر شاہ گھوڑے دوڑ ائے طوفان کی طرح اُمڈا آتا تھا۔ کرنال میں بھی نادر شاہ نے پڑاؤ ڈال دیا' اپنے خیمہ کے اردگرد توپیں نصب کروائیں اور دفاع کا مستحکم بندوبست کیا۔ اس موقع پر مغل بادشاہ نے ہندو راجاؤں سے بھی مدد کی درخواست کی لیکن جب اپنی صفوں میں اتفاق و اتحاد نہ ہو تو غیر بھی تعاون نہیں کیا کرتے، ویسے بھی "شہنشاہِ اسلام" کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ کافروں سے فوجی مدد کی بھیک مانگ رہا تھا۔ بہر حال کسی ہندو راجے نے مدد نہ کی، یہ راجے منتظر تھے کہ مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو تو انہیں ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کرنے کا موقع ملے۔

Marfat.com

لاہور سے روانہ ہوتے وقت آخری دفعہ نادر شاہ نے مغل دربار کے لئے ایک اور ایلچی بھیجا تھااور استفسار کیا تھا کہ اُسکے قبل ازیں بھیجے ہوئے ایلچیوں کو واپس کیوں نہیں بھیجا گیا' لیکن اس ایلچی کی آمد کو بھی نظر انداز کر دیا گیا اور مغل بادشاہ عیش و آرام کے تمام لوازمات کے ساتھ کرنال میں مقیم رہا۔ بادشاہ کی عیش پرستی میں خطرے کی موجودگی کے باوجود کوئی کمی نہیں آئی تھی حالانکہ اس نازک وقت میں بادشاہ کو اسلحہ اور گھوڑوں کے سوا کسی دوسری بات کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ محمد شاہ کے زمانے کی دہلی میں "نوربائی" نامی ایک طوائف نے بہت نام پیدا کیا تھا۔ یہ طوائف حسن و جمال کی خوبی کے ساتھ رقص و نغمہ میں بھی کمال رکھتی تھی۔ بادشاہی محفلوں کی جان تھی، وہ اب بھی بادشاہ کی ہمرکاب تھی تاکہ جنگ کے نقارے کی کرخت آواز کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رسیلی اور مدھر آواز سے بادشاہ اور امراء کا دل بہلاتی رہے۔ دراصل بادشاہ نکلنے کو تو دہلی سے باہر نادر شاہ کا سامنا کرنے کے لئے نکل آیا تھا لیکن جس انداز سے کرنال تک کا سفر کیا جا رہا تھا اُس سے لگتا تھا کہ بادشاہ اور امراء اور لشکری کسی لمبی "پکنک" کے لئے نکلے ہیں یا شکار کھیلنے جا رہے ہیں، اُن کے موڈ اور تیوروں سے ہرگز نہیں لگتا تھا کہ انہیں کوئی جنگی معرکہ درپیش ہے۔ جب نادر شاہ نے میدان مار لیا اور دونوں بادشاہوں کی ملاقات ہوئی تو بادشاہِ دہلی نے نادر شاہ کی ملاقات نوربائی طوائف سے کرائی اور باقاعدہ مجرا منعقد ہوا۔ آگے کی روداد' سید یوسف بخاری دہلوی کی زبانی سنتے ہیں :

"نوربائی طوائف کے گیتوں کی رسیلی تانیں اور رقص کی من موہنی ادائیں محمد شاہ بادشاہ دہلی اور نادر شاہ ایرانی دو بادشاہوں کو اپنا متوالا بنا رہی ہیں' ادھر انعام و اکرام کی بارش ہو رہی' اُدھر نوربائی کے لئے یہ حکم نادری صادر ہو رہا ہے : 'نوربائی روئے ہند را سیاہ کن بیا کہ بہ ایرانت بردیم'۔ نوربائی یہ حکم نادری سُن کر ایک دفعہ بدحواس اور پریشان تو ضرور ہوئی لیکن وہ جتنی خوش رو' خوش گلو اور خوش ادا تھی اس سے کہیں زائد نگاہ باز اور مردم شناس بھی واقع ہوئی تھی' وقت اور موقع شناسی سے کام لیکر فوراً ایک دوسری غزل شروع کی' جسکے دو شعر یہ ہیں :

Marfat.com

من شمعِ جاں گذارم تو صبحِ دل کشائی   سوزم گرت نہ بینم، میرم چوں رخ نمائی
نزدیک ست ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم   نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

نادر شاہ یہ ذو معنی جواب سن کر لاجواب اور مسرور ہوا اور نوربائی کا مطلب سمجھ کر اپنے ارادے سے باز رہا" ("یہ دِلّی ہے"۔ سید یوسف بخاری دہلوی)

بادشاہِ ہند کرنال کیمپ میں نوربائیوں کے سریلے گیت سنتے اور بھانڈوں کی جگت بازیوں سے محفوظ ہوتے رہے جبکہ قزلباش لشکر اُن کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا تھا کہ دشمن کے لشکر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جا سکے۔ ایک صبح بادشاہی لشکر سے گھسیارے گھوڑوں کے لئے گھاس حاصل کرنے کے لئے چند کوس آگے نکل گئے تھے کہ نادر شاہی فوج کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کیا، وہ کسی طرح بچ بچا کر زخمی حالت میں واپس لشکر گاہ میں پہنچے۔ چنانچہ ان گھساروں نے نادر شاہی فوج کی قوت و شجاعت کی جو تصویر کھینچی تو لشکر گاہ میں دہشت پھیل گئی۔ فوری طور پر جنگ کی تیاری کے لئے نقارہ بجایا گیا۔ نظام الملک نے مشورہ دیا کہ پوری تیاری کے ساتھ اور مزید کمک آنے کے بعد اگلے روز جنگ کی جائے' لیکن خانِ دوراں نے فوری جنگ کا فیصلہ کیا۔ سپہ سالار سعادت خان' جسے اپنی شجاعت اور بہادری پر حد سے زیادہ ناز اور اعتماد تھا، اپنے آدمیوں کو لیکر نادر شاہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ خان دوراں کی فوج الگ لڑنے جارہی تھی اور سعادت خان کا لشکر الگ مورچہ بند تھا۔ اُس وقت تک دِن نہیں ڈھلا تھا۔ نادر شاہ نے دشمنوں کو سامنے دیکھکر فوج کی صف بندی کی اور خود ہراول دستے کے ساتھ میدانِ جنگ تک آگیا۔ اسکی فوج کے باقی دو حصے الگ الگ خان دوراں اور سعادت خان سے لڑنے کے لئے چلے گئے۔ ایک ایسا فاتح جس نے ایران کے بعد افغانستان کو روند ڈالا تھا، جسکے خوف سے وسطِ ایشیا کانپ رہا تھا' اُس کا مقابلہ ہندوستان کی ایسی فوج کر رہی تھی جو دو سپہ سالاروں کی رقابتوں میں

Marfat.com

منقسم تھی، جسکے دو مختلف حصے الگ الگ لڑ رہے تھے۔ "قزلباشوں کے برق رفتار گھوڑوں نے آنِ واحد میں دشمنوں پر ہلہ بول دیا۔ خان دوراں اور سعادت خان کی فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ دونوں سپہ سالاروں کی فوجوں میں انتشار پھیل گیا۔ خصوصاً خان دوراں کے بے شمار جری بہادر اور نامور رسالدار ہلاک ہو گئے۔ خان دوراں کو اتنے زخم آئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ شاہ ہند کی فوج کی تنظیم کا یہ عالم تھا کہ اس کا خیمہ درست حالت میں نہ ملا کہ اس کو آرام پہنچایا جا سکے 'اس کا خزانہ' مال واسباب 'گھوڑے' مویشی' غرضکہ سب کچھ لوٹ لیا گیا اور لوٹنے والوں میں زیادہ تر اسکے اپنے آدمی تھے ..." (سیر المتاخرین۔ طباطبائی) زخمی خان دوراں کو لٹانے کے لئے مشکل سے ایک خیمہ ڈھونڈا گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اُسے ہوش آیا تو اُس نے زبان سے یہ الفاظ ادا کیے "میں اپنا کام ختم کر چکا، بلاشبہ ہم نے جو کچھ کیا اس میں ہماری مرضی شامل تھی"۔ سعادت خان بظاہر میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ ایک قزلباش نے جو اسکے وطن نیشاپور (ایران) کا تھا، اُسے مخاطب کر کے کہا "تم کس کے خلاف لڑ رہے ہو اور تمہارا تعلق کس لشکر سے ہے، تم دیوانے تو نہیں ہو؟" سعادت خان اس انداز خطاب سے متعجب ہوا اور اُس نے جنگ بند کر دی اور گرفتاری دیدی۔ وہ نادر شاہ کے سامنے حالت اسیری میں حاضر ہوا۔ نادر شاہ اُسکے ساتھ محبت سے پیش آیا۔ یہ فرض کرنے کی مضبوط وجوہ موجود ہیں کہ مغلیہ دربار میں اپنی ناقدری پر سعادت خان نے ایک غدّار کا گھٹیا کردار ادا کیا، اُس نے اپنی فوج کو الگ کر کے خان دِوراں کو راستے سے ہٹایا بلکہ مروایا۔ جب اُس کو خان دوراں کی شکست اور موت کی خبر ملی تو اُس نے نادر شاہ کے خلاف جنگ میں ہتھیار ڈال دیئے اور قیدی بن گیا۔ یاد رہے کہ سعادت خان' نادر شاہ کا ہم مذہب بھی تھا اور ہم وطن بھی۔ تاہم سعادت خان کا بدترین کردار جنگ کے بعد سامنے آیا۔

اس جنگ میں ہندوستانی فوج کا بے حساب جانی نقصان ہوا، خان دوراں کی قیادت میں لڑنے والی فوج تقریباً صاف ہو گئی۔ لیکن ابھی قدرت کو ان لوگوں کی کرتوتوں پر

Marfat.com

مزید سزا دینی منظور تھی۔ سعادت خان نے نادر شاہ کی برائے نام قید میں مغلیہ سلطنت کی تذلیل و تباہی کی سفارش کی اور بادشاہِ دہلی کی دولت و ثروت کے افسانے نادر شاہ کو سنائے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سعادت خان نے نادر شاہ کو اس پر راضی کیا تھا کہ وہ بادشاہِ دہلی سے دو کروڑ روپے لے کر واپس ایران چلا جائے گا اور ملک ہندوستان پر قبضہ نہیں کرے گا۔ صلح نامے کی یہ شرط جب محمد شاہ اور نظام الملک کو سنائی گئی تو دونوں بہت خوش ہوئے کیونکہ نادر شاہی آفت سے چھٹکارے کے لئے یہ سودا مہنگا نہ تھا۔ خود نظام الملک صلح کی یہ شرط پختہ کرنے کے لئے نادر شاہی خیمے میں آیا۔ نادر شاہ اس بوڑھے امیر کی ذہانت اور ذکاوت سے بہت متاثر ہوا۔ طے ہوا کہ اگلے روز بادشاہ دہلی، بادشاہِ ایران سے ملاقات کے لئے اُسکے خیمے میں جائے گا تاکہ صلح کی شرائط پر دونوں طرف سے دستخط ہو جائیں۔ اس دوران' محمد شاہ نے نظام الملک کو خان دوراں کی وفات کے بعد امیر الامرا مقرر کر دیا تھا، سعادت خان کو توقع تھی کہ امیر الامراء کا عہدہ اُسے دیا جائے گا' جب اُسکی یہ امید بر نہ آئی تو وہ اپنی مایوسی کا انتقام بادشاہِ ہند سے لینے پر تل گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغل بادشاہوں نے درباری عہدوں کا وقار خاک میں ملا دیا تھا، جب ہر ادنیٰ و اعلیٰ برہان الملک، خان دوراں، امیر الامراء' قطب الملک' سیف الدولہ' پنج ہزاری' ھفت ھزاری' دہ ھزاری وغیرہ کے خطاب اور عہدے حاصل کرنے لگا تو پھر ان عہدوں کا کیا حقیقی وقار برقرار رھتا، غیر مستحق لوگوں کو اتنے بڑے بڑے عہدے اور خطاب ملنے سے اِن عہدوں کی ساکھ ختم ہو گئی بلکہ آگے چل کر یہ عہدے محض نمائشی اور مذاق بن کر رہ گئے۔ سلطنتِ مغلیہ کی جڑیں کھوکھلی ہونے کی ایک وجہ بڑے بڑے عہدوں کی غیر مستحق افراد میں تقسیم بھی تھی۔

تاہم نظام الملک آصف جاہ جیسا شخص امیر الامراء کے عہدے کا بجا طور پر مستحق تھا' سعادت خان کا حسد بالکل بے جا اور غلط تھا، اس حسد کی وجوہ کچھ اور بھی تھیں جن کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتا' حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو جتنا نقصان نسلی اور مذہبی تعصب

Marfat.com

سے پہنچا ہے اتنا اور کسی بات سے نہیں پہنچا۔ بہر حال سعادت خان نے سازش کی کہ جیسے بھی ہو نادر شاہ محض دو کروڑ روپے پر قانع ہو کر واپس نہ جائے۔ محمد شاہ تختِ رواں پر سوار ہو کر نادر شاہ کے خیمے کی طرف گیا، جب وہ خیمے کے قریب پہنچا تو نادر شاہ کے بیٹے نصر اللہ مرزا نے اُس کا استقبال کیا، محمد شاہ نے اُسے تختِ رواں پر بٹھایا اور نادر شاہ سے ملاقات کے لئے چلا۔ نادر شاہ نے خیمے سے باہر محمد شاہ کا خیر مقدم کیا اور گلے لگایا اور اسکے بعد اُسے اپنے برابر مسند پر بٹھایا۔ اس سے آگے اور دہلی میں نادر شاہ کے داخلہ کی مختصر کہانی یہ ہے کہ سعادت خان کے اکسانے پر نادر شاہ سلطنتِ مغلیہ کو مکمل طور پر نچوڑنے پر تل گیا۔ نادر شاہ نے کئی بار محمد شاہ کو اپنے خیمہ میں طلب کیا، ضیافتیں ہوتی رہیں، مجرے اور گانے ہوئے' فاتح ایرانی بادشاہ کو ہندوستان کے گنگا جمنی "کلچر" کی لطافتوں اور رنگینیوں سے روشناس کرایا گیا۔ سچ کی بات یہ تھی کہ نادر شاہ' دہلی کے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ سونا چاندی اور جواہرات کے علاوہ دیگر قیمتی مال و متاع سمیٹنے کے منصوبے پر سعادت خان کے کہنے کے مطابق عمل پیرا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق نادر شاہ نے محمد شاہ اور اسکے حرم اور مقربین و متوسلین کے لئے ایک خصوصی خیمہ اپنے خیمے کے پاس نصب کرایا۔ اسکے ساتھ ہی محمد شاہ کے ساتھ آنے والی سپاہ اور دوسرے لوگوں کو حکم ملا کہ وہ واپس شاہجہاں آباد (دہلی) چلے جائیں۔ جب محمد شاہ اس طرح نادر شاہ کا معزز "قیدی" بن گیا تو اُس سے ایک حکم نامہ پر دستخط کروائے گئے کہ سعادت خان کے لئے دہلی میں شاہی محل کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ شہر کے نائب ناظم لطف اللہ صادق نے حکم کی تعمیل میں سعادت خان اور اسکے ساتھیوں کو شاہی محل میں داخل ہونے دیا جہاں اُس وقت کوئی موجود نہ تھا (سوائے پہرہ داروں کے)۔ بہر حال سعادت خان نے محل میں داخل ہو کر خوب لوٹ مار کی اور نادر شاہ کی توقعات سے زیادہ خزانہ سمیٹ کر نادر شاہ کے پاس آیا۔ اُسکی واپسی کے بعد نادر شاہ اور محمد شاہ دونوں اکھٹے دہلی روانہ ہوئے۔ تاہم محمد شاہ پہلے شہر میں داخل ہوا تاکہ بعد میں فاتح کا استقبال کر سکے۔ اس دوران

Marfat.com

یہ افواہ پھیلی کہ محمد شاہ کو نادر شاہ نے نظر بند کر دیا ہے۔ اس افواہ کے نتیجے میں لشکر ہند میں بہت اضطراب پیدا ہوا اور بہت سے ہندوستانی سپاہیوں کو ایرانی دستوں نے قتل کر دیا۔

محمد شاہ کی شاہی محل میں واپسی کے دو دن بعد نادر شاہ بڑے طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ محمد شاہ اور اسکے درباریوں نے نادر شاہ کا استقبال کیا۔ اُس روز عید قرباں تھی، دہلی کی جامع مسجد میں محمد شاہ کی بجائے، فاتح نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ دہلی میں نادر شاہ کی آمد بہت بڑے حادثہ اور المیہ کا سبب بنی جسکے اثرات ڈھائی صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں کیونکہ اس کاروائی سے ہندوستان میں مسلم لمۃ کے بدن پر جو کاری زخم لگے وہ بھر نہ سکے، بلکہ تاریخ کا رُخ ہی بدل گیا' لیکن کیا کیا جائے، اجتماعی گناہ اور بد اعمالیاں ایسے ہی نتائج پیدا کرتی ہیں۔ مورخ اسباب و وجوہات کی تلاش میں نکتہ آفرینیاں کرتے چلے جاتے ہیں' لیکن یہ اسباب و علل اوپر سے تو نازل نہیں ہوتے، زمین کا قصہ ہمیشہ زمین پر چکایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے قدرت کس سے کام لیتی ہے یہ اسکی صولبدید ہے! اِس موجودہ معاملے میں نادر شاہ کو استعمال کیا گیا۔ دہلی ہندوستان کا دل تھا، مرکز تھا، برصغیر میں اسلامی طاقت کا مظہر تھا' نادر شاہ نے اِس کی گردن مروڑ دی، اس کے کوڑے کا اثر ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچا۔ ہندوستان میں مرکزی اسلامی طاقت سرنگوں ہو گئی اور مسلمان شدید احساس کمتری اور خود اعتمادی کے بحران میں مبتلا ہو گئے۔ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ نادر شاہ نے اگر دہلی تباہ کی اور سلطنتِ مغلیہ کا شیرازہ بکھیرا تو وہ کونسا کافر یا غیر مسلم تھا؟ اسی قسم کے سوال کا جواب امیر تیمور کے ہاتھوں لائی ہوئی بربادیوں کے سلسلے میں دیا جا چکا ہے' وہ بھی تو ظاہراً مسلمان ہی تھا لیکن کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرنے کا شوق رکھتا تھا اور اُس نے اُمتِ مسلمہ کو زبردست تباہی سے ہمکنار کیا' وہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا عذاب تھا، نادر شاہ بھی اللہ کی طرف سے ایک عذاب تھا' خدائی کوڑا تھا جو عیش و نشاط کے خوگر اور انحطاط میں مبتلا مغل دربار' رنگین مزاج

Marfat.com

دشاہ اور غفلت شعار مسلمانوں پر خوب برسا، ظاہر ہے کہ کئی بے گناہوں کو بھی اِس اردگیر و تعذیب میں نقصان اٹھانا پڑا ہوگا لیکن قدرت کا اپنا ایک نظام ہے کہ اس قسم کے اقعات میں وہ لوگ بھی زد میں آتے ہیں جو ظالم نہ سہی لیکن ظلم کے سدباب کی کوشش نہیں رتے 'احتجاج کی سکت سے بھی محروم ہوتے ہیں (یہ قدرتی اصول آج بھی لاگو ہے)

دہلی میں نادر شاہ کی تلوار نیام سے باہر کیسے آئی؟ اس سلسلے میں دو روایات ہیں۔ فاضل مؤلف عشرت رحمانی کا کہنا ہے کہ دہلی میں نادر شاہ کی فوج کے چند سپاہی بازار میں سیر کر رہے تھے کہ بعض شہریوں نے انہیں پکڑ کر قتل کر دیا، نادر شاہ سے اسکے دوسرے فوجیوں نے شکایت کی اور اجازت طلب کی کہ ہم اپنے مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں' نادر شاہ نے غصہ میں حکم دیا "بزن" (مارو) چنانچہ دہلی میں قتلِ عام ہوا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ دہلی میں نادر شاہ کی آمد کے دوسرے دِن یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی کہ نادر شاہ مر گیا ہے' بعضوں نے کہا کہ وہ شاہی محل کی ایک قلمقانی عورت کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا ہے۔ بہر حال یہ افواہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی حالانکہ نادر شاہ صحیح سلامت لال قلعہ کے اندر محمد شاہ کی دعوتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اسکے اپنے فوجی قلعہ کے دروازوں پر پہرہ دے رہے تھے جبکہ کچھ ایرانی فوجی شہر کے اندر گشت پر تھے۔ اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ دہلی کے شر پسندوں اور بعض مسلح دستوں نے قزلباش فوجیوں پر حملے شروع کر دیئے اور جو نادر شاہی فوجی سامنے آیا اُسے قتل کر دیا کیونکہ اُن کے حوصلے اس افواہ سے بہت بڑھ گئے تھے۔ نادر شاہی فوجیوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُن پر کیوں حملے ہو رہے ہیں؟ اس طرح فسادی عناصر شام تک غارتگری میں مصروف رہے، نادر شاہ کو اِن حالات کی خبر ملی تو وہ غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس سلسلے میں طباطبائی نے لکھا ہے کہ بہت سے امراء شہر کے مختلف حصوں میں موجود تھے لیکن اِن رؤسا اور امراء نے فسادات کو ختم کرنے اور فضا کو بہتر بنانے کی طرف توجہ نہ دی بلکہ اکثر اِن امراء نے خود قزلباش سپاہیوں کے قتل میں عملی حصہ لیا۔ نادر شاہ کے

Marfat.com

(اِن فسادات میں) کل سات سو آدمی مارے گئے۔ رات بھر یہ خونی کاروائی جاری رہی صبح ہوئی تو بھی فسادات جاری تھے۔ اب نادر شاہ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار قلعہ سے باہر آیا، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ہاتھی پر سوار باہر نکلا تاکہ اپنے فوجیوں کی خود اعتمادی اور حوصلہ بحال ہو۔ اسکے ساتھ ہی اُس نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیدیا۔ یہ حکم دینے کے بعد وہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تلوار نیام سے باہر نکال کر بیٹھ گیا۔ اس بات کی علامت تھی کہ اب قتلِ عام زور شور سے جاری ہو۔ "اس کا حکم پاتے ہی گھوڑ سوار اور پیدل فوج نے ایک دم سے ہلہ بول دیا۔ نادر شاہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ جہاں کسی قزلباش کی لاش ملے وہاں کے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا نہ جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر نہ صرف لوٹ مار مچائی بلکہ قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا۔ (مسلمان) مقتولوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی زبردستی لے بھاگے۔ کئی مکانوں کو آگ لگا دی" (طباطبائی) اس ایک روزہ کاروائی میں نادر شاہ نے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کرادیا۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں باپردہ خواتین کی بے حرمتی ہوئی، عصمتوں کے آبگینے سرِ عام ٹوٹتے رہے۔ جب سڑکیں اور بازار لاشوں سے اٹ گئے اور شہر میں زندگی کی نشانیاں ناپید ہوگئیں انسانوں سے آباد محلے قبرستانوں کی طرح خاموش ہوگئے تو نادر شاہ نے تلوار نیام میں کرلی۔ روایت یہ بھی ہے کہ دہلی کے سربر آوردہ عُلما کے ایک وفد نے نادر شاہ سے درخواست کی تھی کہ مسلمانوں کی مزید خونریزی نہ کی جائے۔ بہر حال جو بھی حقیقت ہو' جب نادر شاہ نے خونریزی بند کرنے کا حکم دیا، دہلی مُردوں کی بستی بن چکی تھی، گلی سڑی لاشوں سے جو تعفن پھیلا (کیونکہ گرمیوں کے دن تھے) وہ ہفتوں جاری رہا اور وبائیں پھوٹ پڑیں' بالآخر بادشاہ دہلی نے کوتوال کو بلا کر حکم دیا کہ وہ اس تعفن اور وبا پر قابو پانے کے لئے ہنگامی اقدامات کرے' کوتوال نے یہ تمیز کئے بغیر کہ کون کافر ہے اور کون مسلمان، تمام لاشوں کو شہر بھر سے جمع کیا اور آگ میں جلاتا رہا۔

Marfat.com

نادر شاہ نے دہلی میں پانچ روز تک قیام کیا، اسکے قیام اور فوج کے قیام کا تمام خرچ محمد شاہ رنگیلے کو اٹھانا پڑا۔ محمد شاہ کے شاہی خزانہ کے جواہرات اور نوادرات نادر شاہ کے روبرو پیش کیے گئے، کروڑوں روپے مالیت کے جواہرات پر نادر شاہ نے قبضہ کر لیا۔ نادر شاہ کو مزید خوش کرنے کے لئے محمد شاہ نے اُسے قیمتی تحفے 'پرانے مغل بادشاہوں کے نوادرات' سونے کی بے شمار اشرفیاں' سونے چاندی کے برتن اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ پیش کیے جن کی قیمت کروڑوں میں تھی۔ انگریز مصنف ایچ جی کین (H.G.Keene) کے مطابق نادر شاہ نے اِن نوادرات اور تحائف کے علاوہ جو نقد مال اور دولت محمد شاہ رنگیلے اور دوسرے امراء (بشمول سعادت خان) سے لوٹی اسکی مالیت آٹھ کروڑ پونڈ سٹرلنگ (آج سے ایک سو سال پہلے کا پونڈ سٹرلنگ) کے برابر تھی، اسکا مطلب یہ ہوا کہ یہ دولت کم از کم آجکل کے بیس پچیس ارب روپوں کے برابر تھی۔ دہلی کے تاجروں اور دکانداروں سے بھی جبراً رقم حاصل کی گئی۔ ہندوستان سے لوٹے جانے والے مال میں مشہور و معروف "کوہِ نور" ہیرا (جسکی مالیت کروڑوں میں تھی) اور "تختِ طاؤس" بھی شامل تھا۔ کہتے ہیں کہ جاتے وقت ایرانی رسم کے مطابق اظہارِ دوستی کے لئے نادر شاہ نے محمد شاہ کے ساتھ اپنی پگڑی بدلی اور اس طرح کوہ نور ہیرا محمد شاہ کی پگڑی سے ایرانی فاتح کی پگڑی میں منتقل ہوا۔ تختِ طاؤس کے ساتھ کروڑوں کے جواہرات اور سونا لگا تھا۔ اس لئے یہ تخت بھی نادر شاہ کو بھا گیا۔ دہلی کو لوٹنے اور تباہ کرنے کے بعد نادر شاہ نے "کمال مہربانی" سے سلطنتِ ہند واپس محمد شاہ کے سپرد کر دی، ایک شاندار الوداعی دعوت میں قہوے کا پیالہ خود محمد شاہ نے پینے کے لئے نادر شاہ کو پیش کیا۔ نادر شاہ کو خوش کرنے کی یہ ترکیب بادشاہ کے مصاحب عمدہ الملک نے محمد شاہ کو سجھائی تھی "اِس ضیافت کے بعد محمد شاہ اور اس کے امراء حلقہ باندھ کر کھڑے ہوئے، نادر شاہ نے بادشاہ اور اسکے امرا کو خلعت سے نوازا اور پند و نصائح کر کے اُسے تاج واپس کیا اور اپنے وطن واپس روانہ ہو گیا" (طباطبائی)

Marfat.com

کہتے ہیں کہ جب دہلی پر نادر شاہ کا قبضہ ہو چکا تو اُس نے تورانی اور ایرانی دونوں بڑے امیروں یعنی نظام الملک آصف جاہ اور سعادت خان کو اپنے حضور میں طلب کیا اور باہمی عداوت اور سازش پر دونوں کو سرزنش کی (اگر یہ دونوں باہم متفق رہتے اور سعادت خان غداری نہ کرتا تو یہ حادثہ شاید رونما نہ ہوتا)۔ نادر شاہ بھی تیمور کی طرح غداروں سے کام تو لے لیتا تھا لیکن انہیں پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں کو خوب برا بھلا کہنے کے بعد نادر شاہ نے "اُن کی داڑھیوں پر تھوکا اور انہیں اپنے حضور سے دھتکار کر باہر نکال دیا۔ اس بے عزتی پر وہ دونوں امیر اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ گھر پہنچتے ہی زہر کھالیں گے کیونکہ اس ذلت کے بعد زندہ رہنا اُن کے لئے ممکن نہ تھا۔ سب سے پہلے نظام نے جا کر زہر نگل لی اور بے ہوش ہو کر گھر والوں کے سامنے گر پڑا۔ سعادت خان کا جاسوس یہ اطلاع پا کر اپنے مالک کے پاس گیا اور اس واقعہ سے اُسے آگاہ کیا۔ اس پر سعادت خان نے یہ خیال کر کے کہ وہ بہادری میں نظام سے پیچھے نہ رہ جائے، زہر کا بڑا گھونٹ حلق میں انڈیل لیا اور فی الفور مر گیا۔ جیسے ہی روح سعادت خان کے بدن سے آزاد ہوئی چین قلیچ خان (نظام الملک آصف جاہ) کو ہوش آگیا اور زندہ سلامت اٹھ کھڑا ہوا۔ بعد میں وہ اپنے ہمرازوں سے کہتا رہا کہ اُس نے اپنے دشمن سعادت خان سے چھٹکارا پانے کے لئے یہ چال جان بوجھ کر چلی تھی" (دی مغل ایمپائر --- ایچ جی۔ کین)

تاہم "سیر المتاخرین" کا مصنف لکھتا ہے کہ سعادت خان پاؤں میں سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر مرا لیکن موت سے پہلے نادر شاہ نے اُس سے بھی دو کروڑ روپے نکلوا لئے تھے (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس دور میں دربار سے منسلک طبقہ کسقدر ناجائز دولت جمع کر چکا تھا، جبکہ عام لوگ درختوں کے پتے کھانے پر مجبور تھے) جو کچھ بھی ہوا، سعادت خان کو اسکی غداری کی عبرتناک سزا ملی جسکے نتیجے میں ہندوستان پر اتنی بڑی آفت نازل ہوئی۔

Marfat.com

جاتے جاتے نادر شاہ نے محمد شاہ کو حکومت چلانے کے سلسلے میں بہت سی نصیحتیں بھی کی تھیں، کچھ عرصہ تک محمد شاہ نے امورِ مملکت کی طرف توجہ بھی دی، لیکن حالات بدل گئے تھے 'ایک بڑے حادثے کے بعد ہر حکومت ڈانواں ڈول ہو جاتی ہے اور انقلاب ناگزیر ہوتا ہے۔ انقلاب تو نہ آیا لیکن بادشاہِ دہلی بالکل بدل گیا' اُسے اپنے کسی امیر پر اعتماد نہ تھا' بد اعتمادی کی فضا دیکھکر نظام الملک دکن چلا گیا۔ امیر عمدۃ الملک اور اعتماد الدولہ کے درمیان چپقلش پیدا ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی بات پر بادشاہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا، مزاج میں استقلال باقی نہ رہا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا صوبے خود مختار ہونے لگے۔ بنگال میں ایک فوجی جرنیل علی ویردی (وردی) خان نے چالاکی اور عیاری سے حکومت پر قبضہ کر لیا اور شجاع الدولہ کے خاندان کو صوبائی اقتدار سے باہر کر دیا۔ یوں محمد شاہ نے اپنے اقتدار اور حکومت کے باقی ماندہ آٹھ نو سال اس طرح گزارے کہ مرکزی حکومت سمٹتی چلی گئی' علی ویردی خان کے علاوہ مرہٹے، روہیلے، جاٹ، سکھ، نظام دکن اپنی اپنی جگہ خود مختاری کے دعویدار بنے۔ مغلیہ حکومت نے آہستہ آہستہ ایسی "مقدس خلافت" کا روپ دھار لیا جو زیادہ سے زیادہ دارالخلافہ تک مؤثر ہو اور جس کی تمامتر اخلاقی اور سیاسی قباحتوں کے باوجود خود مختار حکمران اُس سے سندِ حکمرانی لیکر عوام پر اپنا اعتماد قائم کرنا پسند کرتے ہوں۔ بنگال کے علی ویردی خان کو اسی انداز میں سندِ حکمرانی عطا ہوئی (اگرچہ بعد میں مغل بادشاہ سالانہ لگان نہ بھیجنے پر اُس سے ناراض ہو گیا) اور اُسے شجاع الملک کا خطاب ملا۔ آگے چل کر بعض دوسرے صوبوں کے خود مختار حکمران بھی اسی انداز میں دہلی کے بادشاہ سے سندِ حکومت حاصل کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اس سند کے عوض بادشاہ کو تحائف بھیجتے رہتے۔ 1748ء میں محمد شاہ نے اس حال میں انتقال کیا کہ مغربی سرحد پار کی ایک اور طاقت (افغانستان کا احمد شاہ ابدالی) ہندوستان کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے سرہند پر دستک دے رہی تھی۔

Marfat.com

نادر شاہ اور ابدالی کے حملوں کے بعد دہلی ویران ہو گئی، آبادی خرابے میں بدل گئی، اُس زمانے کے شاعروں، خواجہ دردؔ اور میر تقی میرؔ نے اپنے اپنے انداز میں دہلی کا مرثیہ کہا۔ اِن شاعروں کے کلام میں یاس اور حزنیت غالب ہے:

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے (دردؔ)

میر تقی میرؔ نے بدحالی اور مفلسی سے تنگ آکر دہلی چھوڑی اور جاتے جاتے کہا:

ہم رہنے والے ہیں اُسی اجڑے دیار کے!

....

Marfat.com

باب۔13

"وَ کَانُو قَوماً مُّجرِمِینَ"

(1857ء کے المیہ کے ذمہ دار بادشاہ اور نواب ایک صدی کی خدا فراموشیوں پر سفید فام تسلط کی صورت میں عذاب!)

حکیم مومن خان مومن کے شاگرد آغا محمود بیگ راحت نے ہندوستان میں ٹھارویں اور انیسویں صدی کے مسلمان نوابوں کی معاشرت کے بارے میں حکایات کی ورت میں ایک دلچسپ کتاب "نتائج المعانی" لکھی تھی۔ اس کتاب سے ایک حکایت آپ ھی سن لیجئے: "ایک روز ابو نصر محمدؒ اکبر شاہ ثانی کے دربار میں ذکرِ زوال سلطنت آگیا۔ نشی محمود خان نے عرض کی۔ چار آدمیوں نے مملکت کو تباہ کر دیا۔ اوّل حکیموں نے فرمانروایان بیدار مغز کو وہ مقوّیات کھلائیں کہ تاب تحمل نہ ہو سکی' مزاج عشرت طلب ہو گیا۔ دوسرے کلاونتوں نے۔ اُن کے گھروں میں جو نوخیز ہوئی' اس کو پیش کیا اور اس میں اپنا افتخار پیدا کیا۔ سلاطین کو رقص و سرود میں مائل رکھا۔ ڈوم ڈھاڑی مدار المہام ہوئے۔ انتظامِ فرمانروائی میں خلل واقع ہوا۔ دشمنوں نے سر اٹھایا۔ بد خواہوں نے پیر پھیلائے۔ جابجا خودسر ہو گئے۔ شرفا کو دربار میں مداخلت نہ ہوئی۔ اُن کی بات کسی نے نہ سنی۔ وقت پر ان لوگون نے طرح دی۔ غنیم کی بن آئی۔ تیرے کثرتِ عیال نے۔ اِدھر ازواج کی کثرت ہوئی اُدھر اولاد کی ترقی ہوئی۔ نزاع خانگی سے خلش ہوئی۔ چوتھے مشائخ و پیرزادوں نے۔ جب کبھی

Marfat.com

حاضر ہوئے اور کچھ ذکرِ سلطنت آیا۔ اپنے تئیں عرش پر پہنچایا۔ مسائلِ تصوف بیان کرنے لگے۔ کنجِ عزلت کی خوبیاں عرض کرنے لگے۔ خونِ بندگانِ خدا سے ڈرانے لگے۔ جب شیخ جی یہ شیخی بگھار چکے پھر اپنی کرامت جتانے لگے' ہم دُعا کرتے ہیں۔ دعاؤں کا لشکر حضور کی فتح و نصرت کو کافی ہے۔ دشمن ادھر منہ بھی نہیں کرنے کا' خود پامال سم سمندان لشکر دعائے دولت و اقبال ہو گا۔ فرمانروا اُن کے دام میں آ گئے۔ پیر جی کی دعا پر تکیہ کیا۔ چار بالشِ عشرت پر تکیہ نشین ہوئے۔ اراکین گوشہ نشین ہوئے' غنیم نے قابو پایا' اقلیم پر زور لایا۔ دعا کی فوج آتی رہی' حکومت جاتی رہی''

ھندوستان پر نادر شاھی حملے کے نتیجے میں سلطنتِ مغلیہ ایک ایسے پودے کی طرح ہو گئی جسکی جڑیں ایک زبردست طوفان کے بعد آدھی سے زیادہ زمین سے باہر نکلی ہوں اور جو ایک طرف گرنے کے انداز میں جھک گیا ہو۔ اس حالت میں وہ پودا کسی بھی وقت جڑوں سمیت اکھڑ سکتا ہے۔ ھندوستان سے واپس جاتے ہوئے نادر شاہ نے بادشاہِ دہلی کو آئندہ سنجیدگی اور دانشمندی کے ساتھ کاروبار سلطنت چلانے کے سلسلے میں نصیحتیں کی تھیں لیکن نادر شاہ کے ھندوستان کی سرحد عبور کرتے ہی' محمد شاہ اپنی پرانی عادت اور عیش و راحت کی طرف لوٹ آیا۔ نادر شاہ نے لاکھوں انسانوں کو قتل کیا' ھندوستان کو لوٹ کر کنگال کر دیا' اُس کا اپنا انجام بھی بُرا ہوا۔ ھندوستان سے واپسی کے آٹھ سال بعد ۱۷۴۷ء میں اُسے قتل کر دیا گیا' اُس وقت روئے زمین پر وہ سب سے زیادہ قابلِ نفرت شخص تھا۔ نادر شاہ کے بعد افغانستان سے احمد شاہ ابدالی جیسا فاتح اُٹھا' ابدالی نے ھندوستان پر متعدد حملے کئے۔ اُس وقت ھندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بس نام ہی باقی رہ گیا تھا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی میں احمد شاہ ابدالی نے ھندو مرھٹوں کی متحدہ طاقت (تین لاکھ فوج) کو اپنی بہترین حکمتِ عملی سے شکست فاش دی' ابدالی کی کمان میں صرف اسی ہزار مسلمان سپاہ تھی جنمیں ھندوستان کی کچھ مسلمان فوج بھی شامل تھی۔ یہ لڑائی جنوری 1761ء میں لڑی گئی اور یہ آخری جنگ تھی

Marfat.com

جس میں (بر صغیر کے میدانوں میں) مسلمانوں نے اپنی عددی قلت کے باوجود اپنی مذہبی حمیت اور جوش و جذبہ کے بل بوتے پر عظیم الشان فتح حاصل کی' ۔ روایت یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی کو مرہٹہ طاقت کچلنے کی دعوت شاہ ولی اللہ دھلوی نے دی تھی کیونکہ ھندوستان میں مرہٹے سیاسی اور فوجی طور پر سیاہ آندھی کی طرح ہر طرف چھا گئے تھے اور کسی مسلمان نواب' رئیس یا بادشاہ میں سکت نہ تھی کہ وہ ان کی مزاحمت کر سکتا۔ بد قسمتی سے احمد شاہ ابدالی اپنی اس عظیم الشان کامیابی سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اس کی سپاہ نے بغاوت کر دی اور اسے مجبور کیا کہ وہ واپس افغانستان چلا جائے' دوسری طرف ھندوستان کے وہ مسلمان نواب اور افغان (نواب اودھ اور روھیلے وغیرہ) جنہوں نے مرھٹوں کے خطرے کے سامنے اپنے اقتدار و حکومت کی بقاء کیلئے ابدالی سے تعاون کیا تھا' پانی پت کی اس جنگ کے فوراً اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ھو گئے اور احمد شاہ ابدالی سے کسی قسم کا تعاون نہ کیا۔ اس حد تک احمد شاہ ابدالی کے کردار کو یوسف بن تاشفین کے کردار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے' دونوں بڑے اسلامی جرنیل تھے اور دونوں سے مقامی حکمرانوں نے ذاتی اور محدود مفادات کے سبب تعاون نہیں کیا تھا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے دور کا ھندوستانی مسلمان معاشرہ' اندلس کے مسلمان معاشرے سے کہیں زیادہ بگڑ چکا تھا۔ ورنہ احمد شاہ ابدالی نے اِس جنگ میں جو دو لاکھ کُفار ہلاک کئے وہ اب تک کی اسلامی تاریخ کا ایک ریکارڈ ہے جسے کبھی توڑا نہیں جا سکا۔ احمد شاہ ابدالی کے خلاف اندرونی سازش ھوئی اور اُسے واپس جانا پڑا' ممکن ہے اُس کے سر کردہ فوجی افسروں کو خرید لیا گیا ہو' ھندوستان کے امراٗ اور نوابوں سے سازش اور رشوت کے اس کاروبار کی بالکل توقع کی جا سکتی تھی' وہ نہیں چاہتے تھے کہ مرہٹوں کے بعد کوئی بیرونی حکمران ھندوستان کی حکومت کا مالک بن اُن کے لئے خطرہ بنے یا انہیں اپنا تابع بنائے' انہیں ایک کمزور مغل بادشاہ کی قسم کے حکمران کے پسند تھے جو اُن کی خود مختاری اور نوابی میں مداخلت نہ کرے ۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی' یوسف بن تاشفین کی طرح خوش قسمت فاتح نہ تھا۔

Marfat.com

انگریز مورخین میں سے بعض نے اُس کو ایک ناکام منتظم (ایڈمنسٹریٹر) قرار دیا ہے' وہ یہ مثال دیتے ہیں کہ وہ اپنی فوج کو قابو میں نہ رکھ سکا اور واپس چلا گیا' لیکن یہ رائے دیانت پر مبنی نظر نہیں آتی' در حقیقت ایک گہری سازش کے نتیجے میں ابدالی کو فتح کے فوائد حاصل کرنے کی بجائے فوراً واپس جانا پڑا۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور فتوحات کے نتیجے میں ھندوستان کی مسلم سیاست کے سمندر کی موجوں میں اضطراب ضرور پیدا ہوا لیکن کوئی دور رس انقلاب رونما نہ ہوا۔ البتہ یہ ھوا کہ مرہٹہ قوت پاش پاش ہو گئی۔ احمد شاہ ابدآلی کا یہ وہ عظیم احسان ہے جسے مسلمانانِ برصغیر کبھی نہیں بھول سکتے' ورنہ جس زور شور سے مرہٹہ ھندوستان پر چھا گئے تھے (کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ان سے خائف تھی) اُس سے صاف ظاہر تھا کہ اُن کا مقصد ھندوستان پر کامل ھندو اقتدار قائم کرنا تھا جسمیں مسلمانوں کی حیثیت شودروں کی ہوتی' بدقسمتی سے کچھ مسلمان سردار اور امرأ بھی مرہٹوں کا ساتھ دے رہے تھے' احمد شاہ ابدالی کے ساتھ جنگ میں مرھٹوں کا فوجی سپہ سالار یا عسکری مشیر ایک مسلمان تھا۔ مغل دربار کے وزیر امداد الملک نے صفدر جنگ کے ساتھ کشمکش میں مرھٹوں سے مدد طلب کی تھی۔ اس طرح ھندوستان کی سب سے بڑی طاقت اُس وقت مغل یا انگریز نہیں بلکہ مرہٹہ تھے جسے ابدآلی نے پانی پت کے میدانوں میں تباہ کر دیا۔ اس شکست کے بعد مرھٹے کبھی اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے آشیانے کے تنکے جمع کر کے کوئی اہم فوجی یا سیاسی کردار ادا کر سکیں'۔ اب وہ محض ایک علاقائی طاقت تھے' کبھی دکن کے نظام سے ٹکر لیتے اور کبھی انگریزوں سے۔ عموماً شکست ہی مقدر بنتی۔ پورے ھندوستان پر بادشاہی کا اُن کا خواب ہمیشہ کے لئے ہوا میں اُڑ گیا۔

جاہل قلندروں' یوگیوں' بیراگیوں کا دور

برصغیر کے حکمرانوں کا ترتیب وار تذکرہ اور اُن کے ادوار کی تفصیل ہمارا موضوع

Marfat.com

نہیں، تاہم مختصراً اہم محمد شاہ رنگیلے کے بعد اور المیہ 1857ء تک بعض مسلمان حکمرانوں کے کردار واطوار کا ذکر اپنے موضوع کی رعایت سے کریں گے۔ حملہ نادر شاہ کے بعد مغل بادشاہ کے خزانے میں معمولی جواہرات باقی رہ گئے تھے اب انہی جواہرات کو بیچ بیچ کر کام چلایا جا رہا تھا۔ محمد شاہ رنگیلے کی وفات (1748ء) کے بعد احمد شاہ تیموری تخت نشین ہوا۔ وہ ایک اکیس سالہ نا تجربہ کار اور قریب قریب اَن پڑھ بادشاہ تھا۔ اس قسم کے حکمران اگر ہونگے تو وہ کیا حکمرانی کریں گے جب چاروں طرف سازشیں بھی ہو رہی ہوں۔ وہ انتہائی بے عقل اور نکما تھا اور حکومت کا تمام انتظام وزیروں، مشیروں اور درباریوں کے سپرد ہو گیا تھا۔ اُس کے دور میں پنجاب شدید قسم کی افراتفری اور طوائف الملوکی کی زد میں تھا، دہلی سے اس کا رابطہ قریباً کٹ چکا تھا، بالآخر احمد شاہ درانی نے اس صوبے پر قبضہ کر لیا اور مغل بادشاہ محض دیکھتا رہا۔ ایسی ہی صورتِ حال بنگال جیسے بڑے صوبے کی تھی، جہاں نواب علی ویردی خان نے خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ نواب علی ویردی میں کردار کی بعض خامیاں تھیں، اُس نے اپنے مُحسن شجاع الدولہ کے خانوادے سے حکومت چھینی تھی، لیکن وہ ایک اچھا منتظم تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بھیس میں انگریزوں کی اُبھرتی ہوئی استعماری طاقت کے عزائم سے خبردار تھا (نواب علی ویردی خان کے نواسے اور جانشین سراج الدولہ کو جنگ پلاسی (1757ء) میں انگریزوں نے جعفر خان کی غداری اور مدد سے شکست دی تھی اور بنگال پر قبضہ کر لیا تھا) اودھ میں ایک خود مختار شیعہ ریاست قائم ہو گئی تھی جسکے نوابوں کی رنگ رلیاں مشہور ہیں۔ ملک میں عام بدامنی اور لاقانونیت کا ماحول پیدا ہو جانے کے باعث نیم برہنہ قلندروں اور ہندو بیراگیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ پھرتے تھے جو دیہات اور قصبات سے بظاہر خیرات کے طور پر لیکن فی الحقیقت جبر اور دباؤ سے نذرانے وصول کرتے تھے، بعض دفعہ تو ان کی تعداد ہزار بارہ سو تک جا پہنچتی یہ فقیر اور سادھو بعض اوقات اتنا بڑا جتھا بنا لیتے کہ قصبوں اور آبادیوں کو لوٹ لیتے۔ اِن فقیروں کے بعض فرقے (جیسے فرقہ مداریہ) عوام میں بہت

Marfat.com

اثرورسوخ حاصل کر چکے تھے۔ جبکہ اِن کے طور طریقے انتہائی غیر شرعی تھے۔اِن فرقوں نے بد عقیدگی کو رائج کرنے کیلئے ھندو یوگ 'اسلامی تصوف اور اخلاقی آزادی (بے راہ روی) کی ایک عجیب کھچڑی بنا رکھی تھی۔ یہ لوگ عموماً ننگے رہتے 'سر کے بال نہیں کٹواتے تھے۔اور جسمانی صفائی سے دور رہتے تھے۔ عوام ' خصوصاً بنگال کے مسلمان عوام میں اِن ھندو نما مسلمان فقیروں کا بہت اثر تھا اور یہ اثرات کسی نہ کسی شکل میں آج بھی وہاں موجود ہیں۔

نوجوان بادشاہ احمد شاہ تیموری کی حیثیت امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی تھی۔اُس کو اپنے اختیارات کا شعور ھی نہ تھا' نتیجہ یہ ھوا کہ ملک اخلاقی اور سیاسی زوال کی دلدل میں مزید دھنستا رہا۔اس بے اختیار بادشاہ نے چھ سات سال حکومت کی۔ ۱۷۵۴ء میں اُسکے وزیر نواب غازی الدین نے اُسے آنکھوں سے اندھا کر کے معزول کر دیا۔اُس کی جگہ اُسکے ایک رشتے دار شہزادے کو عالمگیر ثانی کے نام سے تاج پہنایا گیا۔ اس بادشاہ کی حکومت کے آغاز کے دو سال بعد احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر حملہ کرے شہر کی تباھی میں جو کمی رہ گئی تھی وہ پوری کر دی۔اِس کمزور بادشاہ کے دور میں مرہٹوں نے اتنی طاقت پکڑی کہ تختِ دہلی کانپنے لگا'وہ کسی بھی وقت دہلی پر قابض ھو سکتے تھے' مرہٹہ سرداروں نے شمالی' وسطی اور جنوبی ھندوستان کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ پنجاب پر قبضہ کے بعد ایسے لگتا تھا کہ مرہٹے مغل سلطنت کے پایہ تخت دہلی پر فیصلہ کن حملہ سے پہلے 'اسے چاروں طرف سے گھیر لینا چاھتے ھیں تاکہ جنوب' مشرق اور خصوصاً مغرب (افغانستان وغیرہ) سے کمک کے تمام راستے بند ھو جائیں۔

اس صورتِ حال کا احساس کر کے ھی ھندوستان کے بعض نوابین اور عُلما نے احمد شاہ ابدالی کو مرہٹہ طاقت کے خلاف فیصلہ کن جہاد (تخت یا تختہ) کے لئے خطوط لکھے تھے۔ نظام دکن' اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور افغان روھیلوں کو خاص طور پر مرہٹہ طاقت پر تشویش تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے جس طرح پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کے دو لاکھ سپاھی قتل کر کے مرہٹوں کی کمر توڑی اُسکا ذکر پہلے ھو چکا۔ مرہٹہ پیشوا بالا جی راؤ کی زبردست فوجی طاقت

Marfat.com

اور تیاریوں کو سامنے رکھا جائے تو اُسکی شکست کی کوئی وجہ بظاہر دکھائی نہیں دیتی لیکن ایک بات جسکی طرف تذکرہ نگاروں نے اشارہ کیا ہے غالباً وہی اسکی شکست کی اصلی وجہ تھی۔ مرہٹہ پیشوا کے کردار کی خرابی یہ تھی کہ ایک تو وہ سخت مغرور تھا' دوسرے انتہا درجے کا عیاش اور لذت پرست تھا اور ہر وقت عورتوں میں گھرا رہتا تھا۔ حکومت کے معاملات اُس نے دوسروں پر چھوڑ رکھے تھے۔ خصوصاً اپنے چچازاد بھائی رگھوناتھ پر بہت بھروسہ کرتا تھا جس نے پنجاب پر قبضہ کیا تھا۔ جیسے ھی مرھٹوں کو احمد شاہ ابدالی کی تیاریوں اور آمد کا علم ھوا انہوں نے دہلی کے قریب اپنے لشکر جمع کر لئے' دہلی عملاً اُن کے قبضے میں چلا گیا۔ احمد شاہ ابدالی تو چاھتا ھی یہ تھا کہ مرھٹوں کی تمام طاقت کو ایک مقام پر جمع کر کے اُن کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی ھو اور وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب رہا۔

اِسی دوران مغل بادشاہ عالمگیر ثانی بھی قتل ھوا' ویسے بھی بادشاھت کے نام پر وہ ایک تہمت تھا۔ اُسکے چند سالہ دور میں خلقِ خدا شدید ابتری اور بدحالی میں مبتلا رھی' مرکزی حکومت صرف نام کی رہ گئی تھی۔ عالمگیر ثانی کے بعد شہزادہ گوھر علی' شاہ عالم کے لقب سے جانشین ھوا' اُس وقت وہ بنگال میں رہ رہا تھا۔ احمد شاہ دُرانی (ابدالی) نے بھی مرھٹوں کو شکست دینے کے بعد شاہ عالم کو ھندوستان کا نیا بادشاہ تسلیم کیا تھا' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اُسے بادشاہ کے طور پر نامزد کیا تھا۔ ھندوستان کی بادشاھی تو شاہ عالم کے لئے ایک الزام تھی' اُسی کے بارے میں تو دہلی کے بے فکرے مذاقاً کہا کرتے تھے "حکومت شاہ عالم۔ از دہلی تا پالم" پالم دہلی کی ایک نواحی بستی تھی اور آجکل وہاں ھوائی اڈہ ہے۔

فرنگی سایہ۔ تختِ دہلی سازش اور رشوت کے بھنور میں

شاہ عالم کا دورِ حکومت (1759ء تا 1806ء) انحطاط و ادبار کے اُس زمانے میں بہت لمبا دور تھا۔ قریب قریب آدھی صدی کے برابر اس دور میں ھندوستان کا تمام نقشہ ہی

Marfat.com

بدل گیا۔ بلکہ انگریز مورخ تو اصرار کرتے ہیں کہ مغلیہ سلطنت 1806ء میں مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ وزیر عماد الملک جس نے شاہ عالم کے پیش رو عالمگیر ثانی کو قتل کیا تھا نئے بادشاہ کے خلاف بھی سازشوں میں مصروف ہوا اور دوسرے امرائے دربار کے ساتھ مل کر شاہ عالم کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا' تاہم کسی طرح یہ قاتلانہ منصوبہ طشت از بام ہو گیا اور بادشاہ اپنی زندگی کے خوف سے دہلی چھوڑ کر بہار چلا گیا جہاں وہ بارہ سال رہا۔ اس دوران میں اُس نے وفادار سپاہیوں اور امیروں کی مدد سے بنگال اور بہار کے صوبوں کو زیر نگیں لانے کے لئے حملے کئے مگر شکست کھائی۔ بادشاہ کی دارالحکومت دہلی سے غیر حاضری کے دوران عماد الملک' اور دوسرے غدار وزیر اور امیر عملاً حکومت کرتے رہے۔ اِدھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے لارڈ کلائیو کی سرکردگی میں خوب پر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے' جنگ پلاسی میں کامیابی کے بعد بنگال عملاً اُن کے قدموں میں تھا۔ لارڈ کلائیو ہندوستان میں سازشیں کرنے اور مقامی غدار ڈھونڈنے میں زبردست مہارت رکھتا تھا' اُس نے شاہ عالم کے گرد بھی سازشوں کا جال بچھایا اور اُسکے کچھ ناعاقبت اندیش امراء کے ذریعے اپنی وفاداریوں اور خلوص کا یقین دلایا اور ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے بنگال' بہار اور اڑیسہ جیسے انتہائی زرخیز اور بڑے صوبوں کی "دیوانی" کے اختیارات مغل بادشاہ نے انگریزوں کے حوالے کر دیئے' اس کے عوض کمپنی بہادر نے بادشاہ کو چھبیس لاکھ (26 لاکھ) روپے سالانہ خرچہ دینا منظور کیا۔ معاہدے کے الفاظ (ترجمہ) یہ تھے: "ہر گاہ کہ ہم نے اعلیٰ اور مقتدر' امیر الامراء' رئیس جنگبازاں' ہمارے وفادار بندگان اور وفا شعار خیر خواہاں' حقدار عنایات خسروانہ' انگریز کمپنی کو صوبہ جات بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کر دی ہے جسکا آغاز بنگالی سال 1171 کی فصل ربیع سے ہو گا' یہ ایک مفت تحفہ اور التمغہ ہے جس میں اور کوئی شریک نہیں۔ اسکے ساتھ ہی دیوان کو اُس خراج کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ جسے وہ پہلے اس دربار کو ادا کیا کرتا تھا' اسکے بدلے میں بطور ضمانت کمپنی ہمارے خزانے میں 26 لاکھ روپے سالانہ جمع کرائے گی جسے اس سے پہلے

Marfat.com

نواب ادا کیا کرتا تھا۔" اِس معاہدے پر 12 اگست 1765ء کی تاریخ درج ہے اور بادشاہ کی مہر لگی ہے۔

نواب کی صوبے داری اب بھی برقرار تھی اور بظاہر کمپنی کی ذمہ داری یہ تھی کہ صوبے میں شہری انتظام اور لگان کی وصولی میں نواب کی مدد کرے، لیکن انتظامات میں عملی شرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اِن صوبوں کا پورا نظم و نسق ہی سنبھال لیا اور نواب کی حاکمانہ حیثیت ختم ہو گئی۔ اس موقع پر بنگال کی نوابی کا تھوڑا سا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ علی وردی خان، نواب بنگال ایک بالغ نظر حکمران تھا، "سیر المتاخرین" میں اسکی ذاتی پارسائی اور زہد اور علم دوستی کے کئی واقعات لکھے ہیں، اسکے معمولات میں یہ شامل تھا کہ وہ نمازِ عصر کے بعد دیوان خانے میں علما سے ملاقات کرتا اور دین کی باتیں سنتا۔ اس موقع پر وہ خود انہیں حقہ پیش کرتا۔ یہ علما دقیق علمی بحثیں کرتے ہوئے حقے پیتے رہتے تھے، یہ اُن کی عادت تھی اور اُس زمانہ کا دستور تھا۔ علی وردی خان کے انتقال کے بعد اُن کا نواسہ نواب سراج الدولہ بنگال کا حکمران بنا وہ انگریزوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے آگاہ تھا اور انہیں ہندوستان سے نکالنا چاہتا تھا۔ لارڈ کلائیو نے غداروں، خصوصاً اسکے وزیر میر جعفر سے سازباز کی اور بنگال کی نوابی کا لالچ دیا۔ سراج الدولہ نے اپنوں کی غداری کی بدولت انگریزوں سے شکست کھائی اور شہید ہو گئے۔ غدار میر جعفر اس طرح بنگال کا نواب بن بیٹھا لیکن وہ صرف نام کا نواب تھا حکومت کا سارا کاروبار عملاً انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ شاہ عالم کے ساتھ معاہدے کے بعد اِن تمام علاقوں پر انگریزوں کی بالادستی تسلیم کر لی گئی، دراصل یہ معاہدہ کر کے بادشاہ دہلی نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا اقتدار 26 لاکھ روپوں کے عوض انگریزوں کو بیچ دیا تھا۔ آہستہ آہستہ انگریزوں نے خراج کی یہ رقم بھی کم کر دی اور خراج کو وظیفہ کہنا شروع کیا، اس طرح بادشاہِ دہلی انگریزوں کا دست نگر اور پنشن خوار بن کر رہ گیا۔

Marfat.com

شاہ عالم کے زمانے میں میسور (دکن) میں سلطان حیدر علی اور بعد میں اُسکے جانشین سلطان ٹیپو نے انگریزوں کو ھندوستان سے نکالنے اور مغل بادشاہ کا حقیقی اقتدار بحال کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن نظام حیدر آباد نے غداری کر کے ملتِ اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپا' انگریزوں نے نظام کو پورے دکن کی حکومت کے سبز باغ دکھائے اور اُس نے انگریزوں کے ساتھ مل کر ٹیپو کی جدوجہد کو شکست سے ھمکنار کیا' ٹیپو انگریزوں کے ساتھ لڑتے لڑتے سرنگاپٹم کی جنگ میں سینکڑوں زخم کھا کر 1799ء میں شہید ھو گئے۔ عین اُس وقت جب ٹیپو کی جدوجہد فیصلہ کن مرحلے میں تھی' ایک غدار ساتھی صادق نے اسکی توپوں میں بارود کی بجائے گھاس پھونس بھر دی اور ساتھ ھی قلعہ سرنگاپٹم کے خفیہ دروازے کی اطلاع بھی انگریزوں کو پہنچا دی۔ اِس طرح ٹیپو کا دفاعی نظام ناکام ھو گیا تھا۔ لیکن یہ غداری ملتِ اسلامیہ کے مفاد کے خلاف پہلی دفعہ نہیں ھوئی تھی' ھماری تاریخ غداری کے واقعات سے بھری پڑی ہے' ھمیشہ جب کوئی خدا کا بندہ اس قسم کی انقلابی جدوجہد کے لئے اُٹھتا رہا ہے' غدار پیچھے سے اُس پر وار کرتے رھے ھیں اور عموماً یہ غداریاں اور دغابازیاں معمولی لالچ پر ھوئی ھیں۔

دہلی کے بادشاہ' شاہ عالم میں شاید حکمرانوں والی کوئی خوبی تھی ھی نہیں۔ اُسے صرف اس بات سے غرض تھی کہ لال قلعہ میں جو بادشاھی خوابگاہ ہے وہاں اُسے سکون سے رھنے دیا جائے' ملک جانے اور انگریز جانیں یا مرہٹے جانیں یا روھیلے جانیں یا سکھ جانیں۔ لیکن تاریخ کا سبق یہ ہے کہ سکون ڈھونڈنے والے حکمرانوں کو سب سے زیادہ تکلیف دہ نشیب و فراز اور خلشوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بہر حال شاہ عالم کے ساتھ یہی ھوا۔ سلطنت کی ابتداء میں عماد الملک کے خوف سے اُسے دس بارہ سال بہار کے صوبے میں خود اختیار کردہ جلاوطنی میں گزارنے پڑے۔ احمد شاہ ابدالی نے محض یہ خیال کر کے اُسے دہلی کا حکمران تسلیم کر لیا تھا کہ اور کوئی مناسب خاندانی بادشاہ موجود نہ تھا' انگریزوں سے معاہدہ کے بعد اُسکی

Marfat.com

حیثیت ایک برائے نام وظیفہ خوار حکمران کی رہ گئی تھی۔ اگرچہ ابدآلی کے ہاتھوں شکست فاش کے بعد مرہٹوں کی قوت برباد ہو چکی تھی لیکن بادشاہ دہلی کو کٹھ پتلی بنانے کے لئے اُن کے پاس کافی دم خم موجود تھا۔ 1788ء میں روھیلوں نے دہلی پر حملہ کر کے بادشاہ کو قیدی بنالیا اور اُمرا کی سازش سے اُسے اندھا کر دیا۔ یوں اپنی زندگی کے آخری کئی سال شاہ عالم نے معذوری اور محتاجی میں گزارے۔ جس تخت پر ایک اندھا بیٹھا ہو وہاں سے کس قسم کی حکمرانی کی امید کی جاسکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت کی مقتدر قوتوں (انگریز، مرہٹے اور روھیلے وغیرہ) کو بھی اسی قسم کا اندھا، بیمار اور محتاج بادشاہ تختِ دہلی پر زیادہ موزوں معلوم ہوتا تھا۔ دہلی پر روھیلا حملے اور اسکے نتیجے میں شاھی خاندان پر آنے والی آفت کے اثرات ھندوستان بھر میں محسوس کئے گئے۔ جس طرح پہلے مغلیہ سلطنت پر کاری ضرب لگانے والا بظاہر ایک مسلمان فاتح (نادر شاہ) تھا، اِس مرتبہ بھی یہ کردار ایک مسلمان سردار نے ادا کیا اور خاندان مغلیہ کی رھی سہی عزت خاک میں مل گئی۔ روھیلوں کے حملے کا تھوڑا سا پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔

عذاب کا بگولہ۔ غلام قادر روہیلہ

احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد ایک روھیلہ افغان سردار نجیب الدولہ کو بادشاہ دہلی کا وزیر اعظم مقرر کر گیا تھا۔ یہ ایک لائق منتظم تھا اور شاہ عالم کی دارالحکومت سے غیر حاضری کے دس بارہ برسوں میں وہی عملاً دہلی کا حکمران تھا، اُسکے 1770ء میں انتقال کے بعد شاہ عالم دہلی واپس آنے پر آمادہ ھوا۔ اُسی دور میں شمالی ھندوستان میں روھیلا افغانوں نے بہت زور پکڑا اور مرہٹوں سے اُن کی جھڑپیں ھونے لگیں۔ دوسری طرف تختِ دہلی مرہٹوں کے زیر اثر آچکا تھا اور شاہ عالم مرہٹہ سردار سندھیا کے زیر تحفظ تھا۔ سندھیا کو مغل دربار میں وکیل المطلق کا خطاب دیا گیا اور وہ دربار کا طاقتور ترین امیر بن

Marfat.com

گیا۔ یہ صورتِ حال روھیلوں کے لئے قابلِ قبول نہ تھی‘ چنانچہ سابق وزیر اعظم نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر روھیلہ کی قیادت میں روھیلہ افغانوں نے مغل سلطنت کے خلاف بغاوت کی اور دہلی پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنی تیزی سے ھوا کہ مرہٹہ سردار کو اسے روکنے کا موقع ھی نہ مل سکا اور روہیلے قلعے پر قابض ھو کر شاھی محل میں داخل ھو گئے۔ یہ واقعہ 1788ء کا ہے۔ غلام قادر روھیلہ نے تلوار کی نوک پر اپنے آپ کو بادشاہ دہلی کا وزیر اعظم مقرر کرایا۔ اس کے بعد اُس نے بادشاہ پر مرہٹوں کے ساتھ سازباز کا الزام لگا کر اُسے محل کے ایک گوشے میں محبوس کر دیا اور خاندانِ تیموریہ کے ایک گمنام شہزادے کو بیدار بخت کے خطاب سے جانشین کر دیا اور شاہ عالم کو تلوار کی نوک پر مجبور کیا کہ وہ نئے بادشاہ کے سامنے آداب بجالائے۔ بادشاہ اور اسکے خاندان کو تین دن اور تین راتیں بھوکا پیاسا ایک جگہ قید رکھا گیا۔ اس دوران پورے شاھی محل میں خزانوں اور جواہرات لوٹنے کے لئے تلاشی ھوتی رھی۔ اُس کا خیال تھا کہ بادشاہ دہلی کے پاس بہت بڑا خزانہ ہے جسے کسی خفیہ جگہ چھپایا ھوا ہے۔ چنانچہ اس خزانہ اور دولت کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے مغل بادشاہ اور اُسکے حرم پر بے پناہ ظلم و ستم کئے۔ بیگمات اور شہزادیوں کی آبرو کو نقصان پہنچایا گیا حتیٰ کہ اِن کی چیخیں قلعہ سے باہر تک سنائی دیں۔ آخر میں‘ خزانے کی تلاش میں ناکام ھو کر وہ (غلام قادر) معزول شاہ عالم کے پاس گیا اور اُسے کہا کہ وہ خفیہ مغل خزانے (دفینے) کا پتہ بتائے۔ کمزور اور ضعیف شاہ عالم نے تنگ آکر جواب دیا: ”اگر تم سمجھتے ھو کہ خزانہ میں نے کہیں چھپایا ھوا ہے تو پھر وہ میرے اندر ھو گا‘ میرے پیٹ کو پھاڑ کر دیکھ لو تاکہ تمہاری تسلی ھو جائے“ اس پر غلام قادر روھیلہ اور غصّے میں آیا۔ اب وہ معزول بادشاہ کے زنان خانے (امتیاز محل) میں داخل ھوا جہاں مرحوم بادشاہ کی بوڑھی بیوائیں بھی موجود تھیں۔ اِن بیواؤں اور دوسری شہزادیوں کے جسم سے تمام زیورات نوچ لئے گئے اور اُن کی شدید بے حرمتی کی گئی۔ نامزد کردہ مغل بادشاہ کو سب کے سامنے ذلیل کرنے کے لئے وہ پہلے اُسکے برابر تختِ شاھی پر بیٹھا

Marfat.com

ور ایک حقہ منگوایا' حقہ کے کش لگاتا جاتا اور بادشاہ کے منہ پر دھواں چھوڑتا جاتا' اسکے بعد تخت کا طلائی ملمع اتارنے کے لئے اُسے توڑ ڈالا۔ تین دن محل کے تمام کمروں کے فرش کھود ڈالے گئے لیکن کوئی دفینہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے بعد اُس نے غضبناک ہو کر دیوانِ خاص میں شاہ عالم کو اپنے سامنے طلب کیا اور ایک بار پھر اُس سے خفیہ خزانے کا راز پوچھا' لیکن شاہ عالم نے وہی پہلے والا جواب دیا۔ اِس پر غلام قادر نے کہا "تو پھر دنیا میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اندھا کرنا ضروری ہے"۔ بادشاہ نے کہا: "ایسا نہ کیجئے' میری اِن بوڑھی آنکھوں کو جو ساٹھ سالوں سے روزانہ خدا کے کلام کے مطالعہ سے کمزور ہو چکی ہیں' اندھا نہ کیجئے" ظالم روھیلے نے اس پر بوڑھے بادشاہ کے بیٹوں اور پوتوں کو جو وہاں شاہ عالم کے گرد جمع ہو گئے تھے' اذیّت دینے کا حکم دیا۔ اس پر شاہ عالم کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے کہا کہ میں اپنی اولاد پر ہونے والے جبر و اذیت کے منظر کی تاب نہیں لا سکتا' میری آنکھیں نکال لیجئے۔ "غلام قادر فوراً اپنی جگہ سے اچھلا' بوڑھے بادشاہ کو فرش پر گرایا' اور اسکی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور کم از کم اُسکی ایک آنکھ اپنے خنجر کی نوک سے نکالی۔ اسکے بعد اٹھتے ہوئے' شاہی خاندان کے ایک رکن یعقوب علی کو حکم دیا کہ وہ دوسری آنکھ نکالے' اُس کے انکار پر اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ یوں بادشاہ دہلی کو پٹھانوں نے مکمل اندھا کر دیا اور محل کی عورتوں کی چیخوں اور رونے کی آوازوں کے درمیان اُسے سلیم گڑھ منتقل کر دیا" (دی مغل اسپائر۔ ایچ۔ جی۔ کین)۔ اگلے روز اس سے بھی زیادہ دلدوز مناظر لال قلعہ کی دیواروں نے دیکھے۔ شاہی خاندان کی بہت سی عورتوں اور بچوں کو محل میں ذبح کیا گیا' یہ قاتل مسلمان تھے جنہیں شاید علم تھا کہ اسلام جنگ کے میدان میں بھی عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ اہل دہلی کو اب کہیں جا کر لال قلعہ کے اندر کے واقعات کا علم ہوا' خوفزدہ لوگ گھروں کو چھوڑ کر شہر سے بھاگنے لگے۔ یہ المناک واقعات اگست و ستمبر 1788ء میں پیش آئے اور روھیلے کم از کم چالیس دِن دہلی اور لال قلعے پر قابض رہے' حتیٰ کہ

Marfat.com

مرھٹوں کے لشکروں نے خاندان مغلیہ اور اہلِ شہر کو اِن کی آفت سے نجات دلائی۔ یہ ایک عبرتناک واقعہ ہے کہ کلمہ گو سفاکوں کے ظلم کی چکی سے رہائی کافروں نے دلوائی۔ مغل شہزادے تو خیر عیش کوش تھے ھی' تاریخ انہیں بُرا کہتی ہے' پٹھانوں نے لوٹ مار کی خاطر جو انسانیت کش اور شرمناک جرائم کئے' انہیں دیکھتے ہوئے ہمیں اُس دور کے تمام بااختیار مسلمان ھی قرآن مجید کے الفاظ میں "وَکَانُوقَوماًمُجرِمِین" دکھائی دیتے ھیں' اسکے بعد سفید فام فرنگی تسلط کی صورت میں اُن پر جو عذاب آیا وہ اُسکے مکمل طور پر مستحق معلوم ہوتے ھیں۔ روایت ہے کہ لال قلعہ میں اپنے قیام کے دوران غلام قادر روھیلہ نے ایک خاص محل "برج طلا" میں ڈیرہ جمایا ہوا تھا جہاں نوجوان شہزادوں اور شہزادیوں کو اسکے "حضور" میں رقص کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ کہتے ھیں کہ ایک رات وہ اِن شہزادیوں کی غیرت کا امتحان لینے کے لئے تلوار ایک طرف رکھ کر سو گیا اور رقص رات بھر اُس کے حکم پر جاری رہا' کسی تیموری شہزادی کو جرأت نہ ہوئی کہ اُس کو غافل پا کر قتل کر دے حالانکہ وہ بالکل اکیلا اور غیر مسلح تھا۔ اس واقعہ پر علامہ اقبالؒ کی نظم " غلام قادر رہیلہ " کے عنوان سے بانگ درا میں ہے' جس کے چند شعر اس طرح ھیں :

روہیلہ کسقدر ظالم' جفاجو' کینہ پرور تھا
نکالیں شاہِ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے

دیا اہلِ حرم کو رقص کا فرماں ستم گر نے
یہ اندازِ ستم کچھ کم نہ تھا آثارِ محشر سے

ہنایا آہ؛ سامانِ طرب بیدرد نے اُن کو
نہاں تھا حُسن جن کا چشم مہر و ماہ و اختر سے

رکھا خنجر کو آگے اور پھر کچھ سوچکر لیٹا
تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم احمر سے

پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
شکایت چاہیئے تم کو نہ کچھ اپنے مقدرّ سے

یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیّت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

Marfat.com

اگر ایک طرف غلام قادر روہیلے کے مطابق تیموری خاندان بے غیرت اور بزدل ہو گیا تھا تو پٹھان رہیلوں نے اس خاندان کی شہزادیوں کو سرعام نچا کر کونسی اسلامی حمیت اور شرم کا مظاہرہ کیا تھا؟ اس کے علاوہ اگر وہ خود اتنا بہادر تھا تو مرہٹوں کی دارالحکومت میں آمد کی اطلاع پا کر جمنا پار کر کے کیوں بھاگ گیا تھا؟ لوٹے ہوئے خزانے غوث گڑھ کیوں جلدی جلدی منتقل کئے تھے؟ لال قلعہ چھوڑنے سے پہلے غلام قادر روہیلہ نے ایک آخری ظالمانہ حرکت یہ کی کہ وہاں جمع شدہ گولہ بارود کو آگ لگا کر شاہی محلات کو شاہی خاندان کے افراد سمیت جلانے کی کوشش کی' بارود پھٹنے سے لگاتار دھماکے ہوئے' محلات کو نقصان پہنچا لیکن مرہٹوں نے وہاں جلدی جلدی پہنچ کر آگ بجھا دی'۔ شاہ عالم اور باقی بچ رہنے والی خواتین آزاد ہو گئیں۔ سفاک اور آزار پسند غلام قادر روہیلے کا انجام عبرتناک ہوا۔ مرہٹوں نے اُس کا تعاقب کیا تو اُس نے قلعہ میرٹھ میں پناہ لی' لیکن خود اُس کے اپنے آدمیوں نے بغاوت کر دی' وہ رات کے وقت کسی طرح چھپ چھپا کر قلعہ سے نکلا' اس نے گھوڑے کے زین پر لوٹے ہوئے خزانے میں سے سب سے زیادہ قیمتی مال ایک تھیلے میں بھر کر رکھ لیا۔ اُس کا ارادہ پنجاب میں سکھوں کے پاس پناہ لینے کا تھا جو اس کی طرح جرائم پسند تھے۔ رات کی تاریکی میں ایک گڑھے میں اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور قیمتی مال کے تھیلے سمیت سوار کو گڑھے میں گرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ غلام قادر رات بھر وہیں پڑا رہا۔ صبح ایک برہمن زمیندار نے اُسے پہچانا اور پکڑ کر مرہٹوں کے حوالے کر دیا جو اُسکی تلاش میں پھر رہے تھے۔ اُسے مرہٹوں کے مرکز متھرا لے جایا گیا' پہلے منہ الٹی طرف کر کے گدھے پر سوار شہر میں پھرایا گیا اور ہدایت کی گئی کہ وہ ہر دکان پر رک کر کوڑی طلب کرے۔ اُس نے گالیاں بکنا شروع کر دیں' اس پر اُسکے منہ سے زبان کھینچ کر نکال لی گئی۔ پھر اُسے اندھا کیا گیا' پھر ناک' کان' ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ایک درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی گئی۔ مثلہ شدہ لاش کو دہلی شاہ عالم کے پاس ارسال کر دیا گیا جسے اندھا ہونے کے باوجود تخت پر بحال کر دیا گیا تھا۔ اندھے اور

Marfat.com

نابینا بادشاہ کا تخت پر ہونا نہ ہونا برابر تھا' محل میں اُسکے تیس بچے اور بہت سے متوسلین تھے' جبکہ وظیفہ کم کر دیا گیا تھا۔ معذوری اور محتاجی کا یہ وقت شاہ عالم نے زیادہ تر غزلیں اور شعر کہنے میں گزارا جن میں وہ عموماً لوگوں کی بے وفائی دنیا کی بے ثباتی اور اپنی بد نصیبی کا ذکر کرتا ہے' شاہ عالم اس اعتبار سے بہت ہی بد قسمت بادشاہ تھا کہ اُسے اپنی برائے نام حکمرانی میں بھی انتہائی شدید حادثات اور اندوہناک حالات سے مسلسل سابقہ پڑا۔ مغل خاندان کے افراد کے ساتھ جو بیتی اُسکی مثال آخری مغل بادشاہ کے خاندان کے مصائب کے سوا اور شاید کہیں نہیں ملتی۔ بادشاہ اور اسکے خاندان کا گزارہ یا تو اُس وظیفہ (الاؤنس) پر تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی سے ملتا تھا یا پھر اُس خراج یا تحائف وغیرہ پر گزارا چلتا تھا جو مختلف خود مختار ریاستوں میں کسی نئے نواب یا حکمران کی جانشینی کے موقع پر مغل بادشاہ سے سندِ قبولیت کے عطا کے عوض اُن ریاستوں سے وصول ہوتے تھے۔ مغل دربار میں اصل قوت اُس ھندو (مرہٹہ) ریجنٹ کی تھی جسے مرہٹہ سردار نامزد کرتے تھے اور جو تمام امور سر انجام دیتا تھا' معذور بادشاہ ویسے ھی کچھ کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ ان حالات میں برصغیر کے مسلمان شدید اضطراب میں مبتلا تھے دہلی میں اُن کا بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔

دکن میں نظام اور اودھ میں نواب شجاع الدولہ کے جانشین موقع پرست تھے وہ برصغیر کی جس طاقت کا پلہ بھاری دیکھتے اس کے طرفدار بن جاتے' انگریزوں کا زور دیکھ کر ان دونوں نے خود کو اُن سے وابستہ کر لیا تھا' اودھ کے نوابوں نے مرہٹوں کے خطرے سے حفاظت کے لئے ایک انگریزی فوجی بریگیڈ اپنی ریاست کی سرحد پر مستقل رکھا ہوا تھا جس کا خرچ ریاست برداشت کرتی تھی' اس کے باوجود کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بادشاہ دہلی کو سالانہ وظیفہ پیش کرتی تھی (لیکن یہ حقوق دیوانی صوبہ جات بنگال' بہار' اڑیسہ کا معاوضہ تھا) مرہٹوں کی موجودگی میں وہاں انگریزی اثر ورسوخ راہ نہیں پا سکا تھا' مرہٹوں کی مدد اور فوجی تربیت بعض فرانسیسی افسران (پیرون وغیرہ) کررہے تھے' یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ

Marfat.com

فرانسیسیوں نے سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد 'بادشاہ دہلی کے ھندوستان پر مکمل اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ جس کی اطلاع انگریزوں کو مل گئی تھی اور انہوں نے مرھٹوں میں پھوٹ ڈال کر یہ منصوبہ ناکام بنایا۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ھو گا کہ فرانس اور انگلستان برصغیر میں مرھٹوں کے دو متحارب گروہوں (جن میں ایک کی قیادت سندھیا اور دوسرے کی ھولکر کر رہا تھا) کے ذریعے "پراکسی" جنگ کر رہے تھے اور منزل تختِ دہلی تک رسائی تھی' اس طرح کہ مغل بادشاہ پر جس قوت کا اثر ھو جاتا پورا ھندوستان اُسی کا ھو جاتا۔ ایک گروہ کی حمایت اور مدد انگریز جنرل لیک کر رہا تھا' دوسرے کی مدد فرانسیسی جنرل پیرون کر رہا تھا۔ قسمت انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھی' فرانس کے حمایت یافتہ گروہ میں سے بعض اہم افسروں نے عین لڑائی کے دوران راہِ فرار اختیار کی۔ ویسے بھی انگریز سازشوں کی کھچڑی پکانے اور غداروں کو خریدنے کے فن میں طاق ہو چکے تھے۔ دہلی کے نزدیک اور جمنا کے کنارے لڑی جانے والی اس جنگ میں "مرھٹوں کی فوج کی حالت گڈریے کے بغیر بھیڑوں کے گلے کی تھی" (کین) مرھٹوں کی شکست فیصلہ کن تھی۔ بادشاہ' شاہ عالم کے بارے میں مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ پہلے ھی اندر سے انگریزوں کے ساتھ ملا ہوا تھا اور اُس نے انگریزوں کی فتح کی خبر ملتے ہی ولی عہد شہزادہ مرزا اکبر کو جنرل لیک کے کیمپ میں ملنے کے لئے بھیجا تا کہ وہ اُسے بادشاہ کے حضور میں لے آئے' جو بقول انگریز مورخ ایچ۔ جی۔ کین "ھندوستان میں تمام عزت اور طاقت کا جائز اور یقینی سر چشمہ تھا"۔ یہ بات 1803ء کی ہے۔ بہر حال انگریز جنرل اور بادشاہ کی ملاقات تمام ادب و آداب اور القابات کے ساتھ ہوئی۔ ایک تذکرہ نویس نے جوشِ تحریر میں یہاں تک لکھا ہے کہ اس موقع پر بادشاہ' شاہ عالم کی آنکھوں سے خوشی کے آنسوؤں کی جھڑی لگی (کیونکہ اُس نے بدترین دن دیکھے تھے) اور اتفاق یہ ہوا کہ اس موقع پر اُسکی بینائی بھی لوٹ آئی۔ اس افسانے سے ہٹ کر جو بات حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ تختِ دہلی سے برطانوی جنرل کو خانِ دوران (وزیرِ سلطنت) کا خطاب

Marfat.com

عطا ہوا جو پہلے نواب اودھ کے لئے مخصوص تھا۔ برطانوی جنرل کی اس حیثیت کے تعین کے بعد "شہنشاہ ھند" کا اقتدارِ اعلیٰ صرف شہر دہلی اور مضافاتی علاقے تک محدود کر دیا گیا اور اس اقتدارِ اعلیٰ کا استعمال بھی دربار میں موجود برطانوی "ریذیڈنٹ" کے مشورہ پر ہوتا تھا۔ بادشاہ کو اب صرف نوے ہزار روپے ماہانہ الاونس ملتا تھا۔ یوں ھندوستان کا اقتدار عملاً منتقل ہو کر انگریزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا اگرچہ نام اب بھی بادشاہ کا استعمال ہو رہا تھا۔ بادشاہ کے "حضور" پیش ہوتے ہوئے انگریز ریذیڈنٹ وہ تمام رسمی آداب بجا لاتا تھا جو دورِ قدیم سے رائج تھے۔ نابینا اور بے اختیار شاہ عالم 1806ء میں تختِ دہلی پر فوت ہو گیا۔

وظیفہ خوار بادشاہ۔ ٹھگی، رھزنی، معاشرتی انتشار اور آفاتِ سماوی کا عہد

سیاسی اور سماجی افراتفری اور نراجیت (انارکی) کے علاوہ، قدرت بھی شاہ عالم کے دور میں انسانوں پر مہربان نہیں رہی۔ 1870ء میں بنگال کے علاقے میں شدید قحط رونما ہوا جس کے اثرات اگلے دس سال تک جاری رہے، اس خوفناک قحط میں ایک تہائی آبادی ہلاک ہو گئی اور زمینیں بنجر ہو گئیں، "کسانوں نے اپنے مویشی بیچ ڈالے، انہوں نے کاشت کاری کے آلات تک فروخت کر دیئے، اپنے بیٹے اور بیٹیاں فروخت کر دیں حتیٰ کہ انہیں خریدنے والا کوئی نہ رہا، وہ درختوں اور گھاس کے پتے کھانے لگے، زندہ لوگ مردوں کو کھانے لگے۔۔۔ لاشیں اتنی زیادہ ھو گئیں کہ کتوں، گیدڑوں اور دوسرے مردار خور جانوروں نے کھانے سے کنارہ کشی اختیار کی، اس کے ساتھ ہی طاعون اور دوسری وبائیں پھوٹ پڑیں" (وی۔ اے سمتھ) اس طرح کا بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قحط 1782ء میں پڑا اور یہ ھندوستان گیر قحط تھا جس میں دیہات کی ایک تہائی آبادی فنا ھو گئی اِن تباھیوں اور

Marfat.com

قدرتی آفات کے نتیجے میں قدیم زمیندار خاندان تتر بتر اور تباہ ہو گئے' لوگوں نے شہروں کی طرف رخ کر لیا اور پرانا سماجی ڈھانچہ ختم ہو گیا' لوگوں میں پرانی وضع داریاں باقی نہ رہیں' شہروں میں "منافقت" اور "دکھاوے" کے ایک نئے کلچر نے جنم لیا اور فرنگی تہذیب کے اثرات سے نئی سماجی برائیوں کی وبا پھیل گئی۔ معاشرتی اور معاشی بدحالی اور بے امنی کے باعث دیہات میں ٹھگی اور راہزنی کو فروغ حاصل ہونے لگا۔ بے یقینی اور بے ایمانی کوئی برائی نہ رہی۔ اچھے خاصے معقول لوگ دوسروں کو غلط راہ پر ڈالنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ یوں سیاسی ابتری' معاشی تنگ دستی' معاشرتی تغیرات' آبادی کی منتقلی' قحط سالی اور قدرتی آفات کے نتیجے میں مسلمان معاشرے کے تمام طبقوں میں جو اخلاقی کج روی اور ریاکاری پیدا ہوئی اُسکی مثال ماضی میں نہیں ملتی تھی۔ زوال وانحطاط کی انتہا ہو گئی تھی۔

شاہ عالم کے بعد اس کا بیٹا اکبر شاہ ثانی کے لقب سے "تخت نشین" ہوا۔ اگرچہ "تخت نشینی" اب محض نام کی تھی' پھر بھی بادشاہ کا اپنا ایک احترام تھا' کم از کم اہلِ ہندوستان (مسلم ہندوستان) کے دل میں یہ احترام تھا۔ اس "شاہِ شطرنج" کا دور اکتیس سالوں پر محیط تھا اور وہ 1837ء میں فوت ہو گیا۔ اس بادشاہ کے دور کے آغاز میں ہندوستان شدید ابتری کی لپیٹ میں تھا۔ یہ ابتری سیاسی سے زیادہ اخلاقی اور معاشرتی تھی۔ سیاسی نقشے میں صرف یہ تبدیلی آئی کہ انگریز ہندوستان کے بچے کھچے علاقوں پر بھی اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جہاں اُن کا تسلط براہِ راست نہ تھا' وہاں بالواسطہ حکومت کی پالیسیاں اُن کے تابع تھیں۔ اس دور میں بعض نئی مقامی طاقتوں نے سر اٹھانے اور مغلیہ حکومت کو بے دست وپا دیکھ کر سیاسی غلبہ اور بالادستی کی کوشش کی لیکن انگریزوں نے انہیں شکست دی' تاہم اس اکھاڑ پچھاڑ کے نتیجے میں معاشرہ زیادہ کھوکھلا ہو گیا۔ عدم تحفظ کا احساس شدید تر ہو گیا۔ سیاسی منظر نامہ کچھ اس طرح کا تھا کہ مرہٹے مختلف گروہوں میں بٹ کر اپنی توانائی سے محروم ہو چکے تھے' اودھ کی نوابی میں اخلاقی "کرپشن" اور تماش بینی سرایت کر چکی تھی۔

Marfat.com

پنڈاروں کی نئی طاقت کی لوٹ مار کے نتیجے میں سندھ کے ریگستان سے لے کر راجپوتانہ تک کے ریگ گزار تک راجپوتوں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں ناکام ہو چکی تھیں' شمال اور جنوب میں سکھوں نے ادھم مچار کھا تھا اور وہ پنجاب پر قابض ہو چکے تھے لیکن یہ علاقہ شدید بدامنی کی لپیٹ میں تھا۔ ھندوستان کے دیہات میں مورچہ بند چوکیاں اور قلعے تعمیر ہو چکے تھے اور لگان کی وصولی سے پہلے اہل دیہہ سے باقاعدہ جنگ کرنی پڑتی تھی۔ لٹیروں نے باقاعدہ جتھے بنالئے تھے اور وہ مسافروں کو لوٹ لیتے تھے' کسی ویرانے یا کھنڈر میں کوئی شخص داخل ہو کر بحفاظت واپس نہیں آسکتا تھا کیونکہ ان مقامات پر دن میں بھی راھزن اور قاتل چھپے رہتے تھے۔ ٹھگوں نے ھندوستان میں قیامت برپا کر رکھی تھی' یہ لوگ سفاکی کے ساتھ مسافروں کو اس طرح لوٹتے اور قتل کرتے تھے کہ بھولے بھالے مسافروں کو ان کی اصلیت کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ ان کی باقاعدہ تنظیم تھی جسکے ارکان اور رھنما تھے جب حالات اس طرح کے ھوتے ھیں تو ضعیف الاعتقادی بہت پھیلتی ہے۔ چنانچہ نجومیوں اور پیش گویوں کی بہتات ھو گئی اور یہ لوگ عوام الناس کے خیالات پر غالب آچکے تھے۔ صوفی' سنت' فقیر' سنیاسی' بیراگی' ناگے یوگی غول در غول شہروں اور دیہات میں گھومتے تھے اور اخلاقی تنزلی میں اضافہ کرتے تھے' علمی اور عقلی سرگرمیاں معطل ہو چکی تھیں' ایسے لگتا تھا جیسے مسلمان معاشرہ "کولڈ سٹوریج" میں چلا گیا ہے۔ فرقہ پرستی اور فرقوں کی تعداد بڑھ گئی تھی جبکہ اسلامی مدارس بند ہو رہے تھے کیونکہ اُن کی سرپرستی کی بجائے مسلمان حکمران اور نواب طوائفوں اور مجُرموں پر دولت لٹانا بہتر خیال کرتے تھے۔ اس دور میں کوئی قابل ذکر عمارت تعمیر نہیں ہوئی بلکہ پرانی عمارات کی بھی دیکھ بھال ختم ہو گئی تھی۔ پورے ھندوستان میں تخلیقی سوتے خشک ہو چکے تھے' زیادہ سے زیادہ انحطاط اور زوال کی شاعری ہو رہی تھی' گل وبلبل اور شمع وپروانہ کی داستانیں لکھی جارہی تھیں' شطرنج اور جوا عام ہو چکا تھا' مسخرے اور بہروپیے اصلی بہادروں کی نقلیں اتار کر لوگوں کو خوش کرتے تھے' جو کام پہلے چار

Marfat.com

دیواری کے پیچھے ہوتے تھے اب سر بازار ہونے لگے تھے اور کسی کو حیا دامن گیر نہیں ہوتی تھی۔ "ہمت، حوصلہ، لیاقت، وفاداری وغیرہ خوبیاں اب بھی موجود تھیں لیکن انہیں منفی مقاصد اور تخریبی مہموں میں ضائع کیا جا رہا تھا" (وی۔ اے۔ سمتھ)۔ انگریز جو تاجروں کی ایک مختصر جماعت بن کر آئے تھے اور جن کے پاس کاروبار کی حفاظت کے لئے کبھی صرف چند سو محافظ ہوتے تھے، مسلمانوں کی باہمی عداوتوں اور عیش کوشیوں کے نتیجے میں، اب (دور اکبر شاہ ثانی میں) ایک لاکھ نوے ہزار مضبوط سپاہ کے مالک تھے جو ملک کے کسی بھی کونے سے بغاوت کو کچل سکتی تھی۔

رعیّت کی بیٹیوں کی آبرو سے کھیلنے والے عیّاش اور بے غیرت حکمران

دہلی کے لال قلعہ میں مغل بادشاہ محض ایک نمائشی حکمران تھا کیونکہ اب ہندوستان میں مغل بادشاہ کا نام سکوں پر کندہ ہونا موقوف ہو چکا تھا بلکہ انگریز کا سکہ چلنے لگا تھا۔ ایک بے اختیار بادشاہ سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ مسلمان معاشرے کو انحطاط کی دلدل سے نکالنے کے لئے کوئی قدم اٹھائے گا، وہ تو خود انگریزی وظیفے کا محتاج اور اس کا اپنا خانوادہ اُسکے قابو میں نہ تھا، لے دے کے بعض ریاستوں کے مالدار مسلمان حکمران اور خوشحال نواب رہ گئے تھے جن سے اصلاح و ترقی کی امید وابستہ کی جا سکتی تھی لیکن یہ نواب دہلی کے شہزادوں سے بھی زیادہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو چکے تھے، بلکہ جب سے مغل سلطنت کی کمزوری کے بعد صوبوں کی مرکز گریز خود مختاری کا رواج شروع ہوا تھا، یہی خرابیاں دکھائی دے رہی تھیں، دکن ہو، بنگال ہو، اودھ ہو یا پنجاب یا سندھ ہر جگہ مسلمان نوابوں اور رئیسوں کا یہی شعار تھا۔ اسی لئے تو یہ ریاستیں اور علاقے رفتہ رفتہ قہر خداوندی

Marfat.com

(کبھی بصورت مرہٹہ، کبھی بصورت فرنگ اور کبھی بصورت سکھا شاہی) اور عتابِ الٰہی کا نشانہ بنیں اور کوئی اِن کے عبرتناک انجام پر اشک بہانے والا نہ ہوا' چند مثالوں پر اکتفا کریں گے:

بنگال کے شجاع الدولہ کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ سخت عورت پرست اور عیاش تھا اور جب نفسانی خواہش قابو سے باہر ہو جاتی تھی تو دفتر یا دربار سے اُٹھکر ایک خاص کمرے میں چلا جاتا تھا جہاں اسکی تسکین کا سامان پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ بنگال کے نواب علی ویردی خان کا رشتہ دار اور اڑیسہ کا نواب صولت جنگ اسقدر عیاش نوجوان تھا کہ مالدار اور اہل ثروت لوگوں کے گھروں میں اپنے سپاہی بھیج کر اُن کی حسین و جمیل عورتوں کو زبردستی اٹھوا لیتا تھا' چنانچہ "ہر اہلِ زر اس سے خوف زدہ رہنے لگا اور ہر حسین عورت ڈرنے لگی' جو عورت بھی خوبصورت نظر آتی یا اس کے خدوخال پرکشش ہوتے یا اس کی جلدِ ہی چکنی اور سفید ہوتی اس کو فوراً کسی نہ کسی حیلے سے طلب کیا جاتا۔۔۔" (سیر المتاخرین۔۔ طباطبائی)۔ اسی طرح بنگال کے علاقے مرشد آباد کا نواب زادہ شہامت جنگ نوازش علی خان جسے بہت رسوخ حاصل تھا' اسقدر عیاش تھا کہ شب و روز ایک نئی عورت کی تلاش میں رہتا تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی بیوی گھسیٹی بیگم بھی خوبرو نوجوانوں کو محل میں مدعو کرنے لگی "حتیٰ کہ شہر کی سڑکوں پر خوبصورت نوجوانوں کا چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تھا" (طباطبائی)

نواب سراج الدولہ آف بنگال (جس پر انگریزوں نے "بلیک ہول" کا الزام چسپاں کیا تھا) کے پرائیوٹ اور پبلک معاملات بھی صاف ستھرے نہ تھے' جب تک اقتدار برقرار تھا "اس کے دل میں کبھی اپنے ہاتھ اور زبان کو لوگوں پر ظلم و جبر سے باز رکھنے کا خیال نہیں آیا تھا" (طباطبائی)۔ جب وہ جنگ پلاسی میں شکست کے بعد فرار ہوا تو اسکے قافلے میں کئی رتھ اُسکی "منظور نظر خواتین" سے بھرے ہوئے تھے' ایک الگ گاڑی میں اُسکی منظور نظر داشتہ لطف النسا بیٹھی تھی۔ جب سراج الدولہ گرفتار ہوا تو اسکی عورتوں کو میر جعفر اور اُسکے آدمیوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ نواب میر جعفر غدارِ ملت تو تھا ہی' پرلے درجے کا عیاش اور

Marfat.com

رقص و سرود کا رسیا تھا۔ جب سراج الدولہ کو گرفتار کر کے اُسکے پاس لایا گیا تو وہ بھنگ پی کر سویا ہوا تھا۔ لمبے سفر میں وہ رقص و سرود سے محظوظ ہونے کے لئے گانے اور ناچنے والی طوائفوں کی ایک کھیپ اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ طبا طبائی کے مطابق اس کے حرم میں ایک سو عورتیں تھیں، بنگال جیسے امیر صوبے کا خزانہ اُس نے زیادہ تر انہی پر لٹایا۔ اُس کا بیٹا "میرن" باپ سے بڑھکر عیاش تھا اور ساتھ بد اخلاق اور اذیت پسند بھی تھا۔ ایک ہندو "چونی لال" کے سپرد خزانہ سمیت تمام امور کر رکھے تھے۔ فلپ وڈروف نے اپنی تصنیف "دی مین ھُو رولڈ انڈیا" (The Men who ruled India) میں ایک بنگالی نواب کی زندگی کا ایک عام دِن یوں بیان کیا ہے: "صبح کے سات بجے دربان دروازہ کھولتا ہے اور برآمدے میں اسکے خدام، چپراسی، ھرکارے، چوبدار، حقہ بردار، خانسامے، عرضی نویس اور سائلین جمع ھو جاتے ھیں، آٹھ بجے ھیڈ بیرا اور جمعدار ہال کمرے میں اور پھر اسکی خوابگاہ میں داخل ھوتے ھیں، ایک عورت اُسکے پہلو سے اٹھتی ہے اور ایک خفیہ سیڑھی کے ذریعے دوسری طرف چلی جاتی ہے، جیسے ھی آقا اپنی ٹانگیں بستر سے باہر نکالتا ہے، وہ تمام فوج جو وہاں جمع ھوتی ہے اسکی طرف لپکتی ہے، ھر شخص اُسکے کمرے میں تین سلام کرتا ہے، پہلے اپنے جسم اور سر کو بہت نیچے کی طرف جھکاتا ہے، پھر انگلیوں کا نچلا حصہ پیشانی پر رکھتا ہے اور ہاتھ کی پشت سے فرش کو چھوتا ہے۔ نواب صاحب بے اعتنائی کے ساتھ اشارے سے یا سر ہلا کر اُن کی طرف نظر ڈالتے ھیں۔ کسی قسم کے تردّد یا کاوش کے بغیر وہ لباس بدلتا ہے جیسے کوئی مجسمہ ہو، ناشتہ کے خاص کمرے میں چائے اور توس لے جائے جاتے ہیں، اس دوران جبکہ آقا کھاتا، پیتا یا حقہ پیتا ہے، حجام اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ وہ اپنے ایجنٹ اور دوسرے ملاقاتیوں سے باتیں کرتا ہے، اگر سائلین میں سے کوئی اہمیت رکھتا ہے تو اُسے کرسی سے نوازا جاتا ہے۔ یہ رسمیں دس بجے تک جاری رھتی ہیں، تب اپنے جاہ و حشم کے ساتھ وہ پالکی کی طرف بڑھتا ہے جسکے آگے آگے آٹھ سے بارہ چوبدار، ھرکارے اور چپراسی چلتے ہیں۔

Marfat.com

دن کے دو بجے وہ کھانے کے لئے بیٹھتا ہے اور جیسے ہی شراب کا دور شروع ہوتا ہے' عورتوں کی موجودگی کے باوجود' حقہ بردار داخل ہوتے ھیں' ہر ایک کے پاس ایک حقہ ہوتا ہے جس کی نے آقا کو پیش کی جاتی ہے جبکہ اس دوران وہ برابر حقے کی آگ دہکاتے رہتے ہیں۔ چار بجے ماحضر ختم ھوتا ہے تو وہ اپنے کمرہ خواب میں چلا جاتا ہے جہاں فوری طور پر نوکر اُسکے کپڑے اتار دیتے ہیں اور وہ اپنے بستر میں پڑا سوتا ہے یہاں تک کہ رات کے آٹھ بجتے ہیں جب پھر وہی صبح والی کاروائی دھرائی جاتی ہے۔ چائے کے بعد وہ ایک خوبصورت کوٹ پہنتا ہے اور زنان خانے میں رسمی طور پر داخل ھوتا ہے جہاں سے دس بجے واپسی ہوتی ہے' رات کا کھانا دس بجے لگ جاتا ہے۔ مجلس رات کے بارہ ایک بجے تک جاری رہتی ہے اور جب محفل برخواست ہوتی ہے تو نواب صاحب کو خوابگاہ لے جایا جاتا ہے جہاں ایک خوبصورت عورت صبح سات آٹھ بجے تک اُسے خوش کرنے کے لئے موجود اور منتظر ہوتی ہے"

"طوائف کلچر" کی بستی اور قہر آسمانی کو دعوت!

اودھ (لکھنو) کے نوابوں کی عیش پرستیاں ضرب المثل بن چکی ہیں' اودھ میں خود مختار نوابی کا آغاز خانِ دوراں شجاع الدولہ نے کیا تھا جو نسلاً اور مسلکاً ایرانی تھا۔ قدرت نے عصیاں کاریوں کی بھی ایک حد مقرر کر رکھی ہے جو انسان کو نظر نہیں آتی' جب یہ حد عبور کی جاتی ہے تو پھر عقوبت کا کوڑا برستا ہے۔ اودھ کی ریاست کے مرکز لکھنؤ کے کلچر کو (جو نوابی دور میں تھا) ہمارے ادیب عموماً "مشرقی تمدن کا نمونہ" قرار دیتے ہیں' جب اس "تمدن" کی "برکتوں" سے لکھنؤ ایک بہت بڑا "قحبہ خانہ" بن گیا اور آخری نواب واجد علی شاہ نے عیش و عشرت کے جو متنوع انداز ایجاد ہو سکتے تھے' ایجاد کر لئے تو پھر سزا کے لئے سات سمندر پار سے فرنگی بھیج دیئے گئے جو بے شک ظالم تھے (اور قدرت ہمیشہ ظالموں سے ہی سزا دلوایا کرتی ہے) لیکن محنتی تھے۔ لکھنؤ میں جس کلچر نے فروغ پایا اُس کا مرکزی نقطہ

Marfat.com

"رنڈی" تھا جو امراً و جان ادا بن کر رئیس زادوں اور نوابوں کی تربیت کرتی تھی اسی لئے ہندوستان میں لکھنؤ کی مشہوری "طوائفوں کے شہر" کے نام سے ہوئی جہاں بے فکرے نوجوان لڑکے لڑکیاں غزل کی زبان میں گفتگو کرتے تھے' یہ آوارہ بانکوں کا شہر تھا' بٹیروں کی پالی کا شہر تھا' جو مسلم معاشرے کے اخلاقی انحطاط کی انتہا کو ظاہر کرتا تھا۔ اس انحطاط کو ہمارے ادیبوں نے "مشرقی تمدن" کا چمکیلا نمونہ قرار دیا ہے۔ "اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا"۔ شجاع الدولہ کے دور میں ملک (اودھ) خوشحال تھا' خزانہ پر تھا اور کسی بیرونی حملے یا اندرونی بغاوت کا خطرہ نہ تھا کیونکہ انتظام والفرام کے لئے انگریزی فوج کا ایک بریگیڈ اور دربار میں انگریز ریذیڈنٹ موجود تھا۔ اس لئے ملک چلانے کے لئے جو توانائی استعمال ہونی تھی وہ "شاہد بازی" اور اس قسم کی دیگر "بازیوں" پر صرف ہونے لگی۔ امرأ کی دیکھا دیکھی رعیت نے بھی عیش و نشاط کو حاصلِ زندگی سمجھ لیا' چنانچہ طوائف وہاں تہذیب کی علامت ٹھہری۔ امرأ اور شرفا کی حیثیت کی پہچان دیوان خانے کی چاندنی' گاؤ تکیوں' اگالدانوں اور خاصدانوں اور دیگر سامانِ زینت کے علاوہ ان کے ساتھ وابستہ طوائف سے ہوتی تھی' اس طرح معاشرے میں مردانگی' گنوارپن اور "نسائیت" عین تہذیب قرار پائی' یہاں تک کہ لکھنوی شعرا (انشأ وغیرہ) نے طوائفوں کی زبان میں شعر کہے اور "کوٹھے" کی بولی کو معیار قرار دیا۔ "ریختی" میں شاعری کرنے والے ان شعرأ نے ایسی فحاشی کو غزلوں میں رواج دیا جسے عورتوں کی پرائیویٹ مجلس کی گفتگو کہا جا سکتا ہے اور جسے سننا بالغ لڑکوں کے لئے ممنوع ہوتا ہے۔ نواب واجد علی شاہ نے خوبصورت اور کم سن عورتوں پر مشتمل ایک زنانہ فوج تیار کی تھی جس کی پلٹنوں کے نام' "اختری" اور "نادری" وغیرہ تھے اور یہ سب کام انگریز ریذیڈنٹ کے سامنے ہو رہے تھے۔ خوشحالی نے زندگی کے متعلق لذت پرستانہ فلسفے کو جنم دیا اور سب لوگ عیش و عشرت میں غرق ہو گئے۔ عیاشی کی یہ حالت تھی کہ اودھ کے غرقِ لذت نوابوں کی عورتوں کی تعداد ایسے گنوائی جاتی تھی جیسے

Marfat.com

شاہی اصطبل میں گھوڑیاں شمار کی جاتی تھیں، چھوٹی سی مثال ہے کہ نواب شجاع الدولہ کے وسیع و عریض حرم میں ستائیس سو سے زیادہ عورتیں تھیں۔ جن میں سے دو ہزار خواصیں اور باقی بیگمات کہلاتی تھیں، اب معلوم نہیں اسلام کی کونسی فقہ سے عورتوں کی اس تعداد کا جواز نکلتا تھا؟ کم از کم اسلام کے دو بڑے فرقوں سنی اور شیعہ کے مطابق چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت عقد میں نہیں لائی جاسکتیں۔ حرم کی اِن عورتوں کے علاوہ طوائفوں کی ایک بڑی تعداد بھی اِن نواب صاحب کے لئے مخصوص تھی، خدا جانے وہ اِن ہزاروں عورتوں کا کیا کرتے تھے، رجب علی بیگ "فسانہ عبرت" میں لکھتے ہیں "سترہ سو جلسے والیاں، نادرہ زمانہ، شہرہ آفاق، محبوبی میں طاق ملازم تھیں، بارہ سو چست و چالاک، بے باک، فنِ موسیقی میں یکتا، جانِ دلبری، سراپا ناز ان کے علاوہ ہزاروں رنڈیاں، جوبن کی متوالیاں، ماہ سیما، رشکِ مہر، کمسن، جن کے امنگ کے دِن، پری رو حاضر۔۔۔" (حوالہ 'اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ ڈاکٹر سلیم اختر)

جنسی ھوسناکیوں کی تسکین کے لئے تونت نئے طریقے ڈھونڈے ہی جاتے تھے، شہوتِ شکم کو فرو کرنے میں بھی حظ و لذت کے نئے سے نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے، جہاں مانگ ہوتی ہے وہاں مانگ پوری کرنے والے بھی آجاتے ہیں، یہ معاشیات کا بنیادی اصول ہے۔ لکھنؤ کے نواب نصیر الدین حیدر کا ایک خانساماں بادام کے چاول تراشتا اور پستے کی دال تیار کرتا تھا، پھر ان سے اسقدر نفیس کھچڑی پکاتا جو بظاہر ماش کی کھچڑی معلوم ہوتی لیکن ذائقہ کچھ اور ہوتا کہ زبان مدتوں چٹخارہ لیتی۔ واجد علی شاہ کے باورچی خانے میں جو کمالات تھے اُن کا کوئی جواب ہی نہ تھا، مربے کو کھانے سے قورمہ اور قورمہ کھانے سے فیرنی کا لطف آتا۔ دستر خوان پر چھ مختلف باورچی خانوں سے کھانا آتا تھا جن کے الگ الگ نگران تھے، ایک رکابدار کی ماہانہ تنخواہ آجکل کے ڈیڑھ لاکھ روپے کے برابر ہوتی تھی، یہاں سے باورچی خانوں پر اٹھنے والے اخراجات کی کثرت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یوں قوم کے

Marfat.com

ون پسینے کی کمائی پیٹ اور جنس کی لذتوں پر بے دردی سے ضائع کی جا رہی تھی۔
یعہ مسلک کی بنا پر روحانیت اور تصوف اودھ کے نوابوں کے لئے قابلِ قبول نہ تھے' اس لئے
مرثیہ" سے ہٹ کر جو کچھ شاعروں نے کہا اُس میں کج روی اور جنسی تلذز کے سوا کچھ نہ تھا
یں اخلاقی نکات اور عشق کے پاکیزہ تصور کے لئے گنجائش ہی نہ رہی۔ اسے لکھنویت کہا گیا۔

غداری' بدعت پسندی اور عوامی بے حسی کا دور

' مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے دور کی (اہلِ اسلام کے خلاف) فردِ جرم میں ہمارے
زدیک جو سب سے بھاری اور ناقابلِ معافی جرم تھا وہ "جماعتِ مجاہدین" کے ساتھ اُن کا
سلوک تھا جسکی وجہ سے سید احمد شہیدؒ کی یہ عظیم الشان تحریکِ جہاد ناکام ہو گئی' اِس مصنف کا
یہ خیال ہے کہ 1857ء میں بر صغیر کے مسلمانوں کے ساتھ جو بیتی وہ مکافات تھی اُس
طرزِ عمل اور سلوک کی جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی مثل مجاہدین کی اس جماعت کی
جدوجہد کے ساتھ روا رکھا گیا۔ بر صغیر کی جماعتِ مجاہدین جس میں قائد سید احمد بریلویؒ کے
علاوہ سید محمد اسمٰعیلؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولوی عبدالغنیؒ، مولوی محمد علیؒ رام پوری اور
مفتی الٰہی بخشؒ جیسے عظیم عالم اور مجاہد شامل تھے' کی سرگرمیوں کے دو دائرے تھے۔ ایک یہ
تھا کہ بر صغیر کے مسلمان دورِ زوال میں جن مشرکانہ رسوم اور بدعتوں میں مبتلا تھے انہیں اُن
سے نکال کر اسلام کے سیدھے اور صاف راستے پر ڈالنا' دوسرے ان قوتوں کو للکارنا اور اُن
کے خلاف جہاد کرنا جو بر صغیر میں مسلمانوں کو وجود کو مٹانے کے لئے سرگرم تھیں، خصوصاً
سکھ اور انگریز جو اُس وقت سیاسی اور مذہبی دونوں محاذوں پر مسلمانوں کو کچل رہے تھے۔
پہلے مقصد کے حصول کے لئے سید صاحب کے خیالات و افکار پر مشتمل ایک کتابچہ
سید اسماعیل شہیدؒ نے مرتب و شائع کیا تھا' اس کتابچہ کا نام "صراط مستقیم" ہے' اسکے علاوہ

Marfat.com

قریروں اور مواعظ سے بھی مسلمانوں کو اِن گمراہیوں اور بدعتوں سے خبردار کیا جاتا تھا۔ اُس وقت اِس قسم کی غیر اسلامی رسمیں، خرافات اور بدعات عام رائج تھیں: قبروں پر سجدہ اور منت مرادیں، اولیا اللہ کی نذرو نیاز کے لمبے سلسلے۔ بیاہ شادی اور ختنے کے موقع پر دھوم دھام اور فضول خرچی، چالیسویں کی رسومات، ممانعت نکاح بیوگان، تجہیز و تکفین کی ہندوانہ رسمیں اور دیگر بدعات۔ (تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ یہ گمراہ کن رسومات آج بھی موجود ہیں) سکھوں نے پنجاب میں اودھم مچا رکھا تھا، رنجیت سنگھ نے لاہور کی بادشاہی مسجد میں گھوڑے باندھنے شروع کر دیئے تھے۔ سکھوں کے خلاف اٹھنے کی بجائے کئی سرکردہ مسلمان اُن کے دست و بازو بنے ہوئے تھے، خصوصاً لاہور کا "فقیر" خاندان رنجیت سنگھ حکومت میں بہت اہم عہدوں پر فائز تھا، انگریزوں کے زیر تسلط علاقوں میں پادری، مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مہم پر نکل کھڑے تھے، اس سلسلے میں سرکاری سرپرستی میں لالچ اور جبر سے تبدیلیٔ مذہب کے لئے کام جاری تھا۔ یہ وہ اسلام کش اور دین دشمن ماحول تھا جس میں سر پر کفن باندھ کر شمالی ھند سے مجاہدین کی یہ چھوٹی سی جماعت نکلی اور سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے مجاہدین بھرتی کرنے کے لئے ملک کے کونے کونے میں پھری، پنجاب، سندھ اور سرحد کے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت آباد تھی، جماعت کے لوگ اِن علاقوں میں ایک ایک بڑے رئیس اور سردار کے پاس گئے اُن سے جہاد کے لئے تعاون کی درخواست کی، لیکن تعاون کی بجائے اِن سرداروں اور زمینداروں کی اکثریت نے اُن کی راہ میں کانٹے بچھائے، ان پڑھ ملاؤں سے اُن کے خلاف کفر کے فتوے جاری کرائے گئے، خصوصاً پٹھانوں کے علاقے صوبہ سرحد میں تو اُن کے خلاف باقاعدہ جنگ کی گئی، لیکن اپنی معمولی تعداد کے باوجود قوت ایمانی کے بل بوتے پر مجاہدین کامیاب ہوتے رہے۔ اِن لڑائیوں میں مجاہدین کا بہت نقصان ہوا، کہیں سے مالی امداد نہیں ملتی تھی، فاقہ کش مجاہدین مجبور ہو کر کئی دِن درختوں کے پتے اُبال کر کھاتے، جن دیہات سے وہ گزرتے وہاں کے لوگ اُن پر پیچھے

Marfat.com

سے حملہ کر دیتے۔ یہ سب کچھ ان چند سو مجاہدین کے ساتھ مسلمانوں کے اپنے علاقے میں ہو رہا تھا۔ پشاور میں پٹھان سردار یار محمد خان سکھوں اور انگریزوں سے زیادہ سید احمد بریلویؒ کا دشمن تھا اور رنجیت سنگھ کو مجاہدین کی سرگرمیوں کی اطلاعیں دیتا رہتا تھا۔ یار محمد خان کے علاوہ بھی کئی پٹھان سردار اور پنجابی زمیندار مجاہدین کے خلاف جاسوسی کرتے تھے۔ 1830ء میں مجاہدین نے پشاور فتح کر لیا۔ اُس وقت پشاور شہر میں بھنگ' چرس اور افیون کی دکانیں عام تھیں' جو بند کر دی گئیں' شراب کی بھٹیاں اور شراب فروش ناپید ہو گئے۔ شہر میں ہزاروں کسبیاں اور فاحشہ عورتیں تھیں جو فرار ہو گئیں۔ جماعتِ مجاہدین کا بڑا نشانہ سکھ تھے' جس کی وجہ سید احمد بریلویؒ کے ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا: ''سکھ قوم عرصے سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی' انھوں نے ہزاروں مسلمانوں کو بلا قصور شہید کیا ہے اور ہزاروں کو ذلیل کیا ہے' مسجدوں میں نماز کے لئے اذان دینے کی اجازت نہیں اور ذبیحہ گاؤ کی قطعی ممانعت ہے''۔

سکھوں کے ساتھ جماعت مجاہدین کی کئی جھڑپیں ہوئیں جن میں عموماً مجاہدین ہی کامیاب رہے' جہاں جہاں بھی مجاہدین نے فتح حاصل کی وہاں شریعت نافذ کی' تاہم افسوس کہ کھاتے پیتے مسلمانوں' گدی نشینوں اور سرداروں وغیرہ نے مجاہدین کے مشن کو تباہی سے ہمکنار کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی' برفباری ہو رہی تھی اور مقامی مسلمان سردار مجاہدین کو مکانوں میں پناہ دینے سے انکار کر دیتے تھے اور عام لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ پشاور میں سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی اور دیگر اصحاب کو پٹھانوں نے قتل کر دیا۔ اسکے بعد یہ سازش کی گئی کہ جسقدر مجاہدین ملکی وانتظامی امور اور دینی تبلیغ کے لئے پشاور کے باہر مختلف دیہات میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں ایک ہی رات قتل کر دیا جائے' اس مقصد کے لئے سازشیوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق شام کے وقت اُن دیہات میں نقارے

Marfat.com

بجا دیئے اور اونچے مکانوں پر آگ جلائی گئی، عین عشاء کی نماز کے وقت ہر گاؤں میں مجاہدین کا قتلِ عام شروع ہوا، کوئی سجدے میں، کوئی رکوع کی حالت میں اور کوئی قیام میں شہید ہوا۔ "یہ مردانِ خدا جو انتخاب ملک ہندوستان کے تھے، مثل گائے اور بکریوں کے ظالموں کے ہاتھ سے ذبح کیے گئے" (شیخ محمد اکرام)۔ چنانچہ جماعتِ مجاہدین نے مایوس ہو کر صوبہ سرحد سے ہجرت کی اور کشمیر کی طرف چلے، جماعت کی عددی طاقت بہت کمزور ہو چکی تھی لیکن ایمان پہلے کی طرح مضبوط تھے۔ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے ٹڈی دل لشکر نے مجاہدین کی اس مختصر جماعت کو چاروں طرف سے گھیر لیا، بالاکوٹ کی مسلمان آبادی اس معرکہ حق و باطل میں، مجاہدین کا ساتھ دینے کی بجائے شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلی گئی اور وہ لڑائی کے نتیجہ کے منتظر رہے۔ سید احمد صاحب اور اُن کے تمام سر کردہ ساتھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ 1831ء کا واقعہ ہے، یوں جماعتِ مجاہدین کی یہ تحریک اپنی قوم کی غداری اور دشمنوں کی عیاری اور سفاک مکاری کے نتیجے میں ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی بر صغیر میں چلنے والی احیائے اسلام کی جاندار کوششوں کا باب بند ہو گیا، بعد میں اگرچہ کچھ تحریکیں چلیں لیکن اُن کا رخ احیائے اسلام سے زیادہ فرنگی غلامی سے آزادی کے عمومی نصب العین کی طرف تھا اور اِن تحریکوں کو انگریزوں نے روایتی سختی اور حیلہ گری سے دبا دیا۔ چونکہ دہلی میں مسلمانوں کا ایک بادشاہ موجود تھا (خواہ برائے نام ہی سہی) اس لئے انحطاط و اضمحلال کی اس ساری حالت کے باوجود مسلمان بر صغیر میں بالکل بے دست و پا نہیں ہوئے تھے اور اُن کے اندر خود اعتمادی اور قومی خودداری کی کچھ رمق موجود تھی، لیکن جب انہیں 1857ء کے ہنگامے کی مہلک ضرب لگی تو وہ کمزوری اور خستہ حالی کے مرحلے سے گزر کر بے جان ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی سر زمین ہی تنگ ہو گئی۔

Marfat.com

انحطاط کی انتہا ۔ آخری مغل بادشاہ

1837ء اکبر شاہ ثانی کے انتقال کے بعد آخری مغل بادشاہ، سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوا، بیس سال بعد 1857ء میں اِس آخری مغل بادشاہ کی "حکومت" کا چراغ بھی گُل ہو گیا۔ اِس بِست سالہ دور میں بادشاہ کا زیادہ تر وقت انگریز ریذیڈنٹ کے ساتھ دو ذاتی مسئلوں پر خط و کتابت اور بحث و تکرار میں گزرا، ایک ولی عہد کی نامزدگی کا مسئلہ (انگریز جس شہزادے کو ولی عہد بنانا چاہتے تھے، بادشاہ اُس سے متفق نہ تھے) دوسرا وظیفہ (پنشن) میں اضافے کا مسئلہ، بادشاہ کو انگریزوں کی طرف سے جو سالانہ گرانٹ ملتی تھی، وہ اس قدر کم تھی کہ لال قلعہ کا انتظام و انصرام مشکل سے چلتا تھا للذا بادشاہ سلامت کے دستر خوان پر عموماً دال ہی پکا کرتی تھی۔ اختیارات کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ لال قلعہ کی اندرونی حدود میں بھی بادشاہ کو بعض اقدامات انگریز ریذیڈنٹ کی اجازت سے کرنے پڑتے تھے، "لیکن اس تمام نمائش کے باوجود، مغل بادشاہ کا نام ہندوستان کے عوام اور شہزادوں کے ذہن پر زندہ اثرات رکھتا تھا، تھوڑا عرصہ پہلے تک ہندوستانی سکے پر مغل بادشاہ کا نام ہی کندہ ہوا کرتا تھا اور ہندوستان کے راجوں اور نوابوں کے نزدیک بادشاہ کے محض سائے کی طرف سے سندِ قبولیت برطانوی حکومت کی طرف سے تسلیم کیے جانے کی نسبت زیادہ اہمیت کی حامل تھی" (انڈین میوٹنی۔ سر جان کئی) جب بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوا تو وہ پہلے ہی ایک عمر رسیدہ، کمزور، اور ضعیف شخص تھا، نظر کمزور تھی، آداب والقاب پر جائیں تو وہ "جہاں پناہ"، "ظلِ سبحانی"، "شہنشاہِ ہند" اور نجانے کیا کیا تھے، لیکن در حقیقت محض ایک غیر ملکی کمپنی کے وظیفہ خوار تھے اور محدود آمدنی میں نہایت عسرت اور تنگی کے ساتھ گزر بسر ہوتی تھی، دوسری طرف لال قلعہ جہاں بادشاہ اور اُس کا وسیع خاندان آباد تھا، ایک ایسی دنیا تھی جہاں کوئی قاعدہ قانون نہ تھا، شاہزادوں کو حقیقت کی تلخیوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑتا تھا۔ یہ

Marfat.com

قلعہ اپنی جگہ ایک شہر تھا' وہاں جرائم اور زیادتیاں ہوتی تھیں لیکن پوچھنے والا نہ تھا' شاہی خاندان کے ارکان ست' نکمے اور دن رات عیاشیوں کے بہانے اور ٹھکانے ڈھونڈتے تھے۔ قلعہ کے پیچ در پیچ کونوں کھدروں میں بڑے بھیانک واقعات ہوتے تھے لیکن بیرونی دنیا کو ان کی ہوا تک نہیں لگتی تھی۔ عورتوں کی عصمت دری قلعہ کی دیواروں کے پیچھے عام ہوتی تھی' بعض اوقات ان عورتوں کو قتل کر کے وہیں دفن کر دیا جاتا تھا' رعیّت ان تمام گھناؤنے واقعات سے بے خبر ہوتی تھی' انگریز کا قانون قلعہ کی حدود میں نافذ العمل نہیں تھا۔ بادشاہ کو اِن معاملات کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ تھی' بہادر شاہ طبعاً کنجوس تھا' اسکے علاوہ خاندان کے افراد میں آئے دِن اضافہ سے اسکے مالی مسائل بڑھ چکے تھے۔ بادشاہ کے وسائل کچھ اس طرح تھے کہ اُسے برطانوی کمپنی کی طرف سے ماہانہ ایک لاکھ روپے ملتے تھے' علاوہ ازیں اُسے ڈیڑھ لاکھ روپے دہلی کے نواح میں بادشاہ کی ملکیتی زمینوں کی آمدن سے ملتے تھے' اور دہلی شہر میں بادشاہی خاندان کے مکانات کے کرائے سے بھی معقول رقم حاصل ہوتی تھی'۔ اس آمدن سے شاہی خاندان کے افراد اور شہزادوں کے علاوہ بے شمار متوسلین اور نوکروں چاکروں کی فوج کے اخراجات پورے کرنے پڑتے تھے' ظاہر ہے کہ شاہانہ اخراجات کے مقابلے میں آمدن کم تھی'۔ ساٹھ ستر سال کی عمر میں بادشاہ نے ایک نوجوان بیوی کر لی تھی۔ 1857ء کے سانحہ میں اِس خاتون' زینت محل کا بھی ایک افسوسناک کردار ہے۔ ملکہ زینت محل سے ایک لڑکا ہوا تھا۔ یہ لڑکا بادشاہ کو اپنی نئی اور جوان ملکہ کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی پیارا تھا' ملکہ زینت محل کی ہر ممکن کوشش تھی کہ اُسے ولی عہد قرار دیا جائے' چونکہ ولی عہد کی منظوری بھی اب ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقرر کردہ گورنر جنرل دیتا تھا' اس لئے اس معاملے میں لال قلعہ اور انگریز ریذیڈنٹ کے درمیان خوب خط و کتابت ہوئی' تاہم کمپنی اس معاملے پر لال قلعہ سے متفق معلوم نہ ہوتی تھی' روایت یہ ہے کہ زینت محل کے بیٹے شہزادہ جواں بخت کو ولی عہدی پر فائز کرانے کے لئے محل میں ایک منصوبہ تیار ہوا جس کے

Marfat.com

بخت موجود امیدواروں (بادشاہ کی بڑی اولاد) کو راستے سے اِس طرح ہٹانا تھا کہ باہر کسی قسم کا گمان نہ ہو سکے۔

کہانی اس طرح ہے کہ 1849ء میں ولی عہد نامزد' بڑا شہزادہ دارا بخت اچانک انتقال کر گیا' یہ موت انتہائی غیر فطری انداز اور مشکوک حالات میں ہوئی تھی۔ اُس وقت بہادر شاہ کی عمر ستر سال تھی۔ دارا بخت کے بعد سنیارٹی کی ترتیب کے اعتبار سے تیس سالہ شہزادے مرزا فخرو کی ولی عہدی کی باری تھی' یہ شہزادہ ذرا آزاد خیال اور تیز طبع تھا' انگریزوں نے اپنے طور پر اس شہزادے کی بطور ولی عہد منظوری لال قلعہ بھیج دی' لیکن بادشاہ اور ملکہ زینت محل نے اس نامزدگی پر شدید احتجاج کیا اور اپنے گیارہ سالہ (کم سن) بیٹے جواں بخت کی جانشینی پر اصرار کیا۔ اس سلسلے میں ایک روایت جو بظاہر ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے' یہ بیان کی جاتی ہے کہ مغلیہ خاندان میں لڑکوں کا ختنہ کرانے کی رسم ایک عرصہ سے موقوف چلی آرہی تھی' لیکن بعض طبّی اور جسمانی ضروریات کے تحت شہزادہ مرزا فخرو کو مختون کیا گیا تھا' اب لال قلعہ سے انگریزوں کو شہزادہ مرزا فخرو کی نامزدگی کے خلاف جو تحریری اعتراض بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ مغلیہ خاندان میں کوئی ایسا فرد تخت نشینی کا اہل نہیں ہوتا جس کے جسم کا کوئی عضو کٹا ہو اور چونکہ شہزادہ مرزا فخرو مختون ہے لہٰذا وہ جانشینی کے لائق نہیں۔ تاہم اِن اعتراضات کے باوجود مرزا فخرو کی ولی عہدی برقرار رہی' اچانک یہ شہزادہ بھی ایک دِن انتقال کر گیا' شبہ یہ تھا کہ اُسے زہر دیا گیا تھا کیونکہ کھانا کھانے کے بعد اُسے قے کا شدید دورہ بھی پڑا تھا۔ یہ واقعہ جولائی 1856ء کا ہے۔ اس طرح اس شہزادے کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ ھونا یہ چاہیئے تھا کہ اِس واقعہ پر محل بھر میں کئی روز تک سوگ منایا جاتا' لیکن اگلے روز جب انگریز ریذیڈنٹ' تھامس مٹکاف لال قلعہ میں تعزیت کے لئے پہنچا تو بادشاہ نے اُسکے ہاتھ میں ایک کاغذ تھما دیا جس میں ایک بار پھر شہزادہ جواں بخت کی بطور ولی عہد نامزدگی پر اصرار کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی محل کے دوسرے شہزادوں کی طرف سے ایک

Marfat.com

دستاویز انگریز ریذیڈنٹ کے حوالے کی گئی جس پر آٹھ شہزادوں کے جعلی دستخط تھے اور جس میں کہا گیا تھا کہ چونکہ "زینت محل کا بیٹا' عقل و خرد' لیاقت' علمیت اور پرورش کے اعلیٰ اوصاف سے متصف ہے' لہٰذا اُسے ولی عہد نامزد کیا جائے" تاہم ان میں سے سب سے بڑے شہزادہ قویاش نے اگلے روز اپنی ایک الگ درخواست انگریزوں کے حوالے کی اور کہا کہ دوسرے شہزادوں کو چونکہ بادشاہ اور ملکہ نے رشوت اور لالچ دے کر خرید لیا ہے اس لئے وہ اپنے حقوق سے دستبردار ہوئے ہیں' جبکہ وہ ولی عہدی کو اپنا جائز حق سمجھتا ہے اس لئے اُسے نامزد کیا جائے۔ جھگڑے نے طول کھینچا تو انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ جو جانشین ہو گا اُسے بادشاہ کی بجائے "شہزادہ" کہا جائے گا اور یہ کہ شہزادہ قویاش کو ہی بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی موت کے بعد خاندان کا سربراہ مانا جائے گا۔ اس پر لال قلعہ میں زینت محل نے بہت واویلا کیا' شہزادہ جواں بخت کے دل میں انگریزی تسلط کے خلاف نفرت اور شدید ہوئی لیکن بدقسمتی سے شہزادہ جواں بخت میں کردار کی وہ خوبیاں مفقود تھیں جن کی بنا پر آئندہ انگریزوں کے خلاف کسی تحریک یا جدوجہد کی قیادت کی توقع اس سے کی جا سکتی۔ اُسکی تربیت اور پرورش سراسر زنانہ ماحول میں ہوئی تھی' "شمشیر و سناں" کا نام اُس نے رستم و سہراب کی اُن داستانوں میں سنا تھا جو اُسے سُلانے کے لئے رات گئے تک بیان کی جاتی تھیں' عملی طور پر اُس نے کبھی چڑیا بھی نہیں ماری تھی۔

لال قلعہ میں عورت اور غزل کا راج

بوڑھے بہادر شاہ ظفر کی نبض ہر وقت اُسکی جوان ملکہ زینت محل کے ہاتھ میں رہتی تھی' وہ جو سبق دیتی بادشاہ اُس پر چلتے رہتے' یوں لال قلعہ کی چار دیواری تک محدود مغل سلطنت میں بھی اصل اقتدار عورت کو حاصل تھا۔ بادشاہ اُسکے اشاروں پر چلتا تھا۔ افیون لال قلعہ میں مدت سے استعمال ہو رہی تھی' تمام شہزادے اس کے رسیا تھے' تمباکو نوشی بھی

Marfat.com

بہت زیادہ ہوتی تھی' بادشاہ' حقے کی نے اپنے سے علیحدہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ شعر و شاعری کا مشغلہ بھی جاری رہتا' ذوقؔ استاد تھے۔ غالبؔ بھی "مصاحبی" کا دعویٰ کرتے تھے (اگرچہ 1857ء کے ہنگامے کے بعد اس خصوصی تعلق سے انکار کرنے والوں میں وہ بھی شامل تھے)' بہادر شاہ ظفر کی شاعری مصنوعی جذبات کی روکھی پھیکی شاعری ہے' تاہم جلاوطنی کے زمانے کی غزلیات حقیقی کرب کی نشاندہی کرتی ہیں اور عمدہ شاعری کا نمونہ ہیں۔ بڑھاپے میں جوانی کا لطف اٹھانے کے لئے بادشاہ کو ہر وقت طاقت و قوت کی دواؤں کی ضرورت رہتی تھی' حکیم احسن اللہ' شاہی طبیب تھا "یہ حکیم لاجواب تھا اور حکیمانِ وقت میں انتخاب تھا' بادشاہ کی نبض اس کے ہاتھ آئی' اس نے وہ ادویات مقویات بادشاہ کو کھلائیں کہ عہدِ پیری میں نخوت شباب مزاج میں پیدا ہوئی اور وہ مفرحات استعمال میں لایا کہ طبیعت نے کیفیت معاشرت کی دکھلائی" (نتائج المعانی۔ محمود بیگ راحت)۔

لال قلعہ میں شاہی خاندان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا لیکن افسوس کہ اُس دور میں جوانمردی اور قائدانہ صلاحیت کا مالک ایک شہزادہ بھی نہ تھا' 1856ء میں ولی عہدی کے جھگڑے کے موقع پر انگریز ریذیڈنٹ نے شاہی خاندان کے تمام افراد کی ایک جامع فہرست تیار کی تھی' یہ فہرست دو ہزار ایک سو چار افراد پر مشتمل تھی' جبکہ لال قلعہ میں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے اہم اور کم اہم افراد' متوسلین اور خدام کی تعداد کا اندازہ 1857ء میں جب دہلی پر قیامت ٹوٹی دس ہزار لگایا گیا ہے۔ اسی دور میں (ابھی 1857ء کا ہنگامہ برپا نہیں ہوا تھا) بہادر شاہ ظفر کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ وہ اودھ میں مقیم اپنے اقربا میرزا سلیمان شکوہ اور میرزا حیدر شکوہ وغیرہ کے زیر اثر سُنیوں کا عقیدہ ترک کر چکا ہے اور اس سلسلے میں بادشاہ کی صحت یابی کی منت کے طور پر علم بھی چڑھایا گیا۔ غالباً اس چرچا کا ایک سیاسی مقصد شاہِ ایران سے (نواب اودھ کے توسط سے) انگریزوں کے خلاف مدد حاصل کرنا تھا' اور کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں اودھ کا ایک شہزادہ

Marfat.com

بادشاہ کا خط لیکر ایران بھی گیا تھا۔ بہر حال حقائق جو بھی ہوں' بہادر شاہ ظفر نے بڑا اہتمام کر کے اپنے فقہی مسلک میں تبدیلی کی افواہوں کی تردید کی۔

یہ وہ منظر نامہ تھا جس میں 1857ء کا ہنگامہ رستا خیز برپا ہوا اور جس میں وہ وہ دردناک واقعات وحادثات رونما ہوئے کہ چشم فلک نے شاید ہی ایسے واقعات پہلے کبھی دیکھے ہوں۔ ظلم' خونریزی' سفاکی' تعدی اور مسلمان کشی کی یہ انتہا پہلے کب کسی نے دیکھی ہو گی! انگریز انتقامی کاروائی اور قاتلانہ خصلت میں چنگیز' ہلاکو اور پیٹر اعظم وغیرہ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ اس سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "1857ء" کے دیباچہ میں صورت حال پر بالکل صحیح تبصرہ کیا ہے: "اس قومی تحریک کے دبانے کے دوران ہی میں نہیں بلکہ دبا چکنے کے بعد بھی انگریزوں نے اہل ملک پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً جو خوفناک تعدیاں روا رکھیں' ان کی مثال اقوام و امم کی تاریخ میں بہت ہی کم ملیں گی۔ سرگزشتِ انسانیت کا دامن ایسے واقعات سے لبریز ہے جن کا تارو پود خون اور آگ کے سوا کچھ نہیں۔ 1857ء بھی ان چند واقعات میں سے ہے جو خون ریزی' آتش زنی اور تباہ کاری کے لحاظ سے تاریخ عالم میں یگانہ مانے جانے چاہئیں۔۔۔ قوموں کو عروج کے بعد زوال' بلندی کے بعد پستی اور فراز کے بعد نشیب سے سابقہ کیوں پڑتا ہے؟ اس لئے کہ جب معاملات کی باگ دوڑ نا اہلوں اور نالائقوں کے حوالے ہوتی ہے تو وہ اپنی بد عملیوں سے کارگاہ حیات ملی کے تمام کل پرزے بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں' وہ قوموں کے دامن پر سیاہی کے داغ لگاتے جاتے ہیں یہاں تک کہ سفیدی کا نشان بھی باقی نہیں رہتا' پھر قدرت کا قانون مکافات جاری ہوتا ہے۔۔۔"

....

Marfat.com

باب۔14

دہلی۔ تخت گاہ سے قتل گاہ تک

ہنگامہ 1857ء

اپنی کتاب "1857" میں مولانا غلام رسول مہر نے سید ظہیر دہلوی کی زبانی یہ عجیب واقعہ بیان کیا ہے: "میں ہنگامے سے چار پانچ ماہ بیشتر (دہلی کے) بازار پایے والوں میں مولوی عیسیٰ کتب فروش کی دکان پر بیٹھا کتابیں دیکھ رہا تھا۔ یکایک ایک بزرگوار لحیم شحیم' دراز قامت' فربہ اندام' دراز ریش' سیاہ فام کڑ بڑی ڈاڑھی' ساٹھ برس کا سن و سال' ڈھیلا انگرکھا' شرعی پاجامے' گول ٹوپی' ہاتھ میں عصا' گلے میں تسبیح ڈالے ہوئے وارد ہوئے' میں نے اور مولوی عیسیٰ نے تعظیم دی' وہ ایک قرآن مجید لے کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ ایک رکوع پڑھنے کے بعد ان پر حالتِ جذب طاری ہوئی' آنکھیں سرخ ہو گئیں' چہرہ تمتما گیا' گردن کی رگیں پھول گئیں اور حالتِ غیظ میں بازار کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے: 'اے لو' اے لو' وہ مار ڈالا' وہ مار ڈالا' وہ پھانسی دے دیا' وہ پھانسی دے دیا۔ واہ واہ! کیا خوب تماشا ہے! ایک کو ایک مارے ڈالتا ہے' ایک کو ایک پھانسی دے رہا ہے اور کوئی کچھ نہیں کہتا اور مارٹن صاحب بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں'۔ پھر خود ہی فرمانے لگے: بس خاموش رہو' تمہیں کس نے اِذن دیا ہے کہ اسرار الٰہی فاش کرو؟ یہ کہتے ہی گردن جھکا لی اور تلاوت میں مصروف ہو گئے' پھر وہی حالت طاری ہوئی اور وہی باتیں فرمائیں۔ تین مرتبہ کے بعد قرآن مجید کو بوسہ دیا اور میرے حوالے کر دیا' نیز فرمایا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ باہر ملک کی سیر کے لئے نکل جاؤ۔۔"

Marfat.com

1857ء کے خونیں واقعات سے پہلے، کئی بزرگ حالتِ خواب وبیداری میں ان کی جھلک دیکھ چکے تھے، جہاں تک مندرجہ بالا واقعہ کا تعلق ہے، وہ حالتِ بیداری کا تھا، خدا کے نیک بندوں کی طرف سے لوگوں کو آنے والے مصائب سے خبردار کیا جارہا تھا۔ شاہ نعمت اللہ ولی ایک بزرگ کی پیش گوئیوں کا بھی چرچا تھا (اگرچہ یہ منظوم پیش گوئیاں کسی کی اختراع معلوم ہوتی ہیں) بہرحال ہندوستان میں عموماً اور پایہ تخت دہلی کی فضا میں خصوصاً ایک غیر معمولی اضطراب اور ہیجان کی کیفیت (جو کسی بڑے طوفان سے پہلے ہوتی ہے) پیدا ہو چکی تھی اور " ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے درودیوار پیش آنے والے واقعات کی صداؤں سے قبل ازوقت گونجنے لگے تھے" اُس وقت شہر اور قلعے کا عام انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں تھا، کپتان ڈگلس قلعے کے محافظ دستہ کا افسر تھا، سائمن فریزر دہلی کا کمشنر اور مٹکاف سٹی مجسٹریٹ تھا، مٹکاف کچھ عرصہ پہلے رشوت کے ایک کیس میں بھی ملوث رہا تھا، نہایت ظالم اور سنگ دل شخص تھا۔

1857ء کے ہنگامے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مقامی لوگوں کی غیر ملکی سفید فام حکمرانوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ آزادی تھی، اس حد تک تو یہ بات درست ہے، لیکن جہاں تک اس جدوجہد میں ناکامی کے بعد نتائج کا تعلق ہے اُن کا سامنا نوے فی صد کی حد تک مسلمانوں کو کرنا پڑا، شاید اس لئے بھی کہ اِس جدوجہد کی قیادت عام طور پر مسلمان کررہے تھے، اسکے علاوہ عیسائی فرنگی مسلمانوں سے زیادہ سکھوں اور ھندوؤں کو اپنے قریب سمجھتے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں اس ھنگامے میں سکھوں نے کھل کر انگریزوں کا ساتھ دیا، آخر میں اکثر ھندوؤں نے بھی مسلمان بادشاہ (بہادر شاہ) کی بجائے فرنگی حکومت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

Marfat.com

ظاہری اسباب

تاریخ انسانیت میں جب بھی کوئی عظیم المیہ رونما ہوتا ہے تو اسکے واضح اسباب ہوتے ہیں' باطنی اور ظاہری۔ ستاون کے المیہ کے باطنی اسباب پر ہم گذشتہ صفحات میں مختصر روشنی ڈال چکے ہیں' حکمران' بادشاہ' شہزادے' نواب مستغرق نشاط تھے' انہیں شطرنج بازی' کبوتر بازی' بٹیر بازی' مرغ بازی اور اس قسم کی دیگر خرافات' بھنگ و نشے سے فرصت ملتی تو کسی نازنین کی کلائی پکڑ کر تخلیے میں چلے جاتے۔ گویا زندگی کھیل کود تھی' لال قلعہ میں سورہ یٰسین کی تلاوت ممنوع تھی کہ موت و آخرت کا خیال بھی عیش کی دلدادہ طبائع پر سخت گراں تھا۔ حکمرانوں نے سمجھا کہ جب انگریزوں نے اُن کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے تو انہیں حرب و ضرب اور تیر و تفنگ کی تربیت کی کیا ضرورت ہے؟ پنشن اور بھتے طے تھے جو وقت پر سب کو مل جاتے تھے' کسی محنت کی ضرورت نہ تھی' وہ بھول گئے کہ انگریز جو اُن کے تحفظ و دفاع کے لئے باہر چھاؤنی میں پڑے ہیں' کس بنا پر اُن کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں کہ ہمیشہ اُن کی خاطر خطرات سے لڑیں گے اور انہیں عیش و عشرت کے لئے چھوڑے رکھیں گے؟ وہ تو صرف مکمل قبضے کے لئے موقع کے منتظر ہوتے تھے اور علاقے پر علاقے کا الحاق کئے جاتے تھے۔ بہر حال باطنی کے علاوہ ظاہری وجوہ بے شمار تھیں جو اس المیہ کو وجود میں لائیں۔

سر سید احمد خان نے اپنی مختصر کتاب ''اسباب بغاوتِ ہند'' میں قدرے معذرت خواہانہ انداز میں بہت سے ظاہری اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اور بھی کئی مصنفین و مورخین نے اُن حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے جن کے باعث مقامی باشندے اور دیسی سپاہی فرنگی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے' اور یہ ''بغاوت'' یا جدوجہد آزادی جو پشاور سے لیکر راس کماری تک پھیلی تھی اتنی ہمہ گیر تھی کہ ھندوستان کی تاریخ میں اسکی

Marfat.com

کوئی مثال نہیں ملتی۔ مختصراً ظاہری اسباب یہ تھے :(1) انگریزوں نے ایک کاروباری کمپنی (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی بجائے اچانک حکمرانوں کا کردار اختیار کر لیا' پہلے بادشاہ گر بنے' مقامی حکمرانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے مفادات کی تکمیل کرتے رہے' پھر مکاری اور فوجی طاقت کے بل پر خود حکمران بن گئے۔ مغل بادشاہ کو لال قلعہ تک محدود کیا' دیسی ریاستوں کو ایک ایک کر کے ہڑپ کیا' سندھ و پنجاب پر قبضہ کیا' اودھ پر 1856ء میں قبضہ کر لیا اور بہانہ یہ بنایا کہ اودھ کے حکمران (واجد علی شاہ) کی عیش کوشی سے ملک میں بدانتظامی پھیل چکی تھی' حالانکہ اُن کے پیش رو بھی کم عیاش اور لاپرواہ نہ تھے۔ جب انگریزی نظام آیا تو لوگ چیخ اٹھے کیونکہ لوگوں پر ٹیکس بڑھا دیئے گئے اور لوگوں کے مصائب میں اضافہ ہو گیا۔ اودھ کے لوگوں کی طرح ہندوستان کے دوسرے حصوں کے عوام و خواص کے احساسات بھی یہی تھے کہ انگریزی حکومت اجنبیوں کی حکومت ہے جو مقامی لوگوں کے مصائب و مسائل سے ناواقف اور بے حس ہے۔ لوگوں کے اطوار اور عادات سے نابلد ہے (2) انگریزوں کے طرزِ حکومت میں تحکمانہ انداز تھا' وہ ہر جائز و ناجائز حکم منوانا اپنی شان سمجھتے تھے' جبکہ مقامی باشندے نسبتاً رعیت پرور اور مہربان رویے کے حکمرانوں کے عادی تھے۔ اسکے علاوہ انگریز خود کو مقامی لوگوں سے بہت فاصلے پر رکھتے تھے اور اسی میں حکومت کا رعب سمجھتے تھے۔ (3) عام لوگوں کے دلوں میں اسکی تمام تر کمزوریوں کے باوجود مغل بادشاہ کے لئے بڑی عقیدت تھی' جبکہ انگریز پیہم اُس کی توہین کرتے تھے' حتیٰ کہ اُسے نذر دینا موقوف کر دیا تھا' ولی عہدی کے مسئلے پر بادشاہ کی بات نہیں مانی جا رہی تھی' اس رویے سے عوام میں انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ (4) انگریز تاجر فطری طور پر عیار' جھوٹے اور بد معاملہ تھے' اُن کی بے قاعدگیوں کے سبب کئی مقامی رئیس نقصان اٹھا چکے تھے' اسکے علاوہ یہ ملک میں گرانی کے بھی ذمہ دار تھے جو آئے دِن بڑھتی جاتی تھی۔ (5) انگریزوں نے مقامی لوگوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کو شعار بنا لیا تھا' پادری اسلام

Marfat.com

کے خلاف زور شور سے بحثیں کرتے اور عموماً ایسا حکومت کی مشینری کے سائے میں ہوتا۔ لوگوں کو جبراً عیسائی بنانے لے لئے تحریص کے علاوہ دھونس اور طاقت کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اسلام کے خلاف بے شمار کتابیں سرکاری انتظام میں چھاپی گئیں۔ 1855ء میں ایک پادری ایڈمنڈ نے کلکتہ سے ایک طویل گشتی مراسلہ ھندوستان کے تعلیم یافتہ افراد خصوصاً سرکاری ملازمین کے نام بھیجا' جسکا مضمون یہ تھا کہ چونکہ ھندوستان میں ایک حکومت آگئی ہے' تار برقی سے ہر جگہ کی خبر ایک ہوگئی ہے' ریلوے اور سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت یکساں ہو گئی' لہٰذا مذہب ایک ہونا چاہئے اور سب لوگوں کو عیسائی ہو جانا چاہیے۔ (6) زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمینیں اور جاگیریں جبراً لے لی گئیں جو انہیں مغلیہ دور سے ملی ہوئی تھیں' جو شخص بھی اپنی جاگیر کی سند پیش نہ کر سکا وہ جاگیر سے محروم ہوا۔ بھلا یہ کس کو خیال تھا کہ وہ جاگیر کے کاغذات ایسے موقع کے لئے سنبھال کر رکھتا۔ اس طرح ہزاروں خاندانوں کو راتوں رات افلاس اور بے روزگاری کی دلدل میں دھکیل دیا گیا۔ یہی جاگیریں بعد میں اُن غدّاروں کو عطا کی گئیں جنہوں نے جنگِ آزادی میں اپنوں سے بے وفائی کی تھی۔ (7) انگریزی قانون اور عدالتوں کی وجہ سے لوگوں کی شکایات میں اضافہ ہوا' انصاف مہنگا اور دشوار ہو گیا۔ قرضوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں جائیدادیں نیلام ہونے لگیں' اس طرح لوگوں میں شدید بے چینی پیدا ہوئی (8) انگریزی تعلیم کے سوا حصولِ روزگار کا ذریعہ باقی نہ رہا جبکہ اکثریت یہ نئی زبان نہ جانتی تھی' لوگوں کو یہ بھی خیال تھا کہ انگریزی کے پردے میں عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ (9) ایسے قوانین رائج کئے گئے جو مختلف فرقوں کی دل آزاری کا باعث تھے' اِن قوانین کے خلاف آواز اٹھانا جرم تھا' مثلاً سپاہیوں کے ہر حال میں سمندر عبور کرنے کا قانون۔ جیل خانوں میں ایک جگہ کھانا پکنے کا قانون (ذات پات کے نظام کی خلاف ورزی)' بیوگان کی شادی کا قانون' وغیرہ۔ (10) انگریزوں کی روش کو دیکھتے ہوئے لوگوں میں مختلف قسم کے

Marfat.com

اندیشے پھیلتے تھے' مثلاً یہ کہ حکومت ختنہ اور پردہ ختم کرنا چاہتی ہے' لوگوں سے ان کی زمینیں چھیننا چاہتی ہے' انگریزی کے سوا تمام زبانوں پر پابندی لگانا چاہتی ہے' وغیرہ۔ ان اندیشوں کی وجہ سے لوگوں میں عام طور پر بے چینی پھیلی۔ (۱۱) ایک ہی جیسا کام کرنے کے باوجود انگریزوں اور دیسی ملازموں کی تنخواہوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا' اس نسلی امتیاز کو فوج میں خاص طور پر محسوس کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ انگریز چھوٹی چھوٹی غلطی پر دیسی سپاہیوں کو توکڑی سزا دیتے تھے جبکہ انگریز قتل بھی کر دے تو محض غیر ارادی فعل قرار دیکر اسے معاف کر دیا جاتا تھا۔ اس سے مقامی لوگوں کے خلاف فرنگی نفرت و امتیازی سلوک صاف عیاں تھا۔ ایک انگریز وکٹر ھیوگوف کی یہ تحریر خواجہ حسن نظامی نے نقل کی ہے: "ھندوستانی شہروں کے مکانات جنگلیوں کے بھٹوں کی طرح ہوتے ہیں جن کے اندر رہنے والے اگرچہ انسانی شکل رکھتے ہیں لیکن وہ نہایت موذی اور ھیبتناک ہوتے ہیں اور میرے خیال میں ھندوستانی بھٹوں کے انسانوں سے جنگلی بھٹوں کے جانور اچھے ہوتے ہیں" یہ تھا ہندوستانیوں کے خلاف انگریزوں کا متعصّبانہ احساس کہ وہ انہیں جنگلی جانوروں سے بدتر سمجھتے تھے۔

ان ظاہری اسباب کے علاوہ جو فوری اور اشتعال انگیز سبب تھا وہ تھا کارتوسوں کا معاملہ۔ کارتوسوں کی چربی والا قصہ بھی در حقیقت اپنی جگہ ایک سبب نہ تھا بلکہ مختلف اسباب پر مبنی ایک نتیجہ تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اندیشے پہلے سے جاگیزین تھے' کارتوسوں کے معاملے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ واقعہ جو کتابوں میں لکھا ہے یہ تھا کہ دیسی سپاہیوں (فوجیوں) کو بندوقوں میں استعمال کے لئے جو کارتوس دیئے جا رہے تھے انہیں بندوق میں ڈالنے سے پہلے اس جگہ سے دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا جہاں چربی لگی ہوتی تھی۔ یہ بات مشہور ہو گئی کہ چربی گائے اور سور کی ہے جسے ھندو اور مسلمان دونوں ناقابلِ برداشت سمجھتے تھے۔ انگریز مورخ وی اے سمتھ اسی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ: "وول وچ کے اسلحہ خانے میں

Marfat.com

حیوانی چربی در حقیقت استعمال ہوتی تھی"۔ کارتوسوں کے معاملے سے پہلے بھی دیسی سپاہ میں بے چینی اور اضطراب کے آثار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ارکاٹ کی چھاؤنی میں ایک اشتہار مسلمان فوجیوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس کا مضمون تھا کہ چونکہ مسلمان انگریزوں کے محکوم اور نوکر بن گئے ہیں اس لئے اُن کی عبادت اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں' وباؤں میں بھی اس وجہ سے زیادہ تر مسلمان مرتے ہیں' یہ آفتیں اُن پر خدا کی طرف سے آتی ہیں۔ "بغاوت" کا آغاز میرٹھ کی چھاؤنی سے ہوا تھا جو دہلی سے چالیس میل دُور انگریزوں کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی' اسکی حدود پانچ میل تک چلی گئی تھی' آغازِ بغاوت کے ساتھ ہی کسی پر اسرار ہاتھ نے "میرٹھ کے در و دیوار پر یہ نعرہ لکھ دیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے تمام مسلمانوں کو اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے" (سر جان کئی) اس سے ظاہر ہے کہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔

جب لاوا ابھر نکلا!

انگریز مورخین' فلپ وڈرف' سر جان کئی اور ایچ سی فین شاو غیرہ کا خیال ہے کہ انگریزوں کے خلاف بغاوت اس وجہ سے ہوئی کہ انگریزوں کے ترقی پسندانہ اقدامات سے بعض مفاد پرست اور قدامت پسند طبقات کے مفادات پر زد پڑ رہی تھی' مثلاً مغلیہ خاندان اپنے اقتدار کی بحالی چاہتا تھا' نواب اپنی ریاستیں واپس چاہتے تھے اور جاگیردار اپنی چھنی ہوئی جاگیروں کی واپسی کے متمنی تھے' وغیرہ وغیرہ لیکن یہ محض نیم صداقت ہے' اگر مسئلہ طبقاتی ہوتا تو جدوجہد آزادی میں ہندوستان کے طول و عرض میں عوام و خواص شرکت نہ کرتے' رہی انگریزوں کے وفادار بعض گروہوں کی بات تو اس سے جدوجہد کی ہمہ گیریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' غدار (جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا) ہر جدوجہد کے اندر ہوتے ہی ہیں۔ اگرچہ آزادی کے لئے شعلہ اچانک بھڑکا لیکن جو اضطراب اور ہیجان پہلے سے موجود تھا۔

Marfat.com

اُس کے پس منظر میں تیاریاں خفیہ طور پر جاری تھیں' مثلاً بعض ممتاز ہندوستانیوں (عظیم اللہ خان وغیرہ) نے ترک خلیفہ کو قسطنطنیہ میں خط لکھے تھے اور مسلمانوں کی حالتِ زار کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انگریزوں کے خلاف مدد طلب کی تھی' بعض بڑے بڑے علماء جہاد پر وعظ کے لئے ملک کے گوشے گوشے میں پھر رہے تھے' تھوڑی ہی مدت میں ہزاروں جاسوسوں کو فقیروں اور سنیاسیوں کے روپ میں انگریزوں کے خلاف جاسوسی کے لئے روانہ کر دیا گیا تھا' جدوجہدِ آزادی میں شریک لوگوں کے ساتھ خفیہ روابط کے لئے روٹی اور کنول کے پھول کی علامت مقرر کی گئی تھی جس کا سب کو علم ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ شعوری تیاریوں کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ یہ روٹی گاؤں کے چوکیدار کے پاس جاتی تھی' وہ ایک ٹکڑا خود کھاتا باقی بطور تبرک دوسروں میں تقسیم کر دیتا اور آگے مزید روٹیاں بھیج دیتا۔ سر سید نے بھی ان چپاتیوں کا ذکر کیا ہے اور بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں بھی اس بارے میں اُن سے سوال کئے گئے تھے۔

بہر حال مئی 1857ء میں لاوا پھٹ گیا۔ مولانا غلام رسول مہر نے اِسے "پہلی چنگاری" قرار دیا ہے۔ رسالے کے ایک انگریز کرنل سمتھ نے منتخب دیسی سپاہیوں (جن کی تعداد نوے تھی) کو پریڈ میں بلا کر حکم دیا کہ وہ چربی والے کارتوس وصول کریں اور اُن کے استعمال کا طریقہ سیکھیں' پانچ کے سوا تمام سپاہیوں نے یہ کارتوس لینے سے انکار کیا کیونکہ کارتوسوں کے بارے میں تمام فوج بلکہ عوام میں شدید بے چینی پائی جاتی تھی۔ ان میں اکثریت مسلمان سپاہیوں کی تھی۔ حکم عدولی کرنے والے پچاسی سپاہیوں کے لئے فوجی عدالت بیٹھی اور انہیں یک طرفہ طور پر دس سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی' اگلے روز 9 مئی کو سزا پر عمل درآمد کے لئے اِن سپاہیوں کو پریڈ کے میدان میں بلایا گیا' جہاں ان کے اردگرد چھاؤنی کے دوسرے دیسی سپاہی بھی موجود تھے۔ ایک طرف گورا فوج اور توپیں کھڑی کی گئیں تاکہ ذرا سی بھی مزاحمت ہو تو سب کو بھون دیا جائے۔ سر جان کئی نے لکھا ہے:

Marfat.com

"یہ منظر بڑا دردناک تھا"۔ سرِ عام ان قیدیوں کی وردیاں اتاری گئیں اور بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اس وقت اُن کے گرد کھڑے ساتھی سپاہیوں کے دل میں نفرت کا طوفان پیدا ہو رہا تھا۔ اسی وقت انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس ذلّت آمیز سلوک پر خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ گورے جس فرعونیت اور رعونیت کے ساتھ مقامی لوگوں اور سپاہیوں پر تشدد اور ذلت مسلط کر رہے تھے' اس کا نشانہ کل کو دوسرے سپاہی بھی بن سکتے تھے' چنانچہ انہوں نے اپنے قیدی ساتھیوں کو چھڑانے کا فیصلہ کیا اور اگلے روز (10 مئی) شام کے وقت جب گورے چرچ جانے کی تیاری کر رہے تھے' رسالے نے قید خانے پر دھاوا بول کر نہ صرف اپنے پچاسی ساتھیوں بلکہ دوسرے قیدیوں کو بھی آزاد کرا لیا۔ اس کے بعد باغی سپاہ کے لئے پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اس ہنگامے میں مزاحمت کرنے والے چند انگریز مارے گئے' جبکہ شہر میرٹھ میں ہراس پھیل گیا۔ شہر اور چھاؤنی میں کئی مقامات پر فتنہ پردازوں نے آگ لگا دی۔ دیسی سپاہیوں نے عموماً میرٹھ سے دہلی کا رخ کیا جبکہ بعض سپاہی دوسرے شہروں کی طرف نکل گئے۔ 11 مئی کو صبح سویرے یہ لوگ دہلی کی فصیل کے نیچے موجود تھے اور "دین دین" کے نعرے لگا رہے تھے۔ جنگ آزادی شروع ہو چکی تھی۔ ملک میں جو تناؤ اور اضطراب کی کیفیت تھی اور جس طرح مختلف اطراف سے ہوشربا خبریں مل رہی تھیں' دہلی کے لوگ کسی نہ کسی ہنگامے کی پہلے ہی توقع لگائے بیٹھے تھے۔ کہتے ہیں کہ میرٹھ کے باغی سپاہیوں کی دہلی روانگی کے متعلق ایک تار دہلی کے کمشنر مسٹر فریزر کو رات کے وقت بھیجا گیا تھا لیکن اُس نے اُٹھ کر تار کے مندرجات پڑھنے پر نیند کو ترجیح دی اور جب صبح اٹھا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ مسٹر فریزر باغیوں کے دہلی میں داخلہ کے ساتھ ہی مارا گیا۔ جب میرٹھ کی سپاہ صبح سویرے دہلی پہنچی تو اس نے شہر کے تمام دروازے بند پائے' آخر کار وہ دریا کے رخ پر لال قلعہ کے سامنے بادشاہی جھروکہ کے نیچے پہنچے اور "شور مچایا کہ ہم نے میرٹھ میں انگریزوں کو قتل کر دیا ہے' دین کی خاطر جنگ کا فیصلہ

Marfat.com

کر چکے ہیں' ہماری امداد فرمایئے اور سر پر ہاتھ رکھئے' حضور ہی ہمارے دین اور دنیا کے نگہبان ہیں اسی سالہ بہادر شاہ ظفر کو اس اچانک ہنگامے پر تعجب ہوا اور اُس نے شاہی دستہ کے افسر کیپٹن ڈگلس کو بلایا۔ کیپٹن ڈگلس نے برآمدے میں آکر سپاہیوں سے کہا کہ یہ بادشاہ کی خوابگاہ ہے' "تم یہاں شوروغل مت کرو اور کوٹلہ کی طرف چلے جاؤ" بہر حال وہاں سے بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے سپاہی راج گھاٹ دروازے کی طرف گئے جو کسی طرح کھل گیا اور اس طرح باغی شہر میں داخل ہو گئے اور انگریزوں میں سے جو سامنے آیا قتل کر دیا کیونکہ وہ "اپنا آخری داؤ لگا چکے تھے" اس جنون میں اُن سے یہ زیادتی ہوئی کہ انگریز عورتوں اور بچوں کو بھی نہ چھوڑا۔ دہلی کی چھاؤنی شہر سے باہر شمال کی طرف پہاڑی کے پاس تھی جہاں انگریز فوج بہت کم تھی'۔ کچھ انگریزوں نے (جو شہر میں تھے) قلعہ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن شہر میں ہر طرف بغاوت کے شعلے اور طوفان تھا' آدمیوں کا ایک ریلا آیا اور یہ سب انگریز قتل ہو گئے۔ بڑے انگریز افسروں میں سے مجسٹریٹ تھیوفلس مٹکاف کسی طرح بچ نکلا اور وہ ہانسی چلا گیا (بعد میں مٹکاف نے انتقام میں شقاوت و سفاکی کی انتہا کر دی) دہلی میں اب باغیوں کا راج تھا' پہلے نعرہ ہوتا تھا: "خلقت خدا کی' ملک بادشاہ کا' حکم کمپنی بہادر کا" اب نعرہ میں یہ تبدیلی کی گئی کہ "حکم بادشاہ کا" پکارا جانے لگا۔

یہ صفحات جنگ آزادی "1857ء" کی تفصیلات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلے میں اُردو زبان میں لکھی جانے والی کتابوں میں غالباً بہترین مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "1857ء" ہے' جو قارئین تفصیلات سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ اس کتاب سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اختصار یہ ہے کہ خواستہ یا نخواستہ سن رسیدہ بہادر شاہ ظفر کو تحریک کی قیادت کرنی پڑی' لیکن اس طرح کہ کوئی عملی حصہ نہیں لیا' شہر دہلی میں گردونواح کے گجر اور تلنگے کثیر تعداد میں داخل ہو گئے جو شہر میں لوٹ مار کرتے پھرے' اس طرح دکانداروں نے اپنا کاروبار بند کر دیا اور تحریک کی رسوائی ہوئی' باغیوں کے ساتھ شہر کے لوگ بھی بلا تمیز

Marfat.com

مذہب وملت شامل ہو گئے تھے لیکن عملی کاروائی کے وقت یہ پیچھے ہٹ جاتے' ھندوستان کے دوسرے حصوں سے بھی باغی سپاہی اور آزادی پسند عوام دہلی میں جمع ہوتے رہے' اس طرح دہلی ھندوستان بھر میں آزادی کی جدو جہد کا مرکز بن گیا۔ تاہم جوش و جذبہ کے باوجود دانشمندانہ قیادت کا فقدان تھا' بادشاہ بڑھاپے کی اس منزل میں تھا جس میں قوتِ ارادی کمزور ہو جاتی ہے شہزادے نااہل تھے' جولائی میں روہیل کھنڈ سے جنرل بخت خان نے آکر جدو جہد میں نئی روح پھونکی لیکن اسکے کام میں بھی مسلسل روڑے اٹکائے جاتے رہے۔ بادشاہ کے پاس فوج کو تنخواہیں دینے کے لئے خزانہ نہ تھا' اس نے ھندو ساہوکاروں سے ایک لاکھ روپیہ اس مقصد کے لئے قرض لیا جو بعد میں ادا نہ ہو سکا۔ انگریزوں نے پہلی کامیابی یہ حاصل کی کہ شہر میں موجود اپنا بھاری اسلحہ خانہ اڑا دیا اگرچہ اس میں اُن کی کچھ جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ دوسری کامیابی یہ حاصل کی کہ مقامی غداروں کی مدد سے دہلی کے دیسی لشکر کا گولہ بارود کا ذخیرہ تباہ کر دیا جس سے آزادی کی جدو جہد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ انگریزوں نے اپنا سارا زور دہلی کی تسخیر پر لگا دیا' دہلی کے قریب پہاڑی پر مورچے قائم کئے اور آس پاس سے اپنی فوجی طاقت وہیں جمع کر لی اور اسکے بعد دہلی پر فیصلہ کن حملہ کیا۔

میرٹھ اور دہلی میں انگریزوں کا جانی نقصان ہوا' اس میں شبہ نہیں کہ غیر مسلح عورتوں اور بچوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا کہ وہ انگریز تھے' شدید زیادتی تھی' لیکن جب جوش و جنون کی کیفیت ہو تو اس طرح کی زیادتیاں اکثر ہوتی ہیں' اس طرح کا ایک واقعہ کان پور میں پیش آیا جہاں مقامی قائدینِ آزادی نانا ٹوپے اور عظیم اللہ خان وغیرہ کی طرف سے تحفظ دیئے جانے کے وعدے کے باوجود مقامی سپاہ بپھر گئی اور کشتیوں میں سوار اسّی کے قریب انگریز عورتوں' بچوں اور مریضوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کو انگریز مورخین نے اِس ہنگامے کا سب سے بڑا "المناک" واقعہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ جدو جہد آزادی کے سلسلے میں ھندوستان بھر میں انگریزوں کے ساتھ معرکے ہوئے'

Marfat.com

بنگال سے لیکر پنجاب تک عوام نے اس جنگ میں حصہ لیا' شاید ھی کوئی چھوٹا بڑا شہر ھو جہاں عوام نے شرکت نہ کی ھو (ماسوائے ان علاقوں کے جہاں انگریزوں کے حامی راجے یا نواب حکمران تھے)۔ تاہم مرکز دہلی ھی رہا۔ اس لئے ہم صرف دہلی میں جاری کشمکش کا حال بیان کریں گے۔ دہلی میں کُل چار مہینے آزاد حکومت قائم رہی جسکی سربراھی بظاہر مغل بادشاہ کے پاس تھی' اگرچہ تلنگے اور پوربیے بعد میں اس قدر بے لگام اور سرکش ھو گئے کہ کہتے تھے کہ وہ جس شخص کے سر پر اپنے جوتے رکھ دیں وہی بادشاہ بن جائے۔ بادشاہ کی بے عملی لال قلعے میں شاھی خاندان کی حرکتوں کو قریب سے دیکھ کر لوگوں میں بادشاہ کا رعب ھی جاتا رہا تھا۔ ان چار مہینوں میں انگریزوں کے ساتھ حریت پسندوں کی جو جنگیں ہوئیں ان کی تعداد میں اختلاف ہے' ذکاالله دہلوی نے اپنی تاریخ میں تعداد بہتر کے قریب بتائی ہے' تاہم چھوٹی موٹی جھڑپوں کا کوئی شمار نہیں۔ 1857ء میں ھندوستان میں انگریزوں کی فوجی طاقت آکسفورڈ ھسٹری آف انڈیا کے مطابق دو لاکھ اٹھتیس ھزار تھی جس میں سے گورا فوجی افسران کی تعداد اٹھتیس ھزار تھی' سب سے زیادہ نفری بنگال میں تھی جس میں سے 23 ھزار گورے تھے۔ جب دہلی پر میرٹھ کی باغی سپاہ نے قبضہ کیا تو اس وقت دہلی کی چھاؤنی میں انگریزی فوج کی تعداد صرف 2 ھزار تھی' تاہم جنرل این سن نے ھندوستان کے دوسرے علاقوں سے وہاں فوجیں بھیجنا شروع کیں' خصوصاً انبالہ سے "وفادار" پنجابی دستے دہلی روانہ کیے گئے' راجپوتانہ' گوالیار' لکھنو' کانپور اور بنارس میں دیسی سپاہ نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی' بندھیل کھنڈ میں جھانسی کی رانی نے ڈٹ کر انگریزوں سے جنگ کی۔ "وسط جون تک راجپوتانہ کی سرحدوں سے لیکر پٹنہ (بہار) تک کے علاقے میں انگریزی اقتدار کا مکمل خاتمہ ھو چکا تھا' صرف قلعہ آگرہ' لکھنو کی ریذیڈنسی اور کانپور کے مورچے ان کے قبضے میں رہے۔ جبکہ انبالہ سے دہلی کو انگریزی فوج کے لئے کمک کی ترسیل جاری رہی باقی ماندہ ھندوستان کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ ظاہر کئے بغیر انجام کا منتظر رہا۔ البتہ پنجاب

Marfat.com

ر بنگال برطانوی طاقت کے دو مضبوط قلعے بنے رہے" (آکسفورڈ ھسٹری آف انڈیا)۔
پنجاب کے چیف کمشنر سر جان لارنس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کامیابی کی کلید دہلی ہے' چنانچہ انگریزوں نے اپنی قوت دہلی میں مرتکز کرنا شروع کر دی۔ دہلی کا محاصرہ کر لیا گیا' اسی دوران فریقین ایک دوسرے پر گولہ باری کرتے رہے۔25 مئی کے ایک معرکے میں بہادر شاہ کا پوتا شہزادہ میرزا ابوبکر فوج کے ساتھ انگریزوں سے لڑنے باہر نکلا کہ گولہ باری شروع ہو گئی' شہزادہ ھنیڈن ندی کے کنارے ایک مکان کی چھت پر کھڑا جنگ کا منظر دیکھ رہا تھا کہ گوروں کی توپ کا ایک گولہ اس کے قریب آکر پھٹا' شہزادے کے لئے گولے کے پھٹنے کا یہ پہلا نظارہ تھا' اس پر اتنا اثر ھوا کہ وہ چھت سے اترا اور گھوڑے پر سوار لال قلعہ کی طرف بھاگ اٹھا' اس سے دیسی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی' سپاھی بھی بھاگنے لگے' جب دہلی میں یہ خبر پہنچی تو شہریوں نے بھگوڑوں پر دروازے بند کر لئے' افراتفری میں ندی کا پل ٹوٹ گیا اور دو سو سپاھی ڈوب گئے۔ دوسرے دن یہ سپاہ دوبارہ مقابلے کے لئے نکلی مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں" دہلی کی سپاہ تعداد میں خاصی بڑی تھی' اسکے پاس سامان بھی خاصا تھا' لڑائی کی جگہ بھی اس نے مرضی سے منتخب کی تھی' پھر شدید گرمی کا موسم تھا جس میں گوروں کے لئے لڑنا سخت مشکلات کا باعث تھا۔ بااین ہمہ وہ سپاہ پسپاہ ہو گئی' ایسا کیوں ہوا؟۔۔۔ کہیں سپہ سالار موزوں نہ تھا اور کہیں سپاہیوں نے باقاعدہ تربیت نہیں پائی تھی' ایسی لڑائیاں شاید ھی ھوئیں جن میں ہندوستانی سپاہ اور ان کے سپہ سالار دونوں بلند حیثیت کے مالک تھے"۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ کثرت تعداد اور عسکری فوائد کے باوجود ھندوستانی فوج نے دفاعی لڑائی لڑی حالانکہ انہیں فیصلہ کن کامیابی کے لئے جارحانہ جنگ لڑنی چاہیئے تھی۔
اگست 1857ء تک انگریزوں نے پنجاب کی سکھ ریاستوں اور پنجاب کے مسلمان جاگیرداروں اور تمن داروں کی خصوصی مدد اور تعاون سے دہلی کے باہر اس قدر طاقت جمع کر لی تھی کہ اب وہ دہلی پر پیش قدمی کے لئے مناسب موقع کے منتظر تھے اور ہر قدم پھونک

Marfat.com

پھونک کر اٹھا رہے تھے۔ ستمبر میں انہوں نے شہر پر حملہ کیا اور چھ دن تک گلیوں بازاروں اور مسجدوں اور مندروں میں لڑائی ہوتی رہی' حریت پسندوں کی تیس ہزار فوج (با قاعدہ اور بے قاعدہ) لڑتے لڑتے شہر چھوڑ کر دیہات اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف منتشر ہو گئی' اس فوج میں دو ہزار پر مشتمل وہ دیسی سپاہ بھی شامل تھی جو میرٹھ کی چھاؤنی سے آئی تھی۔ خواجہ حسن نظامی نے ستمبر 1857ء کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: "ستمبر 57ء کے شروع میں انگریزوں نے طے کر لیا تھا کہ جسطرح بھی ممکن دہلی کو فتح کر لینا چاہیئے' اس لئے انجنیر اور قلی اور سب سپاہی بڑے زور شور کی تیاریاں کر رہے تھے۔۔۔ 6 ستمبر کو تمام سپاہ جو کمک کے لئے آسکتی تھی آگئی تھی جن میں 6 ہزار 5 سو پیدل تھے اور ایک ہزار سوار اور 6 سو توپچی' اس فوج میں گورے سپاہی 3317 تھے' باقی سکھ گورکھے اور پنجابی مسلمان تھے۔۔۔ 8 ستمبر کو صبح انگریزی توپخانے نے گولہ باری شروع کی' دوپہر تک موری دروازہ کا گرگج مسمار ہو گیا اور شہر کی فصیل میں بہت سے سوراخ پڑ گئے' باغیوں کی گولہ باری سے انگریزوں کا بھی بہت نقصان ہوا' اسی روز انگریزوں نے لڈلو کیسل پر قبضہ کر لیا' جنگی لحاظ سے یہ مقام بہت اہم تھا' 11 ستمبر کی صبح کو دونوں طرف سے اس زور شور سے گولہ باری ہوئی کہ زمین آسمان لرزنے لگے اب حملہ کرنے والی فوج کے پانچ کالم بنائے گئے پہلے کالم کا سردار جنرل نکلسن کو مقرر کیا جو سپیشل کمشنر مقرر ہو کر آئے تھے' جاسوسی کے شعبے کے سربراہ میجر ہڈسن تھے جنکے پاس شہر کی چھوٹی سے چھوٹی بات تک کی خبریں آتی تھیں اور شاہی خاندان کے آدمی بھی خبریں بھیجتے تھے' جاسوسی کے میر منشی رجب علی نامی تھے جنکے کاموں پر انگریزوں کو بہت بھروسہ تھا اور قلعہ میں میرزا الٰہی بخش بادشاہ کے سمدھی منشی رجب علی کے ذریعے خبریں بھیجتے تھے۔" (دہلی کی جانکنی) قصہ مختصر یہ کہ انگریزوں کے پانچ دستے شہر کی فصیلوں کے سوراخوں اور دروازوں سے گزر کے مختلف مقامات کی طرف بڑھے' یہ 14 ستمبر کا واقعہ ہے۔ دیسی فوج نے مزاحمت کی لیکن انگریزی فوج نے جو

Marfat.com

عسکری ترتیب اختیار کی تھی اسکے سامنے یہ مزاحمت دم توڑ گئی اور دیسی فوج کو گھر جانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ فوج کا ایک حصہ مسٹر مٹکاف کی قیادت میں جامع مسجد تک جا پہنچا اُس وقت ہزاروں مسلمان وہاں نماز کے لئے جمع تھے' انہیں خیال ہوا کہ انگریز مسجد کو بارود سے اڑانا چاہتے ہیں' اس پر ایک شخص نے پکار کر کہا "تمہارے امتحان کا وقت آگیا ہے' وہ لوگ تمہاری مسجد کو ڈھانے آئے ہیں' میں تم کو مرنے کا بلاوا دیتا ہوں' تم میں سے کون کون جان دینی چاہتا ہے' دشمن سامنے کھڑا ہے۔۔" اس پر مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا' اُن میں سے ایک آدمی بھی جان بچانے کے لئے نہیں بھاگا' سب نے تلواریں کھینچ لیں اور شمالی دروازے کی طرف مڑے' جونہی وہ باہر آئے' مٹکاف نے بندوقوں کی ایک باڑھ ماری جس سے دو سو آدمی شہید ہو کر گر پڑے اور مسجد کی سیڑھیاں اُن کی لاشوں سے بھر گئیں' مگر باقی مسلمان مٹکاف کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور وہ فوج کے ساتھ کشمیری دروازے کی طرف فرار ہو گیا جہاں انگریزوں کی اور بہت سی فوج پہلے پہنچ چکی تھی۔ اُس روز کی جنگ میں (جو دہلی کے گلی کوچوں میں ہوتی رہی) انگریزی فوج کا کمانڈر جنرل نکلسن شدید زخمی ہو کر جہنم رسید ہوا۔ دہلی کے اندر جنگ اٹھارہ ستمبر تک جاری رہی لیکن چونکہ انگریزی فوج نے مضبوط مورچے بنا لیے تھے اس لئے آہستہ آہستہ حریت پسندوں کی مزاحمت کمزور ہوتی گئی اور وہ اپنے مورچے چھوڑ کر شہر سے باہر نکلنے لگے' 19 ستمبر تک تمام شہر انگریزی قبضہ میں آگیا۔

برصغیر کے آخری مسلمان بادشاہ کا حسرتناک انجام!

جب انگریزوں نے دہلی کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تو اُن کا ایک دستہ لال قلعہ پر حملے کے لئے پہنچا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا' بادشاہ بہادر شاہ ظفر 19 ستمبر کو رات کے اندھیرے میں اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ قلعہ سے بے سروسامانی اور کسمپرسی کے عالم میں باہر نکلے اور مقبرہ ہمایوں پہنچے جہاں ان کے آباؤ اجداد و اسلاف کی قبریں تھیں' انگریز

Marfat.com

اہلِ ہندوستان، خصوصاً مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی اس علامت کو زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُن کے جاسوس حرکت میں آ گئے، ایک طرف جنرل بخت خان جیسا حریت پسند اور سپہ سالار تھا جس نے بادشاہ کو مشورہ دیا ''اگرچہ انگریزوں نے دہلی شہر کو لے لیا ہے لیکن اس سے ہمارا بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا، تمام ہندوستان ہمارے ساتھ ہے، حضور کچھ تردّد نہ فرمائیں، میرے ساتھ تشریف لے چلیں، میں پہاڑوں میں بیٹھکر ایسی زبردست مورچہ بندی کروں گا کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی وہاں نہ آ سکے گا، دہلی پایہ تخت ہے، فوجی قلعہ نہیں ہے، لڑائیوں کے لئے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے، سب سے بڑی خرابی اس بات نے ڈالی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مغل بہادر فوج کے کمانڈر انچیف بنا دیئے گئے وہ لڑائی کے فن سے واقف نہ تھے، اگر مرزا مغل میرے منصوبوں میں رخنے نہ ڈالتے تو یقیناً اس خود سر فوج سے انگریزوں کو شکست دے دیتا، ہم کو سب سے بڑی دشواری یہ در پیش تھی کہ رسد کا انتظام کرنے والا کوئی نہ تھا، ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی، ہمیں وہ قوتیں جو دشمن کے مقابلہ میں خرچ کرنی چاہیئے تھیں، خانگی جھگڑوں میں بیکار صرف کرنی پڑیں، مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔۔۔ اگر آپ محفوظ مقامات میں بیٹھ کر انگریزوں کا مقابلہ کریں گے تو تمام ملک ہمارا ساتھ دے گا۔۔۔'' بخت خان بادشاہ سے ملاقات کر کے چلا گیا تو انگریزوں کا گماشتہ اور شہزادہ جواں بخت کا خسر مرزا الٰہی بخش آ پہنچا، وہ ملکہ زینت محل سے مل کر اُسے شیشے میں اتار چکا تھا، یوں بالواسطہ طور پر زینت محل بھی انگریزوں کے مفادات کے لئے کام کر رہی تھی، میرزا الٰہی بخش نے بادشاہ کو انگریزوں کے خلاف جدوجہد کے ممکنہ آلام و مصائب سے آگاہ کرتے ہوئے، پہلے تو جنرل بخت خان کے اخلاصِ نیت پر شک ظاہر کیا، انگریزوں کے ''نیک ارادوں'' کا یقین دلایا اور کہا: ''گرمی کا موسم ہے، برسات آگئی ہے، حضور کی ضعیفی اور ناتوانی کا زمانہ ہے، گھر سے نکل کر مسافرت میں امن بھی ہو تب بھی گھر کا سا آرام میسر آنا محال ہوتا ہے اور لڑائی بھڑائی کی حالت میں تو لازمی طور سے بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں

Marfat.com

اٹھانی پڑتی ہیں' آپ چھوٹے چھوٹے شہزادوں' شہزادیوں اور پردہ نشین بیگمات کو کہاں لئے لئے پھریں گے' میں انگریزوں سے مل کر تمام معاملات کی صفائی کرادوں گا اور آپ پر' آپ کی اولاد پر ایک حرف نہ آنے دوں گا' سلطنت کا انجام جو کچھ ہو آپ کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جائے گی" (حوالہ : خواجہ حسن نظامی) بادشاہ نے کہا کہ میں دونوں باتوں پر غور کر کے کل جواب دوں گا۔ مختصر یہ کہ بعد میں زینت محل نے میرزا الٰہی بخش کی باتوں کی تائید کر کے بادشاہ کو اس پر مائل کر لیا کہ وہ جنرل بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیں۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ بعد میں دوسری ملاقات کے موقع پر بادشاہ کے سامنے جنرل بخت خاں اور میرزا الٰہی بخش کے درمیان کچھ تیز و ترش گفتگو بھی ہوئی اور آخر میں بادشاہ نے اکتا کر کہا : "میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالے کرتا ہوں' مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو"۔ دراصل بادشاہ نے خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا اور "جنرل بخت خان ہونٹ چباتا ہوا مقبرہ کے شرقی دروازہ سے دریا کی طرف اتر گیا اور فوج کو ساتھ لے کر ایسی جگہ غائب ہوا جہاں آج تک کوئی نہ پہنچ سکا" (خواجہ حسن نظامی) جنرل بخت خان اور اسکی فوج کے روانہ ہوتے ہی میرزا الٰہی بخش کی اطلاع پر میجر ہڈسن بادشاہ کو مقبرہ ہمایوں سے گرفتار کرنے آپہنچا۔

دہلی کی جنگ میں انگریزوں کا حقیقی نقصان بہت کم تھا' ایچ۔ سی فین شا (H. C. Fan Shaw) نے "شاہ جہان کی دہلی" (انگریزی) کے صفحہ 199 پر جو تفصیلات دی ہیں ان کے مطابق اس جنگ میں کل پانچ سو پچاسی یورپین افسر اور سپاہی ہلاک ہوئے تقریباً اتنی ہی تعداد میں یا ذرا زیادہ یورپی سویلین (عورتیں' بچے وغیرہ) مارے گئے۔ جبکہ مقامی اور دیسی سپاہیوں اور شہریوں کی نسبتاً بڑی تعداد اس جنگ میں ہلاک ہوئی۔ ستمبر کی چھ سات روزہ جنگ میں کم از کم ڈیڑھ ہزار دیسی سپاہی ہلاک ہوئے' مرنے والے شہریوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں' اسکے بارے میں آگے چل کر بات ہوگی۔

Marfat.com

قصہ 1857ء کے قوم فروشوں کا:

جب بدن میں فاسد مادے پیدا ہوتے ہیں تو جگہ جگہ پھوڑے اور ناسور نمودار ہوتے ہیں جو مزید خرابی پیدا کر کے جسم کی بیماری کو ناقابلِ علاج بنا دیتے ہیں۔ غدار اور دشمن کے ایجنٹ کسی قوم کی بیماری نہیں بلکہ بیماری کی علامت ہوتے ہیں' جس طرح پھوڑے اور ناسور اصل مرض کی علامت ہوتے ہیں۔ بد نصیبی سے مسلمانانِ ھند میں غداروں کی کبھی کمی نہیں رہی اور ملت کی آزمائش کے ہر نازک موقع پر ان غداروں نے قوم فروشی کر کے دشمن کے عزائم کو کامیاب بنایا ہے۔ خود انگریزوں نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے 1857ء کی جنگ انہی غداروں کی مدد و معاونت سے جیتی۔ 1857ء کی جدوجہدِ آزادی کی ناکامی کے بہت سے اسباب تھے' مثلاً وسائل کی کمی اور مسائل کی زیادتی' مواصلاتی نظام اور بڑی بڑی شاہراہوں پر انگریزوں کا قبضہ' دہلی میں مضبوط اور واحد قیادت کا مکمل فقدان اور تلنگوں کی لوٹ مار کی وجہ شہریوں میں بیزاری اور بد ظنی' عین جدوجہد کے عروج کے وقت ھندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کا ظہور' سپاہیوں کو تنخواہیں دینے کے لئے خزانہ موجود نہ ہونا اور اُن کی مفلسی' دیسی سپاہ میں ہوش و حواس پر جوش کا غلبہ اور کسی واضح نصب العین کا فقدان (کیونکہ محض شکایات کی بنیاد پر کوئی عظیم جدوجہد ممکن ہی نہیں)۔ ذکاء اللہ دہلوی کے حوالے سے مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ انگریزوں کے خلاف علمائے دہلی نے جہاد کا فتویٰ تو شائع کر دیا لیکن ''اکثر جہادی بھوکے پھرتے تھے' ان کے بدن پر کپڑے بھی ثابت نہ تھے۔۔۔ بادشاہ نے انتظام کرا دیا کہ اہل شہر خیرات کی روٹیاں انہیں کھلایا کریں'' مولانا رحمت اللہ کیرانوی جیسے عُلما جہاد کرنے دہلی آئے' لیکن یہاں دیکھا کہ افرا تفری ہے اور خود غرضی ہے' اس لئے مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ سپاہی ضرورت پوری کرنے کے لئے جہاں سے جو کچھ ملتا جبراً لے لیتے تھے' اس وجہ سے اہلِ شہر اور سپاہیوں میں خیر سگالی کے

Marfat.com

تعلقات باقی نہیں رہے تھے' بادشاہ نے بڑے بڑے عہدے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو عطا کر دیئے لیکن نہ ان میں کوئی عسکری صلاحیت تھی اور نہ وہ نظم و نسق چلانے کے قابل تھے' جوہرِ ذاتی سے خالی ہونے کی وجہ سے وہ عوام اور سپاہ کی نظروں میں گر گئے۔ بادشاہ کے ارد گرد ایسے لوگ جمع ہو گئے جو طبعاً انگریزی راج کو پسند کرتے تھے اور دورِ آزادی کی بد نظمی اور ہڑبونگ سے اکتا چکے تھے مثلاً حکیم احسن اللہ خاں' بیگم زینت محل' میرزا الٰہی بخش وغیرہ۔ بخت خان جیسے لوگ جو کچھ کر کے دکھا سکتے تھے انہیں کوئی اختیار ہی نہ دیا گیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے مطابق بادشاہ کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کر سکتا تھا اور اپنی بیوی زینت محل اور وزیر حکم احسن اللہ خان کا محکوم تھا (جن کی ہمدردیاں غالباً انگریزوں کے ساتھ تھیں) اور اُس نے ناسمجھ اور بد دیانت اور بے عقل شہزادوں کو امیر لشکر بنا دیا تھا جنہیں کبھی جنگ سے واسطہ نہ پڑا تھا اور جنہوں نے بازاری لوگوں کو اپنا ہم نشین و جلیس بنائے رکھا' لشکر مختلف ٹولیوں میں منقسم تھا اور بعض گروہوں کا کوئی سالار ہی نہ تھا' بعض سپاہی تھوڑا سا مالِ غنیمت ہاتھ آنے کے بعد لڑائی سے کنارہ کش ہو چکے تھے' مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو انگریزوں کی محبت میں مجاہدین کی بربادی اور ذلت کا خواہاں تھا۔

(اِن تمام اسباب میں سب سے بڑا اور اہم ترین اپنوں کے ساتھ اپنوں کی غداری تھی۔ پنجاب کے سکھوں اور سکھ ریاستوں (پٹیالہ اور جنید وغیرہ) نے تو خیر اس لئے جدوجہد آزادی کی پیٹھ میں خنجر جھونکا کہ وہ مسلمان بادشاہ کے مقابلے میں گورا عیسائی حکومت کو ترجیح دے رہے تھے حالانکہ انہی گوروں نے اُن سے پنجاب کی حکومت چھینی تھی' علاوہ ازیں انگریزوں نے انہیں یہ سبز باغ دکھایا کہ انگریز سکھوں کو تختِ دہلی بخش دیں گے۔ بہر حال سکھ قوم اپنی فطری حماقت کی بنا پر انگریز کے جال میں پھنس گئی اور نہ صرف انہوں نے انگریزوں کی مالی اعانت کی بلکہ دہلی پر حملے کے لئے سکھ پلٹنیں دیں' اِن سکھ فوجیوں نے فتح کے بعد دہلی میں قتلِ عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور شرفا کی عزتیں برباد کیں۔

Marfat.com

اندرون شہر (دہلی) غداروں اور سازشیوں نے بادشاہ کو گھیرے میں لے رکھا تھا' شاہی طبیب اور وزیر حکیم احسن اللہ خان بادشاہ کا معتمد خاص تھا جسے بادشاہ کی خوابگاہ تک رسائی حاصل تھی' جیسا کہ انگریزی قبضے کے بعد اُس نے بطور گواہ بادشاہ کے خلاف بیان دیا اُس سے ظاہر تھا کہ وہ ھنگامے کے دوران بادشاہ کی خط و کتابت' جنگی منصوبوں' ملاقاتوں اور دیگر اہم فوجی معاملات کے بارے میں اطلاعات باقاعدہ دہلی کے باہر مقیم انگریزوں کو بھیجتا رہتا تھا۔ بادشاہ نے ایک غلطی یہ کی تھی کہ قلعہ کو چھوڑتے وقت تمام اہم کاغذات وہیں چھوڑ دیئے تھے جن پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور بطور شہادت بادشاہ اور شہزادوں کے خلاف استعمال کیا۔ یہ غدار اپنے الٹے سیدھے مشوروں سے جنرل بخت خان کی محنت پر پانی پھیرتے رہتے تھے۔ شہر کے اندر بے چینی نے بھی غداروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا اور تمام اہم خبریں اِن جاسوسوں کے ذریعے انگریزوں کو پہنچنے لگیں۔ بعض مورخین کے نزدیک بادشاہ کی چہیتی بیگم زینت محل انگریزوں سے سازباز رکھتی تھی اور اُسکے الٹے سیدھے مشوروں کی وجہ سے کئی بار حریت پسندوں کے جنگی منصوبے ناکام ہوئے' دہلی میں یہ بات علی الاعلان کہی جاتی تھی کہ بادشاہ زینت محل کے اثر میں ہے اور اُسکی کوئی ذاتی رائے نہیں۔ شہزادہ جواں بخت کا خسر مرزا الٰہی بخش انگریزوں کا تنخواہ دار ایجنٹ تھا' چنانچہ "محاذِ آزادی کے خلاف سازشوں اور جاسوسی کی زنجیر کا ایک سرا مرزا الٰہی بخش اور دوسرا منشی رجب علی کے ہاتھ میں تھا جو بے حد خود غرض' عیار اور شاطر انسان تھا' دہلی میں جو خفیہ تنظیم انگریز حکومت کی بحالی کے لئے کام کر رہی تھی وہ اُس کا سرغنہ تھا' نیز ہر طرح کی سازش اور سازباز کا وہی ذمہ دار تھا' وہ بیک وقت مخبری کے فرائض بھی انجام دیتا تھا اور دہلی کی سپاہ اور مخلص امراء کے درمیان اختلاف کا بیج بھی بوتا تھا' نتیجہ یہ نکلا کہ بیشتر فوجی دربارِ دہلی کے خلاف ہو گئے اور برملا کہنے لگے کہ بہادر شاہ کو ہٹا کر مرزا مغل یا کسی اور شہزادے کو بادشاہ بنا دیا جائے" (1857ء کی جنگِ آزادی۔ مظہر امروہوی)۔ بادشاہ نے جنگی اخراجات کے لئے ھندوستان کی مختلف ریاستوں اور علاقوں

Marfat.com

حصار، بجنور، بریلی، ساگر، لدھیانہ، جھانسی، الہ آباد، متھرا وغیرہ) سے نقد رقم بھی طلب کی
تھی، لیکن بادشاہ سے عقیدت اور وفاداری کے خالی اظہار کے سوا کسی نے خاص مالی امداد نہ
کی اور نہ کسی بڑی ریاست نے کھل کر حمایت کی، بلکہ وہ "تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو اور
انتظار کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ شہر میں بے امنی کی فضا سے فائدہ اٹھا کر "گامی خان"
جیسے غنڈے اور انگریزوں کے ایجنٹ پیدا ہو گئے جو کھل کر لوٹ مار کرنے لگے۔ گامی خان نے
شہر میں کئی بے گناہوں کو جھوٹا الزام لگا کر پھانسیاں دلوائیں اور آخر میں خود بھی پھانسی پر
چڑھا۔ ان غداروں کے علاوہ ایک نامی گرامی غدار "مرزا کالے" تھا جو شاہی خاندان کا فرد تھا،
جسے مظہر امروہوی کے مطابق "اُس صدی کے بد ترین انسانوں میں سے ایک قرار دینا
بے انصافی نہ ہوگا" وہ شاہی خاندان کے بارے میں بے سر وپا باتیں انگریزوں کو بتاتا، دہلی پر
فرنگی قبضہ کے بعد اُس نے بے شمار آدمیوں کو پکڑوایا اور پھانسیاں دلوائیں، وہ بے گناہ
رشتے داروں کو ورغلاتا کہ وہ انگریزوں کے سامنے جا کر بادشاہ کے ساتھ رشتے داری کا اعلان
کریں تاکہ انہیں وظیفہ اور مراعات ملیں، دوسری طرف انگریزوں سے کہتا کہ اِن شہزادوں
نے انگریزوں کے قتلِ عام میں حصہ لیا تھا۔ اس طرح بہت سے معصوم شہزادے اسکی عیاری
اور جاسوسی کے سبب پھانسی پا گئے۔

گھر کے اِن غداروں کے علاوہ دہلی کے باہر بھی بے شمار مفاد پرست مسلمانوں نے
ملی نصب العین کے ساتھ غداری کی اور انگریزوں کی مدد کی یا خاموش تماشائی بن کر اپنے
بھائی بندوں کی تباہی کا نظارہ دیکھتے رہے اور خدا کے نزدیک مجرم بنے، کیونکہ ایسے موقع پر
غیر جانبداری دشمن کے حق میں جاتی ہے۔ مثلاً افغانستان کے امیر دوست محمد خان سے
تحریک آزادی کو بجا طور پر توقع تھی کہ وہ اگر عملی حمایت نہیں تو کم از کم انگریزوں پر عقب
سے دباؤ ڈالیں گے، لیکن افغان حکمران نے حریت پسندوں کی بجائے انگریزوں کی تائید کی۔
سب سے زیادہ غدار پنجاب نے پیدا کئے، جہاں چیف کمشنر سر جان لارنس نے مسلمان

Marfat.com

زمینداروں اور سرداروں سے سازباز کر کے ھندوستانی سپاھیوں کے خلاف ایک قسم کا تعصب پیدا کر دیا تھا' اِن ھندوستانی (یوپی اور دہلی کے باشندے) سپاھیوں کو نفرت سے پنجاب میں "پوربئیے" اور "پینڈی" کہا جانے لگا' یہ دونوں اصطلاحیں انگریزوں نے ایجاد کی تھیں' جب ھندوستان سے کچھ حریت پسند پنجاب میں محاذِ آزادی کی اپیل لے کر گئے تو وہاں ان کے ساتھ بُرا سلوک کیا گیا' خصوصاً مقامی زمینداروں نے اپنے انگریز آقاؤں کے ایما پر اُن سے بے رُخی برتی۔ دہلی پر جس انگریز فوج نے ستمبر میں فیصلہ کن یلغار کی تھی اُس میں سکھوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد پنجابی مسلمانوں کی تھی۔ فلپ وڈرف کے مطابق: "در حقیقت پنجاب نے ھمیں توانائی عطا کی" یہ توانائی اُن پنجابی مسلمانوں کے سبب سے تھی جو جوق در جوق انگریزی فوج میں بھرتی ھو رہے تھے۔ پنجابی مسلمانوں کے بعد سرحدی (پٹھان) مسلمانوں کا نمبر آتا تھا۔ انگریز وقائع نگار ایچ۔ سی۔ فین شا نے لکھا: "اپنے سب سے طاقتور مرکز میں' ہم نے شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب کی حدود سے جمع کی ھوئی فوج کے ذریعے باغی قوت کو شکست دیکر تباہ اور منتشر کر دیا ہے" اس کے ساتھ ھی اس انگریز مصنف نے اُن "بہادر" مقامی سرداروں کی تعریف کی ہے جنھوں نے انگریزوں کی مدد کی اور اُن کے وفادار رہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ستمبر تک اس مقامی فوج کی بدولت دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کی تعداد بڑھ کر دس ھزار ھو چکی تھی جو بے حد منظم تھی اور جسکی رسد کی ترسیل پنجاب سے (کسی رکاوٹ کے بغیر) جاری تھی۔ چنانچہ جب یہ فوج فتح کے پھریرے اڑاتے ھوئے تباھی و غارتگری کے لئے دہلی شہر میں داخل ھوئی تو پنجابی اور سرحدی مسلمان فوجیوں نے بھی اپنے ہم وطنوں اور ہم مذھبوں کی جان و مال کی بربادی میں دل کھول کر حصہ لیا کیونکہ انگریز کی طرف سے انہیں اذن عام تھا۔ فین شا نے لکھا ہے کہ لال قلعہ میں جو دستہ سب سے پہلے داخل ھوا تھا وہ پنجابی فوج کا دستہ تھا جسکی قیادت لفٹینٹ میکوئین کر رہا تھا' چونکہ قلعہ کا بڑا دروازہ بند تھا لہذا اُسے فائر کر کے کھولا گیا۔ اُس

Marfat.com

ت قلعے میں سوائے چند مخبوط الحواس افراد کے اور کوئی نہ تھا۔ بہر حال یہ "اعزاز"
نجابی سپاھیوں کے حصے میں آیا کہ انہوں نے آخری مغل بادشاہ کی رہائش گاہ پر دھاوا بولا اور
ہاں انگریزی جھنڈا لہرایا۔ 20 ستمبر کو بعد دوپہر وِلسن لال قلعہ میں پہنچا اور دیوان خانے میں
جہاں مغل بادشاہ امرا اور سفرا کو باریاب کیا کرتے تھے) بیٹھکر ملکہ وکٹوریہ کا جامِ صحت نوش
رتے ھوئے محفلِ شراب منعقد کی۔" لال قلعہ 1648ء میں مکمل ھوا تھا۔ دوسو نو سال
کے بعد اسکے درودیوار نے پہلی مرتبہ ایک اجنبی حکمران کا جام صحت تجویز ھونے کی صدا
سُنی "۔ انگریزی فاتح فوج میں ایک دستہ ملتانیوں کا بھی تھا' ظاہر ہے کہ اِن ملتانیوں نے بھی
دہلی کے باشندوں کے گھروں کی لوٹ مار میں حصہ لیا ھوگا۔

حال ھی میں ممتاز صحافی وکیل انجم نے "سیاست کے فرعون" کے عنوان سے
لکھی اپنی کتاب میں پنجاب کے بعض جاگیرداروں کے آباؤ اجداد کے اُن سیاہ کارناموں سے
پردہ سرکایا ہے جو انہوں نے 1857ء میں ملک وملت کے ساتھ غداری کر کے سرانجام
دیئے تھے اور جسکے عوض انہیں لمبی لمبی جاگیریں' انعامات اور سندیں انگریزوں نے عطا کی
تھیں' اس کتاب میں بعض دلچسپ واقعات بیان کئے گئے ہیں' بطور نمونہ چند خاندانوں کے
کارنامے آپ بھی ملاحظہ کریں : پنجاب اور سندھ میں پھیلے مزاری قبیلے کے بارے میں لکھا
ہے کہ اس قبیلہ کا سردار علی خان بری عادتوں کا شکار ھو گیا تو چھوٹے بھائی امام بخش نے
سرداری سنبھال لی' انقلاب 1857ء میں اُس نے انگریزوں کا کھل کر ساتھ دیا'
بالآخر انگریزوں نے اُسے "سر" کے خطاب سے نوازا اور متعدد مراعات جو اس خطاب کے
ساتھ ملتی تھیں' عطا کیں۔ بجاران خان دریشک (دریشک قبیلہ کا سردار) نے 1857ء کی
جنگ آزادی میں حریت پسندوں کے خلاف لڑنے کے لئے دریشکوں کا ایک خصوصی دستہ
انگریزوں کو بھیجا۔ دریشکوں کو بھی انگریزوں نے خوب نوازا۔ نواب آف بہاولپور 1857ء کی
جدوجہد میں انگریزوں کے ساتھ وفا کا دم بھرتے رہے۔ خان گڑھ کے نوابزادگان کے

Marfat.com

جد امجد اللہ داد خان نے 1857ء کی جنگ میں حریت پسندوں کو کچلنے میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا اور اُسے دوبار خصوصی خلعت دی گئی اور انعام عطا ہوئے۔ ملتان کے مشہور و معروف قریشی خاندان کے سربراہ مخدوم شاہ محمود نے 1857ء میں انگریز کمشنر کو مقامی آبادی کی بے چینی کے متعلق قیمتی معلومات اور اطلاعات فراہم کیں اور سرکاری فوج کی مدد کے لیے پچیس سواروں کی ایک ملتانی پلٹن تیار کر کے دہلی بھجوائی' ان خدمات کے عوض اُسے قیمتی جاگیر' نقد انعام اور آٹھ کنویں زمین انگریز سرکار نے عطا کی۔ ملتان ھی کے گیلانی خاندان کے سربراہ اور گدی نشین مخدوم سید نور شاہ نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز سرکار نے ان کی ''خدمات'' کے اعتراف میں انہیں خلعت اور سند سے نوازا اور بعد میں کاسہ لیسی کے صلے میں اس خاندان کو جاگیریں بھی ملیں۔ ملتان کے گردیزی بھی اس سلسلے میں پیچھے نہ رہے اور انہیں خلعت و سند عطا کی گئی۔ خانیوال کے ڈاھوں نے انگریزی سرکار کی یہی خدمت کی' ممدوٹ اُن کے حامی رہے' لاہور کے قزلباش سردار علی رضا نے ایک گھوڑ سوار دستہ تیار کر کے جنگ آزادی میں حریت پسندوں کے خلاف لڑنے کے لئے دہلی روانہ کیا۔ اس دستے کے ہمراہ علی رضا کا بھائی محمد تقی خان تھا جو مجاہدوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ قزلباشوں کو اِن خدمات کے عوض خطاب کے علاوہ سند اور وظیفے سے نوازا گیا اور بعد میں 147 دیہات پر مشتمل تعلقہ داری دے دی گئی۔ لاہور کے کلاں شیخ خاندان کے سربراہ شیخ امام الدین نے جنگ آزادی میں دو دستے خصوصی طور پر دہلی بھجوائے' جنھوں نے حریت پسندوں کا خون بہایا۔ اِن خدمات کے اعتراف میں اس خاندان کو انگریزوں نے بہت بڑی جاگیر بخشی۔ پنجاب کے چٹھہ خاندان کے ایک بڑے زمیندار جان محمد نے 1857ء میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ چنانچہ اس خاندان کو قیمتی جاگیر دی گئی اور عہدے اور منصب بھی عطا ہوئے۔ کھرلوں کا وڈیرا احمد خان 1857ء میں انگریزوں کا جاسوس بنا رہا اور جنگ کے بعد اُسے خان بہادر کا خطاب' خلعت اور وظیفہ کے علاوہ خاندان کو جاگیر عطا کی گئی۔ جھنگ کے

Marfat.com

یال سرداروں نے جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کے لئے ایک خصوصی فوج تیار کی تھی'
ں پر انہیں جاگیریں اور خلعتیں ملیں۔ سرگودھا کے انگریز پرست ٹوانوں کے گھڑ سواروں
نے دہلی کی تسخیر میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے' چنانچہ انہیں خطاب پنشن' اور
ی چوڑی جاگیریں عطا ہوئیں۔ اسی قسم کی غدارانہ "خدمات" کے عوض انگریزوں
نے نونوں' پنڈدادن خان کے کھوکھروں' جہلم کے راجوں' راولپنڈی کے ایسپالوں' اٹک کے
وندلوں' جودھروں' گھیبوں' کھٹڑوں' خانوں' مکھڈ شریف کے پیروں' اعوانوں' کالاباغ کے
والوں' عیسیٰ خیل کے نیازیوں اور کئی دوسرے سرکردہ خاندانوں کو عزت' خطاب' وظیفے اور
وسیع جاگیریں عطا کیں' بدقسمتی یہ ہے کہ شہیدوں کے ساتھ غداری کے بل پر فرنگی دور میں
سربلند ہونے والوں کی اولاد آج بھی "ممتاز" اور "معزز" ہے۔

آزادی کی جدوجہد کے دوران نظام دکن (سلطنت آصفیہ) انگریزوں کا طرفدار رہا'
کئی دوسرے مسلمان نواب بھی خفیہ طور پر انگریزوں کے ساتھ تھے' انگریزوں نے دہلی میں جو
جاسوسی کا شعبہ قائم کیا تھا وہ بہت مؤثر تھا' انگریزوں کے دیئے لالچ میں آکر کئی مسلمان غدار
(جاسوس) مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے اور انگریز حکام کو ان کی خبریں پہنچاتے رہے۔
سب سے خطرناک سازش وہ تھی جو لال قلعہ میں کی گئی' جہاں بادشاہ کا روزنامچہ نویس
میر رجب علی انگریزوں کا تنخواہ دار ایجنٹ بن گیا اور اُس نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنا کردار
ادا کیا' بادشاہ کی خفیہ مشاورتوں اور جنرل بخت خان اور شہزادوں کے درمیان چپقلش کی خبریں
اُسی کے ذریعے انگریزوں تک پہنچیں' جس کا انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا' اسطرح جیتی ہوئی
جنگ شکست میں بدل گئی۔ اب ہم ایک بار پھر اُس سب سے بڑی غداری کی طرف آتے ہیں جو
بالآخر بادشاہ کی گرفتاری اور شہزادوں کے قتلِ عام پر منتج ہوئی۔ اس سلسلے میں جو کچھ
خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مقبرہ ہمایوں میں جنرل بخت خان بادشاہ کے "تن بہ تقدیر" رویے سے دلبرداشتہ

Marfat.com

ھو کر غالباً نیپال کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا جہاں اودھ کی شیرنی حضرت محل نے بھی اپنے بیٹے کے ساتھ پناہ لی تھی۔ عجیب اتفاق ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد فرار ھونے والے مسلمان پاکستانیوں کے لئے بھی نیپال کے پہاڑوں نے اسی طرح اپنی آغوشِ پناہ وا کی تھی' 1857ء میں انگریزوں کے انتقام سے بچنے کے لئے بھی کئی مجاھدین نے نیپال کا رخ کیا تھا۔ خیر' یہ جملہ معترضہ تھا۔

ہے کتنا بد نصیب ظفر!

میجر ھڈسن کو مرزا الٰہی بخش نے اطلاع دی کہ جنرل بخت خان جا چکا ہے اور بادشاہ نے اُسکے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ہے۔ چونکہ ابھی تک ھندوستان میں بغاوت کے شعلے مکمل طور پر سرد نہیں ھوئے تھے' اس لئے انگریزوں نے کسی ممکنہ خراب ردِ عمل سے بچنے کے لئے بادشاہ کو زندہ گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس آپریشن کی کمان میجر ھڈسن نے سنبھالی' یہ شخص بڑا ھی سنگدل اور بد مزاج تھا اور کسی انسان کی تکلیف اسکے دل پر کوئی اثر نہیں کرتی تھی۔ قتل و خونریزی کو ایک کھیل سمجھتا تھا۔ روایت ہے کہ منشی رجب علی بھی اسکے ھمراہ تھا۔ ھڈسن پچاس سوار لے کر مقبرہ ھمایوں کے مغربی دروازے پر آیا اور باہر کھڑا رہا۔ مقبرے کے اندر بادشاہ' اسکی بیگم' اہلِ خاندان کے علاوہ مرزا الٰہی بخش بھی (طے شدہ منصوبے کے مطابق) موجود تھا' ھڈسن نے اندر پیغام بھجوایا کہ وہ بادشاہ کو گرفتار کرنے آیا ہے۔ اس پر بادشاہ اور مرزا الٰہی بخش کے درمیان پھر بحث شروع ھو گئی جو دو گھنٹے تک جاری رہی۔ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کا اصرار تھا کہ بادشاہ کو جان بخشی کی ضمانت پر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دینا چاہیئے' جبکہ بادشاہ کو احساس ھو رہا تھا کہ اُس نے بخت خان کی پیشکش قبول نہ کر کے غلطی کی کیونکہ اب صرف ذلت اُسکی منتظر تھی اور میرزا الٰہی بخش کے سب وعدے ھوا میں اڑ گئے تھے اور اصل حقیقت سامنے آ رہی تھی۔ بدترین تاریخی غداری

Marfat.com

کے ڈرامے کا ڈراپ سین ہونے والا تھا۔ روایت ہے کہ اس موقع پر بادشاہ نے بخت خان کو
طلب کیا لیکن اُسے جواب دیا گیا کہ وہ دور جا چکا ہے اور اب اُسے بلانے کا موقع نہیں رہا'
اس لئے مناسب یہ ہے کہ میجر ہڈسن سے اپنی' اپنی بیوی اور شہزادہ جواں بخت کی جان بخشی کا
وعدہ لے کر اُسکے ساتھ چلے جائیں' چنانچہ یہی پیغام زینت محل کے کہنے کے مطابق
میجر ہڈسن کو دیا گیا' طے شدہ پروگرام کے مطابق ہڈسن نے یہ شرط قبول کر لی۔ یہاں سوال
پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ نے خاندان کے دوسرے شہزادوں کے لئے امان طلب کیوں نہ کی؟
کیا وہ بادشاہ کی اولاد نہ تھے؟ اس سوال کا معقول جواب تاریخ کی کوئی کتاب فراہم نہیں کرتی۔
ممکن ہے بادشاہ سے فروگزاشت ہوئی ہو یا زینت محل نے بادشاہ کو اس سے باز رکھا ہو!
جو بادشاہ جو گورنر جنرل سے بھی تمکنت کے ساتھ بات کرتا تھا' آج وہ ایک معمولی خفیہ پولیس
کے افسر کے سامنے آیا اور کہا "کیا تم ہی ہڈسن ہو؟ ہڈسن نے کہا' ہاں میرا نام ہڈسن ہے'
بادشاہ نے کہا اگر تم ہڈسن ہو تو اس وقت تمہاری زبان سے بھی اس فقرہ کو سننا چاہتا ہوں
جو تم نے ابھی مقبرہ کے اندر مجھکو کہلا بھیجا تھا۔۔۔ ہڈسن نے باوجود اپنی سخت مزاجی کے نرمی
سے جواب دیا' آپ اطمینان رکھئے' آپ کی اور زینت محل بیگم اور جواں بخت کی جان کو کچھ
خطرہ نہیں ہے۔" (خواجہ حسن نظامی)۔ اسکے بعد پالکیاں لائی گئیں' بادشاہ' زینت محل اور
جواں بخت پالکی میں سوار ہوئے' اُس وقت چھیانوے افراد بادشاہ کے ہمراہ تھے' تحقیر و تشہیر
کے مقصد سے بادشاہ اور اسکے خاندان کو قریب ترین راستے کی بجائے دور لاہوری دروازے
کے راستے چاندنی چوک سے گزار کر لال قلعے لے جایا گیا۔ بادشاہ نے جنرل ولسن سے
ملاقات کی خواہش کی لیکن رد کر دی گئی۔ بادشاہ کو بیگم زینت محل کے مکان میں نظر بند کر دیا
گیا اور انگریزی گارد کا پہرہ لگا دیا گیا۔ روایت ہے کہ جب بادشاہ کی سواری دیوانِ عام کے
سامنے رکی تو وہاں موجود انگریز افسروں نے بادشاہ پر گالیوں اور بکواس کی بوچھاڑ کر دی'
ایک انگریز نے بادشاہ کو ذلیل کرنے کے لئے اسکی ران پر ہاتھ مارا جس پر غلام حبشی نے اُسے

Marfat.com

اٹھا کر زمین پر پھینک دیا' غلام کو اُسی وقت قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کے خلاف مقدمہ چلنا تھا' اس مقدمے کی کارروائی کی تکمیل تک بادشاہ نے اسی جگہ رہنا تھا' تاہم روزانہ کئی انگریز مرد و عورت وہاں آجاتے اور قیدی بادشاہ کو اسطرح دیکھتے جیسے وہ چڑیا گھر کا کوئی عجیب و غریب جانور ہو' اُسے تذلیل و تمسخر کا نشانہ بنایا جاتا۔ ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ بہتر ہوتا اگر بہادر شاہ اپنی زندگی کا سودا نہ کرتا۔ نظر بندی کے دوران کئی انگریزوں نے بادشاہ کی وضع قطع کا نقشہ کھینچا۔ ایک تصویر ملاحظہ ہو: "دروازے کے آگے پہرے دار پھر رہے تھے' ہم ایک میلے سے مکان میں داخل ہوئے' جسکی دیواروں پر سفیدی پھیر دی گئی تھی' وہاں ایک معمولی پلنگڑی پر بوڑھا' دبلا پتلا آدمی بیٹھا تھا' میلا سا سوتی لباس پہن رکھا تھا' لیکن رضائیوں میں لپٹا ہوا تھا اور حقہ پی رہا تھا" (حوالہ: غلام رسول مہر) گویا بادشاہ انگریزوں کے لئے تماشا بن گیا تھا اور وہ جی بھر کے اسکی تذلیل کر رہے تھے' یہ تھا جاں بخشی کا نعم البدل۔

اب بادشاہ پر مقدمہ چلنا شروع ہوا' بادشاہ کے خلاف اہم ترین دستاویزی ثبوت وہ خفیہ کاغذات تھے جو بادشاہ جلد بازی یا لاپروائی میں قلعہ کے اندر چھوڑ گیا تھا' علاوہ ازیں مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خان جیسے غداروں کی گواہیاں تھیں' بادشاہ کو بار بار لال قلعہ کے مکان سے باہر دیوانِ خاص میں لایا جاتا تھا جہاں اُسے گھنٹوں فوجی عدالت کے باہر بٹھایا جاتا' پھر الٹے سیدھے سوالات دریافت کئے جاتے۔ استغاثہ کا خلاصہ یہ تھا کہ بہادر شاہ نے انگریز حکومت کا وظیفہ خوار اور محکوم ہونے کے باوجود بادشاہی کا اعلان کیا' باغیوں کو اکسایا' بغاوت میں حصہ لیا اور انگریزوں کے قتل میں معاون رہا' وغیرہ وغیرہ۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ جو غاصب تھے وہ حقدار کو کہہ رہے تھے کہ اُس نے بادشاہ اور حکمران بننے کا اعلان کیوں کیا؟۔ بادشاہ کے بیان کو کوئی اہمیت نہ دی گئی اور توقع کے مطابق فیصلہ بادشاہ کے خلاف کر دیا گیا جسکی سزا بظاہر موت تھی لیکن چونکہ جان بخشی کا وعدہ ہو چکا تھا اس لئے پہلے کلکتہ اور پھر رنگون بھیج دیا گیا' یہ نومبر 1858ء کا واقعہ ہے کلکتہ کے سفر میں بادشاہ کے ساتھ

Marfat.com

زینت محل اور شہزادہ جواں بخت بھی تھا۔ علاوہ ازیں دو اور شہزادے میرزا عباس اور میرزا قیصر شکوہ تھے اور کچھ ذاتی خادم تھے رنگون میں ایک چھوٹا سا مکان رہنے کو ملا' جس پر گوروں کا پہرہ رہتا تھا' وہاں گزارے کے لئے انہیں صرف چھ سو روپے ماہوار ملتے تھے' زینت محل کے پاس تھوڑے سے زیورات تھے انہیں بیچ کر ضروریات پوری کیں۔ زمانہ اسیری میں بادشاہ کا وقت کیسے گزرتا تھا' کچھ خاص معلوم نہیں تاہم اس زمانے کی ان کی چند نظمیں مشہور ہوئیں۔ بادشاہ نے 7 نومبر 1862ء کو " قیدِ حیات اور قیدِ فرنگ دونوں سے نجات پائی" موت کے وقت زینت محل' جواں بخت اور اسکی بیوی کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ کچی قبر میں مکان کے صحن میں دفنائے گئے۔ چوبیس سال بعد زینت محل نے بھی وفات پائی اور اسے شوہر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ شہزادہ جواں بخت والدہ کی وفات سے دو سال پہلے برما کے ایک دور افتادہ مقام پر فوت ہو گئے تھے۔ یوں ھندوستان میں مغلیہ سلطنت کے تمام آثار پیوند خاک ہوئے۔

اگر بادشاہ جاں بخشی کا وعدہ حاصل کرنے کی بجائے انگریزوں سے لڑ لڑ کر مر جاتے تو یقیناً اُن کا نام اسلام کے ہیرؤوں کی صف میں شمار ہوتا' آج تک وہ مظلومیت کی علامت ہیں' لیکن جیسا کہ مورخ لکھتے ہیں تیموریوں کی حقیقی شان میدانِ جنگ کی موت تھی نہ کہ بے دست وپائی کی حالت میں بر سر راہ گولیاں یا قید خانے کی کوٹھڑیوں میں جانیں دینا۔ زوال جب آتا ہے تو مکمل آتا ہے' سیاسی زوال کے ساتھ مغل شہزادے بدترین اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے' وہ زندگی کے جویا ہوئے' لیکن نہ زندگی ملی نہ ھی عزت۔ خونیں انقلاب نے اُن کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر میں ملتِ اسلامیہ کو جو چرکے سہنے پڑے' جو تباھی اور بربادی اُن پر آئی اُسکی تلافی آج قریباً ڈیڑھ سو سال گزرنے کے باوجود نہیں ہو سکی ہے۔ وہی دہلی جہاں مسلمانوں کا بادشاہ رہتا تھا' جہاں مسلمانوں کی امارت تھی' حکومت تھی' عزت تھی' شان وشوکت تھی' اُس کا ذرہ ذرہ (بقول غالبؔ) مسلمانوں کے خون کا پیاسا بن گیا۔

Marfat.com

باب ۔ 15

ھنگامہ 1857ء-II (آگ اور خون کی داستان)

شہرِ دہلی کا ذرّہ ذرّہء خاک تشنہء خوں ہے ہر مسلماں کا (غالبؔ)

مقبرہ ہمایوں میں بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے ساتھ ہی 1857ء کی انقلابی جدوجہد دم توڑ گئی۔ بعض اکادکا مقامات پر ایک سال بعد تک تھوڑی بہت مزاحمت ہوتی رہی لیکن اِن معمولی چنگاریوں کی اب کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ مرکزِ تحریک ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ غور کیا جائے تو 1707ء (سالِ وفات اورنگ زیب عالمگیر) سے 1857ء تک کسی مغل بادشاہ کا زمانہ ایسا نہیں ہوا جو سنگین حادثات اور خونی واقعات سے خالی ہو، جنہیں سیکھنا چاہیئے تھا انہوں نے کوئی سبق سیکھا ہی نہیں۔ مغلیہ حکومت پستیوں میں گرتی چلی گئی اس کا سفینہ طوفانوں میں گھر کر ڈانواں ڈول ہوتا رہا حتیٰ کہ آخری بادشاہ کے وقت میں چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اس آخری حادثے میں مغلیہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو بھی آگ کے دریا سے گزرنا پڑا۔ ہندوؤں کو جو نقصان پہنچا وہ اُن کی آبادی اور شرکت کے تناسب کے اعتبار سے انتہائی حقیر تھا۔

انقلابی جدوجہد کے خاتمے کے بعد گوروں نے شاہی خاندان، مسلمان عمایدین، علماء، امراء اور عامتہ المسلمین پر مظالم کے جو پہاڑ توڑے انہیں دیکھتے ہوئے ایٹلا، چنگیز، ہلاکو، تیمور اور نادر شاہ رحمدل قصاب معلوم ہوتے ہیں جو اپنے مذبوح کو زیادہ تڑپاتے نہ تھے۔ انگریزوں کے اپنے مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ جذبہ انتقام میں وہ بہیمیت کی حد تک چلے گئے تھے۔ فلپ وڈرف نے اپنی کتاب ''دی مین ہُو رولڈ انڈیا'' کے باب ''غدر'' میں لکھتے ہیں

Marfat.com

"عموماً یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ انگریز عورتوں کے ساتھ زیادتی اور قطعِ اعضا کے جرائم کا ارتکاب کیا گیا تھا، جبکہ ان کہانیوں کی کوئی حقیقت نہ تھی، انتہائی محتاط تفتیش کے بعد آخر میں صرف ایک معاملے کا پتہ چلا جو کہ ایک مس ویلر نامی عورت کا تھا، جو سر ھوویلر کی بیٹی تھی اور جسے ایک سپاہی کی بیوی یا داشتہ کے طور پر کانپور سے اٹھایا گیا تھا۔ اس کے باوجود ان بے سروپا کہانیوں پر یقین کر لیا گیا اور جان نکلسن نے ایڈورڈز کو لکھا کہ ہمیں دہلی میں عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کی زندہ کھال اتارنے یا انہیں جلانے کا قانون منظور کرنا چاہیئے' ایسے لوگوں کو پھانسی لگانا بہت ہی دماغ خراب کر دینے والا تصور ہے.... اسی طرح سرکاری سطح پر جو ہدایات جاری کی گئیں وہ بڑی سخت تھیں، مثلاً جنرلِ نیل نے میجر ری ناڈ کو (جو کانپور کمک فراہم کرنے جا رہا تھا) لکھا کہ مبگون کے دیہات اور گردونواح پر حملہ کر کے انہیں تباہ کر دیا جائے، تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، کسی کو قیدی بنانے کی ضرورت نہیں۔ فتح پور پر فوری حملہ کیا جائے، پٹھان محلوں کو تباہ کر کے وہاں سب کو قتل کر دیا جائے' اور اس مقام کو عبرت کی مثال بنایا جائے۔ اِن ہدایات پر پوری سختی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ری ناڈ کے ساتھ کام کرنے والے ایک شخص نے بتایا کہ مقامی لوگوں کو پھانسیاں دینے میں انتہا درجے کی بے احتیاطی روا رکھی گئی۔ مثلاً ایک درجن آدمیوں کے گروہ کو اس لئے سولی دی گئی کہ جب وہ انگریزی فوج کی پیشقدمی کے دوران سامنے آئے تو اُن کا رخ دوسری طرف تھا..... اس میں کوئی استثنیٰ نہ تھا، الہ آباد، کان پور، دہلی، جیسے ہی وہاں برطانوی دستے واپس پہنچے' نہ صرف یہ کہ غیر مہذب انصاف تھا بلکہ بلا تمیز قتلِ عام بھی، چلو باغیوں کے لئے تو معافی نہ سہی' لیکن الہ آباد، کانپور اور دہلی میں شہری آبادیوں کے مردوں کی اکثریت کو ذبح کرنے کا کیا قانونی جواز تھا؟..... فوجی سپاہی (مقامی ہوں یا یورپی) دہلی کی دیواروں کے اندر گھومنے والے ہر شخص کو باغی سمجھ کر مستحقِ قتل سمجھتے تھے...."

Marfat.com

جب ہڈسن نے شہزادوں کا خون پیا

بے دریغ قتل عام، گولیوں، پھانسیوں اور سولیوں کے سلسلے کا افتتاح ھڈسن نے مغل شہزادوں کا خون پی کر کیا۔ یہ روایت خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب "دہلی کی جان کنی" میں میرزا الہٰی بخش کے ایک مصاحب کے حوالے سے درج کی ہے۔ مغل شہزادے، میرزا عبداللہ، میرزا مغل، میرزا خضر سلطان اور میرزا ابوبکر بھی مقبرہ ہمایوں سے بہادر شاہ کے ساتھ ہی گرفتار ہوئے تھے اور انہیں الگ گاڑی میں لے جایا جا رہا تھا۔ جب یہ کاروانِ اسیران، دہلی کے جیل خانے کے پاس پہنچا، تو ہڈسن نے بادشاہ کی پالکی کو الگ روکا اور چاروں شہزادوں کو رتھ گاڑی سے نیچے اترنے کا حکم دیا، پھر اُن کو کپڑے اتارنے کا حکم ملا، شہزادوں نے یہ حکم سن کر آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اُن کو ہرگز امید نہ تھی کہ اُن کو اس جگہ راستے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ میرزا الہٰی بخش نے انہیں باور کرایا تھا کہ انہیں سزا دینے کا اختیار صرف جنرل ولسن کو تھا اور یہ کہ امید تھی کہ انہیں امان مل جائے گی۔ بہر حال وہ رتھ سے نیچے آئے، شہزادگی کا لباس اتارا۔ یہ دیکھتے ہی ہڈسن غصّے سے دیوانہ ہو گیا اور اُس نے ایک سوار سے بھری ہوئی قرابین لی اور تڑ تڑ فائر کر دیئے، گولیاں شہزادوں کے سینے میں لگیں اور وہ "ہائے دھوکہ" کہہ کر زمین پر گر گئے اور خاک میں تڑپنے کے بعد مر گئے۔ اس موقع پر شہزادوں کے سر سے بہنے والے خون کا ایک چلو ھڈسن نے پیا اور کہا "اگر میں یہ خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا"۔ قتل کے بعد شہزادوں کے سر کاٹے گئے اور سروں کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا، ہڈسن نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا، لیجئے یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہو گئی تھی اور جسے بحال کرانے کے لئے آپ نے "غدر" میں شرکت کی تھی۔ بادشاہ نے کٹے ہوئے شہزادوں کے سر دیکھ کر زبردست استقلال سے منہ پھیر لیا اور کہا "الحمدللہ، تیمور کی اولاد ایسی ہی سرخرو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی تھی" اس کے بعد

Marfat.com

شہزادوں کی سر بریدہ لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکائی گئیں اور سر جیل خانے کے سامنے خونی دروازے پر لٹکا دیئے گئے (اس دروازے کو "خونی دروازہ" کا نام بھی اسی وجہ سے دیا گیا) کہتے ہیں کہ جب شہزادوں کو گولی ماری گئی تو وہاں لوگوں کا ایک جمِ غفیر موجود تھا، گولی کی آواز کے ساتھ ہی لوگوں نے زور سے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا لیکن مجمع میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ قاتل گوروں پر کوئی کنکری ہی پھینک دے۔ بلکہ دہشت زدہ مسلمان منتشر ہو گئے' کسی قسم کا کوئی بلوانہ ہوا۔ کوتوالی پر ایک دن ایک رات لاشیں لٹکتی رہیں اور خوف زدہ لوگ دیکھتے رہے، اس کے بعد ان لاشوں کو بے گور و کفن کوتوالی کے سامنے پھینک دیا گیا جہاں کچھ مدت تک گدھ انہیں نوچتے رہے، اسکے بعد ان سڑتے بے گوشت جسدوں کو گھسیٹ کر دریا میں بہا دیا گیا۔ "شہنشاہ اکبر اعظم کی اولاد پر نمازِ جنازہ ادا کرنے اور آغوشِ زمین میں سلانے والا بھی کوئی نہ تھا"۔ (ساور کر۔ بحوالہ مولانا غلام رسول مہر)۔

بہادر شاہ کا ایک بھتیجا میرزا کالے انگریزوں کا تنخواہ دار مخبر اور سفاک جاسوس تھا' اس شخص نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں پر مکاری وعیاری سے ایسے ظلم کرائے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' اس نے اُن شہزادوں کو بھی گرفتار کرا کر پھانسیاں دلوائیں جن کا ہنگامے سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا اور نہ وہ قلعے میں رہتے تھے۔ انگریزوں کے دماغ پر انتقام کا بھوت سوار تھا جو صرف انسانی خون پیتا تھا، اس لئے وہ جس مغل شہزادے کو پکڑتے بے دریغ پھانسی دے دیتے۔ دہلی کے اندر اور آس پاس انتیس شہزادے اس طرح بے گناہ پکڑے گئے' ان میں بعض بوڑھے' بیمار اور لنگڑے بھی تھے' مثلاً میرزا قیصر اور میرزا محمود شاہ میں سے ایک نہایت سن رسیدہ اور دوسرا مریض تھا، لیکن سب کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی "انکوائری" یا "تفتیش" کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ مغل شہزادے عیش پسندی میں پلے بڑھے تھے، ان کی یہ حالت تھی کہ پانی بھی نوکر یا لونڈی غلام کی مدد کے بغیر نہیں پی سکتے تھے' جن شہزادوں کو قید بامشقت کی سزا ہوتی تھی ان کے لئے مشقت'

Marfat.com

جیسے چکی پیسنا وغیرہ' موت سے زیادہ سخت ہوتی تھی، اگر چکی نہ چلتی تو ان پر کوڑے پڑتے' بازو شل ہو جاتے' نازک بدنوں پر نشان پڑ جاتے' کوڑوں کی مار اور مشقت سے وہ چند ہی روز میں زندگی کی قید سے رہا ہو جاتے۔ غدار میرزا الٰہی بخش کی نشاندہی پر تیں شہزادوں (بہادر شاہ کے پوتے، نواسے اور داماد) کو دہلی دروازے کے باہر قتل کر کے اُن کے سر قیدی بادشاہ کے پاس بھیجے گئے تھے۔

چاندنی چوک میں سولیاں

مرزا غالبؔ نے کہا تھا:

؎ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں۔ 1857ء کے المیے میں ایسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہستیاں سولیوں پر لٹک گئیں جنکی نظیر پھر کبھی پیدا نہ ہو سکی' بعض بڑے صاحب کمال محض چغلی کی بنیاد پر قتل کر دیئے گئے حالانکہ انہوں نے ہنگامے میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، خود مرزا غالبؔ چاندنی چوک میں سولی کی سواری سے یہ دلچسپ جھوٹ بول کر بال بال بچے کہ وہ آدھے مسلمان ہیں (شراب پیتے مگر سور نہیں کھاتے)۔ ان شرفاء کی تذلیل کی انتہا یہ تھی کہ سزا سے پہلے (دوران کاروائی مقدمہ) انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ایک چھوٹے سے کمرے میں بند رکھا جاتا، حتیٰ کہ امیر غریب ایک ہی بیت الخلا کی چوکیوں پر ساتھ ساتھ بیٹھتے اور اکثر آپس میں باتیں کرتے رہتے، گویا انسان کو درجہ حیوان پر پہنچا دیا گیا تھا۔ والی جھجر، والی فرخ نگر اور نواب بلب گڑھ کو پھانسی پر لٹکایا گیا جبکہ انہوں نے کوئی عملی حصہ جہاد میں نہیں لیا تھا۔ روساء اور امراء کی پھانسی کے لئے عام طور پر دن کے سہ پہر کا وقت مقرر ہوتا تھا' اُس وقت "شہر کے دروازے بند کر لئے جاتے تھے، اور سپاہ کی ایک کمپنی باجا بجاتی ہوئی کوتوالی کے سامنے آن کر کھڑی ہو جاتی تھی، پھانسی پانے والے رئیس کو ایک کرانچی پر' جسکے گرد کپڑا نہیں ہوتا تھا' اکڑوں بٹھایا جاتا تھا' پیچھے مشکیں کسی ہوتی تھیں جن پر

Marfat.com

کپڑا ڈال دیا جاتا تھا' کوتوالی کے چاروں طرف فرنگی تماشائی بیٹھے ہوتے تھے' مجرم کے گلے میں پھندا ڈال کر تختہ نیچے گراتے تھے تو فرنگی دلشاد ہو کر خندہ دنداں نما کرتے تھے" (ذکاء اللہ۔ بحوالہ مولانا غلام رسول مہر)۔ پھانسی پانے والے نوابوں اور رئیسوں کی لاشیں اُن کے ورثا کے حوالے کرنے کی بجائے شہر سے باہر اوندھے منہ کسی گڑھے میں پھینک دی جاتی تھیں۔ دہلی کے محلہ کوچہ چیلاں میں کسی شخص نے ہنگامے میں حصہ نہیں لیا تھا' ہنگامے کے بعد ایک انگریز سپاہی نے اس محلے میں حکیم فتح اللہ کے ہاں زنانے میں گھسنے کی کوشش کی۔ کشمکش میں وہ زخمی ہو گیا، اس شکایت پر انگریز حاکموں نے حکم جاری کیا کہ اس محلے کے تمام مردوں کو مار ڈالا جائے یا پکڑ کر لایا جائے، چنانچہ کوئی گھر اس محلے کا ایسا نہ تھا جہاں کوئی مرد مارا نہ گیا ہو' بعض لوگ جان بچانے کے لئے دریا کی طرف بھاگے اور پانی مین ڈوب گئے۔ اِن مقتولوں میں سید احمد میاں امیر پنجہ کش شامل تھا جو اپنے وقت کا یگانہ روزگار خوش نویس تھا' ان کی خوش نویسی کا لوہا سارا ہندوستان مانتا تھا اور ان کے ہاتھ کے لکھے حروف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے، وہ گداگروں کو ایک حرف لکھ کر دے دیتے تھے جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ ایک روپے میں فروخت ہو جاتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ کوچہ چیلاں میں انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہونے والوں میں "ہندوستان کے آفتاب وماہتاب" تھے انہی مقتولوں میں مولانا صہبائی بھی تھے جنکی فارسی دانی مسلم تھی، میرزا غالبؔ نے اپنے رقعات میں ان کا ذکر دردانگیز الفاظ میں کیا ہے۔ شاعر صدرالدین آزردہؔ نے ان کی موت پر کہا:

قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو — کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو

اس حملے میں قتل ہونے والوں کی تعداد کا علم کسی کو نہیں، اکیلے مولانا صہبائی کے گھر کے اکیس افراد قطار میں کھڑے کر کے گولیوں سے اڑائے گئے۔ ذکاء اللہ دہلوی نے اپنی تاریخ

Marfat.com

میں لکھا ہے کہ انگریز حکمران صرف مسلمانوں کو باغی سمجھتے تھے، ایک انگریز کسی مقامی سے ملتا تو پوچھتا کہ وہ مسلمان ہے یا ہندو۔؟ اگر وہ ہندو کہتا تو جانے دیا جاتا اگر مسلمان کہتا تو پکڑ لیا جاتا۔ اسی بنا پر مرزا غالب نے جو ہنگامہ دار و گیر 1857ء کے عینی شاہد تھے، کہا تھا کہ دہلی شہر کی مٹی صرف خونِ مسلماں کی پیاسی ہے (مرزا غالب کا شعر جو اس باب کا عنوان ہے)۔ بعض امیرزادے (جنکی عادتیں بہت بگڑ چکی تھیں) حوالات اور قید میں بھی شطرنج گنجفہ، چوسر کی بازیاں لگاتے تھے حالانکہ ان میں سے روزانہ ایک دو کو پھانسیاں ہوتی تھیں گویا تختہ دار تک پہنچکر بھی وہ لہوولعب سے باز نہیں آئے تھے۔ بعض شہزادے (جن میں میرزا قویاش بھی شامل تھے) کسی نہ کسی طرح چھپ کر جنگلوں میں فرار ہوئے اور پھر اُن کا کوئی پتہ نہ چلا، مغل شہزادیاں در در کی خاک چھانتی پھریں، اِن شہزادیوں کی تو ایک دم دنیا ہی بدل گئی، شاہی محل سے نکل کر کٹیا میں آگئیں اور اکثر نے نوکرانیوں کا پیشہ اختیار کر لیا۔ "جب ہزارہا مسلمان مارے گئے تو اُن کی لاوارث بیویاں کنواری بیاہی لڑکیاں اور بہنیں اور مائیں بے سہارا رہ گئیں۔ ان میں سے بہت سی عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ بہادر شاہ کی ایک بیٹی ربیعہ بیگم نے روٹیوں سے محتاج ہونے کے سبب دہلی کے مشہور حسین باورچی سے شادی کر لی۔ بہادر شاہ کی ایک دوسری بیٹی فاطمہ سلطان پادریوں کے زنانہ سکول میں معلمی کا پیشہ کرنے لگیں۔ صدہا عورتوں نے اپنے بال جوؤں کی شدت سے کٹوا ڈالے اور سر منڈوا ڈالے۔ ہزاروں شریف عورتیں بھیک مانگنے لگیں۔ اگر کوئی شخص ایک ایک خمیری روٹی یا ایک مٹھی چنے یا کوڑیاں تقسیم کرتا تو مسلمان عورتوں کے غول کے غول جمع ہو جاتے، یہ وہ عورتیں تھیں جو سال دو سال پہلے خود ہزاروں روپیہ کی خیرات اپنے گھروں میں بیٹھ کر کرتی تھیں"

(خواجہ حسن نظامی)

Marfat.com

داغ دہلوی نے دہلی کا مرثیہ کہا:

؎ جلی ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں

1857ء کے ہنگامے اور ناکام جدوجہدِ آزادی کے بعد شہر دہلی پر جو قیامت ٹوٹی اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے قلم کانپتا ہے، بقول شاعر:

؎ تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ   نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مولانا غلام رسول مہر نے اس موقع پر جو جملے کہے ہیں، ہم انہیں نقل کرتے ہیں:
"فتحِ دہلی کے بعد شہر پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً جو قیامت گزری اس کی سرسری کیفیت بھی پیش کرنا کم از کم اتنا دردانگیز اور زہرہ گداز ضرور ہے جیسا کہ دل کو پہلو سے نکال کر دہکتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیا جائے، اگر کسی شخص میں اتنی ہمت ہو کہ قلم کا کام برقِ تپاں سے لے سکے اور سیاہی کی جگہ خونِ جگر استعمال کرے تو ممکن ہے وہ اس آتشکدہ، ظلم و تعدی کی دھندلی سی تصویر تیار کرے جو 16 ستمبر 1857ء سے دہلی میں انگریزوں نے بھڑکایا اور مہینوں تک شہر کا سرمایہ جان و مال و آبرو خس و خاشاک کی طرح جل کر خاکستر بنتا رہا، شہر دہلی نے صدیوں تک یگانہ جاہ و جلال کی بہاریں دیکھیں اور آتش و خون کے طوفانوں میں بھی غوطے کھائے، نادر و تیمور کی خونریزیوں کے متعلق عام تاثر کیا ہے؟ یہ کہ ان بے درد فاتحین نے جو دورِ وحشت کی یادگار تھے نمائشِ اقتدار کے جنون میں انسانی خون کے دریا تاریخ کے صفحات پر بہا دیئے، لیکن انگریزوں نے فتح کے بعد جو کچھ کیا اس کے لئے تیمور و نادر کی مثالیں پیش کرنا بالکل لاحاصل و بے سود ہے' اس لئے کہ نہ ویسا خونچکاں مرقع دہلی کے آسمان نے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد نظر آیا۔ اگر خاکِ دہلی کے ذروں کو قدرت تھوڑی دیر کے لئے قوتِ گویائی عطا کر دے تو شاید یہ داستانِ درد سنائی جا سکے"

Marfat.com

خونِ مسلم کی ارزانی، مالِ مسلم کی لوٹ!

14 ستمبر کو جب انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور کافی حصے پر قبضہ کر لیا تو شہر کے لوگ باہر بھاگنے لگے، بے شمار لوگ اپنے بیوی بچوں کو لیکر جنگلوں اور دیہات کو چلے گئے جہاں جرائم کے عادی گوجروں اور میواتیوں نے انہیں لوٹنا شروع کیا، شہر چھوڑنے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی جنہیں گوروں کی انتقامی کاروائی کا سب سے زیادہ اندیشہ تھا، ھندوؤں کا محلّہ نیل کا کڑہ پورا کا پورا آباد رہا، ایک آدمی بھی باہر نہیں گیا۔ شہر میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ قبضہ کے بعد تین دن تک انگریزی فوج کو دہلی میں کھل کر لوٹ مار اور قتل و غارت کی سرکاری طور پر اجازت دے دی گئی، انگریزوں کی فوج میں دیسی سپاہیوں نے انتہائی غلط کردار ادا کیا، وہ مال کی تلاش میں دیوانوں کی طرح ہر محلے میں گھوم رہے تھے، جب لوگوں نے شہر چھوڑا تھا تو جلدی میں صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے، اپنا مال اور اندوختہ گھروں میں چھوڑ گئے تھے، یہ لٹیرے سپاہی خالی گھروں کی دیواروں کو تھپک تھپک کر دیکھتے تھے، جہاں کسی دیوار سے کھوکھلے پن کی آواز آتی اُسے کھودتے اور زیور رقم وغیرہ نکال لیتے، گھروں کے فرش پر پانی بہا کر دیکھتے جہاں دیکھتے کہ پانی جلدی جذب ہوتا ہے اُس جگہ کو کھود کر روپیہ خزانہ نکال لیتے تھے۔ اس طرح خالی گھروں سے مالِ واسباب اور رقوم لوٹ لی گئیں جنہیں بعد میں ھندوؤں نے اونے پونے خریدا۔ لٹنے والے زیادہ تر مسلمان تھے۔ واضح رہے کہ شہر بدر ہونے والے مسلمانوں کو مارچ 1858ء تک واپس آباد ہونے کی اجازت نہ تھی، اس عرصے میں ان مسلمانوں کا جو حال ہوا اس کا تصور ہی کلیجہ شق کرتا ہے اُن کے کپڑے پھٹ گئے، بچے بیماریوں کا شکار ہو کر مرتے رہے، خود پیسے پیسے کے محتاج ہو گئے، بھیک مانگ کر گزارہ کرتے رہے، اگر کسی نے برے وقت کے لئے تھوڑا زیور یا نقد رقم ساتھ لے لی تھی تو وہ بھی دیہاتی گوجروں اور میواتیوں نے

Marfat.com

لوٹ لی۔ شہر میں لوٹنے والوں کے لالچ کی انتہا یہ تھی کہ وہ حویلیوں اور دکانوں کے قیمتی چوبی دروازوں کو اکھیڑتے اور آگ لگا دیتے، راکھ کے ڈھیر سے جو لوہا پیتل وغیرہ نکلتا اُسے لے جاتے۔ جب مسلمان ہنگامہ 1857ء کے خاتمے کے ساتھ شہر سے نکلے تو اُن کی آبادی دہلی کی آبادی کا کم از کم نصف تھی، ممکن ہے کچھ زیادہ ہو۔ لیکن جب ایک سال بعد وہ واپس آئے تو اُن کی آبادی شہر کی کل آبادی کا صرف ایک چوتھائی تھی، چنانچہ اس عرصے میں بے شمار مسلمان جنگلوں اور ویرانوں میں سسک کر مر گئے یا دوسرے شہروں کی طرف چلے گئے۔ دو سال بعد تک مسلمانوں کو شہر میں خصوصی سرکاری اجازت نامہ کے بغیر چلنے پھرنے کی اجازت نہ تھی اور وہ روزگار سے محروم تھے، مسلمانوں کی بڑی بڑی حویلیاں اور تمام وسیع مکانات انگریزوں نے ضبط کر لئے۔ جن محلوں میں پہلے ہندوؤں کا ایک مکان بھی نہ تھا' اب وہاں زیادہ تر مکانات کے مالک ہندو بن گئے تھے اور یہ سب کچھ انگریز کی پالیسی کے مطابق ہوا۔ روزانہ مسلمانوں کے ضبط شدہ مکانات کی نیلامی ہوتی تھی جنہیں صرف ہندو خریدتے تھے' مسلمان ہوتے بھی تھے تو نہ خرید سکتے کیونکہ معاشی طور پر اُن کی کمر توڑ دی گئی تھی۔

خواجہ حسن نظامی نے خوب کہا ہے کہ مردم شماری میں زندہ انسانوں کی گنتی کی جاتی ہے جبکہ "مردہ آدمیوں کا گننا اور پھر انہیں قلم بند کرنا بالکل خلافِ قیاس بات ہے" اس لئے 1857ء میں انگریزوں اور اُن کے ایجنٹوں کے ذریعے مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ بہت دشوار ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے سید کمال الدین حیدر (مصنف' قیصر التواریخ) کے حوالے سے یہ تعداد کم از کم ستائیس ہزار لکھی ہے: "ستائیس ہزار اہلِ اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام ہوتا رہا جسکا حساب نہیں" گویا مرنے والے مسلمانوں کی مجموعی تعداد بہت زیادہ تھی، صرف سولی پانے والوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ جو لوگ دشت و ویرانوں میں بھوک پیاس اور بیماری سے جا کر ہلاک ہوئے اُن کی تعداد الگ ہے اور اس کا کوئی حساب نہیں' محتاط اندازہ یہ ہے کہ اس تمام اتھل پتھل، انقلاب اور قتلِ عام میں

Marfat.com

کم از کم ایک سے دو لاکھ کے درمیان مسلمان جان ہار گئے۔ عورتوں کی یہ حالت تھی کہ جنہوں نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا وہ صحرا نوردی کر رہی تھیں، ہزاروں موت کی نذر ہو گئیں، ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی تھی' اس میں بھی بے شمار عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے' انگریزوں کے سائے سے بچنے کے لئے سینکڑوں پاکدامن عورتیں کنوؤں میں کود گئیں۔ ایک مورّخ کے مطابق کنوؤں میں گر کر خودکشی کرنے والی عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی' چنانچہ جو عورتیں اوپر گریں وہ زندہ رہیں، کچھ عرصہ بعد جب ان کنوؤں کی صفائی ہونے لگی تو بہت سے کنوؤں سے عورتوں کی لاشیں نکلیں۔

19 ستمبر کو انگریزوں نے شہر پر قبضہ مکمل کر لیا تھا۔ پانچ دن بعد ایک انگریز افسر رابرٹس کچھ فوج لیکر دہلی سے کانپور صبح سویرے روانہ ہونے لگا تو اس نے شہر کا جو نقشہ دیکھا وہ شہرِ خموشاں کے نقشے سے زیادہ خوفناک تھا: "دہلی حقیقتاً شہر خموشاں معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے اپنے گھوڑوں کے سموں کے سوا کوئی آواز کسی سمت سے نہ آتی تھی۔ ایک بھی ذی روح مخلوق ہماری نظر سے نہ گزری۔ ہر طرف نعشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہر نعش پر وہ حالت طاری تھی جو موت کی کشمکش نے طاری کر دی تھی۔ جن مناظر سے ہماری آنکھیں دوچار ہوئیں وہ بڑے ہی خوفناک اور انتہائی دردناک تھے، کہیں کوئی کتا کسی نعش کا برہنہ عضو بھبھوڑ کر کھا رہا تھا' کہیں کوئی گدھ ہمارے قریب پہنچنے پر اپنی گھناؤنی غذا چھوڑ کر پھڑ پھڑاتے پروں سے ذرا دور چلا جاتا تھا لیکن اُس کا پیٹ اتنا بھر چکا تھا کہ اڑ نہ سکتا تھا، اکثر حالتوں میں مرے ہوئے زندہ معلوم ہوتے تھے۔ کسی کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے جیسے کسی کو اشارہ کر رہا ہو' دراصل یہ پورا منظر اس درجہ ہیبتناک اور وحشت انگیز تھا کہ بیان میں نہیں آسکتا' ہمارے گھوڑے خوف سے بدک رہے تھے اور نتھنے پھلا رہے تھے"۔ ہوا یہ تھا کہ انگریزوں نے جو اپنی فوج کو تین دن تک غارتگری کی کھلی اجازت دی تھی اُسکے نتیجے میں ہزاروں "سویلین" مسلمان ہی قتل کئے گئے کیونکہ لڑنے والے مجاہدین تو پہلے ہی شہر چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔

Marfat.com

گویا قبضہ کے پانچ دن بعد تک مردوں کے دفن کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور تمام توجہ قتلِ عام کے بعد ویران گھروں کو لوٹنے پر مرکوز تھی۔

کرنل برن شہر کا فوجی سربراہ مقرر ہوا، چاندنی چوک میں اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ شہر میں تھوڑی سی آبادی باقی تھی، فوجی سارا دن شہر میں گھومتے، جس گھر کو آباد دیکھتے وہاں سے مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو پکڑ کر کرنل برن کے پاس لے آتے' گھر کا اسباب وہ سر پر اٹھائے ہوتے جس میں سے قیمتی اشیاء نکال لی جاتیں، اسکے بعد انہیں شہر سے باہر نکال دیا جاتا، صرف چند وہ محلے یا گھر باقی رہے جنہوں نے ہنگامے کے دوران انگریزوں کے ساتھ وفاداری برقرار رکھی تھی لیکن ان خیر خواہوں کے ساتھ بھی انگریزی فوج نے اکثر برا سلوک کیا اور وہ بمشکل پھانسی پانے سے بچے۔ شہر قریباً خالی ہو چکا تھا، بلیوں اور کتوں کے سوا وہاں کوئی موجود نہ تھا' عمارتیں ٹوٹی پھوٹی دکھائی دیتی تھیں ہر طرف نعشیں بکھری تھیں جو سڑ رہی تھیں، جگہ جگہ سڑکوں اور گلیوں میں گھریلو سامان کے ٹکڑے بکھرے نظر آتے۔ شہر کی بیشتر آبادی (جو بچ گئی تھی) گردونواح کے دیہات میں بے یارومددگار تباہ ہو رہی تھی۔ شاید ہی دنیا کی تاریخ میں کسی شہر سے ایسا سلوک کیا گیا ہو۔ اس سے تو زیادہ اچھا یہ ہوتا کہ شہر کے دروازے بند کر کے تمام لوگوں کو ختم کر دیا جاتا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس سلسلے میں خصوصی سلوک کیا گیا، بے شمار مسلمانوں کو انگریزوں نے شہر میں دوبارہ داخل ہوتے ہی چن چن کر مارا، سب کے گھر لوٹے گئے، سب کا سامان اور مال برباد ہوا اور بے شمار مسلمانوں نے مسافرت اور شہر بدری کے مصائب سہے، "ریاستیں گئیں' جاگیریں چھنیں' پنشنیں ضبط ہو گئیں" متمول مسلمانوں کی حویلیاں (نواب جھجر کی کوٹھی' شیش محل' نواب منصور کی حویلیاں' مرزا خجستہ بخت کی حویلی وغیرہ) اتنی بڑی تھیں کہ ایک ایک حویلی محلے کے برابر تھی' ان سب پر انگریزوں اور ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ سکھوں نے انگریزوں کے ایما پر خاص طور پر مسلمانوں کو قتل اور لوٹ مار کے لئے چن رکھا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں

Marfat.com

کے خون کے پیاسے تھے (بالکل ایسا ہی وحشیانہ سلوک بطور "ایکشن ری پلے" 1947ء کے فسادات اور انتقالِ آبادی کے دوران مسلمانوں سے کیا تھا)۔ یہ لوگ دہلی کے گلی کوچوں میں جس تندرست اور نوجوان مسلمان کو دیکھتے قتل کر کے دل ٹھنڈا کرتے، اسطرح بہت سے معزز خاندانی مسلمان ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی کے مطابق: "وہ (سکھ) بوڑھے باپوں کے سامنے جوان بیٹوں کو مار ڈالتے اور باپ کو کہہ دیتے کہ چلا جا۔ غرض حسین و وجیہہ مسلمانوں کو اتنا انہوں نے مارا کہ دلی میں خوش صورت مسلمانوں کا پیدا ہونا ہی بہت کم ہو گیا۔ اگر دلّی کے پہلے اور اب کے مسلمانوں کی صورتیں ملا کر دیکھی جائیں تو معلوم ہو گا "غدّر" نے ان کی حسانت و وجاہت صورت کو بہت کم کر دیا ہے" (حوالہ: مولانا غلام رسول مہر)۔

اندرونِ شہر سے باہر نکل کر جو مسلمان مضافات میں مقیم تھے، مثلاً قدم شریف وغیرہ، مٹکاف اُن کی تلاش میں رہتا اور ہر جگہ پہنچکر پولیس کا گھیرا ڈال لیتا اور خاص طور پر جوان اور خوبصورت مسلمانوں کو پکڑ لیا جاتا اور پھر کوتوالی میں انہیں طرح طرح کی سزائیں اور اذیتیں دی جاتیں، اسکے لئے اُن کا کسی غلطی یا جرم میں ملوث ہونا بالکل ضروری نہ تھا۔ معاصر مورخ و سوانح نگار ولیم میور نے لکھا: "یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے کہ فوجی حکام کی پالیسی نے بے گناہ باشندوں میں بلا امتیاز مصیبت و نکبت و حسرت کا طوفان برپا کر دیا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی محفوظ نہیں رہے جو باغیوں کے ہاتھوں دہلی میں انتہائی تکلیفیں اٹھا چکے تھے"

پھانسیوں کا منظر

دہلی پر قبضہ کے فوراً بعد کھلم کھلا لوٹ مار اور بے دریغ قتل عام کے باوجود انگریزوں کے جوشِ انتقام کی آگ سرد نہیں ہوئی، لہذا خون کی پیاس بجھانے کے لئے انہوں

Marfat.com

نے جگہ جگہ سولیاں گاڑ دیں اس سلسلے میں دنیا کو دکھانے کے لئے ایک نام نہاد انکوائری کمیشن تشکیل دیا گیا۔ یہ ایک فوجی کمیشن تھا جسے کسی ملزم کے خلاف تفتیش اور ثبوت سے متعلق کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سارا کام انتہائی تیزی سے ہوتا تھا، ہمیشہ جرم کی تصدیق کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلتا تھا اور موت کے سوا کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی، گویا یہ کمیشن صرف پھانسی پر لوگوں کو لٹکانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ سلسلہ دارو گیر اخیر ستمبر 1857ء سے فروری 1858ء تک بے روک ٹوک جاری رہا۔ فوجی کمیشن کے بعد ایک سول کمیشن بنایا گیا لیکن اس کمیشن نے بھی سولیوں اور پھانسیوں کا کاروبار جاری رکھا۔ چاندنی چوک میں ایک حوض یا تالاب تھا۔ اس حوض کے تین جانب پھانسی کی سزا پانے والے لوگ موجود ہوتے تھے۔ ایک گروہ کو جانوروں کی طرح ہانک کر پھانسی گھاٹ لے جایا جاتا تھا جبکہ باقی لوگ وہاں کھڑے دیکھتے رہتے اور اپنی باری کا انتظار کرتے، عیدِ قربان پر عموماً گائے کی قربانی کے مرکز بنائے جاتے ہیں، جہاں کچھ جانور قصاب کی چھری تلے ذبح ہو رہے ہوتے ہیں جبکہ باقی جانور رسیوں سے بندھے ذبح ہونے کے منتظر ہوتے ہیں، بالکل یہی منظر اُس وقت دہلی کے چاندنی چوک کا ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ جگہ انگریزوں کی تفریح گاہ بن گئی تھی، چاندنی چوک بازار کے ایک "عقل مند" دکاندار نے وہاں اپنی دکان کے سامنے بہت سی کرسیاں "صاحب لوگوں" کے لئے رکھوا دی تھیں کہ وہاں انگریز بیٹھیں گے تو خوش ہوں گے اور کچھ دے بھی جائیں گے۔ چنانچہ "صاحب لوگ" پھانسیوں پر لٹکنے والوں کا تماشا دیکھنے روزانہ آ جاتے، کرسیوں پر بیٹھتے، سگریٹ نوشی کرتے، تمباکو کا دھواں چھوڑتے، سولی چڑھنے والوں کی جان نکلنے کا "دلربا" منظر دیکھتے اور چند پیسے دکاندار کو بھی دے جاتے، جب پھانسی پر لٹکنے والے بے جان ہو جاتے تو اُن کی لاشیں ایک بیل گاڑی میں ایک دوسرے کے اوپر ڈال دی جاتیں اور اُن کی جگہ نئے پھانسی پانے والے آگے آ جاتے۔ ان مظلوموں کے گھر والے اپنے پیاروں کو سولی پر جھولتے دیکھتے مگر کچھ کر نہ سکتے، ان کے غم کی حالت کا اندازہ کون کر سکتا ہے! جب نواب آف جھجر

Marfat.com

عبد الرحمٰن خان کو بے گناہ پھانسی دی گئی تو اُس وقت اُن کی ماں وہاں آگئیں، جب ماں نے دیکھا کہ بیٹا لٹکا ہوا اسکرات کی حالت میں مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے تو عجب نالہ و فریاد کرتی ہوئی بیٹے کی لاش سے لپٹ گئیں اور اُسے اپنی گود میں لیکر اتنا روئیں کہ بے دم ہو کر گر گئیں، انہیں بڑی مشکل سے لاش سے الگ کیا گیا، اُن کی حالت دیکھکر وہاں موجود تمام لوگ رونے لگے، لیکن سفاک فرنگیوں کو ذرا بھر رحم نہ آیا۔ نہ صرف دہلی بلکہ دوسرے شہروں میں بھی سولیوں اور پھانسیوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ بقول میلی سن: "ہمارے فوجی ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے اور درد و تاسف کے بغیر انہیں پھانسیاں دے رہے تھے; گویا یہ کُتے تھے یا گیدڑ یا نہایت ادنٰی قسم کے کیڑے مکوڑے" (حوالہ: غلام رسول مہر) مسلح پھانسی دینے والے انگریزوں کے گروہ کے گروہ مختلف علاقوں میں نکل جاتے تھے۔ اس موقع پر غیر پیشہ ور جلاد اس طرح عام ہو گئے تھے جسطرح آجکل عیدِ قربان پر اناڑی قصاب بکرے چھترے ذبح کرنے کے لئے چھرے چھریاں ہاتھ میں پکڑے گلی محلوں میں نظر آتے ہیں۔ سولی کے لئے مخصوص پلیٹ فارم تیار کرنے کا تکلف نہیں کیا جاتا تھا۔ کسی جگہ آموں کے درختوں سے رسا باندھا جاتا تھا، مظلوم شخص کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لایا جاتا، پھندا اسکے گلے میں ڈالنے کے بعد ہاتھی کو بھگا دیا جاتا، پھانسی کھانے والا "آٹھ" کے دیسی ہندسے کی شکل میں درخت سے لٹک کر جان دے دیتا۔ انگریز افسر جنرل نیل کی شقاوت کا تھوڑا ذکر پہلے آچکا ہے 'الہ آباد اور کانپور کے علاقوں میں نیل نے پھانسیوں کا ایسا بازار گرم کیا کہ ریکارڈ قائم ہو گئے۔ جنونِ انتقام کی انتہا یہ تھی کہ پھانسی کے بعد مسلمان مردوں کے منہ میں سور کا گوشت ٹھونسا جاتا۔ کانپور میں وحشیانہ کاروائیوں اور پھانسیوں کی کثرت کی کوئی انتہا نہ تھی، وہاں کئی ہزار افراد کو پھانسی دی گئی، جو فرار ہو گئے تھے اور پکڑے گئے سب کو بے دریغ سولی دیدی گئی۔ کانپور کے ایک مکان میں کچھ انگریز عورتوں اور مردوں کا قتلِ عام ہوا تھا اور وہاں خون کے نشانات موجود تھے' جنرل نیل نے پھانسی دینے سے پہلے قیدیوں کو وہ نشانات اپنی

Marfat.com

زبان سے چاٹ کر صاف کرنے پر مجبور کیا' جو یہ کام کرنے سے ہچکچاتے تھے، ان پر کوڑے برسائے جاتے۔ الہ آباد میں جنرل نیل نے سات ہزار افراد کو پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دیا۔ ایسے لگتا ہے کہ انگریزوں نے یہ طے کیا تھا کہ وہ اپنے ایک مقتول کے عوض ایک ہزار ہندوستانیوں (خصوصاً مسلمانوں) کو قتل کریں گے۔ اور ایسے ہی ہوا۔

بیدردی' سفاکی اور شقاوت میں انگریزوں نے تاریخ میں شہرت یافتہ تمام وحشی فاتحین کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اور ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ سن کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دہلی میں قبضہ کے ابتدائی دنوں میں ہر مسلمان کو "باغی" سمجھ کر گولی ماردی جاتی تھی' ایک بزرگ فریدالدین صبح کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے کہ انہیں بے وجہ گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ حکیم رضی الدین دہلی کے مشہور طبیب تھے' وہ اور اُن کے بھائی احمد حسین خان کو بھی مسجد سے لوٹتے ہوئے گولی ماری گئی۔ احمد میرزا اور اصغریار خان ٹونک سے دہلی آئے ہوئے تھے کہ ہنگامے میں پھنس گئے دونوں اتنے خوبصورت جوان تھے کہ لوگ انہیں دیکھنے کے لئے رک جاتے، وہ دونوں بے گناہ' انگریزوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ غالب کا پیارا اور ہونہار شاگرد میر احمد حسین میکش فتح کے بعد کتابیں خرید تا پھرتا تھا کہ اُسے پکڑ لیا گیا اور کسی جرم یا قصور کے بغیر پھانسی دیدی گئی۔ میر چھوٹم نے بھی بے گناہ پھانسی پائی، سید ظہیر دہلوی کے خسر' امیر مرزا گھر میں نماز پڑھ کر ورد و ظائف میں مشغول تھے کہ گورے آدھمکے، اُن سے روپوں کا مطالبہ کیا۔ اُس وقت اُن کے گھر میں محلے کے دو سو کے قریب عورت مرد پناہ گزین تھے امیر مرزا نے کہا ہمارے پاس روپیہ کہاں' ایک انگریز نے گولی ماری جو اُن کے بیٹے کو لگی' اس نے باپ کو پکارا' امیر مرزا نے کہا، بیٹا' یہ وقت باپ کو پکارنے کا نہیں، خدا کو یاد کرو، اس کے بعد دوسرا فائر ہوا اور امیر مرزا بھی ڈھیر ہو گئے۔ حکیم شرف الدین کے جوان بیٹے کو قدم شریف سے گرفتار کیا گیا' ایک رات کو توالی میں گزاری دوسرے دن کسی مقدمہ اور کاروائی کے بغیر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ مشہور ادیب' شاعر اور نقاد مولانا محمد حسین آزاد کے والد

Marfat.com

مولوی محمد باقر کو کسی سبب کے بغیر گرفتار کر کے شہید کیا گیا حالانکہ انہوں نے دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر کو شروع میں اپنے گھر میں پناہ دی تھی البتہ جب ہنگامے کا زور بڑھا تو انہوں نے مسٹر ٹیلر کو کہیں اور پناہ لینے کے لئے کہہ دیا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ایک دوست سکھ فوجی افسر کے سائیس کا لباس پہن کر اپنے باپ کا بحالت قید آخری دیدار کیا تھا لیکن بات نہ ہو سکی اور باپ نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے جگر گوشے کو الوادع کیا' چنانچہ باپ کی دردناک شہادت' گھربار کی بربادی اور کنبے کے بائیس افراد کے بوجھ کے ساتھ بے وطنی کی مصیبت جیسے صدمات نے آزاد کو فرزانہ سے دیوانہ کر دیا اور وہ اپنے ہوش کھو بیٹھے۔ مولوی محمد باقر بہت بڑے عالم اور اعلیٰ کردار کے انسان تھے۔

خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے: "دہلی کے بعض شرفا الور کی ریاست میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے' جب دہلی میں گرفتاریاں اور قتل کاریاں ہوئیں تو صدہا عمائد شرفا بھاگ بھاگ کر الور پہنچے' اُن کا خیال تھا کہ الور میں ہم کو امن اور پناہ مل جائے گی مگر غلام فخر الدین خاں جاسوس' موت کا فرشتہ بن کر الور پہنچا اور ایک ایک کو چن کر گرفتار کر لایا، کچھ تو گڑگانوہ کے مجسٹریٹ کے حکم سے راستہ میں درختوں پر لٹکا دیئے گئے اور باقی دہلی لائے گئے اور یہاں ان کو پھانسیاں دی گئیں۔ جس وقت الور کے قیدی پکڑے ہوئے آئے اور اُن کو پھانسی کا حکم دیا گیا اور اُن کی پھانسی کا وقت آیا تو قیدیوں میں سے چار جوانوں کی بوڑھی مائیں بھی اُن کی موت کا تماشہ دیکھنے آگئیں، یہ جوان زرق برق کپڑے پہنے ہوئے تھے' سر پر ریشمی اور زریں سیلے بندھے ہوئے تھے، پیروں میں ٹاٹ بافی جوتیاں، چست انگرکھے' چوڑے چوڑے سینے، گورے گورے چہرے۔ جس وقت حلال خور نے ان کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا' اُن کی بڑھیا ماؤں کا غم کے مارے عجیب حال تھا' وہ چیخیں مارتی تھیں' پچھاڑیں کھاتی تھیں اور کلیجہ پکڑ کے زمین پر لوٹی جاتی تھیں اور اُن کے بیٹے دم بخود چپ چپ اپنی ضعیف ماؤں کی بے قراری دیکھ رہے تھے' دیکھتے دیکھتے تختہ کھینچ گیا اور وہ موت کے پھندے

Marfat.com

ں لٹکنے لگے اس دن حلال خور نہال ہو گیا تھا کیونکہ زرّیں سیلوں اور ٹاٹ بافی جوتیوں کا ایک انبار اپنے ساتھ لے گیا تھا" دہلی شہر میں کئی مقامات پر پھانسیاں گڑی تھیں، چاندنی چوک میں تین پھانسیاں تھیں۔ چھ ماہ تک لگاتار لوگوں کو روزانہ پھانسیاں لگتی رہیں جو کہ اُس قتل عام کے علاوہ تھیں جسمیں بے دریغ لوگوں کو گولی یا توپ سے اڑایا جارہا تھا۔ اس قتلِ عام اور پھانسی کا شکار ہونے والوں میں اسی فی صد سے زیادہ مسلمان تھے۔ اگر روزانہ دو سو افراد کے پھانسی لگنے کی اوسط فرض کی جائے (جو کہ انگریزوں کی منتقمانہ اور وحشیانہ فطرت کو دیکھتے ہوئے ہرگز زیادہ نہیں) تو یہ تعداد چھتیس ہزار بنتی ہے۔ دہلی سے باہر مختلف شہروں، قصبوں اور دیہات میں ہزاروں لوگوں کو جو پھانسیاں دی گئیں وہ علاوہ تھیں۔

اسلامی آثار و مساجد کی بربادی کا فرنگی انداز

قتلِ عام اور پھانسیوں کے علاوہ انگریزوں نے مسلمانوں کے مقدس مقامات اور مساجد کی جو بے حرمتی کی یا کروائی اسکی مثال تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چنگیز خان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انتہائی بے رحم قاتل تھا لیکن جب کسی مسجد یا عبادت گاہ کو دیکھتا تھا یا مزار کو دیکھتا تھا، احترام سے سر جھکا لیتا تھا اور کبھی کسی مقدس مقام کی بے ادبی نہیں کرتا تھا۔ اس اعتبار سے غور کیا جائے تو اپنی تمام تر وحشیانہ فطرت کے باوجود کافر تاتاری انگریزوں کے مقابلے میں مقامِ عظمت پر فائز نظر آتے ہیں، جبکہ اہل کتاب انگریز بہت گھٹیا درجے پر دکھائی دیتے ہیں۔ بزرگ ہستیوں اور مقدس مقامات کی توہین شاید انگریزوں اور عیسائیوں کی فطرت کا حصہ بن گئی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ملعون رشدی جیسے افراد کو اپنے ہاں ہرگز پناہ نہ دیتے۔ خواجہ حسن نظامی رقمطراز ہیں: "دہلی فتح ہوئی تو دہلی کی بڑی جامع مسجد میں سکھ سپاہیوں کی بارک بنائی گئی تھی، پاخانے اور پیشاب خانے بھی اسی کے اندر تھے، میناروں کے نیچے حلوے پکائے جاتے تھے اور سور بھی ذبح ہو کر پکتے تھے، کتے جو انگریزوں کے ساتھ تھے

Marfat.com

اندر پڑے پھرتے تھے' زینت المساجد کو گوروں کا مسکوٹ گھر بنایا گیا تھا' شیعوں کی مشہور مسجد جو نواب حامد علی خان کی مسجد کہلاتی تھی اُس میں گدھے باندھے جاتے تھے۔ قلعہ کے نیچے ایک بڑی عالیشان مسجد اکبر آبادی بالکل مسمار کر دی گئی اور اس طرح اور بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا خاتمہ ہوا' کوتوالی کی قریب سکھوں کے گوردوارہ سے متصل ایک مسجد تھی' اس کے ملنے کی درخواست مہاراجہ جنید نے سرکار سے کی اور وہ مسجد اُس کو سرکار نے دیدی' مہاراجہ نے اس مسجد کو توڑا اور گوردوارہ میں (ہمیشہ کے لئے) ملا دیا"

بے شمار مسلمانوں کو قتل کر کے بھی انگریزوں کی آتشِ انتقام برقرار تھی اور وہ چاہتے تھے کہ شہر دہلی کو ڈھا کر' اسکی تمام عمارات ملیامیٹ کر کے اسے بالکل ویران کر دیا جائے' خصوصاً لال قلعے کا نشان مٹا دیا جائے کیونکہ وہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی نشانی بنا ہوا تھا۔ مذھبی بربریت کے جنون میں مبتلا بعض انگریز افسر زور دے رہے تھے کہ کم از کم جامع مسجد کو برباد اور زمین بوس کر دیا جائے' یا پھر اسکی شکل تبدیل کر کے کلیسا میں بدل جائے اور اوپر کلس پر صلیب نصب کر دی جائے۔ اسی طرح دہلی شہر کو ڈھا کر وہاں ہل چلا دینے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ تاہم بعض مصلحتوں کے تحت فرنگی حکومت کے اونچے ایوانوں میں اِن تجاویز کو پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ اسکے باوجود بعض انگریز جنونی اکا دکا وارداتوں سے باز نہ آئے اور دہلی میں متعدد عمارتوں کو آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا جو مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔ لال قلعے کے پاس چوک سعد اللہ کو ڈھا دیا گیا۔ اردو بازار' خانم بازار' خاص بازار اور فیض بازار جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی دکانیں تھیں تباہ کر ڈالے گئے، بلاقی بیگم کا کوچہ' خان دوراں کی حویلی' دریا گنج کی گھاٹی' انگوری باغ' گلیوں کا بازار وغیرہ سب مٹا دیئے گئے جہاں آبادی مسلمانوں کی تھی۔ کلکتہ گیٹ سے کابلی گیٹ تک تمام عمارتیں صاف کر دی گئیں۔ جامع مسجد کے نزدیک مشہور شاہی درس گاہ دارالبقا جہاں مفتی صدر الدین آرزو منتظم تھے بالکل ڈھا دی گئی۔ مکانات ڈھانے کے لئے زیادہ تر ہاتھیوں سے کام لیا گیا۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ فوج ایک محلے

Marfat.com

میں پہنچ جاتی اور لوگوں سے ایک گھنٹے کے نوٹس پر مکان خالی کرالئے جاتے۔ صدیوں سے بسنے والے لوگ صرف نقد پونجی ساتھ لیکر گھروں سے نکل جاتے۔ باقی تمام سامان یا لوٹ لیا جاتا یا مکان کے ساتھ تباہ کر دیا جاتا تھا، محلے کو بارود سے اڑا دیا جاتا۔

انگریزوں نے فتح کے بعد مسلمان امراء اور شہزادوں کے شہر میں موجود تمام محلات ملیامیٹ کر دیئے۔ لال قلعہ میں شہزادوں کے مکانات توڑ دیئے گئے۔ دیوانِ عام کا صرف ایک ہال باقی رہنے دیا گیا باقی سب کچھ توڑ دیا گیا۔ دیوانِ عام کے قریب سب سے بڑا شاہی محل تھا جسے رنگ محل کہتے تھے' اس کے اندر کی تمام آرائشات' حوض' فوارے وغیرہ توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ باغ حیات بخش تباہ کر دیا گیا اور اسکے قریب موتی محل کو توڑ کر فوجی بارک بنادی گئی۔ مہتاب باغ اجاڑ دیا گیا۔ اور بھی کئی عمارتیں اور محل جو عہدِ مغلیہ کی عظمت کی عکاس تھیں مسمار کر دی گئیں۔ اورنگ آبادی مسجد جو محلّہ پنجابی کڑے میں تھی' حملے کے ساتھ ہی تباہ کر دی گئی۔ اسی طرح چوٹی مسجد جو لال قلعے کے اندر نہایت دلکش طرزِ تعمیر کی حامل تھی، زمین بوس کر دی گئی۔ گویا انگریزوں نے مندروں کو چھوڑ کر سارا غصہ اہل اسلام کی مساجد پر نکالا۔ خوبصورت مرکزی جامع مسجد کو منہدم تو نہیں کیا لیکن بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے وہاں سکھوں کے ذریعے مسجد کو ناپاک اور خراب کیا گیا' اسکے ساتھ ہی مسلمانوں کے مسجد میں داخلے اور عبادت پر پابندی عاید کر دی گئی۔ میرزا قربان علی بیگ سالک نے اپنی ایک نظم میں اس مسجد کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

ے ہجوم مسجدِ جامع کا کیا کروں اظہار — صفِ ملائکہ ہوتی جہاں نماز گزار
ہر ایک صف میں رہتا مصلیوں کا شمار — اب اس کو دور ہی سے دیکھنا ہوا دشوار
نماز ہے نہ اذاں ہے نہ کوئی جاتا ہے — جب اس کو دیکھیے خالی تو جی بھر آتا ہے

Marfat.com

پانچ سال تک دہلی کی جامع مسجد میں اذان کی آواز بلند نہ ہو سکی، اسکے بعد کافی سخت پابندیوں اور شرائط کے تحت اور حکومت کی نگرانی میں وہاں دوبارہ مسلمانوں کو داخلے اور عبادت کی اجازت ملی۔ انگریزوں کو جوتوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے کا اختیار عرصہ تک حاصل رہا' جو چھوٹا بڑا انگریز جب چاہتا ناپاک لباس اور جوتوں سمیت دہلی کی جامع مسجد میں آدھمکتا اور مسلمان بے بسی کے ساتھ دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکتے۔ کیونکہ انگریز مسجد کو دوبارہ بند کرنے کے لئے بہانے کے متلاشی رہتے تھے۔

آج کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ انگریز قوم جو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور قانون کی پابند قوم کہلانے پر اصرار کرتی ہے جو دنیا بھر میں بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کی علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتی ہے' 1857ء میں اسقدر بربریت' سفاکی اور قاتلانہ کردار کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ دہلی، اودھ اور دوسرے علاقوں میں تسخیر و کامیابی کے بعد جو سفاکانہ کاروائیاں کی گئیں وہ سب چہرہ انسانیت پر انتہائی بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہیں' نہ صرف مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا بلکہ ان کی تہذیب و تمدن، تاریخ اور ثقافت کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی گئی' اُن کی شناخت، خوداعتمادی اور بحیثیت قوم اجتماعی عزتِ نفس پر بھرپور وار کیا گیا' ان کی جائیدادیں اور سامان چھین کر انہیں بے دست وپا کیا گیا تاکہ وہ مدتوں سر نہ اٹھا سکیں۔ یہ سب کچھ ہوا' یہ تمام قیامت مسلمانوں پر گزری' ان کی سلطنت چھن گئی' اُن کی دہلی اجڑ گئی' (جو مسلمان بعد میں آکر دہلی میں بسے اُن کے لئے دہلی' مسلمانوں کی دہلی نہیں رہی تھی) اُن کے وجود کو ایسے زخم اور چرکے لگے کہ اثر آج تک باقی ہے' لیکن دیکھیں' غور کریں' سوچیں' کیا یہ تمام تباہی ہماری اپنی لائی ہوئی نہ تھی، ہمارے اپنے اعمال وافعال کا نتیجہ نہ تھی۔ قدرت نے بار بار موقع دیا لیکن مسلمانوں نے ہر بار موقع ضائع کر دیا' لہذا قانونِ قدرت حرکت میں آیا' جو لوگ پھانسی کے انتظار میں وقت کاٹنے کے لئے بھی شطرنج' چوسر اور گنجفہ کی بازی لگانا ضروری سمجھتے تھے' اُن کے ساتھ یہی کچھ ہونا تھا۔ تاریخ میں

Marfat.com

مسلمانوں کو بڑے بڑے دھچکے لگے' 1857ء کا حادثہ اُن میں سے شدت کے لحاظ سے بدترین تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک مرکزی حیثیت تھی جو مٹ گئی اور اُن کی حکومت کا مرکز دہلی بھی مسلمانوں کا دہلی نہ رہا۔

وَکَم اَھلَکنَا مِن قَریَتِہٖ بَطِرَت مَعِیشَتَھَا فَتِلکَ مَسٰکِنُھُم لَم تُسکَن مِن م بَعدِھِم اِلَّا قَلِیلاً وَ کُنَّا نَحنُ الوٰرِثِین۔

(اور ہم نے کئی ایسی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی وعیش پر نازاں تھیں، پھر اُن کی جگہ وہاں کم لوگ پھل پھول سکے اور بالآخر اُن سب کے وارث ہم ہی ہوئے)۔

....

Marfat.com

باب - 16

مسلمانوں کی آخری بڑی سلطنت۔ خلافتِ عثمانیہ کی بربادی کی دلخراش داستان!

بعض زخم ایسے ہوتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے لیکن نظر آنے والے زخموں سے زیادہ مہلک ہوتے ہیں، سلطنت عثمانیہ کی تباہی اس طرح کسی فوری حادثہ یا اچانک المناک آفت کے سبب سے نہ تھی جیسے سلطنتِ عباسیہ کا خاتمہ سقوطِ بغداد سے ہوا تھا یا سلطنت مغلیہ کا اختتام 1857ء کے خونریز ہنگامے میں ہو گیا تھا، لیکن بہر حال یہ بھی ایک عظیم جھٹکا تھا ایک ایسا جھٹکا جسکے اثرات سے ملتِ اسلام کی تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی بدل گیا اور ارتعاش آج تک جاری ہے۔ اِسی بنا پر ہم خلافت عثمانیہ کی تباہی کو اسلامی تاریخ کا ایک خونچکاں واقعہ سمجھتے ہوئے یہاں ذکر کرنے لگے ہیں۔ اس تباہی میں مسلمانوں کا بہت جانی نقصان ہوا، لیکن حقیقی ملی نقصان جانی نقصان سے بڑھکر تھا۔ وہ نقصان یہ تھا کہ اسلام میں پہلی دفعہ "مرکزیت" کا خاتمہ ہو گیا۔ "مرکز" کے فقدان کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "مسلمان ممالک" تو بہت ہیں لیکن مسلمان قوم کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ یہی وہ مقصد تھا جو مغرب حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ اس میں کامیاب رہا۔ پھر خود ترکوں نے خلافت کے تصور کو ہی فرسودہ اور ازکار رفتہ سمجھ کر اِسے ترک کر دیا۔

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد 1299ء میں پڑی اور سوا چھ سو سال تک قائم رہنے کے بعد اکتوبر 1923ء میں مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ درمیان میں مختصر عرصے کے لئے

Marfat.com

بایزید یلدرم کی تیمور کے ہاتھوں شکست کے بعد افراتفری اور خلا پیدا ہوا لیکن سلسلہ دوبارہ رواں دواں ہو گیا۔ کسی خاص خاندان یا سلطنت کا چھ صدیوں تک برقرار رہنا تاریخ عالم میں معمولی واقعہ نہیں۔ لیکن یہ جو ہمارے (مسلمان) مورخین کی عادت ہو گئی ہے کہ عموماً لکھ دیتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا میں "سلطنت عثمانیہ کا ہلالی پرچم صدیوں تک آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ لہراتا رہا" اتنا زیادہ صحیح نہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے عروج کا دور سلطان سلیمان اعظم (1520ء تا1566ء) کا زمانہ تھا' اسکے بعد تسلسل سے انحطاط تھا' یہ علیحدہ بات ہے کہ خلافت کے مٹتے مٹتے بھی ساڑھے تین سو سال گزر گئے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے دلچسپ مگر عبرتناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ عام طور پر ایسا ہوا ہے کہ ایک خاندان کی سلطنت میں ایک عظیم شخصیت (حکمران) پیدا ہوتی ہے' اس کا دور بھی طویل ہوتا ہے اور اُسکے دور میں حکومت معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے اسکی سرحدیں وسعت کی انتہا کو جا پہنچتی ہیں' اسکے بعد اچانک تاریخی تضاد سامنے آتا ہے۔ اس عظیم شخصیت کی جگہ جو شخصیت جانشین ہوتی ہے وہ اپنے قد آور پیشرو کے مقابلے میں محض بونی ہوتی ہے اور اُس میں منفی خصوصیات کا غلبہ ہوتا ہے جن کے تحت وہ شخصیت اُس عظیم سلطنت کو سنبھالنے سے بھی قاصر رہتی ہے اور یوں زوال شروع ہو جاتا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے حوالے سے سلطان سلیمان اعظم' برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے حوالے سے اورنگ زیب عالمگیر' اندلس کی خلافت کے حوالے سے عبدالرحمٰن سوم' عباسی سلطنت کے حوالے سے خلیفہ مامون الرشید اور بنی امیہ کے حوالے سے خلیفہ سلیمان اِن سلطنتوں کی ایسی ہی دیو قامت اور عظیم شخصیات تھیں جن کے فوراً بعد تنزل کا دور شروع ہو گیا۔ گویا یہ شخصیات ان سلطنتوں کے عروج کی حد بندی کرتی ہیں۔ سلطان سلیمان اعظم اور اورنگ زیب عالمگیر دونوں نے نصف صدی تک حکومت کی اور دونوں کے جانشین بیٹے سخت نالائق اور اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے۔

Marfat.com

عثمانی خلیفہ سلیمان اعظم کے دور (سولہویں صدی) کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اُس صدی میں اتفاق سے دنیا کی بہت عظیم سیاسی شخصیات موجود تھیں، ہندوستان میں اکبر اعظم، انگلستان میں ملکہ الزبتھ اول، جزیرہ نما ھسپانیہ میں چارلس اول، فرانس میں فرانسس اول، ایران میں شاہ اسمٰعیل صفوی وغیرہ سب اسی صدی کے سربر آوردہ حکمران تھے، چنانچہ یہ صدی دنیا کی تاریخ میں بڑی ہی اکابر خیز صدی تھی۔

عثمانی سلطنت کا عجیب و غریب آغاز

ترک نسل دنیا کی قدیم نسلوں میں سے ایک ہے۔ ایشیا میں بحیرہ کیپین اور منگولیا کے درمیان واقع علاقے کو کبھی توران کہا جاتا تھا، ترک نسل کا تعلق اسی علاقے سے بتایا جاتا ہے۔ ترکوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کبھی کسی کے غلام نہیں آرہے، جان و مال کی بہت بھاری قربانیاں دے کر بھی انہوں نے اپنی آزادی برقرار رکھی ہے۔ جہاں تک ترکوں کے عثمانی قبیلے کا تعلق ہے یہ بھی قدیم زمانے میں ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو الطائی کوھستان اور یورویشین گھاس کے میدانوں میں بھیڑ بکریوں کے گلوں کے ساتھ گھومتا رہتا تھا، ان کے سردار "خان" کہلاتے تھے اپنے آپ کو یہ لوگ "اغز" کہتے تھے، جب کہ ان کے حملوں کا شکار ہونے والے انہیں ترکمان یا ترک کہہ کر پکارتے تھے۔ انہیں تورانی بھی کہا جاتا تھا۔ جب تیرھویں صدی عیسوی میں چنگیز خان کی قیادت میں تاتاری عذاب الٰہی بن کر منگولیا سے اٹھے تو کچھ ترک خاندان (اغز قبیلے کے لوگ) جان کے خوف سے بھاگ کر ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کی طرف پناہ لینے چلے گئے جہاں سلجوقیوں کی حکومت تھی۔ بعض اتفاقات تاریخ میں بڑے عجیب اور انمٹ نتائج پیدا کرتے ہوں۔ عثمانی سلطنت کا آغاز بھی اسی قسم کے ایک دلچسپ اتفاق سے ہوا تھا۔ لارڈ کن راس نے اپنی کتاب

Marfat.com

"دی اٹومان سنچریز" میں اس اتفاقی واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے: "روایت کے مطابق قبیلے کا سربراہ ارطغرل تھا جو اپنے ہمراہ چار سو سواروں کے ساتھ ایشیائے کوچک سے گزر رہا تھا کہ اُس کا گزر دو جنگ کرنے والے گروہوں پر ہوا جو اُسکے لئے بالکل اجنبی تھے' اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ارطغرل نے جوانمردی کے طور پر ہارنے والی جماعت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا' اس طرح جنگ کا پانسہ پلٹنے کے ساتھ ہارنے والوں کو فتح حاصل ہو گئی۔ دراصل یہ قونیہ کے سلجوقی سلطان علاؤالدین کی فوج تھی جو مغلوں کے ایک دستے کے ساتھ نبرد آزما تھی۔ اس اچانک کمک کے احسان کے اعتراف میں علاؤالدین نے ارطغرل کو عسکی شہر کے پاس ایک جاگیر عطا کی جو اناطولیہ کے پہاڑی علاقے میں موسم گرما کے لئے چراگاہوں اور سغوت کے مقام پر سرمائی رہائشگاہ پر مشتمل تھی" بعد میں جب سلطان علاؤالدین سلجوقی کی کمزور فوجی طاقت کے باعث' یونانیوں کے مقابلے میں اُسے ارطغرل کی مدد کی ضرورت پڑی تو ارطغرل کی جاگیر میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ عثمان اسی ارطغرل کا بیٹا تھا' روایت ہے کہ ایک بار نوجوانی میں عثمان کہیں سفر میں تھا اور اُسے ایک عابد وزاہد شخص ملا جس نے اُسے اپنے ہاں رات گزارنے کی دعوت دی' سونے سے پہلے اُس بزرگ نے عثمان کو ایک کتاب دی۔ عثمان نے پوچھا یہ کیا کتاب ہے؟ بزرگ نے جواب دیا "یہ قرآن مجید ہے' خدا کا کلام' جسے انسانوں تک بذریعہ پیغمبرؐ پہنچایا گیا" عثمان کو تجسس ہوا اور اُس نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ رات بھر پڑھتا رہا' صبح کے وقت اُسے اونگھ آ گئی تو اُس نے خواب میں ایک نورانی فرشتہ دیکھا جو اُسے کہہ رہا تھا" چونکہ تو نے اللہ کا کلام اس قدر احترام اور توجہ سے پڑھا ہے' تمہارے بچوں اور تمہارے بچوں کے بچوں کو نسل در نسل عزت دی جائیگی"اس خواب کی روایت سے مغربی مورخین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عثمان کا باپ ارطغرل مسلمان نہ تھا اور عثمان بھی اُس بزرگ ہستی سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ نوجوان عثمان کے ایک اور خواب کا تعلق اُسکی شادی سے تھا۔ روایت ہے کہ عثمان ایک

Marfat.com

مسلمان قاضی، شیخ ادب علی کی دختر ملکا توم سے شادی کا خواہاں تھا جبکہ شیخ اس نکاح پر رضامند نہ تھے۔ ایک رات اُس نے خواب میں شیخ کو دیکھا کہ وہ اُسکے پاس موجود ہے اور اُسکے سینے سے چاند طلوع ہوا اور مکمل ہونے کے بعد اُسکے (عثمان کے) سینے میں ڈوب گیا' اسکے بعد اُس نے خواب میں دیکھا کہ اسکی رانوں کے درمیان سے ایک درخت پیدا ہوا اور اپنی خوبصورت اور سر سبز شاخوں کے سائے کے ساتھ پوری دنیا پر چھا گیا اس درخت کے نیچے عثمان نے چار عظیم پہاڑ دیکھے : کوہ قاف' کوہ الماس' کوہ طور اور کوہ بلقان۔ اس درخت کی جڑوں سے چار دریا پھوٹے' دجلہ' فرات' نیل اور ڈینیوب۔ کھیت فصلوں سے بھرے تھے' پہاڑ گھنے جنگلوں سے ڈھکے تھے' وادیوں میں خوبصورت اور بلند و بالا عمارتوں والے شہر آباد تھے۔ تب درخت کے پتوں نے تلواروں کی شکل اختیار کرلی' زبردست ہوا چلنے لگی اور اُن تلواروں کا رُخ قسطنطنیہ کی طرف ہو گیا جو دو براعظموں اور دو سمندروں کے ملنے کے قیام پر ایک ہیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اُس وقت عثمان جاگ اٹھا' جاگ اٹھنے کے بعد اُس نے اپنا یہ خواب شیخ ادب علی سے بیان کیا تو اُس نے اسے خدا کی طرف سے عزت و شرف کی عظیم نشانی قرار دیا اور اپنی بیٹی عثمان کے عقد میں دیدی۔ چنانچہ مورخین کے مطابق اغز ترکوں کے قبیلے کی اِس شاخ اور دوسرے خانہ بدوش ترکوں نے اسی زمانے میں اسلام قبول کیا جو منگولوں کی تاخت و تاراج اور حملوں کے ڈر سے ایشیائے کوچک میں جوق در جوق داخل ہو رہے تھے۔ یہ بات قرین قیاس یوں بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس اسلامی جوش و خروش اور روحِ جہاد کا مظاہرہ عثمانیوں نے کیا وہ صرف نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں سے متوقع ہو سکتا تھا۔ اپنے دورِ عروج میں اور اسکے بعد بھی عثمانیوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو غازی کہلانے پر فخر کیا کیونکہ عیسائی یورپی قوموں کے خلاف جنگ و جہاد اُن کی فطرت بن چکا تھا۔

یہ تھا عثمان! خاندانِ عثمانیہ کا بانی اور ارطغرل ترک کا بیٹا جسے خواب میں مشرق سے مغرب تک سلطنت کی وسیع و عریض حدود دکھادی گئیں اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ سلطنت

Marfat.com

صدیوں تک قائم رہے گی۔ 1288ء میں ارطغرل کا انتقال ہوا تو عثمان کی عمر تیس سال کی تھی اور سلطان علاؤالدین سلجوقی کی مہربانیوں کی بدولت جاگیر کے علاقے میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا' فوج کی تعداد چار سو سے بڑھ کر چار ہزار ہو چکی تھی' چونکہ یہ جاگیر رومی (بازنطینی) سلطنت کی سرحد پر واقع تھی اس لئے ارطغرل اور عثمان رومیوں سے مسلسل نبرد آزما ہوتے رہتے تھے' آہستہ آہستہ انہوں نے بہت سا علاقہ رومی سلطنت سے چھین کر اپنی جاگیر میں شامل کر لیا اور کچھ عرصہ بعد جب سلجوقیوں کا اقتدار برائے نام باقی رہ گیا تو اُن کی ماتحت دیگر ریاستوں کی طرح عثمانیوں نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ چودھویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی باقاعدہ عثمانی سلطنت وجود میں آگئی۔ 1300ء میں عثمان نے اناطولیہ کے بعض اہم مرکزی دروں اور قلعوں پر قبضے کے علاوہ ینی شہر کو فتح کیا جسے عثمانیوں کا پہلا دارالسلطنت بننے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ اسی دور میں چنگیز خانی تاتاریوں نے سلجوق سلطنت کے کھنڈروں پر اپنے اقتدار اعلیٰ کا محل تعمیر کر لیا تھا' اس لئے کچھ عرصہ تک سلطنتِ عثمانیہ کے پہلے حکمران (عثمان) نے اپنی سلطنت کو تاتاری اقتدار کا باجگزار بنائے رکھا کیونکہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ تاہم رومی سلطنت کے زیادہ سے زیادہ علاقوں کو فتح کرنے کے لئے شمال اور جنوب مغرب کی طرف بھی جہاد جاری رکھا اور اس علاقے میں آخری اہم رومی شہر برصہ پر قبضہ کر لیا۔ اب عثمانیوں کا دارالحکومت برصہ تھا اور وہ ایک خانہ بدوش قبائلی امارت کی بجائے باقاعدہ ایک آباد مملکت بن چکے تھے۔

یہ سلطنتِ عثمانیہ کی ابتدا تھی' جب ارطغرل نے انتقال کیا تو یہ ایک درمیانی جاگیر تھی' جب بانئ سلطنت عثمان نے 1326ء میں انتقال کیا تو اس کا دائرہ بحیرہ مارمورا اور بحیرہ اسود تک پھیل چکا تھا' سلطنت کا طول ایک سو بیس میل اور عرض قریباً ساٹھ میل تھا' جبکہ سلطان سلیمان اعظم کے دور میں جب یہ سلطنت نصف انہار پر پہنچی تو اس کا رقبہ چالیس لاکھ مربع میل سے تجاوز کر چکا تھا۔ عثمان بلاشبہ بڑی خوبیوں کا مالک ترک حکمران تھا'

Marfat.com

دشمن بھی اس کے اخلاق و کردار اور وسیع المشربی کی تعریف کرتے تھے۔ اس نے تاتاری کافروں کی ٹڈی دل فوج کو اپنے پایہ تخت کے قریب شکست دیکر مزید پیش قدمی سے روکا اور بے شمار تاتاریوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ وفات کے وقت اسکے گھر سے ایک سوتی پگڑی، لکڑی کے چند چمچوں، نمکدان اور دیگچی کے سوا کچھ نہ نکلا، سونے چاندی کے برتنوں، ریشمی لباسوں، غلاموں اور لونڈیوں کی فوج کی روایت بعد میں آنے والے حکمرانوں نے قائم کی۔

جب قسطنطنیہ کی فتح ایک بزرگ کی دعاؤں سے ہوئی

سلطان عثمان سے لے کر سلطان سلیمان اعظم تک دس حکمران ہوئے، یہ سب کے سب فاتحانہ کردار رکھتے تھے اسی لئے سلطنت عثمانیہ کی حدود میں مسلسل توسیع کا عمل جاری رہا۔ رومی (بازنطینی) سلطنت کا پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول) سلطان محمد ثانی کے عہد میں فتح ہوا، اسی وجہ سے اس بادشاہ کا نام پوری دنیائے اسلام "سلطان محمد فاتح" مشہور ہوا اور یہ اتنا بڑا کارنامہ تھا کہ مسلمان اس پر آج بھی جسقدر فخر کریں کم ہے عہد بنو امیہ سے اس رومی شہر کو فتح کرنے کی کوشش ہو رہی تھی لیکن مثلث کی شکل میں دو اطراف سے سمندر میں گھرا ہوا یہ شہر اس قدر محفوظ تھا کہ تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی اسلامی لشکر اسے فتح نہیں کر سکا تھا۔ اس شہر کا بحری اور بری محاصرہ اکاون دن تک جاری رہا تھا اور شہر پھر بھی کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا، آخر سلطان محمد فاتح نے ایک محیر العقول فیصلہ کیا اور اپنے ہلکے جہازوں کے لئے خشکی (پہاڑ و جنگل وغیرہ) پر چلنے کے لئے لکڑی کے تختے تیار کر کے زمین پر بچھائے اور ان پر چربی مل دی گئی، اس طرح رومیوں کے شہر کے باہر تنگ کھاڑی میں اوپر خشکی سے وہ جہاز پہنچا دیئے گئے۔ بھاری توپوں سے فصیل پر گولے برسائے گئے مگر بے سود کیونکہ فصیل بہت مضبوط اور بے اندازہ موٹی تھی ثقہ روایت یہ ہے کہ قسطنطنیہ فوج کی طاقت سے نہیں بلکہ

Marfat.com

ایک بزرگ حضرت شمس الدینؒ کی دعا سے فتح ہوا تھا' جو اُس وقت تک سجدے میں پڑے دعائیں مانگتے رہے جب تک فصیل میں شگاف نہیں ہوا اور مسلمان شہر میں داخل نہیں ہو گئے' یہ واقعہ 1452ء کا ہے۔ اسی بزرگ کو کشف سے معلوم ہوا تھا کہ اس سال فلاں تاریخ اور فلاں وقت مسلمان قسطنطنیہ میں داخل ہوں گے اور اس نے یہ بشارت وزیرِ سلطنت کے ذریعے بادشاہ تک پہنچادی تھی' علاوہ ازیں سلطان محمد فاتح کو حضور اکرمؐ کی وہ حدیث بھی معلوم تھی جسمیں آپؐ نے قسطنطنیہ فتح کرنے والے اسلامی لشکر کی تعریف فرمائی تھی اور اس لشکر کے لئے بشارت بھی فرمائی تھی۔ قسطنطنیہ کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسکے باہر سے دو حصے پانی میں گھرے تھے' تیسرے (مغربی سمت) حصے کی حفاظت کے لئے تین زبردست فصیلیں تھیں' اندر کی دو دیواریں بہت موٹی تھیں اور ان پر ہر ایک سو ستر فٹ کے فاصلے پر مضبوط برج بنے تھے' اِن دیواروں کے درمیان خندق تھی جو ساٹھ فٹ چوڑی اور سو فٹ گہری تھی۔ سمندر کی طرف سے بھی حملہ بہت مشکل تھا کیونکہ بحری بیڑا ہر وقت مستعد رہتا اور شہر کی طرف آنے سے پہلے ایک موٹی لوہے کی زنجیر جو دہانے پر لٹکی ہوتی تھی' مزاحمت کرتی تھی۔ جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو پوری عیسائی دنیا میں سوگ منایا گیا اور یونانی و رومی کلیساؤں نے باہمی اختلافات بھلا کر مسلمانوں کی اس طاقت کے خلاف اتحاد کا اعلان کیا' اس کے باوجود یورپی عیسائیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

دنیا کی وسیع ترین اسلامی سلطنت!

جیسا کہ اصول ہے ہر کمال میں زوال کے تخم پوشید ہوتے ہیں جو ظاہراً کم دکھائی دیتے ہیں لیکن اہلِ بصیرت انہیں پہنچانتے اور جانتے ہیں۔ عثمان کے بعد سلطان اورخان' سلطان مراد اول' سلطان بایزید اول' سلطان محمد اول' سلطان مراد ثانی' سلطان محمد فاتح'

Marfat.com

سلطان بایزید ثانی، سلطان سلیم اول اور سلطان سلیمان اعظم یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے۔ سلطان سلیم اول (1512ء تا1520ء) سلطان کے ساتھ ساتھ خلیفہ کے لقب کا بھی حقدار ٹھہرا کیونکہ اس نے مصر میں مملوکوں کو فیصلہ کن شکست دیکر (جہاں بے اختیار عباسی خلیفہ نے پناہ لے رکھی تھی) اسلامی اقتدار کا مرکز قسطنطنیہ کو بنایا اور پوری دنیائے اسلام اور حجاز (مکہ و مدینہ) میں ترک سلطان کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ سلطنتِ عثمانیہ جب اپنے کامل عروج کو پہنچی تو اسکی حدود میں اناطولیہ اور موجودہ ترکی کے علاوہ یہ اہم علاقے شامل ہو چکے تھے: بحرہ ایڈریاٹک کا علاقہ، آسٹریا، ہنگری، مصر، تیونس، لیبیا، مراکش، جزیرہ نمائے عرب، شام، فلسطین، عراق، رومانیہ، مالدیویا، ٹرانسلونیا، یونان، جزیرہ کریٹ، جزیرہ قبرص، رومیلیا، بلغاریا، آرمینیا، مانٹی نیگرو، سرویا، بوسنیا، ھرزیگوینا، ایرانی لورستان، داغستان، آذربائیجان، کارلاباغ اور کریمیا وغیرہ۔ یہ اتنی وسیع سلطنت تھی کہ کم از کم حالیہ زمانے میں روس اور برطانیہ کو چھوڑ کر اسکی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ سب سے حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک اتنی بڑی سلطنت قائم رہی۔ سوویٹ یونین (روس) کی وسعت کا عام طور پر حوالہ دیا جاتا ہے لیکن دنیا کی سب سے بڑی ایمپائر (استعمار) کے طور پر اس کا وجود صرف ستر اسی سال تک برقرار رہ سکا اور 1990ء میں یہ ایمپائر تحلیل ہو گئی اور اسکے حصے بخرے ہو گئے۔ برطانیہ کی بڑی سلطنت بھی قریباً اسی نوے برس قائم رہ سکی، لہٰذا یہ امر بذاتِ خود ایک حیرت انگیز معجزے سے کم نہیں کہ چالیس لاکھ مربع میل سے زائد رقبے پر محیط، کروڑوں کی آبادی پر مشتمل (جس میں مسلمان، عیسائی، یہودی سب شامل تھے) اور دنیا کے تین براعظموں (ایشیا، یورپ و افریقہ) پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض سلطنت عثمانیہ صدیوں تک قائم رہی۔ لیکن جب سلطنت کے زوال کا سلسلہ شروع ہوا تو روکنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی، ایک کے بعد دوسرا علاقہ عثمانی حکمرانوں کے ہاتھ سے نکلتا رہا، حتیٰ کہ گھٹلی برابر یورپی ریاستوں نے بھی لڑ بھڑ کر خود مختاری حاصل کر لی اور ایک

Marfat.com

وقت آیا کہ سلطنت عثمانیہ کو یورپ کے "مرد بیمار" کے رسوا کن لقب سے نوازا گیا کیونکہ اس "مرد بیمار" میں صحت کی کوئی علامت دکھائی ہی نہیں دیتی تھی' جو ملک چاہتا تھا اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہتھیا لیتا تھا۔ کبھی روس' کبھی سردیا' کبھی آسٹریا' کبھی یونان کبھی فرانس' کبھی انگلستان' عثمانی سلطنت کے کسی نہ کسی علاقے پر قبضے کے لئے آجاتے تھے' لڑائی ہوتی تھی اور عثمانی فوجیں عموماً ہار جاتی تھیں' روسی زاروں نے تو باقاعدہ پروگرام یا منصوبہ طے کر رکھا تھا کہ سالانہ کسقدر علاقہ عثمانی سلطنت سے چھیننا ہے' روسیوں کے اسی منصوبے میں پہلے انگلستان بطور ایک حصہ دار شریک تھا لیکن بعد میں روسی توسیع پسندی کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر روس کی مخالفت شروع کی' چنانچہ 1854ء کی جنگ میں جہاں روس اور ترکی ایک دوسرے کے مدِ مقابل تھے' انگلستان اور فرانس' ترکی (سلطنت عثمانیہ) کی فوجی اور سیاسی مدد کر رہے تھے' اگرچہ یہ جنگ لا محدود جانی و مالی نقصان کے بعد ترکی نے جیت لی (اور زمانۂ انحطاط میں یہ سلطنت عثمانیہ کا آخری فاتحانہ معرکہ تھا) لیکن اس کامیابی میں اہم کردار انگلستان اور فرانس کا تھا۔ اس کے بعد جو بین الاقوامی معاہدہ ہوا اگرچہ اُسکے مطابق سلطنتِ عثمانیہ کی علاقائی سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی لیکن بعد میں یہ محض ایک کاغذی معاہدہ ثابت ہوا کیونکہ معاہدے طاقتوروں کے لئے ہوتے ہیں' کمزوروں کے لئے نہیں' بہت جلد روس نے دوبارہ سلطنت عثمانیہ پر اپنے پنجے گاڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

کمال کے بعد زوال کا آغاز

سلطنت عثمانیہ کے دورِ زوال کا ظاہری آغاز سلطانِ سلیمان اعظم کے انتقال کے فوراً بعد اُن کے نالائق جانشین سلطان سلیم دوم (1566ء تا 1574ء) کی حکومت سے ہوا اور انتہا سلطان عبدالحمید دوم کے زمانے میں ہوئی جو سلطنتِ عثمانیہ کے آخری بااختیار بادشاہ تھے۔ انحطاط کے اس طویل دور میں سلطنتِ عثمانیہ کی باگ ڈور جن

Marfat.com

حکمران ہاتھوں میں رہی وہ یہ تھے۔ سلطان سلیم دوم (1566ء تا 1574ء)، سلطان مراد سوم (1574ء تا 1595ء) سلطان محمد سوم (1595ء تا 1603ء) سلطان احمد اول (1603ء تا 1617ء) سلطان عثمان دوم (1618ء تا 1622ء) سلطان مصطفےٰ اول (1622ء تا 1623ء) سلطان مراد چہارم (1623ء تا 1640ء) سلطان ابراہیم (1640ء تا 1648ء) سلطان محمد چہارم (1648ء تا 1687ء) سلطان سلیمان دوم (1687ء تا 1691ء) سلطان احمد دوم (1691ء تا 1695ء) سلطان مصطفےٰ دوم (1695ء تا 1703ء) سلطان احمد سوم (1703ء تا 1730ء) سلطان محمود اول (1730ء تا 1754ء) سلطان عثمان سوم (1754ء تا 1757ء) سلطان مصطفےٰ سوم (1757ء تا 1774ء) سلطان عبدالحمید اول (1774ء تا 1789ء) سلطان سلیم سوم (1789ء تا 1807ء) سلطان مصطفےٰ چہارم (1807ء تا 1808ء) سلطان محمود دوم (1808ء تا 1839ء) سلطان عبدالمجید (1839ء تا 1861ء) سلطان عبدالعزیز (1861ء تا 1876ء) سلطان داد پنجم (1876ء ۔ صرف 3 ماہ) سلطان عبدالحمید دوم (1876ء تا 1909ء)۔ سلطان رشید (1909ء مختصر عرصہ کے لئے)۔ سلطنتوں کے زوال کی ایک نشانی یہ ہے کہ جس طرح گرمیوں کے بعد سرما اور خزاں میں دن مختصر ہوتے جاتے ہیں۔ ایام انحطاط میں حکمرانوں کے عرصۂ حکومت کا اوسط بہت مختصر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو تاریخ کی ہر بڑی سلطنت کے سلسلے میں یکساں لاگو ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے بڑے بادشاہوں (بابر سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر تک) میں سے ہر ایک کا عرصہ حکومت معقول حد تک لمبا تھا جبکہ ان کے نالائق جانشینوں میں سے بعض محض چند روز کے لئے آئے اور رخصت ہوئے۔ سلطنت عثمانیہ کے عروج کا دور عثمان سے سلیمان اعظم تک تقریباً دو سو اسی برس پر محیط ہے اور ہر حکمران کا اوسط عرصہ حکومت اٹھائیس برس بنتا ہے، ان کے بعد دورِ زوال کا

Marfat.com

زمانہ تین سو چالیس برس کا ہے جبکہ کم از کم پچیس خلفاء ہوئے' اوسط مدتِ حکومت فی حکمران ساڑھے تیرہ سال بنتی ہے' جبکہ بعض حکمران چند مہینوں تک حکومت کر سکے' گویا زوال کے دور میں حکومتوں کی عمر گھٹتی چلی جاتی ہے۔

جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا اپنے دورِ عروج میں سلطنت عثمانیہ دنیا کے تین براعظموں کے بہت بڑے حصے پر پھیلی ہوئی تھی' درہ دانیال (خلیج باسفورس) 'بحیرہ روم' بحیرہ بلقان اور بحیرہ احمر میں اسکے مضبوط بحری بیڑے کی موجودگی کی وجہ سے بین الاقوامی تجارت سلطنت عثمانیہ کی اجازت کے بغیر کسی یورپی یا غیر یورپی طاقت کے لئے ممکن ہی نہ تھی' اسکے عظیم امیر البحر باربروسا نے ھسپانیہ اور پرتگال جیسی مضبوط بحری طاقتوں کا بحرِ ھند تک پیچھا کر کے ناطقہ بند کر دیا تھا' اگر گجرات (ھندوستان) کا سلطان پہلے دعوت دیکر عثمانی بحری بیڑے کے ایڈمرل سے عین وقت پر دغا نہ کرتا تو شاید برصغیر کے ساحلوں پر نہ پرتگیز قابض ہو سکتے اور نہ بعد میں انگریز' لیکن ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں ہوتا ہے۔ ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے' اس میں کبھی ایک ثانیے کا فرق نہیں پڑ سکتا۔

چنانچہ جب سلطنتِ عثمانیہ کا وقت پورا ہو گیا تو اس بیمار شاہباز کو ممولے شکست دینے لگے۔ سلطنتِ عثمانیہ پر تباہی کے ایام میں کیا گزری اس کا عالم سکرات کیا ہوا؟ جانکنی کی حالت کیسی تھی؟ آیئے دیکھیں!

زوال' سلیمانِ اعظم کے عہد کے خاتمے کے ساتھ شروع ہو گیا' لیکن جیسا کہ مورخ سٹین فورڈ جے شا نے لکھا ہے زوال کی یہ حالت بہت سست رفتار تھی اور انحطاط کے بیج عثمانی معاشرے اور حکومت میں کئی صدیوں تک داخل ہوتے رہے اس لئے کہ سسٹم میں بنیادی مضبوطی موجود تھی۔ تاریخ دانوں کا یہ خیال بڑی حد تک درست ہے کہ ہر بڑی جنگ کسی نہ کسی بڑی سلطنت یا طاقت کی تباہی پر منتج ہوتی ہے' مثلاً پہلی جنگ عظیم کے ساتھ ہی سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا' اُس وقت حالت یہ تھی کہ عثمانیہ حکومت پچاس کروڑ ڈالر سے زیادہ

Marfat.com

غیر ملکی قرض کے نیچے دبی ہوئی تھی جبکہ سالانہ آمدنی بیس کروڑ ڈالر سے بھی کم تھی اور اس قرضہ کی ادائیگی کا کوئی امکان نہ تھا' سلطنت دیوالیہ ہونے والی تھی' مسلسل جنگوں کے نتیجے میں ترک گھرانوں میں مردانہ آبادی کم ہو چکی تھی' سلطنت کے کونے کونے میں ابھرنے والی بغاوتوں کو کچلنے میں تمام توانائیاں ضائع ہو رہی تھیں' ایک غیر ملکی سفارتکار کے مطابق دورِ زوال کے اخیر میں سلطنت عثمانیہ سالانہ اپنے پچھتر ہزار جوان اِن جنگوں میں قربان کر رہی تھی' اسکے باوجود شکست پہ شکست ہو رہی تھی۔

سلطنت عثمانیہ کی تباہی کی پہلی گھنٹی اُس وقت بجی جب سینٹ گاتھرڈ کے میدان میں عثمانیوں کو پہلی بار آسٹریا والوں کے مقابلے میں زبردست شکست ہوئی' یہ 1664ء کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے یورپی عیسائیوں پر عثمانیوں کی اتنی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ اُن کا نام سن کر کانپتے تھے۔ اب اہل فرنگ پر انکشاف ہوا کہ عثمانیوں کی شوکت و سطوت کو زوال آچکا ہے اور یہ کہ ان کی یورپ میں بساط لپیٹی جا سکتی ہے اس سے پہلے عثمانی بادشاہ وی آنا (موجودہ آسٹریا کا دارالحکومت) کی دیواروں تک پہنچ کر واپس آگئے تھے۔ اگر وہ تھوڑی اور ہمت کر کے اور موسم سرما کے شدائد کے مقابلے کے لئے مناسب تیاری کر کے وی آنا کا شہر فتح کر لیتے تو پورا یورپ فرانس کے ساحلوں تک اُن کے قدموں میں ہوتا اور وہ ھسپانیہ کے ظالم عیسائیوں سے اندلسی مسلمانوں کی تباہی اور جلاوطنی کا بدلہ اتار سکتے۔ "دولتِ عثمانیہ" کے مصنف ڈاکٹر محمد عزیر کے مطابق اس پہلی شکست کا اصل سبب فنِ حرب میں یورپ کی اقوام کی ترقی تھا جبکہ ترک فوجیں روایتی اسلحہ استعمال کر رہی تھیں' لیکن یہ دلیل اس لئے زیادہ موثر نہیں سمجھی جا سکتی کہ انیسویں صدی کے آخر میں جرمنی کے فوجی ماہرین نے ترک فوجیوں کی جدید انداز میں تربیت کی تھی اور انہیں جدید اسلحہ سے لیس بھی کر دیا گیا تھا اسکے باوجود وہ مختلف جنگوں میں (ماسوائے پہلی جنگ عظیم کے بعد اپنی قومی بقا کی جنگ کے' جب موجودہ ترکی کے وجود کا قائم رہنا بھی خطرے میں تھا اور بڑی طاقتیں' یونان اور روس کو

Marfat.com

شہہ دے کر ترکوں کے تمام علاقوں کی بندر بانٹ پر تل چکی تھیں) کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ 1682ء میں عثمانیوں نے وی آنا پر حملہ کر کے قبضے کی کوشش کی لیکن عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اب ترکوں کی پہلی شان باقی نہیں رہی تھی اور یورپی حکومتوں نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ اگرچہ اس دوران عثمانیوں نے مشرق میں کمزور مسلمان حکومتوں کو شکستیں دیں اور بغداد تک عرب علاقوں پر قبضہ کیا لیکن اُن کا اصل مقابلہ تو یورپ سے تھا اور یورپ میں عثمانیوں کی پسپائی کا آغاز ہو گیا تھا۔ موہاکس (آسٹریا) کے مقام پر عثمانیوں کو فرار ہونے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ عثمانیوں کو کمزور پا کر آنے والے وقتوں میں یورپ نے جو پالیسی اپنائی وہ جارحیت اور پہل کرنے کی پالیسی تھی' جبکہ عثمانی حکمران محض اپنے مقبوضات کو بچانے کے لئے دفاعی پالیسی پر کاربند ہو گئے' حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ دفاعی انداز ہمیشہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے اور عثمانی سلطنت کے ساتھ یہی ہوا۔ چنانچہ اکا دکا معمولی کامیابیوں کو چھوڑ کر اسکے بعد 1918ء تک ترکوں کو شکست پر شکست ہی کھانی پڑی۔ سترھویں صدی کے آخر میں آسٹریا کے ایک شہزادے نے زنطا کے مقام پر عثمانیوں کو زبردست شکست دی اور اسکے نتیجے میں کارلووز (Karlowitz) کا جو معاہدہ امن طے پایا اسکی رو سے دولتِ عثمانیہ نے اپنے متعدد مقبوضات پر یورپی اقتدار تسلیم کیا مثلاً یوکرائن اور پوڈولیا پر پولینڈ کا اختیار تسلیم کر لیا گیا۔ موریا پر وینس کا قبضہ مان لیا گیا۔ بعض علاقے روس اور آسٹریا کو مل گئے۔ اہم بات اس معاہدے کے تحت یہ تھی کہ پہلی بار عثمانی سلطنت نے دوسری یورپی طاقتوں کی طرف سے مصالحتی کردار کو مان لیا اور یوں عثمانی سلطنت کی کمزوریاں سب پر عیاں ہو گئیں۔ "معاہدہ کارلووز سلطنت عثمانیہ کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کی انتہا اور تیز تر زوال کا مظہر تھا۔ بہت سے اُن علاقوں کا نقصان جو صدیوں سے سلطنت کا جزو لاینفک تصور ہوتے تھے۔ عثمانی مورال کو اس حد تک گرانے کا سبب بنا جہاں بہت سے لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اب سلطنت کو بچانے کو کوئی کوشش ناممکن تھی"

Marfat.com

(ہسٹری آف اٹومان ایمپائر اینڈ ماڈرن ٹرکی۔ سٹیفورڈ۔ جے۔ شا) 1736ء میں روس نے اکزاکیف اور ازوف کے علاقے اور 1853ء میں کریمیا پر قبضہ کر لیا انیسویں صدی کے آخری سالوں میں عرب علاقے سلطنتِ عثمانیہ کے ہاتھ سے نکلنے لگے اور فرانس' اٹلی اور انگلستان اِن علاقوں پر قابض ہونے لگے۔ سب سے پہلے مصر میں مقامی پاشا خود مختار بادشاہ بن گیا اور انگریزوں نے اسکی سرپرستی شروع کر دی۔ الجیریا' تیونس اور لیبیا بھی عثمانی اقتدار سے باہر ہو گئے۔ بہت جلد انگریزوں نے فوجی امداد کے عوض جزیرہ قبرص کا انتظام سنبھال لیا۔ روس نے پہلے دِن سے سلطنت عثمانیہ کے علاقوں پر نظر رکھی ہوئی تھی اور اس نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہت وسیع علاقہ ہتھیا لیا۔ جب 1878ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی تو ترکی (سلطنت عثمانیہ) میں لڑنے کی کوئی سکت ہی باقی نہ تھی اور اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد ریاستہائے بلقان سلطنت عثمانیہ سے باغی ہو کر آزاد ہو گئیں اور کئی خود مختار ریاستیں بن گئیں' بلقان کے علاقے میں ترکی کو زبردست خرابی سے دوچار ہونا پڑا اور اس کی فوجی ساکھ تباہ ہو گئی جبکہ بلقان کی جنگوں میں بے شمار ترک شہید ہو گئے۔ سب سے بڑی زیادتی یہ ہوئی کہ بعض مسلمان اکثریت کے علاقے بھی نئی آزاد یورپی ریاستوں کے پیٹ میں چلے گئے اور وہاں کے مسلمانوں کو عیسائیوں نے اور بعد میں اشتراکیوں نے اس قدر دبا کر رکھا کہ مساجد پر تالے لگ گئے' اذان کی آوازیں بند ہو گئیں' مسلمانوں سے اُن کا ملی شعور تک چھین لیا گیا' آج بوسنیا' ہرزوگووینا اور کسووو اور کسی حد تک مقدونیہ کے یورپی علاقوں میں مسلمانوں کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی اطلاعات ملتی ہیں' کچھ ریاستیں کافی خون خرابے کے بعد آزاد بھی ہو چکی ہیں لیکن ایک زمانے میں یہ تمام علاقے سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھے' جب بلقان کے علاقے میں بغاوت کا طوفان اٹھا تو اِن مسلمان صوبوں کو بھی ساتھ بہا لے گیا' عیسائیت اور اشتراکیت کے سمندر میں ایک صدی تک ڈوبے رہنے کے بعد اسلام کے یہ جزیرے اب ابھر رہے ہیں۔ یونان بہت پہلے لڑ بھڑ کر سلطنتِ عثمانیہ سے الگ ہو چکا تھا۔

Marfat.com

ھنگری آزاد ہو چکا تھا۔ تقریباً تمام کا تمام جنوب مشرقی یورپ سلطنتِ عثمانیہ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ترکی یورپ کا "مردِ بیمار" تو تھا ہی، رہی سہی کسر اندرونی انتشار نے پوری کر دی، اس انتشار میں اضافہ خلیفہ کی ایک خاص فوج کے رویے سے ہوا جو "ینی چری" یا "جانثاری" کہلاتی تھی، شروع میں یہ خلیفہ کے ذاتی محافظ (باڈی گارڈ) ہوتے تھے، عموماً جنگی قیدی بننے والے عیسائی لڑکوں کو خصوصی تربیت کے بعد اور مسلمان بنا کر اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اِن کی تعداد بڑھ گئی اور یہ سلطنت کے نظم و نسق میں مداخلت کرنے لگے، بلکہ بادشاہ گر کا کردار ادا کرنے لگے، بعض خلیفوں کو اس فوج نے تخت چھوڑنے پر بھی مجبور کیا، اِس فوج کا اچھا پہلو یہ تھا کہ لڑتی خوب تھی، ایک وقت تھا کہ یورپ میں اس جانثاری فوج کی دھاک بیٹھی تھی اور عیسائی اسکے نام سے کانپتے تھے، لیکن جب زوال آیا تو یہی فوج محلاتی سازشوں میں ملوث ہوئی اور عسکری صلاحیت سے محروم ہو گئی، آخر سلطان محمود ثانی نے آئے روز کی سازشوں سے تنگ کر اور جان پر کھیل کر اِس خاص فوج کو ختم کر دیا، بے شمار فوجیوں کو گولی ماری گئی یا قید کر لیا گیا۔

آخری اسلامی خلافت کا غروب

سلطنت کے زوال اور تباہی کی انتہا اُس وقت ہوئی جب سلطنت میں اصلاح پسندوں اور سلطان عبدالحمید دوم کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا، بادشاہ اپنے اختیارات پارلیمنٹ کو دینے پر آمادہ نہ تھا، حتیٰ کہ اُسے معزول ہونا پڑا یہ 1908ء کا واقعہ ہے۔ تھوڑا عرصہ بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ سلطنت عثمانیہ کی آخری علامت شہزادہ عبدالرشید کو تمام اختیارات سے محروم کر کے تخت پر بٹھایا گیا لیکن یہ علامتی بادشاہت بھی محض چند روزہ ثابت ہوئی، جنگ عظیم اول کے دوران ترکی کو سلطنت کی نہیں اپنی بقا کی جنگ لڑنا پڑی۔ درہ دانیال کے موقع میں (جو ترکی کی شاہ رگ تھا) چار لاکھ ترک کام آئے، پھر بھی ترکی کو

Marfat.com

(جو جرمنی کا حلیف تھا) شکست ہوئی' اتحادی طاقتوں نے یونان کو ترکی پر چڑھادیا جبکہ کبھی وہ سلطنتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا۔ جنگ عظیم اول ختم ہوئی تو عثمانیہ سلطنت بھی مٹ چکی تھی اور اگر مصطفےٰ کمال اور اُن کے ساتھی اِسکے بعد سر بہ کفن ہو کر نہ لڑتے تو موجودہ ترکی کے مختلف علاقوں کو یونان' روس اور دیگر یورپی عیسائی ریاستوں کے درمیان تقسیم کر کے ہضم کرنے کے شیطانی انگریزی منصوبے پر عمل ہو جاتا' منصوبے پر عمل درآمد میں اس لئے بھی رخنہ پڑا کہ روس میں اس دوران کمیونسٹ برسرِ اقتدار آگئے تھے۔ 1923ء میں خلافتِ عثمانیہ کی نمائشی حیثیت کا بھی سرکاری طور پر خاتمہ کر دیا گیا' جبکہ برصغیر میں علی برادران اور دیگر مسلمان رہنما خلافت کی بحالی کے لئے تحریک چلا رہے تھے' اس موقع پر حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے یہ حقیقت پسندانہ شعر کہے تھے :

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے | تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ | خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے | مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

خلافتِ عثمانیہ پر اُس وقت جو قیامت گزر رہی تھی' جس طرح اپنوں کی غداری اور لالچ کی بناپر اور لارنس آف عریبیا جیسے مکار انگریزوں کے دام ہمرنگ زمین کی بدولت عثمانیوں پر زمین تنگ ہو رہی تھی اور اُن کا خون جگہ جگہ بہہ رہا تھا' علامہ اقبالؒ اس کا درد شدت سے محسوس کر کے قالبِ شعر میں ڈھال رہے تھے' علامہ اقبالؒ نے سلطنت عثمانیہ کی تباہی اور ترکوں کی تکالیف کے متعلق جتنی تعداد میں اور جس قدر پر اثر شعر لکھے ہیں شاید ہی کسی اور غیر ترکی شاعر نے لکھے ہوں "بانگ درا" کا ایک بڑا حصہ تو "ترک نامہ" لگتا ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر درج کئے جاتے ہیں :

Marfat.com

خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ
ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

چنانچہ ایک طرف علامہ اقبالؒ نے اس حادثۂ عظیم کے درد کو نہایت موثر پیرائے میں پیش کیا اور دوسری طرف ملتِ اسلام کو مایوسی اور ناامیدی سے بچانے کے لئے روشن مستقبل کی نوید سنائی' ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا کہ اصل مقصد ملت کی سربلندی ہے نا کہ خلافت کے مردے میں جان ڈالنا کیونکہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ جب شام' حجاز' فلسطین' عراق' لیبیا' تیونس اور مصر وغیرہ کے مسلمان ہم مذہب ترکوں کے ساتھ لڑنے لگے اور اُن کا خون بہانے لگے تو پھر روس' اٹلی اور برطانیہ سے کیا گلہ ؟

بہر حال خلافت کو بچانے کی جدوجہد میں عثمانیوں کی رگوں سے سارا خون نچڑ گیا' بلقان کی جنگوں میں ان کے لاکھوں جوان قتل ہوئے' پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کا جانی نقصان بے حساب تھا' شاید ہی کوئی ترک گھرانہ ہو جہاں کوئی نہ کوئی فرد جنگ کی بھینٹ نہ چڑھا ہو۔ ساتھ اُن کا جغرافیہ بھی بدل گیا' وہ سلطنت جو کبھی چالیس لاکھ مربع میل سے زیادہ بڑی تھی اب ایک چھوٹی سی قومی ریاست بن چکی تھی جہاں صرف ترکی زبان بولنے والے مسلمان آباد تھے۔ معیشت تباہ ہو چکی تھی' ملک نہ صرف زخموں سے چور تھا' دیوالیہ بھی تھا۔ 'خلافت کا بھاری پتھر چوم کر ایک طرف پھینک دیا گیا' اس لئے بھی کہ جب ترکوں پر برا وقت آیا اور وہ زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہوئے تو "خلافت خلافت" پکارنے والی کسی غیر ترکی مسلمان قوم نے اُن کا ساتھ نہیں دیا' خصوصاً عربوں نے عین نازک وقت میں فرنگیوں کے فریب میں آ کر اُن کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ اس طرح ایک عظیم مسلم سلطنت کا سورج

Marfat.com

ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا' اس المیہ کی چوٹ مشرق سے مغرب تک مسلمانوں نے محسوس کی لیکن وہ کچھ کر سکنے میں ناکام رہے' آج ہم اس حادثے پر خواہ خون کے آنسو روئیں یا چلائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسکے ذمہ دار مسلمان خود تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک موقع عطا فرمایا کہ وہ مشرق کے بعد مغرب میں دینِ اسلام کا بول بالا کریں اور ذاتی شان و شوکت سے بالاتر ہو کر ایسا کریں' آغاز میں عثمانی ترکوں نے ایسا کیا بھی اور اس کا پھل بھی حاصل کیا لیکن بعد میں وہ دین پر دنیا کو ترجیح دینے لگے' ترویجِ دین محض ایک رسمی اور ثانوی کاروائی بن کر رہ گئی۔ اگر عثمانی' اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ موقع سے اچھی طرح فائدہ اٹھاتے تو آج یورپ میں عیسائیت کی بجائے اسلام ہی دینِ غالب ہوتا۔

عثمانی کیوں مغضوب ہوئے؟

ہمارے پاس اِس مضطرب کر دینے والے سوال کا کوئی آسان جواب موجود نہیں کہ عثمانی ترک غضبِ الٰہی کا شکار کیوں ہوئے؟ وہ کیا ان دیکھے حقائق تھے جن کی بنا پر عظیم الشان قوم اوجِ ثریا سے ذلّت و نکبت کی پستی میں جا گری؟ کسی پیچیدہ مابعد الطبیعاتی بحث میں پڑنے کی بجائے ہم یہاں عثمانی حکمرانوں کی اُن خدا فراموشانہ حرکتوں کا ذکر کریں گے جن کا ارتکاب ہر قوم و ملت میں زوال و ذلت کو دعوت دیا کرتا ہے یہ الگ بات ہے کہ دنیا میں آج تک کسی حکومت یا بادشاہ نے تاریخ سے سبق نہیں سیکھا۔ شاید یہ سبق انہیں سیکھنا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ دنیا میں جو نظام کام کر رہا ہے اس کے تحت ہر غالب پر کسی اور غالب کا مسلط ہونا ضروری ہے۔

اول تو حقیقت یہ ہے کہ عثمانی سلطنت کے عروج میں بھی گھن کی جھلک موجود تھی لیکن ان بادشاہوں کا غازیانہ پہلو اسقدر نمایاں تھا اور ساتھ ہی عُلما اور قاضی ایسے بے خوف اور احتساب کرنے والے تھے کہ اگر اِن بادشاہوں کی کچھ کوتاہیاں ہوتی بھی تھیں تو تلافی

Marfat.com

ہو جاتی تھی اور جسدِ ملت پر ان غلطیوں کا زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ طویل دورِ زوال میں بھی سلطنت عثمانیہ کے برقرار رہنے کی ایک بڑی وجہ یہی احتسابی نظام تھا' کہ جب بھی کسی بادشاہ یا خلیفہ کے ذاتی کردار کی وجہ سے چہ میگوئیاں ہوتیں یا نظام حکومت میں گڑبڑ ہوتی علما اور مفتی اپنا فرض پورا کرنے میں رورعایت نہیں کرتے تھے' چنانچہ کئی بار اس قسم کے حکمرانوں کو عُلما کے فتویٰ پر تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ عثمانی سلطنت کے وجود کے طویل عرصہ تک باقی رہنے کی ایک اور اہم وجہ اس کا نظام وزارت تھا' بادشاہ اپنے وزیر بہت سوچ سمجھ کر چنتے تھے' اتنی وسیع سلطنت کا انتظام چلانا معمولی صلاحیتوں کے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا تھا' چنانچہ اکثر وزرائے اعظم بہت لائق اور دیندار تھے اور عملی طور پر حکومت انہی کے سپرد ہوتی تھی۔ اس طرح بادشاہ کی خرابیوں پر پردہ پڑا رہتا تھا' یورپ کی طاقتیں عثمانی خلفا سے نہیں ڈرتی تھیں' عثمانی وزرا پر نظر رکھتی تھیں' لیکن جب زوال نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو پھر بادشاہوں کے ساتھ ساتھ علما اور وزیر بھی ایک ہی رو میں بہہ گئے۔ جو ہونا تھا ہو کے رہا۔ اب تاریخ کے ورق الٹتے ہوئے عثمانی بادشاہوں کے اُس کردار کا جائزہ لیتے ہیں جسے قدرت معاف نہیں کیا کرتی:

عثمانی بادشاہوں میں جس قبیح ترین عمل کو استحکام حکومت کے لئے شروع سے لازم سمجھا گیا اور جس کے لئے کسی اخلاقی ضابطہ یا مذہب سے کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا' قتلِ برادران تھا' حیرت یہ ہے کہ جہاں عُلما عثمانی درباروں میں اہلِ تشیع کی "بدعات" پر فتاویٰ تکفیر جاری کرنے میں عموماً آمادہ رہتے تھے اور بادشاہوں کو قاضی اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دینے میں بھی تامل نہیں کرتے تھے' اس بھیانک رسم کے خلاف ان کے کسی فتویٰ یا عملی قدم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس رواج کا آغاز تیسرے عثمانی بادشاہ مرادِ اول کی وفات سے ہوا' جب بایزید اول (بڑا بیٹا) تخت نشین ہوا' سلطنت میں کسی قسم کے تنازعہ کا امکان ختم کرنے کے لئے اُس نے اپنے چھوٹے بھائی یعقوب کو اپنی کمان کی ڈوری سے

Marfat.com

گلا گھونٹ کر ختم کر دیا حالانکہ بھائی نے کسی قسم کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا' بایزید اول بے شک بڑا فاتح تھا' لیکن عورت اور شراب کا شائق تھا' آسمان نے یہ تماشا دیکھا کہ تیمور ھندوستان کی فتح کو درمیان میں چھوڑ کر اس پر جھپٹا اور اُسے شکست دیکر قید کر لیا' اب تیمور جہاں جہاں جاتا بایزید کو ایک پنجرے میں قید ساتھ لئے پھرتا' چنانچہ بایزید اس قید کے اندر ہی گھٹ گھٹ کر مر گیا۔ قدرت نے اس طرح بایزید سے انتقام لیا۔ بایزید اول کو عیسائیت نواز حکمران بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے فتح حاصل کرنے کے باوجود سربیا کے حکمران لازار کو وہاں حکمران رہنے کی اجازت دے دی تھی اور اس کی بیٹی ماریا ڈسپینا سے شادی رچالی تھی جو بہت خوبصورت مگر چالاک عورت تھی اور عیسائیت کے خلاف مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم کامیابی سے روکتی رہی۔ چنانچہ بایزید کے دربار میں بے شمار یورپی عیسائی مشیر جمع ہو گئے تھے۔ سلطان بایزید اول کے پیش رو نے اپنی "جانثار" فوج بھرتی کی تھی جسے "ینی چری" بھی کہا جاتا تھا۔ اول اول یہ فوج عیسائی نو مسلموں پر مشتمل ہوتی تھی اور شاہی محل کی حفاظت کے علاوہ میدانِ جنگ میں بھی لڑتی تھی' اس فوج کے ارکان کو زیادہ تنخواہیں اور مراعات ملتی تھیں' لیکن انہیں نہ شادی کی اجازت ہوتی تھی نہ گھر بسانے کی۔ چونکہ اِن فوجیوں کا اپنا ایک ثقافتی پس منظر تھا' اس لئے دارالحکومت میں بعض برائیاں اِس پس منظر کی وجہ سے بھی پھیلیں اور ایک وقت آیا کہ یہ فوج سلطنت کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئی۔

حملۂ تیمور کے بعد تھوڑے عرصے کے لئے خلا سا پیدا ہوا' تیمور واپس جا چکا تھا' بایزید قید میں فوت ہو چکا تھا' اب اسکے بیٹے حکومت کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے' یہ تقریباً ایسی ہی صورتِ حال تھی جیسی شاہجہان کے بعد مغلیہ سلطنت کے دعویداروں کی تھی اور بالآخر ان میں لائق ترین (اورنگ زیب عالمگیر) دوسرے بھائیوں کو ختم کر کے تخت نشین ہوا۔ اب بایزید کے بیٹے' موسیٰ' مصطفٰے' سلیمان' عیسیٰ' اور محمد آپس میں جھگڑ رہے تھے' سب سے بڑا سلیمان تھا' تاہم آخر میں شہزادہ محمد کامیاب ہوا اور حکومت کے دعویدار

Marfat.com

دوسرے بھائی قتل کر دیئے گئے۔ سلطان محمد اول نے تخت پر بیٹھتے ہی علما کے مشورے پر تمام دربار سے عیسائی مشیروں کو نکال دیا اور دارالحکومت عیسائی اثرات سے پاک ہو گیا۔ سلطان محمد اول نے کوشش کی تھی کہ اسکے انتقال پر اسکے بیٹوں میں قتل اور خونریزی نہ ہو' اس مقصد کے لئے اس نے تمام بیٹوں میں سلطنت تقسیم کر دی (بالکل ایسا ہی کام اورنگ زیب عالمگیر نے کیا تھا لیکن پھر بھی خونریزی ہو کر رہی)' سلطان مراد دوم جانشین ہوا' تاہم بھائیوں نے بغاوتیں کیں اور خونریزی ہوئی جیسا کہ متوقع تھا۔ اسی زمانے سے یہ دستور قائم ہوا کہ آئندہ جانشینی کا فیصلہ بادشاہ کی موت سے پہلے کر دیا جائے اور اس مقصد کے لئے کسی ایک شہزادے کو خصوصی تربیت اور پرورش کے لئے چن لیا جاتا تھا جبکہ اسکے باقی بھائیوں کو کسی نہ کسی بہانے سے ختم کر دیا جاتا تھا' قتلِ فرزندان کا یہ عمل بادشاہ کی مرضی سے ہوتا تھا لیکن دستور پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ ایک قبیح اور خلافِ شرع فعل تھا۔

سلطان محمد دوم جسے دنیا سلطان محمد فاتح کے طور پر جانتی ہے اس اعتبار سے خوش قسمت تھا کہ اسکے دونوں بڑے بھائی اسکی تخت نشینی سے پہلے فوت ہو گئے اور تخت نشینی کا قرعہ خود بخود اس کے نام نکل آیا' سلطان محمد فاتح شروع میں ایک درویش فرقہ سے بہت متاثر تھا جو عیسائیت' اسلام اور دوسرے مذاہب کی تطبیق کی تبلیغ کرتا تھا' یہ لوگ ایران کی سرزمین سے آئے تھے۔ تاہم اُس وقت اہلِ سُنت عُلما بہت طاقتور تھے' مفتی اعظم خلیل نے اس فرقہ کے مبلغ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا اور نتیجتہً اُسے آگ میں جلا دیا گیا' روایت ہے کہ اُسے سلطان کے محل سے گرفتار کیا گیا تھا جہاں اُس نے پناہ لی تھی' بہر حال قدرت نے اس سلطان سے فتح قسطنطنیہ جیسا عظیم کام کروالیا' شاید انہی ابتدائی تجربات کے بعد سلطان محمد علمائے ظاہر سے بدظن رہا اور فتح قسطنطنیہ کے موقع پر وہ اپنے عہد کے بزرگ کامل خواجہ شمس الدین کو اپنے ساتھ دعاؤں کے لئے لے گیا تھا۔ سلطان محمد فاتح 49 سال کی عمر میں فوت ہوا' اُسے دردوں کی شکایت مدت سے تھی' درباری طبیب نے سکون کے لئے

Marfat.com

افیون کی زیادہ مقدار کھلادی جو جان لیوا ثابت ہوئی' سلطان کی کمزور صحت کی ایک وجہ اُن کی بعض بے اعتدالیاں بھی تھیں جن میں شراب خوری کی کثرت سرِ فہرست تھی۔

سلطان محمد فاتح کے بعد شہزادہ بایزید دوم تخت نشین ہوا'اس کا ایک بھائی تخت کا دعویدار ہوا لیکن منظرِ عام سے ہٹادیا گیا۔بایزید دوم کے دور میں دربار میں ایک خاص فرقہ کے اثرات بہت بڑھ ہو گئے تھے اور بالآخر عُلما کے زور دینے پر "ینی چری" فوج نے بادشاہ کو معزول کر دیا' بادشاہ معزول ہونے کے بعد دارالحکومت سے باہر جارہا تھا کہ اسکے ذاتی معالج نے (روایت کے مطابق) سازش کے تحت اُسے کوئی زہریلی دوا کھلائی اور وہ مر گیا۔ جانشین سلطان سلیم اول عُلما اور ینی چری کا مشترکہ انتخاب تھے' جبکہ تخت نشین ہوتے ہی سلطان سلیم نے اپنے تمام بھائیوں' حتیٰ کہ بھتیجوں کو بھی بیدردی سے قتل کرادیا کہ حکمرانی کا کوئی دعویدار میدان میں باقی نہ رہے۔ سلطان سلیم نے مصر میں مملوکوں کی حکومت ختم کر کے 'خلیفہ کا لقب بھی اختیار کیا تھا۔بے شک سلطان سلیم کے عہد میں عثمانی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا لیکن سلطان سلیم کو سفاک بادشاہ کے طور پر بھی یاد رکھا جائے گا جو قتل وخونریزی میں خوشی حاصل کرتا تھا۔ "اسکی طبیعت حد درجہ اشتعال پذیر تھی'وہ کسی امر میں خفیف سی مخالفت بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور جو لوگ اسکی رائے سے ذرا بھی اختلاف کرنے کی جرأت کرتے ان کو فوراً قتل کرادیتا تھا'اسکے مختصر عہدِ حکومت میں سات وزیراعظم اسکے حکم سے قتل ہوئے'اِن کے علاوہ متعدد فوجی اور ملکی عہدہ داروں کو بھی اسکی ناخوشی کی پاداش میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے "(عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ۔ عبدالصبور طارق)۔ سلطان سلیم کی موت ران میں ایک پھوڑے کی وجہ سے ہوئی جو غالباً سرطانی پھوڑا تھا' طبیبوں نے اُسے اس پھوڑے کی وجہ سے گھوڑ سواری سے منع کیا تھا لیکن وہ باز نہیں آیا۔ بالآخر پھوڑا پھٹ گیا اور وہ فوت ہوا۔

Marfat.com

سلطان سلیم کا جانشین سلطان سلیمان اعظم تھا جس کی تخت نشینی میں کوئی جھگڑا ہی نہ تھا کیونکہ سلطان سلیم پہلے ہی اس کا پورا انتظام کر کے فوت ہوا تھا' سلطنت عثمانیہ کے لئے سلطان سلیمان اعظم (1520ء تا 1566ء) کا قریباً نصف صدی پر مشتمل دور نہایت مبارک اور شاندار دور تھا' یہ بادشاہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا اور اس کے دور میں سلطنتِ عثمانیہ اپنی وسعت' خوشحالی اور طاقت کی انتہا کو جا پہنچی' اسکے بعد سوائے چند چھوٹے جزیروں کی فتح کے سلطنت میں توسیع نہ ہو سکی بلکہ زوال کا وہ دور شروع ہو گیا جو اِس دنیا میں ہر سلطنت کا مقدر رہے۔ سلطان سلیمان معتدل سیرت کا حامل بادشاہ تھا لیکن اسکی بعض عجیب عادات بھی تھیں' ایک معمولی گھرانے کے فرد ابراہیم پاشا کو اس نے ایام شہزادگی سے اپنا ہمراز اور ندیم بنایا ہوا تھا' تخت نشین ہونے پر اُس نے ابراہیم پاشا کو اپنا وزیر بنایا اور اتنی نوازشات کیں کہ ابراہیم پاشا گھبرا گیا کیونکہ اس قسم کی ہر انتہا کے بعد زوال ہوتا ہے' لیکن بادشاہ اُسے قسمیں کھا کر یقین دلاتا رہتا کہ وہ ہمیشہ اس کا دوست اور معتمد رہے گا' لیکن ایک دِن معمولی غلط فہمی پر بادشاہ نے اپنے اس پرانے دوست کو نظروں سے گرا دیا اور اس کا کوئی کردار باقی نہ رہا' پھر ایک دِن اُسے پھانسی دیدی گئی۔

سلطان سلیمان اعظم کے دور میں دولت و ثروت کی فراوانی سے عیش و نشاط اور نمود و نمائش کو حکمرانی کا لازمہ سمجھ لیا گیا تھا' بادشاہ صبح سویرے اپنی خوابگاہ سے باہر آتا تو حرم کے منتخب ارکان اُسے لباس پہناتے جو قیمتی کفتان کا ہوتا۔ کھانا چاندی کے برتنوں میں لایا جاتا تھا' دستر خوان پر پانی کے ساتھ کبھی کبھی شراب بھی ہوتی۔ بادشاہ حرم میں سونے کے لئے ہر روز خوابگاہ بدلتا تھا تاکہ حفاظت کے امکانات میں کسر واقع نہ ہو' سہ پہر کو روزانہ تفریح کے لئے خلیج باسفورس کے ایشیائی ساحل کی طرف چلا جاتا۔ خوابگاہ میں شاہی پلنگ پر جو چادریں بچھائی جاتیں وہ چاندی اور سونے کی تاروں سے بروکیڈ کی ہوئی ہوتیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال میں شاہی "حرم" نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ عثمانی بادشاہوں کو

Marfat.com

چار قانونی بیویوں کے علاوہ بے شمار کنیزیں جمع کرنے کا خبط تھا' یورپ میں حسین و جمیل عورتوں کی کبھی کمی نہیں رہی' خصوصاً آرمینی عیسائی عورتوں کی تو بڑی مانگ تھی' چنانچہ ہر خلیفہ (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) اپنا حرم وسیع کرتا رہا' یورپی نسل کی عورتوں کے اختلاط سے اگرچہ عثمانیوں کی نسل میں خوبصورتی پیدا ہوئی لیکن آئندہ چل کر ان کی مجاہدانہ خصوصیات میں کمی بھی واقع ہوئی اور غلط اثرات بھی پیدا ہوئے' سب سے بڑی خرابی یہ نمودار ہوئی کہ یہ حرم سرا سازشوں کی آماجگاہ بنے۔ سلیمان اعظم کے فوراً بعد سلطنت میں بگاڑ پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہی تھی' سلطان کے حرم میں یوکرائن کے ایک پادری کی لڑکی "لاروزا" داخل ہوئی تھی جس کا ترکی میں "خرم" نام رکھا گیا' یہ لڑکی بعد میں سلطنت کے لئے ایک آفت ثابت ہوئی' حسن و جمال سے زیادہ وہ ناز نخروں' حاضر جوابی اور ذہانت سے کسی کو شیشے میں اتارنے کا فن جانتی تھی' سب سے پہلے اُس نے سلطان کی منظور نظر بیوی گل بہار کی جگہ پر قبضہ کیا اور سلطان کے دل و دماغ پر چھا گئی' اسی عورت کے اشارے پر وزیر اعظم ابراہیم پاشا کو قتل کیا گیا۔ وہ سلطان کے دماغ کو پڑھنا جانتی تھی اور آہستہ آہستہ سیاسی معاملات میں دخیل ہو کر سلطان کو مشورے دینے لگی' جب اسکے ہاں بیٹا ہوا تو سلطان نے اُسے باقاعدہ نکاح میں لے لیا' اب وہ کھل کر درباری معاملات چلانے لگی' ایک دفعہ حرم سرا میں آگ لگی تو حرم کی عمارت جو لکڑی کی تھی جل گئی' یہ "خرم" وہاں سے اٹھکر بادشاہ کے محلِ سلطنت میں آگئی جہاں بیٹھکر بادشاہ امورِ مملکت چلاتا تھا' حالانکہ کبھی پہلے ایسا نہ ہوا تھا' بادشاہ نے اپنی منظور نظر بیوی کے لئے وہیں ایک حرم محل تعمیر کرالیا۔ اب اس نے یہ چال چلی کہ رستم پاشا کو وزیر اعظم مقرر کرایا جس نے اُسکی بیٹی سے شادی کی تھی' گویا وزیر اعظم سلطان کا داماد بنا' "خرم" اقتدار و اختیار کی چوٹیوں پر تھی' سلطان سے اسکے تین بیٹے سلیم' بایزید اور جہانگیر ہوئے' "خرم" کی کوشش تھی کہ اسکے بیٹوں میں سے کوئی جانشین ہو جبکہ ان بیٹوں سے بڑا سلطان کا ایک اور بیٹا مصطفٰے موجود تھا جو گل بہار سے تھا۔ جیسے جیسے بادشاہ بوڑھا ہوتا جاتا تھا

Marfat.com

اسکی یوکرائنی بیوی کے عزائم جوان ہوتے جاتے تھے' سب سے پہلے مصطفیٰ کے خلاف حرم میں سازش تیار کی گئی اور کہا گیا کہ وہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کر رہا ہے' بادشاہ کے حکم پر اپنی صفائی پیش کرنے مصطفیٰ حاضر ہوا مگر وہاں گونگوں کا ایک مسلح گروہ موجود تھا' (یہ قوتِ گویائی سے محروم جلاد عثمانی دربار اور محل میں قتل کے لئے خاص طور پر رکھے جاتے تھے) اور مصطفیٰ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُسے اِن گونگوں نے قتل کر دیا۔ اب بظاہر سلیم کے لئے راستہ صاف تھا' اس کا ایک بھائی جہانگیر جو ذہنی مریض بھی تھا' مصطفیٰ کے قتل سے خوفزدہ ہو کر مر گیا۔ چونکہ اُسے اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی بایزید باغی ہو کر ایران کے صفوی بادشاہ کے پاس پناہ گزین ہوا' اُسکی بیوی اور بچے بھی ساتھ تھے' لیکن سلطان نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا اور روایت یہ ہے کہ سلطان سلیمان نے اپنا خاص جلاد ایران بھیجا جہاں اُس نے شاہِ ایران کو سلطان کی طرف سے سونے کی کثیر مقدار پیش کی جس کے عوض شاہِ ایران نے بایزید اور اسکے چار بیٹوں کو ترک جلاد کے حوالے کر دیا جس نے انہیں قتل کر دیا' کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے بایزید نے اپنے چار بیٹوں سے ملاقات کی خواہش کی اُسے جواب دیا گیا "آپ اپنے کام سے کام رکھیں"۔ بایزید کا ایک تین سالہ بچہ برصہ میں بھی تھا' اُسے بھی ایک خواجہ سرا نے بادشاہ کے حکم پر گلا گھونٹ کر ہلاک کیا۔ یوں سلطنتِ عثمانیہ کے جانشین اور دورِ انحطاط کے پہلے سلطان' سلیم کے لئے تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ اسے بدقسمتی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اِس انحطاط کی پہلی اینٹ خود سلطان سلیمانِ اعظم نے رکھی اور اپنی یوکرائنی بیوی کی خواہش اور سازش کی تکمیل میں تمام اسلامی اور اخلاقی قدریں پامال کر دیں۔ انجام بھی پھر ایسا ہی ہونا تھا!

سلیمان اعظم کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی' اسکے باوجود جذبۂ جنگ جوان تھا' اسکی موت عین حالت جنگ میں ہوئی جب اسکی فوجیں ایک یورپی محاذ پر لڑ رہی تھیں' سپاھیوں سے اسکی موت کی خبر پوشیدہ رکھی گئی حتی کہ فتح حاصل ہو گئی' اسکے بعد اُسکی نعش کو

Marfat.com

استنبول لا کر دفن کیا گیا۔ سلیمان اعظم کے بعد عثمانیوں میں بادشاہ آتے رہے، پچیس چھبیس بادشاہ آئے لیکن کوئی فاتح نہ آیا، کوئی مدبر دوبارہ پیدا نہ ھوا۔ نیا خلیفہ سلطان سلیم دوم ہر اعتبار سے متضاد خصوصیات کا مالک تھا۔ بد قسمتی سے عثمانی نسل میں خراب خون شامل ھو گیا تھا اور یہ نیا بادشاہ اسی خون کی پیداوار تھا، پرلے درجے کا بلانوش، عیاش اور بے کردار شخص تھا۔ عوام میں اسکا نام ھی ''سلیم بلانوش'' پڑ گیا تھا۔ حالت یہ تھی کہ کثرت مے نوشی سے اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور وہ دربار میں بھی بعض اوقات مدہوش جاتا تھا۔ روایت یہ بھی ہے کہ سلیم سلطان سلیمان اعظم کی نہیں بلکہ اس کی یوکرائنی کنیز (بعد میں بیوی) کے ایک عاشق کے ساتھ ناجائز تعلقات کی پیداوار تھا (واللہ اعلم بالصواب) بہر حال وہ شکل و صورت پرورش، عادات، کسی اعتبار سے عظیم عثمانی خلفاء کے سائے سے بھی مماثلت نہیں رکھتا تھا۔ اُسے کاروبارِ سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اگر دربار میں لائق وزیر اور امراء نہ ہوتے تو اس بادشاہ کے ساتھ ہی سلطنت کا چراغ گل ہو جاتا۔ شراب و شاھد کے بعد اُسے شاعری سے شغف تھا، بادشاہ کی شراب نوشی اور مدہوشی کے جواز میں اُس وقت کے مفتی اعظم نے فتویٰ جاری کیا جس پر عوام میں یہ لطیفہ مشہور ہوا کہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: ''آج ہم نے کس کے ہاں شراب پینی ہے، مفتی کے ہاں یا قاضی کے ہاں؟'' سلطان سلیم نے شراب پر عاید تمام پابندیاں ہٹا دیں اور اسکی خرید و فروخت اور عام استعمال کے لئے یہ جواز ڈھونڈا گیا کہ سلطنتِ عثمانیہ میں ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد ہیں اس لئے صرف مسلمانوں کی خاطر یہ پابندی نہیں لگائی جا سکتی، یہ حکمران بھول گئے کہ انہیں حکومت اور سلطنت ان مختلف اقوام کی مہربانی سے نہیں بلکہ اسلام کی وجہ سے ملی تھی اور اب وہ اسی اسلام سے غداری کرنے لگے تھے۔ سلطان سلیم دوم کی موت بہت زیادہ عیاشی اور مے خواری سے ہوئی، اُسے وہم ہو گیا تھا کہ اُسکا خاتمہ قریب ہے کیونکہ بعض شگون اچھے نہ تھے، مثلاً محل میں اچانک ساقی خانہ کو آگ لگنے سے تمام شراب جل گئی، استنبول میں زبردست زلزلہ آیا، سیلاب سے شہر مکہ

Marfat.com

ڈوب گیا اور بیت اللہ کو نقصان پہنچا۔ اپنے خدشات اور خطرات کو دبانے کے لئے اس نے قبرصی شراب کی پوری بوتل حلق میں انڈیل لی' اس پر وہ لڑکھڑا کر گرا' سنگ مرمر کے فرش سے ٹکرا کر اسکی کھوپڑی پھٹ گئی اور وہ مر گیا۔ سلطان سلیم دوم کے دور میں حرم سرا کی خواتین کی حکومتی امور میں مداخلت عروج کو پہنچی' وزراء اور سپہ سالاروں کا تقرر بھی عورتوں کے ذریعے ہونے لگا۔ دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ ولی عہد کی فوجی اور سیاسی تربیت کا جو رواج عرصے سے آرہا تھا وہ ختم کر دیا گیا' اب ولی عہد کو جانشینی کے وقت صرف یہ علم ہوتا تھا کہ اُس نے سلطنت سنبھالنی ہے جسکے لئے وہ سرے سے کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا' نتیجہ یہ کہ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلتا تھا۔

جب مراد سوم تخت نشین ہونے کے لئے پایہ تخت پہنچا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے پانچوں بھائیوں کو گلا دبا کر قتل کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل ہوئی' اگلے روز وہ خوابگاہ سے باہر آیا' تمام لوگ اسکے خطاب کے پہلے الفاظ سننے کو بے تاب تھے کیونکہ یہ تصور کیا جاتا تھا کہ نئے بادشاہ کے منہ سے جو اولین الفاظ نکلتے ہیں اُن کے مطابق ملک کی آئندہ کی تقدیر لکھی جاتی ہے' بادشاہ نے اٹھتے ہی کہا: "میں بھوکا ہوں' میرے لئے کھانے کو کچھ لایا جائے" اِن الفاظ سے یہ شگون ملا کہ ملک میں بھوک اور قحط ہوگا' دلچسپ بات یہ ہے کہ بادشاہ کی حکمرانی کے آغاز کے ساتھ ہی پوری سلطنتِ عثمانیہ بدترین قحط اور خشک سالی کی لپیٹ میں آگئی اور رزق میں برکت جاتی رہی۔ سلطان مراد میں اپنی برائیاں تھیں' ایک تو وہ حد سے زیادہ کنجوس اور دولت پرست تھا دوسرے نفس پرست تھا' شراب و شباب کے مشاغل میں غرق رہتا۔ سلطان مراد پر چار عورتوں کا غلبہ تھا' ایک اسکی والدہ (جو حرم کی نگران تھی) دوسری اسکی بہن اور وزیر اعظم کی بیوی' تیسری ایک اطالوی حسینہ صفیہ نامی تھی جو اسکے سب سے بڑے بیٹے محمد کی ماں بنی اور چوتھی عورت جان فزا نامی تھی۔ خلیفہ کے حرم میں پنپنے والی سازشوں اور اخلاق باختگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کی ماں اور اسکی

Marfat.com

منظور نظر صفیہ کے درمیان باقاعدہ جنگ جاری تھی اور صفیہ کی اداؤں کے طلسم کو زائل کرنے کے لئے' والدۂ خلیفہ نے یہ بندوبست کیا کہ خلیفہ کی خواب گاہ میں ہر رات کم از کم دو یا تین نئی حسین و جمیل دوشیزائیں خرید کر بھیجتی 'نتیجہ یہ نکلا کہ استنبول کی غلاموں اور کنیزوں کی منڈی میں لڑکیوں کی قیمتیں دگنی تگنی ہو گئیں۔ "جان فزا" داشتاؤں کی سردار مقرر تھی اور اس کا کام بھی بادشاہ کی خوابگاہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے نئی سے نئی دوشیزائیں مہیا کرنا تھا۔ دوسری طرف ہوسِ زر کی یہ حالت تھی کہ 'بادشاہ نے دربار میں رائج رشوت میں اپنا حصہ وصول کرنا شروع کر دیا' جو سایل یا فریادی اپنے مسائل کے حل کے لئے امراء اور وزراء کو رشوت دیتے تھے' بادشاہ کا حکم تھا کہ اُس رشوت میں سے اُسے بھی حصہ دیا جائے موت سے پہلے سلطان مراد سمندر میں شاہی کشتی میں تفریح کر رہا تھا' اسکی ایک منظور نظر نے اُسے موت کے خطرے سے پہلے خبردار کر دیا تھا جو اُسے خواب میں دکھائی دیا تھا اُس وقت موسیقاروں نے اُداس دُھنیں چھیڑ رکھی تھیں۔

سلطان مراد سوم کی وفات پر اُسکے بڑے بیٹے (اطالوی حسینہ صفیہ کی اولاد) محمد سوم نے پہلا کام تخت پر قدم رکھتے ہی یہ کیا کہ اپنے انیس بھائیوں کو گونگے غلاموں (جلادوں) کے ذریعے گلا گھونٹ کر مروادیا۔ تاریخِ عثمانیہ میں برادر کشی کا یہ سب سے بڑا واقعہ ہے۔ شقاوت کی انتہا یہ کی کہ حرم میں اِن بھائیوں کی منظور نظر چھ حاملہ عورتوں کو گرفتار کر کے بوریوں میں سِیا گیا اور آبنائے باسفورس میں غرق کر دیا گیا تاکہ ان کے پیٹ سے تخت کے کسی دعویدار کے پیدا ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہے' اسکے بعد اُس نے خود اپنے بیٹے محمود کو قتل کر دیا کیونکہ اُس نے اناطولیہ میں باغیوں کے خلاف لڑنے کی خواہش کی تھی' اسکی ماں اور اسکے قریبی دوستوں کو بھی قتل کرادیا۔ وہ ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ شکی مزاج بھی تھا اور کسی پر اعتماد نہ کرتا' اُسی نے یہ رواج شروع کیا کہ شہزادوں کو میدانِ جنگ اور حکومت کی عملی تربیت کا نظام ختم کر دیا اور آئندہ کے لئے انہیں صرف محل کے قفس خانے میں محبوس رکھا

Marfat.com

جانے لگا تا کہ انہیں دنیا کی ہوا نہ لگے' اس طرح عثمانی حکمران بزدل اور رنگین مزاج بن گئے اور خطرات سے ڈرنے لگے۔ اکتوبر 1603ء کا واقعہ ہے کہ استنبول میں ایک فقیر' سلطان محمد سوم کے دربار میں نمودار ہوا اور کہا کہ پچپن دنوں کے اندر اس پر کوئی آفت آئیگی۔ ٹھیک پچپن دن بعد وہ مر گیا۔ سلطان محمد سوم کا جانشین سلطان احمد ہوا جس نے اپنے بھائی مصطفےٰ کو صرف اس لئے قتل نہیں کیا کہ وہ دیوانہ تھا اور بظاہر سلطنت کا دعویدار نہیں بن سکتا تھا۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جو تخت نشینی کے وقت مختون نہ تھا اور ختنہ کی رسم اسکی تخت نشینی کے وقت ادا کی گئی۔ سلطان احمد اول قوتِ ارادی اور اصابتِ رائے سے یکسر محروم تھا' حرم کی عورتیں ہی حکومت کر رہی تھیں' وزیر اعظم ان عورتوں کے اثر سے آئے دِن بدلے جاتے تھے' حرم کی کرپشن کے سائے امورِ مملکت پر پڑ چکے تھے' سلطان کے خاندان کی عورتوں اور سرکاری امراء اور افسروں کے مابین شادیوں کا رواج چل پڑا تھا' اس کے نتیجے میں بے شمار بد عنوانیاں جنم لے چکی تھیں۔ سلطان احمد اول کی جگہ اس کا فاترالعقل بھائی تخت نشین ہوا لیکن جلد ہی معزول کر دیا گیا کیونکہ ینی چری اور علماء کے نزدیک وہ امورِ مملکت چلانے کا نااہل تھا۔ اب سلطنت کے معاملات بہت ہی دگرگوں ہو چکے تھے' خصوصاً ینی چری نے بہت طاقت پکڑ لی تھی اور بادشاہ محض کٹھ پتلی تھے' مصطفےٰ کے بعد سلطان عثمان دوم تخت نشین ہوا جو اس کا بھتیجا تھا' عثمان نے اپنے ہم نام بانی سلطنت کی طرح شانِ حکومت بحال کرنے کی شعوری کوشش کی لیکن لوگ بہت زیادہ بگڑ چکے تھے' عثمان کو رات کے وقت بھیس بدل کر پھرنے کی عادت تھی' اس پر بھی اعتراض ہوا' اس نے بعض اہلکاروں کو شراب خانوں میں رنگ رلیاں مناتے پکڑا اور سزا دی تو اس پر بھی احتجاج ہوا' بالآخر ینی چری نے بغاوت کر دی اور اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ برادر کشی کے بعد اب بادشاہ کُشی کا رواج بھی شروع ہو گیا۔ عثمانی خاندان اسقدر بانجھ ہو چکا تھا کہ ایک بار پھر دیوانے مصطفےٰ کو تخت پر بٹھا دیا گیا کیونکہ اب بادشاہی کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ پندرہ ماہ تک چلا' والدہ

Marfat.com

سلطان کے ہاتھ اصل اختیار تھا' وزرا نت تبدیل ہوتے' فوج بے قابو ہوئی جاتی تھی' تنخواہوں اور انعامات میں آئے دن اضافے ہو رہے تھے جبکہ خزانہ خالی ہوتا جا رہا تھا' مقبوضات ہاتھ سے نکل رہے تھے' یورپی ریاستیں ہر سال کسی نہ کسی عثمانی علاقے پر قابض ہو رہی تھیں' روس سلطنت کے ٹکڑوں میں اپنا بڑا حصہ وصول کرنے کے لئے پر تول رہا تھا' اِدھر محلاتی شازشیں زوروں پر تھیں۔ آخر عُلما نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور عوام نے اُن کا ساتھ دیا' عُلما کے اصرار پر دیوانے بادشاہ کو معزول کر دیا گیا۔ عثمان کے چھوٹے بھائی مراد کو بطور سلطان مرادِ چہارم تخت نشین کیا گیا اور وزیر اعظم بھی نیا مقرر ہوا۔

سلطنت عثمانیہ جس حال کو پہنچ چکی تھی اسکے لئے ایک قاہر اور جابر بادشاہ کی ضرورت تھی اور سلطان مراد چہارم ایسا ہی حکمران ثابت ہوا' اُسے "عثمانی نیرو" کا خطاب بھی دیا جاتا ہے' ایک مورخ کے مطابق "سلطان مراد چہارم عثمانی سلاطین میں سب سے زیادہ خونخوار تھا" کہتے ہیں کہ جب وہ حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد خزانے کی کوٹھی میں پہنچا تو ایک تھیلی میں تیس ہزار تانبے کے سکوں کے سوا کچھ موجود نہ تھا' اس نے یہ دیکھ کر خالی خزانے میں آنسو ٹپکائے اور کہا کہ میں انشاء اللہ اِسے دوبارہ بھر دوں گا۔ اس کے ابتدائی دور میں کئی علاقے عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے' لیکن پھر اس نے حالات پر قابو پا لیا' چونکہ بادشاہی محافظوں کی خصوصی فوج ینی چری بے لگام ہو چکی تھی اور جب چاہتی بادشاہ یا وزیر اعظم کو معزول کر دیتی' اس کی طاقت توڑنا ضروری تھا' سلطان مراد نے بڑی حکمتِ عملی سے کام لے کر اِس بے لگام طاقت کو کچل ڈالا۔ اسکے بعد اُس نے ظلم و بربریت کا راستہ اختیار کیا' شر پسندوں کو کچلتے کچلتے وہ انسانی خون کا پیاسا ہو گیا' انسانی زندگی کے لئے اسکے دل میں احترام ھی نہ رہا۔ اسکی خونریزی کی داستانیں عام ہو گئیں' ایک بار اُس نے دیکھا کہ ایک جھیل کے پاس عورتوں کی ایک پارٹی رقص کناں ہے اس نے اِن سب کو بے گناہ جھیل کے پانی میں ڈبو دیا۔ اپنے ایک طبیب کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس کے کہنے پر اس نے افیون کی ذرا

Marfat.com

زیادہ مقدار کھالی تھی۔ ایک قاصد کو اس لئے مروادیا کہ اس نے ملکہ کے ہاں بیٹا ہونے کی غلط خبر دی تھی جبکہ درحقیقت بیٹی ہوئی تھی۔ اپنے شاہی مطرب کا سر اس بات پر قلم کرادیا کہ اس نے فارسی لے میں گانا گایا تھا کہ اسطرح اسکے ایرانی دشمنوں کی عزت افزائی ہوئی تھی۔ پانچ سالوں میں اس نے پچیس ہزار افراد کے سر قلم کئے' زیادہ تر کے سر اس نے اپنے ہاتھ سے کاٹے تھے۔ جب علما نے دبی زبان اس ظلم وستم پر تنقید کی تو اس نے مفتی اعظم کو پھانسی پر چڑھادیا۔ ایک بار وہ ایشیائی مقبوضات کے دورے پر نکلا تو راستے میں جہاں کسی قصبے یا گاؤں میں بدنظمی پائی یا سڑک خراب دیکھی وہاں کے ذمہ دار ملازموں اور دوسرے لوگوں کو قتل کرتا گیا۔ یوں پورا ملک قبرستان کا نقشہ پیش کرنے لگا اور لوگوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ اگرچہ یہ سختیاں ظالمانہ تھیں تاہم سلطنتِ عثمانیہ میں جو طوائف الملوکی پھیلنے لگی تھی وہ کسی حد تک رک گئی۔ پھر بھی اس خونریزی اور بربریت کا کوئی اخلاقی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف وہ لوگوں کو شراب خوری پر سزائیں دیتا تھا دوسری طرف خود شراب' افیون اور عیاشی کا دلدادہ تھا' اس کی موت بھی ایک خاص محفل میں بہت زیادہ شراب پینے سے ہوئی۔ وہ اسقدر ظالم تھا کہ مرنے سے پہلے اپنے واحد بھائی ابراھیم کے قتل کا حکم دیا' اُسے بتایا گیا کہ ابراھیم مر گیا ہے' تب اُس نے بھائی کی مردہ نعش دیکھنے کی خواہش کی' وہ کوشش کر کے بستر سے اٹھا مگر فوراُ دم توڑ دیا' ابراھیم کی موت کی خبر جھوٹ تھی کیونکہ اسکی والدہ نے اُسے چھپالیا تھا۔

بطور سلطان ابراھیم کے اندر اپنے پیش رو کی تمام برائیاں (ظلم وستم) موجود تھیں لیکن خوبی ایک بھی نہ تھی۔ بقول ایک مورخ: "وہ ایک غیر ذمہ دار' نفس پرست' متلون مزاج' کردار میں بے ضمیر اور فطرت میں کنجوس شخص تھا' حرم کی عورتیں' فضول قسم کی خواہشیں اور آرزوئیں اس پر چھائی تھیں" اس کے حکم پر شہر کے تمام حماموں کو چھان مارا گیا تاکہ اسکی عشرت طلبی کی تسکین کے لئے حسینائیں ڈھونڈی جائیں۔ اسکی

Marfat.com

منظور نظر عورتوں کو اذنِ عام تھا کہ وہ شہر میں زیورات وجواہرات کی جو دکان چاہیں لوٹ کر لے جائیں ادائیگی سرکاری خزانے سے ھو جائیگی' اس مقصد کے لئے بعض دکانیں صرف رات کو کھولی جاتی تھیں' سلطان کی ایک بہت ھی خاص اور چہیتی داشتہ نے خواہش کی کہ وہ سلطان کی ریش (داڑھی) کو جواہرات میں مزین دیکھنا چاھتی ہے' بادشاہ اسکی خواہش پوری کرتے ھوئے جواہرات سے سجی داڑھی کے ساتھ باہر نکلا' ایک اور منظور نظر عورت کے لئے قیمتی پتھروں سے جڑی ھوئی رتھ تیار کی گئی جس پر بہت زیادہ خرچ آیا' بادشاہ کو خوشبوؤں اور عطریات کی طلب پاگل بنائے رکھتی' اس کے لئے اس نے رعایا پر ایک نیا ٹیکس عاید کیا جو عنبر ٹیکس کہلاتا تھا۔ بالآخر علما اور عوام اس عیاش بادشاہ کی زیادتیوں سے تنگ آگئے اور اس سے تخت و تاج چھوڑنے کا مطالبہ کیا' عُلما نے فتویٰ جاری کیا کہ چونکہ بادشاہ نے عیاشیوں پر کمر باندھ رکھی ہے اور لہو لعب پر خزانہ ضائع کر دیا ہے' اس لئے وہ حکمرانی کا اہل نہیں رہا' بادشاہ نے سبکدوش ھونے کی بجائے فوج کے ایک حصے کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کی' لیکن یہ کوشش ناکام رہی' اُسے گرفتار کر لیا گیا اور پھانسی دیدی گئی' بادشاہ کشی کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔

عثمانی سلطنت کے اندرونی حالات اور انتشار کی کیفیت یورپی طاقتوں سے پوشیدہ نہ تھی' اس لئے اب اس سلطنت کا کوئی دبدبہ باقی نہیں رہا تھا' ابراھیم کے بعد اس کا کم سن لڑکا سلطان محمد چہارم جانشین ہوا' اس لئے انتشار اور محلاتی کشمکش برقرار رہی' سلطان کی مائیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں' حرم سازشوں کا اکھاڑہ تھا۔ سمندروں پر ترکوں کا غلبہ ختم ہو چکا تھا اور یورپی طاقتیں چھا رہی تھیں' نئے بادشاہ کو کھیل کود اور شکار کا بڑا شوق تھا' اس نے بے شمار شکاری کتے اور باز پال رکھے تھے' حکومتی معاملات وزیراعظم چلا رہا تھا۔ اس وزیراعظم کی جگہ بادشاہ نے اپنا داماد وزیراعظم مقرر کیا جس کا نام کارا مصطفیٰ (سیاہ مصطفیٰ) تھا' یہ شخص بے حد عیاش تھا' اسکے حرم میں پندرہ سو کنیزیں' پندرہ سو داشتائیں اور سات سو خواجہ سرا تھے جو

Marfat.com

ان تین ہزار عورتوں کی نگرانی کرتے تھے۔ جب بادشاہ اور وزیر اعظم دونوں عیاش اور فضول خرچ ہوں تو سلطنت کا انجام برا ہی ہونا تھا' چنانچہ روسیوں نے یوکرائن جیسا زرخیز صوبہ چھین لیا' وی آنا کے مقام پر پولینڈ کی چھوٹی سی فوج نے ٹڈی دل ترک لشکر کو عبرت ناک شکست دی' عثمانی لشکر حضور پاکؐ کے علم (تبرک) کے سوا سب کچھ میدان میں چھوڑ کر فرار ہو گیا' تاریخ میں پہلی بار وینس کی ریاست نے عثمانیوں کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کر دیا' آسٹریا نے کروشیا کا صوبہ عثمانیوں سے چھین لیا' ہنگری اور ٹرانسلونیا بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ سلطان محمد چہارم نے طویل عرصہ تک حکومت کی' اسکے بعد سلطان سلیمان ثانی' سلطان احمد ثانی اور سلطان مصطفیٰ ثانی تھوڑی مدت کے لئے تخت نشین ہوئے' یہ تمام نااہل بادشاہ تھے' سلطان مصطفیٰ ثانی کے زمانے میں معاہدہ کارلووٹز ہوا اور سلطنتِ عثمانیہ کی بچی کھچی ساکھ اس معاہدے نے ختم کر دی۔ اب عثمانی بادشاہ امن کے گداگر بن گئے تھے۔ وہ تحفظ کے لئے یورپی طاقتوں کے محتاج تھے۔ سلطان احمد سوم ستائیس سال تک حکمران رہا' اسکے عرصۂ حکومت (1703ء تا 1730ء) میں بھی سلطنت عثمانیہ پسپائی کے راستے پر چلتی رہی۔ 1718ء کے پاسر وٹز معاہدہ کے تحت سلطنت عثمانیہ نے امن کی قیمت کے طور پر ہنگری کا باقی ماندہ علاقہ 'بلغراد سمندریا' ولاچیا اور بوسنیا وغیرہ یورپی طاقتوں کے حوالے کر دیئے۔ سلطان احمد سوم اپنی عیاشیوں اور تفریح کے لئے ہر قیمت پر مصالحت اور امن چاہتا تھا' اس نے تفریح کے نئے طریقے ایجاد کئے' مختلف سمندری ساحلوں پر بادشاہی تفریح گاہیں تعمیر کیں اور عیش و عشرت کے چھوٹے چھوٹے شہر بنائے' عیاشیوں اور تفریحوں کے نئے فیشنوں کی درآمد کے لئے سلطان کے کارندے پیرس اور دوسرے یورپی شہروں میں گھومتے رہتے تھے۔ بادشاہ کا وزیر اعظم اور داماد ابراہیم بھی خوبصورت چیزوں کا دلدادہ تھا۔ فضول خرچیوں کی یہ حالت تھی کہ بادشاہ کے بیٹوں کے ختنے کے موقع پر پوری سلطنت میں جشن منانے کا حکم ہوا۔ دربار میں دو ہزار تنخواہ دار گوّیے' پندرہ سو مسخرے اور

Marfat.com

نقال' بے شمار پہلوان' باورچی' شعبدہ باز اور کرتب باز تھے۔ ایک شادی کے جشن کے موقع پر پانچ گز لمبا اور چار گز چوڑا ایک ایسا باغ بنایا گیا جس میں تمام پھل پھول اور درخت مٹھائیوں سے بنے تھے۔ بالآخر رعیت اور جانثاری سپاہ (ینی چری) بادشاہ کی عیش طلبیوں اور امن پسندی سے تنگ آگئی اور بغاوت کر دی' بادشاہ' زندگی کی ضمانت پر دستبردار ہو کر قید تنہائی میں جا بیٹھا اور اسکی جگہ تخت پر قید تنہائی میں پرورش پانے والا شہزادہ محمود اول بیٹھ گیا' یہ بادشاہ محض برائے نام تھا اس نے یورپ کی نئی ابھرتی ہوئی طاقتوں کی باہمی کشمکش میں غیر جانبدار رہنے پر اصرار کیا جو درحقیقت سلطنتِ عثمانیہ کی ناتوانی کی دلیل تھی۔ محمود اول کی چوبیس سالہ حکومت میں سلطنتِ عثمانیہ نے مزید پسپائی اختیار کی۔ 1754ء میں اسکے انتقال پر اسکے بھائی عثمان سوم کو شاہی قفس سے باہر لا کر تخت نشین کیا گیا' یہ بادشاہ قید میں طویل عرصہ گزارنے سے قریباً کبڑا ہو چکا تھا اور امور مملکت اسکے وزیر اعظم رجب پاشا کے سپرد رہے' ویسے بھی اسکا عرصہ حکومت صرف تین سال تھا۔ اس کے بعد سلطان مصطفےٰ سوم (1757ء تا 1774ء) نے خلافت سنبھالی۔ یہ بادشاہ ترقی پسند اور ذہین تھا لیکن حالات اس قدر ابتر ہو چکے تھے کہ کوئی اقدام موثر نہ ہو سکا۔ روسیوں نے مالدیویا' ولاچیا۔ حتیٰ کہ مسلمان صوبہ کریمیا' عثمانیوں سے چھین لیا اور یونان کو خود مختاری دلوانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلطان مصطفےٰ سوم کا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ مستحکم کردار نہیں رکھتا تھا اور سیاسی بصیرت سے بھی خالی تھا۔

سلطان مصطفےٰ کی وفات پر اسکا بھائی روایتی پنجرے سے نکل کر تخت نشین ہوا' یہ تھا سلطان عبدالحمید اوّل جو تینتس برس تک پنجرے میں رہ کر اپنی توانیاں کھو چکا تھا' لیکن تخت پر بیٹھ کر یہ کمال کر دکھایا کہ سلطنت کو فائدہ ہو یا نہ ہو ایام اقتدار میں بائیس بچے پیدا کیے جو ماسوائے محمود دوم کے سب کے سب مر گئے' یہ محمود ایک فرنچ دوشیزہ ایمی سے تھا جو اسکے باپ کے حرم میں بھی بہت منظور نظر لیڈی تھی۔ پندرہ سالہ دورِ حکومت میں

Marfat.com

سلطان عبدالحمید اول کی دلچسپیوں کا محور حرم ہی رہا جبکہ سلطنت وزیروں کے سہارے چلتی رہی اور عثمانیوں کو نت نئے صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ سلطان سلیم سوم 1789ء میں تخت نشین ہوا' یہ سال انقلاب فرانس کا سال بھی تھا۔ سلطان سلیم سوم کے زمانے تک سلطنتِ عثمانیہ کے بڑے مقبوضات بدستور موجود تھے تاہم جمود کی حالت تھی۔ اس زمانے کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مورخ سٹیفورڈ جے شا لکھتا ہے: ''عہدوں کو بیچا جا رہا تھا اقربا پروری کا دور دورہ تھا' رشوت علانیہ چلتی تھی۔ حکمران طبقہ اس گمان میں گم تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کی برتری کا خیال دشمن کو ادھر آنے سے روکے گا' افراطِ زر' طاعون کی وبا' خوراک کی کمی' پر ہجوم شہر' بے روزگاری' ڈاکو راج' اور سرکش امیروں کی سازشیں پوری سلطنت میں پھیلی تھیں جبکہ مصر' شام' عراق اور شمالی افریقہ میں مقامی فوجی سپہ سالار خود مختار حکمران بن بیٹھے تھے''۔ سلطان سلیم کے اندر کردار کی زبردست کمزوریاں موجود تھیں' لیکن پھر بھی اس نے سلطنت میں یورپی کلچر کو نمونہ بنا کر بعض سماجی اور فوجی اصلاحات رائج کرنے کی کوشش کی' اِس دوران پنولین بوناپارٹ نے مشرق میں عثمانی سلطنت کے بعض علاقوں (مصر وغیرہ) پر قبضہ کر لیا اور سلطان کو توازن و تحفظ کے لئے انگلستان کی طرف دیکھنا پڑا' انگلستان نے پنولین اور فرانس کے خطرہ کا خوف دلا کر سلطان سے بحیرہ احمر' عدن' اومان اور بحیرہ روم کے بعض جزائر پر عملداری کی اجازت حاصل کر لی' اس طرح یہ علاقے کسی لڑائی بھڑائی کے بغیر برطانوی نو آبادی بن گئے۔ علماء اور ''جانثاری'' سپاہیوں نے سلطان کی مغرب پسندی اور ''نظامِ جدید'' پر تنقید کی' ایک بغاوت کے نتیجے میں سلطان سلیم سوم کو معزول کر کے پنجرے میں داخل کر دیا گیا اور وہاں سے سلطان مصطفےٰ چہارم کو لا کر بادشاہ بنایا گیا۔ چند روز بعد سلطان مصطفےٰ کے خلاف بھی بغاوت ہوئی اور سلطان سلیم کو واپس لانے کی کوشش کی گئی' لیکن اس جدوجہد کے دوران معزول سلطان سلیم قتل ہوا اور نیا بادشاہ سلطان محمود دوم بن گیا' گویا عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ سلطان محمود کا دور نسبتاً طویل

Marfat.com

تھا' یہ بادشاہ لاولد تھا اور شاید اسی لئے روسی زار کو خیال ہوا کہ اسکے بعد عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہے اور اس نے علاقائی مطالبات کے ساتھ ساتھ سلطنت عثمانیہ میں موجود عیسائیوں کے حق میں مداخلت کا حق مانگ لیا۔ سربیا بالکل آزاد ہو گیا' یونان کو بھی کامل خود مختاری مل گئی' روسی سرحدیں عثمانی سلطنت کے کافی اندر تک آ گئیں۔ بیرونی محاذ پر تو سلطان محمود نے کوئی کامیابی حاصل نہ کی البتہ جانثاری فوج (ینی چری) کو اپنی مجوزہ اصلاحات کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے باقاعدہ فوج اور توپ خانے اور اندرونی سازش کے ذریعے بالکل تباہ کر دیا' اس کے ہزاروں افراد کو اچانک حملے میں قتل کر دیا گیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا' علما کا مقام کم کرنے اور انہیں بے اثر بنانے کے لئے مفتی اعظم کو شعبہ مذہبی امور کا انچارج بنا دیا گیا جو بادشاہ کے ماتحت تھا' فوج میں اصلاحات کے لئے جرمن ماہرین کو بلایا گیا (ترکی فوج میں جرمن عنصر کی روایت اسی دور سے شروع ہوئی) اور وزیراعظم کا عہدہ ختم کر کے کئی وزرا مقرر کر دیئے گئے' اس طرح بادشاہ نے زیادہ سے زیادہ اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کر لئے' یہ پہلا عثمانی سلطان تھا جس نے مغربی لباس' پتلون اور کوٹ پہنا۔ سلطان محمود دوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دورِ زوال کا بڑا بادشاہ تھا لیکن سلطنت چھوٹی ہو چکی تھی۔

سلطان محمود دوم کا انتقال 1839ء میں ہوا' اب سلطنتِ عثمانیہ اپنے سیاہ ترین دور میں داخل ہو چکی تھی۔ اسکے بعد صرف تین قابلِ ذکر بادشاہ ہوئے اور سلطنت عثمانیہ کا چراغ گل ہو گیا: سلطان عبدالمجید (1839ء تا 1861ء) سلطان عبدالعزیز (1861ء تا 1867ء) اور سلطان عبدالحمید دوم (1867ء تا 1904ء) سلطان عبدالمجید ایک بے عمل اور انفعالیت پسند حکمران تھا' اسکے دور میں عثمانی سلطنت روس اور برطانیہ کے رحم و کرم پر رہی' جنگ کریمیا میں جو ظاہری فتح ہوئی وہ برطانیہ اور فرانس کی مدد کا نتیجہ تھی' تاہم شیخ الاسلام نے جہاد کا فتویٰ بھی دیا تھا۔ سلطنت عثمانیہ نوجوان بادشاہ کی فضول خرچیوں اور عیاشیوں کے نتیجے میں دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئی' سلطان عبدالمجید

Marfat.com

کا جانشین عبدالعزیز ایک تو کم پڑھا لکھا' نا تجربہ کار اور غیر مستقل مزاج تھا دوسرے اپنے بھائی عبدالمجید سے بڑھکر عیاش تھا' تخت نشین ہونے کے بعد اسنے اپنے بھائی کے حرم کی بہت سی حسیناؤں کو سبکدوش کر کے آزاد کر دیا لیکن ساتھ ہی اپنے شوق نشاط کی تسکین کے لئے بے شمار نئی دوشیزائیں حرم میں داخل کیں' اِن کی تعداد کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف اُن کی دیکھ بھال کیلئے تین ہزار خواجہ سرا (حبشی غلام) ملازم رکھے گئے تھے' ایک طرف خزانہ خالی تھا' قرض پہ قرض لئے جا رہے تھے دوسری طرف بادشاہ نئی سے نئی دوشیزہ ڈھونڈ رہا تھا' وہ پہلا عثمانی سلطان تھا جس نے سلطنت سے باہر قدم نکالا اور پیرس اور لندن کا دورہ کیا جس کا بڑا مقصد تفریح اور عیش تھا' واپس آکر اِن جدید انداز کی عشرتوں کو اپنے ہاں رائج کرنے کی کوشش کی اور بے اندازہ دولت خرچ کر ڈالی' تکبر اور خود پسندی کا یہ حال تھا کہ اسکی دماغی تندرستی پر شبہ ہوتا تھا' وزراء کے لئے حکم تھا کہ وہ اسکے سامنے زمین پر لیٹ جائیں اور اسکے بیٹے کے پاؤں چومیں اگر کسی سرکاری افسر کا نام عبدالعزیز ہوتا تو اُسے کاغذوں پر اپنے نام کے دستخط کی اجازت نہ تھی' ایک وقت میں بہت زیادہ کھانا کھاتا' خصو انڈوں کی کثیر مقدار کھاتا تھا اور مرغوں کی لڑائی کے تماشے سے محظوظ ہوتا تھا' اور اس سلسلے میں اس نے کافی لڑاکا مرغ پال رکھے تھے' ایک طرف یہ عیاشیاں' شاہ خرچیاں اور کھیل تماشے تھے' دوسری طرف ملک میں شدید قحط پڑ گیا اور حکومتِ عثمانیہ نے علان کیا کہ وہ اپنے قرض خواہوں کو سود کی صرف آدھی قسطیں ادا کر سکتی ہے۔ اس اعلان سے عثمانی سلطنت کی ساکھ بری طرح تباہ ہو گئی۔ اندرونِ ملک بغاوتیں پھوٹ پڑیں' خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ 1876ء میں ہزاروں مذہبی طلبا نے باب عالی (حکومت کا ہیڈ کوارٹر) کے سامنے جمع ہو کر حکومت کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ مفتی اعظم کا فتویٰ آیا کہ سلطان کی ذہنی حالت اس قابل نہیں کہ وہ امیر المومنین کہلوا سکے' چنانچہ اُسے دستبردار ہونا پڑا۔ اس کا جانشین سلطان مراد پنجم صرف چند ماہ حکمران رہا' کثرت شراب نوشی اور عیاشی سے سلطان مراد کا اعصابی نظام مفلوج

Marfat.com

ہو چکا تھا اور ڈاکٹروں کے مشورے پر اُسے ہٹا دیا گیا۔ اب آخری حقیقی سلطان، عبدالحمید دوم کی باری آئی۔ سلطان عبدالحمید کے اقتدار سے پہلے روس، سلطنت کا مزید حصہ ہڑپ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا، بلغاریہ خود مختار ہو چکا تھا۔ یورپ میں عثمانیوں کا اقتدار بلقان کے ایک چھوٹے سے خطے تک محدود ہو چکا تھا۔ 1878ء کی جنگ میں روس نے عثمانیوں کو شرمناک شکست دی۔ مشرقی علاقوں میں مغرب سلطنتِ عثمانیہ کا وارث بنا اور کچھ غیروں کی عیاری اور کچھ اپنی غداری کی بدولت یہ علاقے پکے پھل کی طرح یورپی نوآبادیاتی طاقتوں کی گود میں گرتے چلے گئے۔ آخری سلطان، عبدالحمید دوم کی شہرت ملی جلی سی تھی، بعض لوگوں کے نزدیک وہ ایک اچھا منتظم تھا لیکن حالات سازگار نہ تھے، تاہم اِسی خلیفہ نے اپنے وزیراعظم مدحت پاشا کو پھانسی پر چڑھایا اور سیاسی اصلاحات اور جمہوریت کے لئے آواز اٹھانے والوں کو کچلنے کے لئے بدترین حربے استعمال کئے، ملک بھر میں جاسوسی کا جال اس طرح پھیلایا کہ ہر شخص دوسرے پر شک کرتا تھا کہ کہیں وہ سرکاری گماشتہ نہ ہو۔ اس کا بتیس سالہ دور خوفناک پھانسیوں، قتل و غارت، مکمل اقتصادی تباہی، سیاسی تنہائی، اور غداریوں کا دور تھا اور رعیت کے لئے ایک ڈراؤنا خواب۔ انگریز وزیراعظم گلیڈ سٹون نے اُسے "ناقابلِ ذکر ترک" کا لقب دیا تھا جو زبانوں پر چڑھ گیا۔ اسکے دور میں بچے کھچے مقبوضات کی حفاظت کے لئے سالانہ 75 ہزار ترک نوجوان ذبح ہوتے رہے پھر بھی یہ سب علاقے ہاتھ سے جاتے رہے کیونکہ نظام میں دراڑیں پڑ چکی تھیں، سلطان نے ریاکاری کا پالیسی اپنا رکھی تھی، دُنیا کو دکھانے کے لئے اصلاحات کی باتیں لیکن عملاً اس نے جمہوریت کی ہر تحریک کو خون خرابے سے کچلنے کی کوشش کی، اسمبلیاں منتخب ہوتیں اور تحلیل ہو جاتیں۔ بالآخر جمہوریت پسندوں نے سلطان کو دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ برصغیر میں عام خیال یہ تھا کہ انگریز عثمانی خلافت کے خاتمہ کا ذمہ دار ہے، غالباً اس لئے کہ جنگ عظیم اول میں ترکی (جب ابھی خلافت کا سرکاری طور پر خاتمہ نہیں ہوا تھا مگر عملاً معطل تھی) اور برطانیہ ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے اور

Marfat.com

سلطنت کے باقی ماندہ مقبوضات برطانوی اقدامات اور سازشوں کے پس منظر میں سلطنت سے الگ ہوئے، لیکن یہ خارجی اسباب تھے۔

حقیقی اسباب وہی تھے پہلے جن کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ سلاطین نے وہ مقاصد ہی فراموش کر دیئے تھے جو اس سلطنت کی بنیاد بنے تھے اور جن کے پیش نظر ابتدائی سلاطین کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی مسلمان سرزمین پر قبضہ کرنے کی بجائے مغرب کے اُن علاقوں کا رخ کیا جائے جہاں اسلام کی روشنی پہلے نہیں پہنچی تھی۔ جب کوئی حکمران خدا سے ڈرنا چھوڑ دیتا ہے تو پھر مخلوق سے ڈرتا ہے' سلطان عبدالحمید دوم کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے اردگرد ہر شخص کو اپنا دشمن سمجھتا تھا' کسی پر اعتماد نہ تھا' رات کو نیند نہیں آتی تھی' ہر روز پھانسیاں دیتا تھا' دارالحکومت کے ہر گھر اور ہر دفتر میں اسکے جاسوس تھے پھر بھی اطمینان نہ تھا' فضول خرچی کی یہ انتہا کہ ایک بار کسی ماہر طیور کو یورپ سے محل کے پالتو پرندوں کی دیکھ بھال کے لئے بھاری (روزانہ) فیس پر بلایا گیا لیکن مہینوں تک اُسے یہ نہ بتایا گیا کہ کیا کام کرنا ہے' کئی ماہ بعد اُسے ایک پالتو شیر کا معائنہ کرنے کی زحمت دی گئی' حالانکہ وہ پرندوں کا ماہر تھا۔ حرم کی طرف سے پہلے کی طرح سیاسی امور میں مداخلت جاری رہی۔ سلطنت کے زوال میں خلیفہ کے انتخاب کے ظالمانہ طریقے کا بہت دخل تھا' جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تخت پر موجود ہر بادشاہ اپنے بھائیوں یا بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد نامزد کرتا اور اس نامزدگی میں حرم کی بے شمار خواتین بہت موثر کردار ادا کرتیں' یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو کر ہر ولی عہد یا مستقل کا بادشاہ زیادہ بااثر بیگمات یا کنیزوں کا انتخاب ہوتا تھا' اگر قسمت سے کوئی ولی عہد اچھا نکل آتا تو خیر ورنہ جس طرح مقفل پنجرے (بند کمرہ جس پر ہر وقت پہرہ ہوتا) میں زندگی کے بیس تیس سال کسی قسم کی سرگرمی' تازہ ہوا اور دنیا کے حالات سے لاتعلق رہ کر گزارے ہوں' وہاں اگر کسی بادشاہ کا بنیادی شعور ہی سلامت رہ جائے تو ایک معجزہ تصور کرنا چاہیئے' لہٰذا عثمانی خلافت ایک جوا بن کر رہ گئی تھی۔ لارڈ کن راس نے سلطان عبدالحمید کی دستبرداری اور

Marfat.com

خاتمۂ خلافت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے: "متفقہ قرار داد کے بعد پارلیمان کا ایک کمیشن سلطان سے ملاقات کرنے پہنچا' وہ محل کے ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے جہاں اسکے متعدد سیکرٹریوں اور تیس خواجہ سراؤں کا قبضہ تھا' عین اُس وقت سلطان عبدالحمید ایک پردے کے پیچھے سے برآمد ہوئے' اُن کا بارہ سالہ لڑکا ساتھ تھا۔ وفد کے قائد نے تسلیمات کی بجاآوری کے بعد ادب کے ساتھ سلطان کو مخاطب کیا اور ایک فتویٰ پڑھ کر سنایا جس کے مطابق اُسے متفقہ اور قانونی طور پر معزول کر دیا گیا تھا۔ سلطان نے وقار کے ساتھ جواب دیا: یہ قسمت کی بات ہے!" سلطان کی درخواست پر اسکی زندگی کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تاہم اُسے دارالحکومت سے باہر بھیجا گیا' ایک قیدی کی طرح کڑے پہرے میں وہ استنبول کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچایا گیا جسے اس نے زندگی میں پہلے بار دیکھا۔ وہاں سے ریل گاڑی میں سوار کرا کے اُسے سالونیکا پہنچا دیا گیا جہاں ایک یہودی کا چھوٹا سا بنگلہ اسکے آخری ایام زندگی کا ٹھکانہ بننے کا منتظر تھا۔ اسکے ساتھ دو چھوٹے شہزادے اور چند چہیتی بیویاں تھیں۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ انجام آخری مغل بادشاہ کے انجام سے کسقدر مماثل تھا؟ خلافتِ عثمانیہ جسکا ڈنکا مشرق و مغرب میں بجتا تھا' جسکی سرحدیں تینوں براعظموں میں پھیلی تھیں' ختم ہو چکی تھی' 1923ء میں مصطفیٰ کمال نے ترکی کی قومی ریاست کے قیام کے بعد' خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا سرکاری اعلان کر دیا۔ کئی صدیوں سے یہ مفلوج بیمار "آکسیجن" لگے رہنے سے صرف ظاہری طور پر زندہ تھا جبکہ اسکی روح کبھی کی ختم ہو چکی تھی' جب جسمانی موت کا اعلان ہوا تو دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا' سب سے شدید صدمہ برصغیر کے مسلمانوں کو ہوا جن کا کوئی نزدیکی تعلق اس سلطنت سے نہ تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ مٹ گئی (ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ بعد میں کون ترکوں کا باپ کہلایا اور ترکی نے کیا کیا ترقیاں کیں)۔ اس کے مٹنے کا سوگ آج بھی تازہ ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟ سلطنتِ عثمانیہ کو نہیں مٹنا چاہیے تھا!

Marfat.com

سلسلۂ ادراک کی علمی اور تحقیقی کتابیں

پڑھیے پڑھائیے اور دین کا صحیح تصور عام کیجیے

ہم کیوں سیادت سے معزول ہوئے؟	قیمت: Rs. 80/-
اسلام میں تفسیر و تعبیر کا صحیح مقام	قیمت: Rs. 110/-
اسلام میں حدیث کا صحیح مقام	قیمت: Rs. 110/-
اسلام میں فقہ کا صحیح مقام	قیمت: Rs. 140/-
اسلام میں تصوف کا صحیح مقام	قیمت: Rs. 120/-
حقیقی اسلام کی بازیافت	قیمت: Rs. 200/-

کونوا ربانیین:

اسلام کی آفاقی دعوت کا ایک چشم کشا تعارف	قیمت: Rs. 100/-
علم شرعی کی شرعی حیثیت	قیمت: Rs. 80/-

ادراک زوالِ امت (کامل دو جلدوں میں)	قیمت: Rs. 700/-
کتاب العروج (مصور، رنگین)	قیمت: Rs. 400/-
اسلام: مستقبل کی بازیافت	قیمت: Rs. 60/-
اسلام: مسلم ذہن کی تشکیلِ جدید	قیمت: Rs. 160/-
پردہ مگر کس حد تک؟	قیمت: Rs. 40/-
ہندوستانی مسلمان: ایامِ گم گشتہ کے پچاس برس	قیمت: Rs. 160/-
غلبۂ اسلام اور دوسری تحریریں	قیمت: Rs. 160/-
مسلم مسئلہ کی تفہیم	قیمت: Rs. 160/-

مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے ملاحظہ کیجیے:

www.RashidShaz.com

Marfat.com

ہماری دیگر اہم مطبوعات

۱۔	ہندوستانی مسلمان: ایامِ گم گشتہ کے پچاس برس	250.00
۲۔	شکنجۂ یہود	200.00
۳۔	سیرتؐ ابن اسحاق	180.00
۴۔	مسلم سیاسی پارٹی	15.00
۵۔	ہندوستانی مسلمان: فکری اور عملی ارتداد کی زد میں	10.00
۶۔	خلافت: تمام مسائل کا حل	15.00
۷۔	اسلامی انقلاب کا طریقہ کار	10.00
۸۔	مسلم خواتین کا منشور	10.00
۹۔	غلبہ اسلام	35.00
۱۰۔	ایمانی سیاست کی راہ	8.00
۱۱۔	مسلم منشور	5.00
۱۲۔	نئے مستقبل کی تلاش	5.00
۱۳۔	The Islamic State	
۱۴۔	How the Khilafah was Destroyed	
۱۵۔	Political Thoughts	
۱۶۔	The Social System in Islam	

Address:

Milli Times Building, Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025
Tel.: +91-11-6926246
Email: militime@del3.vsnl.net.in

Marfat.com

تاریخ زوالِ امت

(تاریخ میں ملت اسلام کو پیش آنے والے خونچکاں حادثات کا عبرت آگیں تذکرہ)

مصنّف

میاں محمد افضل

ملّی پبلی کیشنز، نئی دہلی۔۲۵

Marfat.com